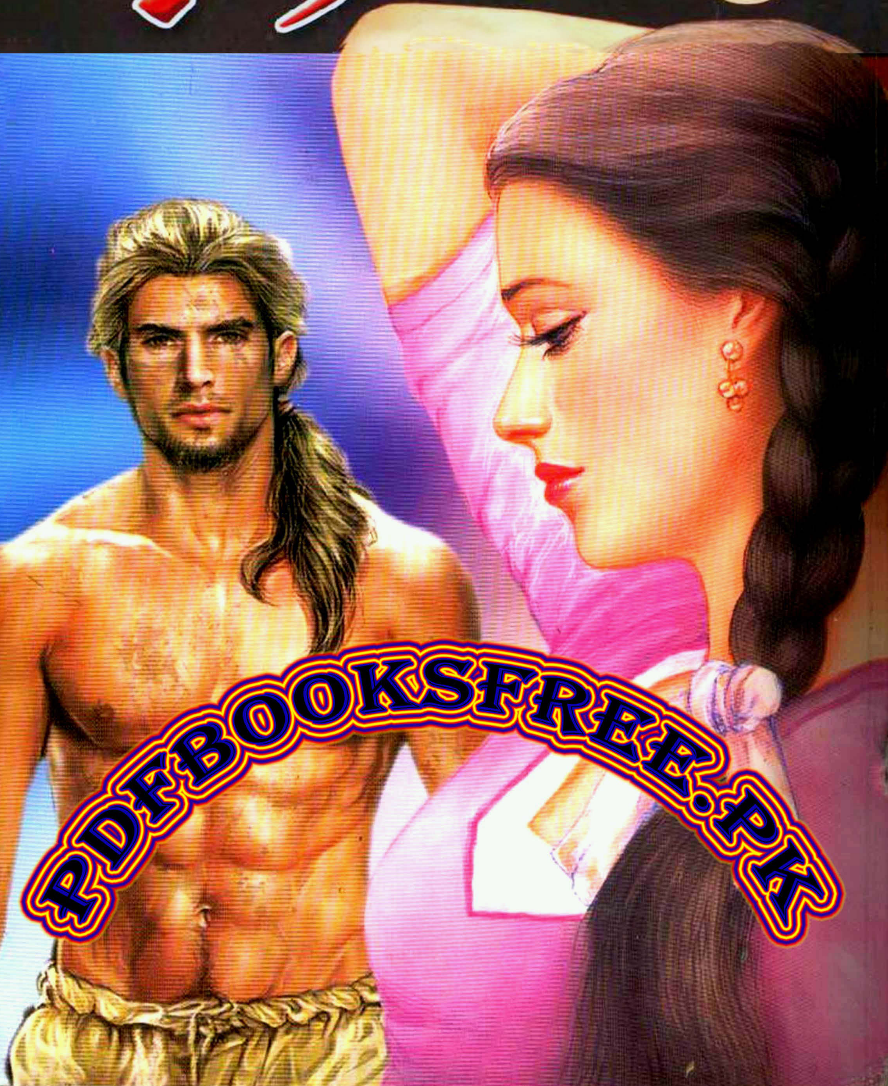
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

10



ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

سراب

دسواں حصہ

کاشف زبیر



علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247414

بار اشاعت ——— اول

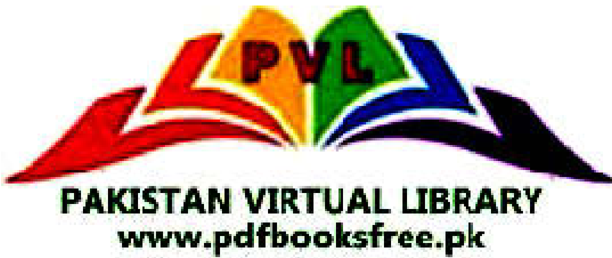
مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور

کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور

قیمت ——— 200 روپے

بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ

15 امریکی ڈالر



ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)

Azhar Enterprises

315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ

علی بک سٹال

نسبت روڈ، چوک میوہسپتال، لاہور

وہ دونوں ہاتھ پشت پر رکھے اور تن کر کھڑی تھی۔ اس کا یہ پوز نہایت قاتلانہ تھا لیکن فی الحال وہ کسی مشکل میں گرفتار نظر آرہی تھی۔ میں اٹھنے کا سوچ رہا تھا کہ اس کا اپنی پشت پر موجود بایاں ہاتھ سامنے آیا اور میں اس میں وہ خنجر دیکھ کر چونک گیا جو میرے کمرے میں ایک طرف آرائش کے طور پر لگا تھا۔ یہ یقیناً قدیم نوادر تھا اور اس وقت خادمہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے پاس آکر ہاتھ بڑھا کر میرے سینے سے کمبل ہٹا دیا۔ اس کے قاتلانہ عزائم پہلے سے اس کے چہرے پر نظر آرہے تھے لیکن میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ اس نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور اتنی تیزی سے میرے سینے پر وار کیا کہ میں بمشکل ہی بروقت اس کا ہاتھ روک سکا تھا۔ سیکنڈ کی دسویں حصے کی تاخیر میری ساری خوش فہمی ہمیشہ کے لئے دور کرنے کا باعث بن سکتی تھی جو میں اسے اناڑی اور کمزور جان کر کر رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے اس کا ہاتھ تھاما وہ کسی شیرنی کی طرح غرائی اور اس کے جسم نے بل کھایا۔ اس حرکت کی وجہ اس وقت میری سمجھ میں آئی جب دوسرا ہاتھ جو بدستور پشت پر تھا اچانک گھوم کر سامنے آیا اور ان میں دبے خنجر کی نوک میری گردن کی طرف لپک رہی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھاما تھا کیونکہ اس وار کے پیچھے اس کا وزن بھی تھا اور یہ وزن اچھا خاصا تھا۔ اگر میں ایک ہاتھ چھوڑتا تو وہ خنجر میرے سینے میں نہ بھی اتارتی تب بھی مجھے زخمی کر سکتی تھی۔ اگر میں اس کا دوسرا ہاتھ نہ روکتا تو لازمی مارا جاتا کیونکہ سینے کی نسبت گردن پر کیا جانے والا وار زیادہ مہلک ہوتا ہے۔

اب میرے پاس ایک ہی راستہ تھا میں اسے لے کر بائیں طرف گھوما وہ میرے دائیں طرف تھی اور میں نے اسے بائیں طرف اچھالنے کی کوشش کی لیکن اس نے میری حرکت بھانپ لی اور اپنا وزن یک دم مجھ پر گرا دیا۔ اس کی کوشش تھی کہ مجھ سے اتنے پاس رہے کہ خنجر سے مجھے نقصان پہنچا سکے اور میری کوشش تھی کہ میں اسے اتنا دور کر دوں کہ وہ خنجر سے کوئی مہلک وار نہ کر سکے۔ میری حرکت کی وجہ سے ہم دونوں ہی جزوی طور پر کامیاب رہے، میں اسے دور کرنے میں کامیاب رہا اور اس نے دائیں ہاتھ والا خنجر میرے بائیں بازو پر مارا۔ میں نے بمشکل وار بچایا اور تڑپ کر اسے دور اچھال دیا یہ یوں آسان ہوا کہ وہ مجھ پر سوار تھی۔ وہ اچھلی اور بستر سے نیچے جا گری۔

اس کے گرتے ہی میں تیزی سے حرکت میں آیا۔ میں اپنی طرف سے بستر سے نیچے اتر آیا۔ اس دوران میں وہ دوبارہ کھڑی ہو کر میری طرف جھپٹی تھی۔ اس کا انداز نہایت وحشیانہ اور ڈرانے والا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا

یہ وہی حسین اور معصوم نظر آنے والی لڑکی ہے جسے دیکھ کر کسی مرد کی دل کی دھڑکن تو تیز ہو سکتی تھی لیکن اسے دیکھ کر موت کا خیال نہیں آتا تھا۔ اس وقت وہ سراپا موت بنی ہوئی تھی اور میرے ذہن میں اگر کہیں اس کی جسمانی دلکشی کا خیال تھا تو وہ اب غائب ہو چکا تھا اور میں اس سے نمٹنے کے لیے پوری طرح مستعد تھا۔ جیسے ہی وہ پاس آئی اور اس نے مہارت سے خنجر لہرا کر مجھے مضروب کرنے کی کوشش کی میں یک دم سلپ ہوا اور پاؤں اس کے پیروں پر مارا۔ وہ لڑکھڑا کر بری طرح گری اور اس کا ایک خنجر خود اس کی ران میں اتر گیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا لیکن اس کے لیے بہت تھا۔ میں نے عقب سے لات مار کر دوسرے ہاتھ کا خنجر اُڑا دیا۔

اپنا ہی خون دیکھ کر اس کی وحشت ختم ہو گئی تھی اور اس کی جگہ خوف نے لے لی تھی۔ وہ رو رہی تھی اور چیخ رہی تھی۔ شاید اس کی چیخ باہر پہنچی تھی کیونکہ فوراً ہی دھڑام سے دروازہ کھلا اور مجھے ایک اجنبی مرد نظر آیا اس نے محل کے محافظوں والا لباس پہن رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں خودکار رائفل تھی۔ پہلے میں سمجھا کہ وہ میری مدد کے لیے آیا اور میں فرش سے اٹھنے والا تھا کہ میں نے رائفل کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھا اور میں دوبارہ فرش پر گرا۔ اس سے پہلے وہ رائفل کا رخ میری طرف کرتا میں نے خادمہ کو عقب سے پکڑ کر اپنے اوپر کھینچ لیا اور اس کی ران میں اترا خنجر کھینچ کر اس کی گردن سے لگا دیا۔ زخم کھا کر اس کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ میں نے اونچی آواز میں کہا۔

''خبردار...... اگر گولی چلائی تو پہلے یہ مرے گی۔''

خادمہ نے چلا کر مقامی زبان میں کچھ کہا تو محافظ تذبذب میں نظر آنے لگا۔ خادمہ نے یقیناً اس سے جان بچانے کو کہا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ خادمہ مسلسل کچھ کہہ رہی تھی۔ یہ زبان میری سمجھ سے باہر تھی اس لیے میں نے اس کا منہ دبا دیا اور محافظ سے کہا۔ ''تم اردو یا پشتو سمجھتے ہو؟'' یہ جملہ میں نے اردو اور پشتو دونوں زبانوں میں کہا تو اس نے سر ہلایا اور پشتو میں بولا۔

''اسے چھوڑ دو تم نے اس کی ساتھ زیادتی کی ہے۔''

''بکواس...... میں سو رہا تھا اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی ہے اور تم اس کے ساتھ ہو۔'' میں نے خنجر خادمہ کی گردن میں ذرا سا چبھویا تو خون نکل آیا تھا۔ وہ تڑپی تھی لیکن میری گرفت سے نہیں نکل سکتی تھی۔ منہ دبا ہونے کی وجہ سے چیخ بھی نہیں سکتی تھی۔ ''فوراً محل کے دوسرے محافظوں اور بیگ کو بلاؤ۔''

محافظ کے چہرے پر تذبذب کے آثار نظر آنے لگے۔ خادمہ اس کے لیے اہم تھی لیکن اس کی اپنی ذات اس کے لیے اہم تر تھی۔ اگر وہ اسے بچانے کے چکر میں پڑتا تو خود مارا جاتا۔ وقت بھی نہیں تھا کیونکہ یہاں ہونے والے شور و ہنگامے کی آوازیں کہیں اور بھی سنی جا سکتی تھیں۔ دوسرے محافظ آ جاتے تو وہ پکڑا جاتا۔ اس لیے اس نے اچانک فیصلہ کیا اور رائفل کا رخ ہماری طرف کر دیا۔ وہ میرے ساتھ خادمہ کو بھی قتل کرنے جا رہا تھا۔ میں غور سے اسے دیکھ رہا تھا اس لیے جیسے ہی وہ حرکت میں آیا اس سے پہلے میں حرکت میں آ گیا اور میں نے خادمہ کو اس کی طرف اچھال دیا۔ ساتھ ہی میں رول ہوا اور اس جگہ سے ہٹ گیا جہاں ایک لمحے پہلے تھا۔ محافظ نے جسے اب قاتل کہنا زیادہ بہتر تھا برسٹ مارا تھا اور خادمہ تو ہوا میں چھلنی ہو گئی تھی۔ وہ زمین پر گری تو لاش کے سوا کچھ نہیں تھی۔ کچھ گولیاں اس سے بچ کر قالین پر اس جگہ لگیں جہاں ایک لمحے پہلے میں تھا۔ خادمہ کی لاش نے ایک لمحے کو قاتل کی توجہ اپنی طرف کرائی تھی اور میں نے اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے خنجر پھینک کر مارا۔

لیکن میں ماہر خنجر باز نہیں تھا جو میرا خنجر سیدھا اس کے سینے یا گردن میں اتر جاتا جیسا کہ فلموں میں دکھایا جاتا ہے۔ خنجر دستے کی طرف سے اس کے شانے سے ٹکرایا اور نیچے گر گیا۔ ظاہر ہے اسے کچھ نہیں ہوا تھا لیکن وہ خنجر سے بچنے کے لیے غیر شعوری طور پر جھکا اور اس کی توجہ چند لمحے کو میری طرف سے ہٹ گئی تھی میں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور اس بار دیوار کے ساتھ لگے ریک سے پتھر کا ایک بھاری شوپیس اٹھا کر اسے دے مارا۔ شوپیس اس کے سینے پر لگا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا تھا۔ میں نے زمین سے اٹھتے ہوئے اس کی طرف چھلانگ لگائی اور بروقت رائفل کی نال تھامتے ہوئے اس پر جا گرا تھا۔ رائفل کی نال کا رخ اوپر کی طرف تھا اور اس نے ٹریگر دبا دیا تھا۔ برسٹ چلا تو میری ہتھیلی میں جیسے آگ لگ گئی تھی کیونکہ فائر سے نال دہکنے لگتی ہے لیکن میں نے نال نہیں چھوڑی کیونکہ وہ نیچے سے اسے گھما کر میری طرف کرنے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے سرک کر ذرا جگہ بنائی اور سر کی ٹکر اس کے منہ پر رسید کی۔ اس نے بلبلا کر اپنی زبان میں کچھ فرمایا جو یقیناً میرے ہجو میں تھا۔ دوسری ٹکر نے اس کے کس بل نکال دیئے تھے اور تیسری ٹکر نے اسے عارضی طور پر بے ہوش کر دیا۔ میں نے ہانپتے ہوئے پیچھے ہٹ کر پہلے رائفل اس کے قبضے سے لی اور اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس سوائے ایک اور میگزین کے کچھ نہیں تھا یہ جدید ترین اے کے سیونٹی فور رائفل تھی۔

میں اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹا اور پھر خادمہ کو دیکھا۔ اسے سینے اور پیٹ میں کم سے کم نصف درجن گولیاں لگی تھیں اور وہ فوراً ہی مر گئی تھی۔ میری سمجھ میں یہ گورکھ دھندا نہیں آیا تھا۔ وہ اس حالت میں میرے کمرے میں کیا کر رہی تھی جب کہ اس کا لباس اس کے جسم پر نہیں تھا اور ایسا لگ رہا تھا وہ کسی کی درندگی کا شکار ہوئی ہو۔ پھر اس نے جس انتقامی انداز میں مجھے مارنے کی کوشش کی، اس سے مجھے لگا کہ دال میں بہت کچھ کالا ہے۔ یہ گارڈ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا تھا اور بالآخر وہ اسی کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔ اچانک میں چونکا اور میں نے اٹھ کر جلدی سے اندر سے دروازہ بند کر لیا کیونکہ مجھے باہر کچھ افراد کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ زیادہ لوگ اس منظر کو دیکھیں۔ دروازہ پر دستک ہوئی اور کسی نے پوچھا۔

''شہباز صاحب آپ ٹھیک ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے بلند آواز سے جواب دیا۔ ''یہاں کچھ مسئلہ ہوا ہے کوئی فوری طور پر بیگ صاحب کو بلائے۔''

''ان کو اطلاع کر دی ہے وہ آ رہے ہیں۔'' بولنے والے نے کہا اور پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ ''آپ دروازہ کھولیں جناب۔''

''نہیں جب تک بیگ صاحب نہیں آ جاتے میں دروازہ نہیں کھولوں گا اور کوئی دروازہ کے پاس بھی نہ آئے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''سب پیچھے ہٹ جائیں۔''

اس گفتگو کے دوران میں کمرے کا جائزہ بھی لے رہا تھا اور یہ انکشاف ہوا کہ خادمہ کے پھٹے اور تقریباً چیتھڑا ہو جانے والے کپڑے کمرے میں مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ اب سین کچھ ایسا لگ رہا تھا کہ رات میں نے خادمہ کو زبردستی کا نشانہ بنایا۔ جب میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تو اسے کمرے میں دیوار پر لگے خنجر اتار کر ہلاک کر دیا۔ کیونکہ میرے پاس موقع تھا اس لیے میں نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد خادمہ کا مخصوص انداز

میں جائزہ لیا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ سچ مچ زیادتی کا شکار ہوئی تھی۔ یہ کام اس کی مرضی سے ہوا یا مرضی کے بغیر لیکن ہوا ضرور تھا۔ میں نے بستر سے چادر کھینچ کر اس کے عریاں جسم پر ڈال دی۔ البتہ کمرے کی مزید کسی چیز کو ہاتھ لگانے سے گریز کیا تھا۔ حتیٰ کہ خادمہ کے کپڑے بھی وہیں پڑے رہنے دیئے جہاں وہ پڑے ہوئے تھے۔
کوئی دس منٹ بعد دروازہ پر دوبارہ دستک ہوئی اور مجھے بیگ کی آواز سنائی دی۔
''شہباز صاحب میں بیگ ہوں دروازہ کھولیں۔''
''بیگ صاحب کیا آپ کے ساتھ دوسرے محافظ موجود ہیں؟'' میں نے احتیاطاً پوچھا۔
''ہاں موجود ہیں آپ دروازہ کھولیں فائرنگ کی آواز راجا صاحب نے بھی سنی ہے اور وہ اس بارے میں فکر مند ہیں۔''
میں نے رائفل ایک طرف رکھ کر دروازہ ذرا سا کھولا اور بیگ صاحب سے کہا۔ ''ان لوگوں سے کہیں یہاں سے چلے جائیں اور صرف آپ اندر آئیں۔''
بیگ نے مڑ کر وہاں موجود چار پانچ محافظوں سے کچھ کہا اور وہ چلے گئے۔ بیگ اندر آیا تو میں نے دروازہ بند کر دیا۔ بیگ رک گیا اس نے چادر تلے خادمہ کی لاش اور بے ہوش گارڈ کو دیکھ لیا تھا جو اب ہوش میں آ گیا تھا اور کلبلا رہا تھا۔ بیگ نے خادمہ کے پھٹے کپڑے بھی دیکھ لیے تھے۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ ''یہ سب کیا ہے شہباز صاحب؟''
میں نے شانے اچکائے۔ ''سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سب میں نہیں سمجھ سکا ہوں لیکن ایک بات یقینی ہے۔ یہ لڑکی اور اس کا ساتھی مجھے ہر صورت ختم کرنا چاہتے تھے۔ اُس کوشش میں لڑکی ماری گئی اور گارڈ کو میں نے قابو کر لیا اب یہ آپ کو ساری کہانی سنائے گا۔''
''ٹھیک ہے لیکن یہاں کیا ہوا ہے؟''
میں نے بیگ کو بتایا کہ کس طرح میری آنکھ کھلی اور خادمہ کس حالت میں یہاں موجود تھی اور پھر اس نے سوتا سمجھ کر مجھے خنجروں سے قتل کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں ناکام رہی اس دوران میں گارڈ بھی اندر گھس آیا تھا اور اس نے خادمہ سے جس طرح بات کی اس سے پتا چلتا تھا کہ وہ اس کا ساتھی ہے اور رہا سہا شک اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کر کے دور کر دیا۔ میں بچ گیا لیکن خادمہ ماری گئی اور مجھے گارڈ کو قابو کرنے کا موقع مل گیا۔
بیگ غور سے سن رہا تھا اور گفتگو کے دوران اس نے چادر اٹھا کر خادمہ کی لاش کا معائنہ بھی کیا تھا۔ جیسے ہی میں نے بات مکمل کی وہ حرکت میں آ گیا اس نے مجھے بازو سے پکڑا۔
''آپ میرے ساتھ آئیں۔''
''اس کا کیا کرنا ہے؟'' میں نے تقریباً ہوش میں آ جانے والے گارڈ کی طرف اشارہ کیا تو بیگ نے اپنی جیب سے کوئی چیز نکالی اور گارڈ کی ناک سے لگائی۔ اس نے ایک جھٹکا لیا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔ میں وہ چیز نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ بیگ نے نہایت پھرتی سے اسے واپس جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس نے پھر میرا بازو پکڑا اور مجھے باہر لا کر کمرہ بند کر دیا۔ اس نے ایک محافظ کو طلب کیا اور اسے مقامی زبان میں حکم دیا۔ پھر وہ مجھے لے کر راجا صاحب والے محل کی طرف روانہ ہو گیا اور سرنگ سے گزار کر وہ مجھے ایک کمرے میں لایا جو خواب گاہ لگ رہا تھا۔

اس نے مجھ سے کہا۔ ”آپ یہاں آرام کریں اس دوران میں، مَیں معاملے کو دیکھتا ہوں۔“

”بیگ صاحب مہربانی فرما کر مجھے جلد از جلد آگاہ کریں کہ یہ کیا چکر ہے۔ اگر میں کوئی عام آدمی ہوتا تو اس وقت کمرے میں میری لاش پڑی ہوتی۔ آخر اس لڑکی نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کیوں کی؟“

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے کہا۔ ”آپ اطمینان رکھیں میں جلد از جلد آپ کو آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن پہلے مجھے تو معاملات کو سمجھنے کو موقع دیں۔“

میں نے محسوس کیا کہ میں اعصاب زدہ ہو رہا تھا میں نے گہری سانس لے کر خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی اور بولا۔ ”ٹھیک ہے بیگ صاحب آپ جا کر دیکھیں یہ کیا چکر ہے؟“



بیگ چلا گیا تو میں اندر سے دروازہ بند کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ مہمان خانے میں سوتے وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے ”ہر قسم کی خدمت“ آفر کرنے والی آدھی رات کے بعد اس حالت میں مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔ آخر اس کی مجھ سے کیا دشمنی تھی۔ میں پہلی بار اس سے ملا تھا اور مجھے نہیں یاد کہ اس علاقے میں فتح خان کے علاوہ بھی کوئی میرے خون کا پیاسا موجود تھا۔ اس واقعے نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا تھا اور مجھے دوبارہ مشکل سے نیند آئی تھی۔ اگلی بار آنکھ کھلی تو کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے بیگ کھڑا ہوا تھا اس کا حلیہ اور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ رات بھر جاگتا رہا ہے۔ اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ اس نے کہا۔

”شہباز صاحب جلدی سے تیار ہو کر آجائیں۔“

”ایک منٹ میں منہ دھولوں۔“ میں نے کہا اور اندر آ گیا۔ واش روم یہاں بھی ساتھ تھا۔ میں نے گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا بالوں میں کنگھی کی اور جوتے پہن کر بیگ کے پاس آ گیا۔ ”میں تیار ہوں۔“



بیگ مجھے لے کر روانہ ہوا اور کچھ دیر بعد ہم محل کے اس تہہ خانے میں تھے جو شاید راجا عمر دراز نے خاص کاموں کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور اس میں ایک کام اس کے مجرموں کو قید رکھنا یا ان کو سزا دینا بھی تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا جب بیگ مجھے قید خانے والے حصے میں لایا وہاں ایک چھوٹے سے سرد، تاریک اور خوفناک نظر آنے والے کمرے میں وہ گارڈ زنجیروں سے ہاتھوں کے بل لٹکا ہوا تھا جس نے خادمہ کو ہلاک کیا تھا اور وہ اس سازش میں اس کا ساتھی بھی تھا۔ اس کے ہاتھ کڑوں سے بندھے تھے اور وہ تقریباً فضا میں جھول رہا تھا۔ مجھے یہ کمرہ یاد تھا کیونکہ یہیں میں ایک بار تعذیب سے گزر چکا تھا جب راجا عمر دراز کے جلاد نے میری پشت کی کھال اتار دی تھی اور اگر حکیم قادس جیسا باکمال طبیب نہ ہوتا تو آج بھی میری پشت کی کھال تڑی مڑی اور خستہ حال ہوتی لیکن اس کی دواؤں میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ اب میری پشت کی کھال بالکل ہموار اور بے داغ ہے۔

اس وقت وہاں ایک دیو قامت جلاد موجود تھا اور یہ وہ جلاد نہیں تھا جس نے میری کھال اتاری تھی۔ وہ فتح خان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ اس کی جگہ آیا ہوگا۔ گارڈ کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ اذیت کے دور سے گزر چکا ہے۔ بیگ نے جلاد سے مقامی زبان میں کچھ پوچھا اور جواب میں اس نے ایک طرف رکھی بالٹی سے مگا بھر کر

پانی گارڈ کی پشت پر ڈال دیا اور وہ ذبح کیے جانے والے بکرے کی طرح ڈکرانے لگا۔ پھر وہ سسک سسک کر کچھ کہنے لگا۔ زبان مقامی تھی اس لیے میری سمجھ سے باہر تھی۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ بیگ اس سے بات مکمل کرلے تو مجھے بتائے۔ بیگ اس سے سوال بھی کرتا جارہا تھا اور وہ جواب دے رہا تھا۔ اس کی جرأت نہیں تھی کہ جواب دینے سے انکار کرے کیونکہ جلاد اتنے کڑے تیوروں کے ساتھ اسے گھور رہا تھا جیسے اسے موقع ملے تو وہ گارڈ کے پورے جسم کی کھال اتار کر اسے نمک مرچ لگا دے۔ اس نے ہنٹر سے اس کی پشت ادھیڑ دی تھی اور اب زخموں پر نمک و مرچ پاشی کر رہا تھا۔ بیگ کا انٹرویو کوئی بیس منٹ جاری رہا اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ ساری باتیں ایک چھوٹے سے ریکارڈر میں ریکارڈ کرتا جارہا تھا۔ انٹرویو ختم کر کے بیگ نے جلاد کو کچھ ہدایات دیں تو وہ مایوس نظر آنے لگا شاید بیگ نے گارڈ پر مزید تشدد سے روک دیا تھا پھر اس نے مجھ سے کہا۔

''آیئے جناب میرے ساتھ، میں راجا صاحب کو رپورٹ دینے جارہا ہوں آپ بھی سن لیجیے گا۔''

مجھے یقین تھا کہ اس کی ہدایت راجا عمر دراز نے دی ہوگی ورنہ بیگ کو بلاوجہ رازداری کا مرض لاحق تھا اور وہ کبھی راجا عمر دراز کو میرے سامنے رپورٹ نہ دیتا۔ کچھ دیر بعد ہم ایک بڑی نشست گاہ میں راجا عمر دراز کے سامنے تھے اس نے مجھ سے حال احوال دریافت کیا اور میں نے اس کی مزاج پُرسی کی۔ ویسے وہ کل کے مقابلے میں کہیں بہتر نظر آرہا تھا ورنہ وہ اپنی خواب گاہ کے بجائے یہاں نہ ہوتا۔ بیگ نے اس کا اشارہ پاتے ہی کہنا شروع کیا۔ ''راجا صاحب، کل رات والے واقعے کے بارے میں پکڑے جانے والے گارڈ نے انکشاف کیا ہے کہ روز بینہ شہباز صاحب سے انتقام لینا چاہتی تھی۔''

میں اور راجا عمر دراز چونک گئے میں نے کہا۔ ''کس بات کا انتقام؟ میں تو اسے جانتا تک نہیں ہوں۔''

''آپ کو یاد ہوگا، محل کی ایک خادمہ کو فتح خان نے جھوٹ بول کر اپنے جال میں پھنسا لیا تھا اور اسے باور کرایا تھا کہ اس کے باپ کو اصل میں راجا صاحب نے ذاتی انتقام کے لیے مروایا ہے۔ اس نے فتح خان کے ساتھ مل کر سازش کی اور اس وجہ سے محل میں بہت تباہی پھیلی تھی کئی لوگ مارے گئے۔ ان کے قصاص میں اس خادمہ کو سزائے موت سنائی گئی تھی۔ روز بینہ اسی خادمہ گل زمین کی چھوٹی بہن ہے۔ اس نے اپنی خالہ کے گھر پرورش پائی اور اس لیے جب یہ یہاں ملازمت کے لیے آئی تو معلوم نہیں ہوا کہ یہ گل زمین کی بہن ہے اور اسے محل میں ملازمہ رکھ لیا گیا۔ یہ انتظار میں تھی کہ شہباز صاحب آئیں تو یہ اپنا انتقام لے سکے کیونکہ وہ اپنی بہن کی موت کا ذمے دار شہباز صاحب کو سمجھتی تھی۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ایک تو لوگ نہ جانے کیوں مجھے مختلف باتوں اور واقعات کا ذمے دار سمجھ لیتے ہیں۔''

بیگ نے بات جاری رکھی۔ ''اس نے منصوبہ پہلے ہی بنا لیا تھا اور اس گارڈ کو ساتھ ملا لیا تھا۔ اس نے بخت خان کو چارہ ڈالا کہ وہ شہباز صاحب سے انتقام لینے کے بعد اس سے شادی کرلے گی۔''

''اس نے شہباز سے انتقام لینا تھا تو اس کے لیے اتنا پیچیدہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' راجا عمر دراز نے سوال کیا۔

''اپنی جان بچانے کے لیے اس نے یہ ڈرامہ تیار کیا۔ اگر وہ شہباز صاحب کو مارنے میں کامیاب ہوجاتی

تو ان پر اپنی عزت لوٹنے کا الزام لگاتی اور آپ جانتے ہیں ہمارے قانون میں عورت اپنی عزت کے مجرم کو قتل کر سکتی ہے اسے کوئی سزا نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ بچ جاتی۔''

''لیکن اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔

بیگ نے سر ہلایا۔'' گارڈ نے اس کا بھی اقرار کیا ہے۔ روز بینہ کے مجبور کرنے پر اس نے نہ صرف اس کے ساتھ زیادتی کی بلکہ اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا تا کہ آپ کا مبینہ جرم سنگین کیا جا سکے لیکن آپ کی خوش قسمتی کہ آپ کی بروقت آنکھ کھل گئی۔''

میں نے سر ہلایا۔'' ورنہ آپ روز بینہ کی بات مان کر مجھے ہی مجرم سمجھتے رہتے۔''

''نہیں وہ بے وقوف عورت تھی جو سمجھتی تھی کہ ہمیں بے وقوف بنا لے گی اس کا طبی معائنہ ہوتا اور آپ کا بھی ہوتا تو سب کھل کر سامنے آ جاتا۔ انتقام نے اسے اندھا کر دیا تھا اور وہ شاید اپنی جان کی قیمت پر بھی آپ کو مارنے کی کوشش کرتی۔''

''شکر ہے اللہ کا کہ اس نے تمہیں محفوظ رکھا۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔

''جب تک میرا وقت نہیں آئے گا مجھے کوئی نہیں مار سکتا ہے اور جب وقت آ جائے گا تو مجھے کوئی بچا نہیں سکے گا۔'' میں نے کہا۔'' ویسے آپ لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ ہنگامے کس طرح میرا پیچھا کرتے ہیں۔''

راجا عمر دراز مسکرایا۔'' ہاں شاید تمہارے وجود میں ہنگاموں کے لیے کوئی مقناطیس نصب ہے جو وہ تمہاری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔''

ایک طرف کھڑکی سے پردہ سرکا ہوا تھا اور شیشے کے باہر صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ میں نے کہا۔'' اس سے پہلے یہاں مزید کوئی ہنگامہ رُونما ہو مجھے یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔''

''بالکل جناب۔'' بیگ نے میری بات کی تائید کی۔'' نہ جانے محل کے ملازموں اور محافظوں میں کوئی اور بھی روز بینہ کے ساتھ شامل نہ ہو، ابھی تمام ملازمین اور محافظوں کی چھان بین کرنا ہو گی۔''

کچھ دیر میں ہم ناشتے کی میز پر تھے جہاں ناشتے کے لیے مخصوص بہترین لوازمات موجود تھے۔ رات والے واقعے کا اثر زائل ہونے کے بعد میں معمول پر آ گیا تھا اور مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں دل کھول کر تمام چیزوں سے استفادہ کیا۔ آخر میں خاص بلینڈ کی گرین ٹی نے ناشتے کا مزہ دوبالا کر دیا تھا۔ بیگ حسبِ معمول دست بستہ موجود تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ گارڈ کے ساتھ کیا ہو گا؟ بیگ نے بتایا۔

''اسے زنا کے جرم میں جرگے کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس کا اقرارِ جرم اسے سزا دلوانے کے لیے کافی ہو گا۔''

''کیا وہ جرگے کے سامنے بھی اپنے اقرار پر قائم رہے گا؟ وہ کہہ سکتا ہے کہ اسے تشدد کا نشانہ بنا کر اقرارِ جرم پر مجبور کیا گیا ہے۔''

''وہ انکار کر ہی نہیں سکتا۔'' بیگ مسکرایا اور اپنے لبادے سے ایک عدد چھوٹا سا ڈیجیٹل وائس ریکارڈر نکال کر اسے آن کیا تو اسپیکر سے گارڈ کی آواز آنے لگی وہ اقرارِ جرم کر رہا تھا۔ یہ وہی بیان تھا جو اس نے بیگ کے انٹرویو کے جواب میں دیا تھا۔ بیگ نے اسے سزا دلوانے کا پورا بندوبست کر رکھا تھا اور اگر یہ اقرارِ جرم نہ بھی ہوتا

تو راجا عمر دراز کا جلاد تو تھا وہ ایک منٹ میں اس کی زبان سے اقرار کروا سکتا تھا۔ گارڈ کو سزا دلوانے کے لیے کسی جرگے کی ضرورت نہیں تھی لیکن راجا عمر دراز جیسے مقامی حاکم اس قسم کی نام نہاد عدالتوں سے اپنے من مانے فیصلے حاصل کرتے ہیں اور خود محفوظ رہتے ہیں۔ صرف یہیں نہیں بلکہ اس قسم کی عدالتیں اور پنچائتیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اب تو میڈیا کے ذریعے ان نام نہاد عدالتوں کے کرتوت سامنے آنے لگے ہیں لیکن یہ ایک زمانے سے گاؤں دیہاتوں میں اپنے حاکموں کے من مانے فیصلوں پر اپنی مہر ثبت کرتی آئی ہیں۔

ناشتے کے بعد میں اور راجا عمر دراز باہر آئے جہاں محل کے اندر کسی حد تک برف صاف کر دی گئی تھی لیکن وہاں موجود سبزہ جل گیا تھا۔ پودوں کی شاخیں پتوں اور پھولوں سے عاری تھیں۔ راجا عمر دراز نے اپنے محل میں دنیا جہاں سے پھولدار پودے منگوا کر لگوائے تھے اور ان میں سے اکثر ایسے تھے جو میں نے کہیں نہیں دیکھے تھے۔ جب میں راجا کے محل کا باغ دیکھتا تو مجھے خیال آتا جب کبھی زندگی نے مجھے سکون کے لمحے بخشے اور میں نے اپنا گھر بسایا تو اس گھر میں ایسے ہی پھولوں والے پودے لگاؤں گا۔ ہماری حویلی میں بھی بہت بڑا باغ ہے جس میں بے شمار پھلدار پودوں کے ساتھ پھولدار پودے بھی لگے تھے لیکن راجا عمر درا ے پاس تو نایاب پھول والے پودے تھے۔ میں پورا لباس پہنے ہوئے تھا اور راجا عمر دراز نے ایک اوور کوٹ نما صدری پہن لی تھی جو نفیس قسم کے اون سے بنی تھی اور اس پر ہاتھ سے خوب صورت کشیدہ کاری کی گئی تھی۔



پائلٹ فراز ناشتہ کر کے آ گیا تھا اور اس وقت ہیلی کاپٹر کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ پرواز کے لیے ایندھن کی کمی اس نے محل سے پوری کر لی تھی۔ دس بجے اس نے مجھے پرواز کے لیے او کے کا اشارہ کیا اس وقت میں اور راجا عمر دراز کئی دن بعد نکلنے والی بھرپور دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہمارے درمیان عام موضوعات پر بات ہوئی تھی لیکن ہم نے وادی یا میرے دوسرے مسائل پر بات نہیں کی تھی۔ شاید راجا عمر دراز نے اس معاملے میں تقدیر یا برف والے بوڑھے کی اس بات پر انحصار کر لیا تھا کہ میں ضرور اس کے ساتھ وادی کا سفر کروں گا۔

میں پائلٹ کا اشارہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور راجا عمر دراز سے کہا۔

''راجا صاحب اب مجھے اجازت دیں۔''

راجا عمر دراز بھی کھڑا ہو گیا۔ ''ٹھیک ہے شہباز ملک مجھے امید ہے تم جلد واپس آؤ گے اور ہم وادی کی طرف سفر کریں گے۔''

''اگر خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔'' میں نے جواب دیا اور اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کا انداز گرم جوشی لیے ہوئے تھا۔

''میرے بچے مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوگا۔''

راجا عمر دراز سے مل کر میں ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ بیگ نظر نہیں آ رہا تھا شاید اس نے مجھے الوداع کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ کیپٹن فراز پائلٹ کی سیٹ پر بیٹھا کنٹرول پینل اور دیگر بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ جیسے ہی میں اپنی نشست پر آیا اس نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ میں نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور اس نے جواباً ہاتھ ہلایا۔ اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر ایک ہلکے سے جھٹکے سے اوپر اٹھ گیا۔ اس کے پروں سے نکلنے

والی طوفانی ہواؤں سے آس پاس پڑی برف اُڑ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم اتنی بلندی پر چلے گئے کہ محل کی عمارتیں کھلونوں جیسی نظر آنے لگی تھیں۔ میں نے کیپٹن فراز سے ہیلی کاپٹر کے بارے میں پوچھا۔

''یہ اتنی آسانی سے کیسے اسٹارٹ ہو گیا؟''

''آسانی سے نہیں ہوتا ہے جناب میں نے انجن کو ایک برنر سے گرمائش دی تب کہیں جا کر یہ اسٹارٹ ہونے کے قابل ہوا۔'' اس نے جواب دیا۔ ہم ہیڈ فون اور مائیک کی مدد سے بات کر رہے تھے کیونکہ دوسری صورت میں انجن کا شور اتنا تھا کہ خود ہمیں اپنی کہی بات سنائی نہ دیتی۔ کیپٹن فراز کنٹرول والوں سے موسم اور دوسری رپورٹ لینے لگا۔ چند منٹ میں ہم راجا عمر دراز کی وادی سے دور نکل آئے تھے۔ اب کاغان کے پہاڑوں پر اُڑ رہے تھے۔ چالیس منٹ بعد ہم اونچے پہاڑ عبور کرتے ہوئے مارگلہ کے پہاڑی سلسلے کے اوپر آ گئے تھے اور کوئی پون گھنٹے بعد ہیلی کاپٹر اسی ایئر فیلڈ پر اتر گیا جہاں سے اس نے کل پرواز کی تھی۔ عبداللہ گاڑی سمیت موجود تھا۔ میں نیچے اترا تو اس نے آگے آ کر ہاتھ ملایا۔

''سب ٹھیک رہا؟''

''تقریباً'' میں نے جواب دیا تو وہ کھٹک گیا۔ اس نے جیپ کی طرف اشارہ کیا۔

''چلیں باقی باتیں راستے میں ہوں گی۔''

عبداللہ اپنے ساتھ دو مسلح ساتھی لایا تھا۔ اس نے چن کر اچھے لڑاکا افراد کو شامل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور اب ان کی تعداد کوئی ایک درجن ہو چکی تھی۔ عبداللہ ان کو اچھی طرح پرکھ چکا تھا اور ان کا پس منظر بھی جانتا تھا یعنی اسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی وقت پڑنے پر دھوکا دے جائے گا۔ اس نے ان کا تعارف کرایا۔ وہ گرم جوشی سے ملے تھے اور مجھے اچھے بھی لگے لیکن میں نے ان کے سامنے بات کرنے سے گریز کیا عبداللہ نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی اس لیے اس نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ راستہ خاموشی سے کٹا اور ہم آدھے گھنٹے میں عبداللہ والی کوٹھی پہنچ گئے تھے۔ سعدیہ اور مونا کو میری آمد کی اطلاع مل گئی تھی اور وہ لان میں موجود تھیں۔ جیپ سے اترتے ہی انہوں نے گھیر لیا۔ مونا نے مجھے دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

''شکر ہے تم کسی ہنگامے کے بغیر لوٹ آئے۔''

میں نے اسے بتا نہیں سکتا تھا کہ وہاں میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ ایک تو واقعہ ایسا تھا کہ خواتین کو بتانا معیوب لگ رہا تھا اور دوسرے وہ اس بات کو لے کر میرا دماغ کھاتیں۔ عبداللہ ہمیں چھوڑ کر اندر چلا گیا تھا۔ مونا اور سعدیہ یہاں خوش تھیں یا خوشی پوز کر رہی تھیں۔ بیتو کے بارے میں پتا چلا کہ گزشتہ رات اسے بدہضمی کی وجہ سے الٹیاں آئی تھیں اور اب ڈاکٹر نے اسے دو دن تک ہلکی غذا کھانے کو کہا تھا۔ بیتو بیماری سے زیادہ ہلکی غذا کھانے کا سوچ کر بستر پر پڑا تھا۔ مونا اور سعدیہ نے سچ مچ کوٹھی میں کچن کا چارج سنبھال لیا تھا اور اب کوٹھی کا کک منیر ان کا مددگار تھا۔ سعدیہ نے مجھ سے کھانے کا پوچھا۔ میں ناشتہ اچھا خاصا کر کے آیا تھا اور ابھی کھانے کا موڈ نہیں تھا میں نے کہا کہ کچھ ہلکا پھلکا بنا لو۔

''چائنیز رائس بنا لیتی ہوں۔'' سعدیہ نے کہا۔ ''بیتو بھی کھا لے گا اسے ڈاکٹر نے کوئی سخت چیز کھانے سے منع کیا ہے۔''

اگرچہ چائنیز کھانے مجھے زیادہ پسند نہیں ہیں لیکن میں نے اعتراض نہیں کیا اور اندر کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ ''بنالو۔''

بیتو بستر پر لیٹا ہوا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھا۔ ''شوبی بھائی آپ کب آیا؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہوں تم سناؤ کیا ہو رہا ہے۔ سنا ہے پیٹ خراب کر لیا ہے اپنا؟''

بیتو نے برا سا منہ بنایا۔ ''یہ ڈاکٹر لوگ پاگل ہے ہم کو دو موشن اور تین الٹی آیا اور دو دن کے لیے کھانا بند کر دیا۔''

''بند نہیں کیا پر ہیزی کھانے کو بولا ہے۔''

''ایک ہی بات ہے شوبی آپ جانتا ہے یہ کھانا میں نہیں کھا سکتا۔ صبح ناشتے میں دلیہ آیا تھا میں نے نہیں کھایا۔''

''تو کیا کل سے فاقہ چل رہا ہے؟''

اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''قسم سے پیٹ میں بہت سارا چوہا دوڑتا ہے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے موبائل فون نکالا اور وسیم کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی اور سلام دعا کے بعد بولا۔ ''سنا ہے آپ واپس آ گئے ہیں؟''

''ہاں تم سناؤ خاتون کا کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہے لیکن ایک بار شور کرنے لگی تھی تو اس کا منہ بند کرنا پڑا۔ ہم نے کچھ تفتیش بھی کی ہے اس کا رزلٹ آپ کو آنے پر بتاؤں گا۔ عبداللہ دوسری گاڑی پہنچا گیا ہے اس میں سچ مچ ٹریپ تھا لیکن اب گاڑی کلیئر ہے۔''

''فتح خان بہت بڑا حرامزادہ ہے اس پر بالکل اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ باقی کہاں ہیں؟''

''ایاز کھانا لینے گیا ہے۔ سعدیہ اور مونا اصرار کر رہے تھے کہ وہ روز کوٹھی سے بنا کر کھانا بھیج دیا کریں گے لیکن مجھے مناسب نہیں لگا۔ اس میں رسک ہے یہاں پاس ہی ایک اچھا ڈھابہ ہے کھانے کو ٹھیک مل جاتا ہے۔ ایاز وہیں سے تینوں وقت کھانا لے آتا ہے۔ چائے کافی ہم خود بنا لیتے ہیں۔''

''یہ اچھا کر رہے ہو۔ سفیر اور تم دونوں کم سے کم نکلو بلکہ جب تک ضرورت نہ ہو اندر ہی رہا کرو۔''

''میں سمجھتا ہوں جناب دشمن ہماری صورتوں سے واقف ہے جب کہ ایاز کو کوئی نہیں جانتا ہے۔''

فتح خان سے بات کیے ہوئے چوبیس گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ وسیم سے بات کر کے میں نے وہی سم لگائی جس سے فتح خان کو کال کی تھی۔ اس کا نمبر موجود تھا۔ میں نے کال ملائی اور اس نے فوراً ریسیو کی۔ ''شہباز خان۔'' اس نے بلا تمہید کہا۔ ''ہم تیار ہے تم شہلا کا تصویر لو اور میرا آدمی میرے حوالے کر دو۔''

''گڈ اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں تصویریں کہاں بھیجنی ہیں جب تصویریں مجھے مل جائیں گی اور شہلا ان کی تصدیق کر دے گی تو میں تمہارے آدمی کو چھوڑ دوں گا۔''

''کہاں بھیجنی ہیں؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔ ''بولو تو میں ابھی بھیج دے۔''

''صبر، صبر فتح خان اتنی جلدی نہیں میں ایک گھنٹے بعد بتاؤں گا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر سم موبائل

سے نکال لی۔ اپنی سم لگا کر میں نے عبداللہ کو کال کی اور اسے بیتو کے کمرے میں آنے کو کہا۔ وہ دو منٹ بعد آ گیا تھا۔ میں نے پہلے اسے فتح خان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ عبداللہ غور سے سن رہا تھا۔ میری بات سن کر اس نے پوچھا۔

''فتح خان سے تصویریں لینی ہیں؟''

''بالکل اور اس کے لیے کوئی فول پروف پلان سوچ لو، فتح خان وہی کرے جو میں کہوں گا لیکن وہ درمیان میں اپنی کوئی شرارت شامل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی یہ کوشش ناکام بنانی ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' عبداللہ بولا۔ ''اچھا راجا صاحب کے محل میں کیا ہوا تھا؟''

''کیا تمہیں وہاں سے کوئی ہدایت ملی ہے؟''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''جی...... مجھے، میرے تمام آدمیوں اور یہاں راجا صاحب کے تمام وسائل آپ کے ماتحت کرنے کا حکم آیا ہے۔''

میں مسکرایا۔ ''حالانکہ تم پہلے بھی مکمل طور پر میرے ساتھ تھے۔''

''جی لیکن یہ دھڑکا تو لگا رہتا تھا کہ نہ جانے کب کس بات سے منع کر دیا جائے۔ اب یہ خدشہ نہیں ہے۔''

میں نے محل میں پیش آنے والا واقعہ سنایا تو بیتو اور عبداللہ متفکر ہو گئے تھے۔ بیتو نے کہا۔ ''آپ کا دشمن ہر جگہ ہے آپ کو ایسے اکیلے نہیں جانا چاہیے تھا۔''

''میں نے سوچا نہیں تھا کہ راجا صاحب کے محل میں مجھے اس قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے میں بے دھڑک اکیلا چلا گیا اور مزے کی بات تھی میرے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔''

''آپ آئندہ احتیاط کیجئے گا۔'' عبداللہ نے مشورہ دیا۔ ''ہر حال میں مسلح رہا کریں۔''

''فتح خان کا آدمی کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے اس کا زخم بھی بہتر ہو رہا ہے۔''

''میرا خیال ہے اسے بھی دوسرے ٹھکانے پر منتقل کر دیا جائے اور اس کے بعد فتح خان سے بات کی جائے۔ اس جگہ کو جتنا کم استعمال کیا جائے اتنا بہتر ہو گا۔''

''جیسی آپ کی مرضی، ویسے سیکورٹی بہت مضبوط کر دی ہے۔''

''بات سیکورٹی کی نہیں بلکہ اس جگہ کو خفیہ رکھنے کی ہے۔'' میں نے کہا اور وسیم کا نمبر ملایا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم کچھ دیر میں آ رہے ہیں اور ایک عدد قیدی اور لا رہے ہیں۔ وسیم ہنسا۔

''چشم ما روشن دل ما شاد۔''

''برخوردار تمہاری اردو تو اچھی تھی اب فارسی بھی بہتر ہوتی جا رہی ہے۔'' میں بھی ہنسا۔ ''سفیر ہے تو اس سے بات کرانا، ایک سنسنی خیز خبر ہے لیکن وہ میں آ کر بقلم خود دوں گا۔''

سفیر سے بات کر کے میں نے فون بند کر دیا اور ابھی جیب میں رکھ رہا تھا کہ بیل بجی۔ سویرا کا نمبر دیکھ کر میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ میں ان دونوں سے معذرت کرتا ہوا اٹھ کر باہر آیا اور کال ریسیو کی۔ ''ہیلو۔''

''اسلام وعلیکم۔'' سویرا کی آواز آئی۔ ''کیسے ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں تم ٹھیک ہو، حویلی میں سب خیریت ہے؟''

''ہاں حویلی میں سب ٹھیک ہے، لیکن میں آپ کے بغیر ٹھیک نہیں ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''سویرا تم جانتی ہو میں کن حالات سے گزر رہا ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو ایک پل کے لیے بھی تم سے دور نہ جاتا۔''

''میں جانتی ہوں میں آپ سے شکوہ نہیں کر رہی ہوں صرف اپنی کیفیت بتا رہی ہوں۔ میرے پاس سب کچھ ہے بس ایک آپ نہیں ہیں تو لگ رہا ہے کچھ بھی نہیں ہے۔''

''ایک دن میں بھی ہوں گا۔'' میں نے اسے تسلی دی اور پھر شرارت سے کہا۔ ''اس دن کا تو مجھے بھی شدت سے انتظار ہے۔''

وہ چپ ہوگئی پھر اس نے کہا۔ ''شہباز کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم سب چھوڑ کر کہیں دور چلیں جائیں۔''

''ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ صرف میں اور تم جا سکتے ہیں باقی سب تو یہیں ہوں گے اور میرے دشمن ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ اب میں مزید کسی پیارے کا نقصان نہیں اٹھا سکتا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اچھا میں فون بند کر رہی ہوں ماں جی آواز دے رہی ہیں، خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' میں نے کہا تو اس نے کال کاٹ دی۔ میں لان پر نکل آیا تھا۔ سویرا سے بات کر کے میں خوش ہونے کے بجائے کسی قدر اداس ہو گیا تھا۔ میری جدوجہد کا دائرہ پھیلتا جا رہا تھا اور اس کے سمٹنے کے فی الحال کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ مرشد اور اس جیسے دشمن میری جان چھوڑتے تو میں اور میرے ساتھی نارمل زندگی کی طرف جا سکتے تھے۔ ایسا صرف ایک صورت میں ممکن نظر آ رہا تھا کہ میرے دشمن یہ دنیا چھوڑ دیں اس سے پہلے وہ دشمنی ترک کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔ اچانک بیتو نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''شوبی بھائی کیا سوچتا ہے؟''

میں چونکا۔ ''کچھ نہیں یار بس دل اداس ہو رہا تھا۔''

''ہم جانتا ہے آپ ایسا آدمی نہیں جیسی زندگی گزار رہا ہے یہ کمینہ دشمن ہے جو آپ کو کھینچ کر ادھر لایا ہے لیکن ہم کو یقین ہے اوپر والا آپ کے ساتھ اچھا کرے گا کیونکہ آپ خود دوسروں کے ساتھ اچھا کرتا ہے۔''

میں لان میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''بس یہی یقین بھی مجھے سنبھالے ہوئے ہے ورنہ بہت پہلے کہیں بھاگ چکا ہوتا یا دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہوتا۔''

''ایسا آپ کسی صورت نہیں کر سکتا ہے۔'' بیتو نے اتنے یقین سے کہا کہ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ میرے ساتھی مجھ پر کتنا یقین کرتے تھے شاید اتنا یقین میں خود بھی نہیں کرتا تھا۔

''ہاں میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں اکیلا نہیں ہوں مجھ پر تم جیسے بہت سارے ساتھیوں کی ذمے داری بھی ہے۔''

''ہم آپ کا ساتھی ہے ذمے داری نہیں ہے۔''

''نہیں یار ذمے داری تو ہوتی ہے کیونکہ یہ تم لوگوں کی جنگ نہیں ہے لیکن پھر بھی تم سب میرا ساتھ دے

رہے ہو۔"

"ہمارا جنگ کیسے نہیں ہے۔" بیتو خفا ہو گیا۔ "ادھر جوانڈین فوج سے آپ لڑا تو کیا وہ آپ کا جنگ تھا؟"

"وہ تو مجبوری تھی، اگر میں نہ لڑتا تو تمہارے لوگوں کے ساتھ میں بھی مارا جاتا۔"

"تو ادھر ہمارے ساتھ بھی مجبوری ہے۔" بیتو نے مزید خفا ہو کر کہا اور وہاں سے چلا گیا میں نے اسے آواز دی لیکن وہ رکا نہیں تھا اس سے ظاہر تھا وہ بہت زیادہ ہی ناراض اور دکھی ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد مونا جارحانہ انداز میں آتی دکھائی دی۔ لگتا تھا بیتو سیدھا اپنی دیدیوں کے پاس پہنچا تھا اور شکایت لگائی تھی۔ حسبِ توقع مونا نے آتے ہی کہا۔ "تم نے بیتو سے کیا کہا ہے وہ رونے والا ہو رہا ہے۔"

"رونا تو اسے کسی اور بات پر آ رہا ہے ہاں بہانہ اس نے یہ بنایا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "ابھی تکے اور چرغے کی بات کرو سب بھول جائے گا۔"

مونا سنجیدہ ہو گئی۔ "نہیں شوبی تم نے بہت غلط بات کی ہے، ہم تمہارے ساتھی ہیں تمہاری ذمے داری نہیں ہیں۔"

میں بھی سنجیدہ ہو گیا تھا "میں جانتا ہوں اور میں نے ان معنوں میں کہا بھی نہیں ہے لیکن تم سب مجھے باس مانتے ہو اور میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو اس لحاظ سے ذمے داری بھی میری بنتی ہے۔ میں نے اس سے کب انکار کیا کہ تم میرے ساتھی نہیں ہو۔ تم لوگ میرے ساتھ ہو تب ہی تو میں دشمن کے سامنے کھڑا ہوں، ورنہ اکیلا آدمی کب تک کھڑا رہ سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں یہ بات سمجھتی ہوں دوسرے بھی سمجھتے ہیں لیکن بیتو بچہ ہے۔"

"تو جا کر اس بچے کو سمجھاؤ نا۔" میں نے کہا اور موضوع بدل دیا۔ "کھانا بن گیا ہے تو لگا دو ابھی مجھے جانا ہے۔"

"کہاں؟"

"وسیم اور سفیر کے پاس، یہاں جو قیدی ہے اسے بھی لے جانا ہے۔"

"بس دس منٹ میں۔" مونا نے کہا اور چلی گئی۔ میں نے بہتر سمجھا کہ ایک چھوٹا شاور لے لوں۔ میرے کچھ کپڑے یہاں بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک لباس منتخب کیا اور جب کھانے کی میز پر پہنچا تو وہاں بیتو چہک رہا تھا کیونکہ چائنیز کے ساتھ سعدیہ نے اس کے لیے چکن کارن سوپ بھی بنایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"شوبی بھائی اب مزہ آئے گا۔"

"لیکن زیادہ مت لینا۔" میں نے اسے خبردار کیا۔ "ایسا نہ ہو کہ پھر ڈاکٹر پابندی لگا دے۔"

"ڈاکٹر گیا نرکھ میں۔" بیتو نے چکن کارن سوپ پر حملہ کرتے ہوئے کہا تو سب ہنس دیئے تھے۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا اور کچھ دیر پہلے والی کشیدگی اب نظر نہیں آ رہی تھی لیکن ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ اپنے مجازی خداؤں سے دور ہو کر مونا اور سعدیہ اداس تھیں۔ خاص طور سے سعدیہ مرجھائی ہوئی تھی۔ میں اس کی کیفیت کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔ اس کا وسیم سے صرف نکاح ہوا تھا اور ابھی تک ان میں ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔ سعدیہ پہلے بھی شادی شدہ رہ چکی تھی۔ جب اس نے کمار سے شادی کی تھی لیکن کمار بہت تھوڑی زندگی لے کر

آیا تھا۔ اس کے بعد سعدیہ پھر اکیلی ہوگئی تھی اور اب تک اکیلی تھی۔ میرے خیال میں یہ درست نہیں تھا۔ اگر وہ کنواری ہوتی تو شاید اس صورتِ حال سے سمجھوتہ کر لیتی، لیکن وہ شادی کے تجربے سے گزر چکی تھی اور جو عورت ایک بار شادی کے تجربے سے گزر جاتی ہے اس کے لیے صبر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ سعدیہ ایک بڑی آزمائش سے گزر رہی تھی۔ میں نے اسی وقت ایک فیصلہ کیا لیکن اس کا اعلان کرنے سے پہلے میں وسیم سے بات کرنا چاہتا تھا۔

عبداللہ کچھ دیر سے کھانے میں شامل ہوا اور جلدی اٹھ گیا۔ اسے فتح خان کے آدمی کو قید خانے سے نکالنا تھا۔ احتیاط کے طور پر اسے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اسے عبداللہ کی سیاہ شیشوں والی جیپ میں منتقل کیا گیا۔ بیتو بھی ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ ''ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہاں آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی آس پاس ڈاکٹر ملے گا ابھی فٹ ہو جاؤ پھر وہاں آنا۔''

میں نے عبداللہ سے کہا کہ وہ صرف ایک مسلح آدمی ساتھ لے زیادہ آدمی لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آدھے گھنٹے بعد ہم مکان پر تھے۔ وسیم اور سفیر کچھ پکانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ باہر کا کھا کھا کر تنگ آ گئے تھے۔ وہ ہوٹلوں کا شوق سے کھا لیتے تھے لیکن کسی ہوٹل میں جا کر، یہاں منگوا کر کھانے میں انہیں مزہ نہیں آ رہا تھا۔ ایاز نے پہلے ہی ان کے ہاتھ کا بنا کھانے سے انکار کر دیا تھا اور اس وقت لنچ کرنے کہیں گیا ہوا تھا۔ عبداللہ نے ایک عدد ٹفن ان کے حوالے کیا جس میں چائنیز رائس اور سوپ تھا۔ دونوں خوش ہو گئے تھے۔ سفیر نے کہا۔

''دیکھا میری بیوی کو میرا کتنا خیال ہے؟''

''دیکھا ہے میں نے دبئی میں۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''دو دو دن گھر میں کھانا نہیں بنتا تھا۔''

سفیر کھسیا گیا۔ ''وہ الگ بات ہے لیکن ابھی تو بھیجا ہے۔''

''ہو ہی نہیں سکتا۔'' وسیم نے دعویٰ کیا۔ ''یہ سادی نے بھیجا ہے۔''

عبداللہ ہنسا۔ ''یہ میں خود لایا ہوں کیونکہ وہ تو کھا پی کر سونے چلی گئی تھیں۔''

اس بار دونوں کھسیا گئے۔ بہر حال چائنیز رائس اور چکن کارن سوپ سے انصاف کرنے میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ عبداللہ مکان کا معائنہ کرنے لگا۔ مجھے معلوم نہیں تھا وہ اپنے ساتھ کچھ آلات بھی لے آیا تھا۔ پہلے اس نے فتح خان کے آدمی کو شہلا کے کمرے میں منتقل کیا۔ وہ اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ پھر مجھے دیکھا تو غصے سے پھٹ پڑی تھی۔ ''کہاں چلے گئے تھے تم مجھے ان لوگوں پر چھوڑ کر انہوں نے مجھ پر تشدد کیا تھا۔''

میں نے اس کی بات نظر انداز کی۔ ''کام سے گیا تھا ویسے میری فتح خان سے بات ہو گئی ہے وہ اپنے اس آدمی کے عوض تمہاری تصویریں دینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔''

''سچ۔'' وہ خوش ہو گئی لیکن پھر خوف زدہ نظروں سے بے ہوش آدمی کی طرف دیکھا۔ ''یہ بھی کم درندہ نہیں ہے، اسے میرے ساتھ کیوں رکھا ہے؟''

''تم فکر مت کرو یہ بے ہوش ہے اور بندھا ہوا ہے۔ اسے کھولیں گے نہیں۔ اسی حالت میں کہیں ڈال دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کہیں تو اسے دوسرے کمرے میں منتقل کر دیتے ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہاں پلیز ایسا کرو ورنہ اسے ہوش آ گیا تو یہ مجھے مار دے گا۔'' شہلا جلدی سے بولی۔ وسیم نے اسے دوسرا لباس لا دیا تھا۔ کیونکہ ساڑھی میں وہ سردی سے محفوظ نہیں تھی۔ اب وہ جینز اور پورے بازو اور ہائی نیک گرم جرسی میں ملبوس تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اس لباس میں بھی اس کی حشر سامانیاں نمایاں تھیں۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو کچھ بھی پہن لیں ان پر جچتا ہے۔ عبداللہ نے فتح خان کے آدمی کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے تھے۔ شہلا کو پہلے ہی لنچ دیا جا چکا تھا۔ عبداللہ اب مکان کے سامنے والے حصے میں ایک چھوٹا سا کیمرا فٹ کرر ہا تھا۔ یہ کیمرا ایک سیکنڈ میں ایک تصویر لیتا تھا اور یہ تصویر یا ویڈیو ایک چھوٹے سے مخصوص مانیٹر پر دیکھی جا سکتی تھی۔ عبداللہ مانیٹر بھی لایا تھا اور اب اسے لگا کر کیمرے کی آزمائش کرر ہا تھا۔ مین گیٹ کے پلر والی لائٹ کے ساتھ کیمرا اس طرح لگایا گیا تھا کہ وہ گلی سے نظر نہیں آتا تھا لیکن پوری گلی اور آس پاس کے سارے علاقے کو کور کرتا تھا۔ اس کی آزمائش مکمل کر کے عبداللہ نے ایسا ہی ایک کیمرا مکان کے عقب میں واقع چھوٹے سے صحن میں لگایا۔ اسے اوپر سے فولادی گرل لگا کر بند کر دیا گیا تھا اور یہاں سے کوئی اندر نہیں گھس سکتا تھا جب تک کہ وہ گرل نہ کاٹ دے۔ دونوں کیمرے ایک ہی مانیٹر پر دیکھے جا سکتے تھے اور ساتھ میں ایک چھوٹا سا بکس تھا جو چوبیس گھنٹے کی ویڈیو کی ریکارڈنگ بھی کر سکتا تھا اور اسے کسی وقت بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ عبداللہ دستی سائز آلہ بھی لایا تھا جو بیک وقت دھماکہ خیز مادے اور کسی بھی نوعیت کے ریڈیائی سگنل کو پکڑ سکتا تھا۔

''اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے لیکن وہ میں ابھی لایا نہیں ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''لیکن کچھ خاص اسلحہ ہے۔''

اس نے ایک چھوٹا سا بریف نکالا اور اسے کھولا تو اس میں ایک عام پستول کا لیکن موٹی نال والا پستول تھا۔ اس کے پیچھے چمبر بھی اسی طرح موٹا سا تھا۔ پستول کے ساتھ فولادی بنی دو انچ لمبی اور تقریباً آدھا انچ موٹی گولیوں کا سیٹ بھی تھا۔ ان کی تعداد دو درجن کے لگ بھگ تھی۔ میں نے ان کو چھونا چاہا تو عبداللہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''نہیں جناب ان کو ایسے چھونا ٹھیک نہیں ہے۔''

میں رک گیا۔ ''کیوں؟''

عبداللہ نے ایک الیکٹرانک تھرمامیٹر نکالا اور اس کی سوئی ایک بلٹ سے لگائی اور اس کی اسکرین پر بلٹ کا درجہ حرارت آنے لگا۔ ہم دنگ رہ گئے تھے بلٹ کا درجہ حرارت منفی سو کے قریب تھا۔ عبداللہ نے تھرمامیٹر واپس رکھ دیا اور بریف کیس بند کر دیا۔ ''یہ ہائی کمپریس ہائیڈروجن گیس کے بلٹ ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ ایک بلٹ میں کوئی دس مکعب میٹر گیس کو کمپریس کر کے بند کیا گیا ہے۔ اسے بیرونی درجہ حرارت سے بچانا ہوتا ہے ورنہ یہ اسٹیل کا خصوصی بلٹ بھی اسے قید نہیں رکھ سکے گا۔ یہ خاص بریف کیس اسے باہر کے درجہ حرارت سے بچاتا ہے۔ یہ مخصوص پستول ایک بلٹ لوڈ کر کے فائر کر سکتا ہے۔ اس کی رینج تقریباً سو میٹر ہے یہ اپنے ہدف پر پھٹ کر بجیر و جتنی بڑی اور مضبوط گاڑی کو مکمل طور پر تباہ کر سکتا ہے۔''

''یہ تو بہت ہائی ٹیک ہتھیار ہے۔'' وسیم نے حیرت سے کہا۔

''ہاں اور بہت مہنگا بھی ہے یوں سمجھ لیں کہ اس بریف کیس کہ قیمت ایک ملین ڈالرز تو ہے لیکن ایک

افغان اسلحے کے ڈیلر سے بہت سستا مل گیا کیونکہ اس کے پاس اور کوئی خریدار نہیں تھا۔ یہ اصل میں روس کی ایجاد ہے اس وجہ سے مارکیٹ میں دستیاب بھی ہے۔''

عبداللہ نے بریف کیس وسیم کے حوالے کر دیا۔ میں نے پوچھا۔ ''اگر اس کے بلٹ کو کھلی فضا میں رکھ دیا جائے تو کیا ہوگا؟''

''آج کل کے موسم میں یہ تین سے چار منٹ میں پھٹ جائے گا کیونکہ اس کا درجہ حرارت بڑھ جائے گا اور جب یہ درجہ حرارت منفی پچاس ڈگری سینٹی گریڈ سے نیچے آئے گا تو بلٹ خود بخود پھٹ جائے گا۔ فائر کرنے کی صورت میں یہ اپنے ہدف سے ٹکرا کر پھٹے گا۔''

''یہ کام کی چیز ہے شاید منی راکٹ لانچر ہے۔''

''تقریباً اتنی تباہی پھیلاتا ہے۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔

میں نے سرد آہ بھری۔ ''انسان نے بھی تباہی کے لیے کیا کیا چیزیں بنالی ہیں۔''

''یہ درست ہے جناب۔'' عبداللہ نے سر ہلایا اور بولا۔ ''فتح خان سے تصویریں لینے کا طریقہ سوچ لیا ہے۔ میرے ایک آدمی نے اسلام آباد کے ایک پوسٹ آفس میں ایک پوسٹ بکس لے لیا ہے۔ اس کا نمبر دوسو بارہ ہے۔ آپ فتح خان سے کہیں کہ وہ شام پانچ سے پہلے اس پوسٹ آفس کے بکس میں تصویریں ڈال دے۔''

میں نے گھڑی دیکھی۔ تین بج رہے تھے۔ گویا ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ میں نے سم بدل کر فتح خان کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی اور بولا۔ ''شہباز خانا میں تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔''

''یعنی تم تصویریں واپس کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو؟''

''ہاں تصویریں ایک بند لفافے میں میرے ہاتھ میں ہیں۔'' اس نے مکاری سے کہا۔ ''بولو کہاں پہنچانا ہیں۔''

میں نے اسے پوسٹ آفس کے بارے میں بتایا۔ ''اس میں پوسٹ بکس نمبر دوسو بارہ میں یہ لفافہ ڈال دو۔ مجھے مل جائے گا۔''

پوسٹ بکس۔'' اس کے لہجے میں مایوسی آ گئی۔ ''اس طرح تو دیر ہو جائے گی۔''

''کوئی دیر نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ کل دوپہر تک تمہارا آدمی آزاد ہو جائے گا اور تمہارے پاس پہنچ جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ آج شام پانچ بجے سے پہلے یہ لفافہ اس پوسٹ بکس میں پہنچ جائے۔''

''ٹھیک ہے پہنچ جائے گا۔'' فتح خان نے سرد آہ بھری۔ ''شہباز خان میں نے کسی کے سامنے خود کو اتنا مجبور نہیں پایا۔ تم نے دیکھا تم نے مجھے مرشد کے حوالے کیا اور میں اس کے پاس سے نکل آیا۔ اگر تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ تو......''

''شام پانچ بجے تک۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''ورنہ ڈیل ختم ہو جائے گی۔'' بات مکمل کرتے ہی میں نے کال کاٹ کر سم نکال لی اور عبداللہ کی طرف دیکھا۔ ''اگر آج شام پانچ بجے تک دوسو بارہ میں کوئی لفافہ آ جاتا ہے تو اسے کب وہاں سے نکالا جا سکتا ہے؟''

''ویسے تو وہ کل صبح ہی نکل سکتا ہے لیکن میرے آدمی نے پوری سیٹنگ کر لی ہے ایک ملازم جس کے پاس

آفس کی چابیاں ہوتی ہیں وہ رات کو چپکے سے آفس کھول کر بکس نمبر دو سو بارہ سے لفافہ نکال کر میرے آدمی کو دے دے گا۔"

"وہ پوسٹ آفس کا ملازم ہے اتنی آسانی سے کیسے مان گیا؟"

عبداللہ ہنسا۔"اس کا باپ بھی مانتا۔اس کام کا کچھ معاوضہ اسے پیشگی ادا کیا جا چکا ہے۔"

"تو یہ بات ہے۔"

"اور یہ اچھا ہوگا۔" سفیر ہنسا۔"کل اس گدھے کے آدمی انتظار کریں گے کہ کون آتا ہے بکس نمبر دو سو بارہ کھولنے۔"

"فتح خان کو گدھا مت سمجھو۔وہ بہت چالاک ہے جو بات ہم سوچ سکتے ہیں وہ بھی سوچ سکتا ہے اور جو ہم کر سکتے ہیں وہ بھی کر سکتا ہے۔" میں نے کہا۔"عبداللہ تمہارے آدمی پورے انتظامات کے ساتھ جائیں اور دوہری نگرانی رکھو۔یہ دیکھو کہ کوئی تمہارے آدمی کی نگرانی تو نہیں کر رہا ہے۔"

"میں سمجھ گیا، میں ایسا ہی کروں گا۔"

کچھ دیر بعد عبداللہ رخصت ہو گیا اسے پوسٹ بکس کے لیے بھی انتظامات کرنے تھے۔پوسٹ آفس کا ملازم عبداللہ کے آدمی کو مطلع کرے گا جیسے ہی کوئی شخص پوسٹ بکس دو سو بارہ میں کوئی چیز ڈالے گا۔وسیم نے ایک بار پھر فتح خان کے آدمی کو دیکھا وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ہم بیڈروم والے کمرے میں آ گئے۔سفیر اور وسیم مونا اور سعدیہ کی کیفیت جاننے کے لیے بے چین تھے میں نے کہا۔"یار ہم ان عورتوں کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔وہ زندہ گوشت پوست کی بنی ہوئی ہیں اور وہ اپنے شوہروں کا ساتھ چاہتی ہیں خاص طور سے میں سعدیہ کے لیے فکر مند ہوں۔"

"سعدیہ کے لیے کیوں؟" وسیم نے پوچھا۔

میں نے گہری سانس لی۔"یار وہ لڑکی نہیں ہے عورت ہے۔پہلے بھی ایک بار شادی کے تجربے سے گزر چکی ہے اور اب اس طرح صرف نکاح کر کے اسے رکھنا اس کے ساتھ ظلم ہے۔تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔اگر وہ لڑکی ہوتی تو ناآشنا ہوتی اور صبر کرتی لیکن کوئی انسان جان لینے کے بعد صبر نہیں کر سکتا۔نکاح کے بعد وہ خود پر جبر کر رہی ہے اور یہ جبر اسے رفتہ رفتہ ہسٹریا کی طرف لے جائے گا۔"

"یہ سب تو میں نے بھی سوچا ہے۔" وسیم نے اعتراف کیا۔

"لیکن تم نے عمل نہیں کیا۔" میں نے ملامت سے کہا۔"تم نے اسے کیوں چھوڑ کر رکھا آخر مونا اور سفیر بھی تو میاں بیوی کی زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔"

سفیر کے دانت نکل آئے۔"شوبی ٹھیک کہہ رہا ہے قسم سے کل سے مونا مجھے بہت یاد آ رہی ہے۔"

"لیکن شہباز صاحب جیسی زندگی ہم بسر کر رہے ہیں، اس میں گھر گرہستی کی گنجائش کہاں ہے۔"

"دیکھو یار اللہ نے انسان کو کچھ حاجات دی ہیں اور یہ ہر حال میں انسان کو پوری کرنی پڑتی ہیں۔شادی بھی ایک ایسی ہی حاجت ہے۔جیسے انسان میدان جنگ میں بھی کھانا پینا اور سونا نہیں چھوڑتا ہے اسی طرح اسے بیوی کی ضرورت ہوتی ہے اور بیوی کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ہنگامی حالات میں یہ اسی طرح پوری کر۔

چاہیے جیسے ہم لوگ جہاں موقع ملے کھا لیتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے سو لیتے ہیں۔"

"یار میں بھی اسے یہی سمجھا رہا ہوں۔" سفیر بولا۔ "لیکن یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا ہوں۔"

"یہ غلط بھی نہیں ہے میں تمہیں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔" وسیم نے اسے گھورا۔ "کل سے تڑپ رہے ہو جیسے پتا نہیں کب سے بیوی کو نہیں دیکھا۔"

"بھائی اپن تیری طرح برہمچاری نہیں بن سکتے۔" سفیر نے شانے اچکائے۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"تو طے ہے آج شام وسیم کا ولیمہ ہے۔"

وسیم پریشان ہو گیا۔ "اتنی جلدی؟"

"ہاں بھائی ہنگامی حالات کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں اب تمہارا باقاعدہ ولیمہ کرنے کا موقع تو نہیں ہے۔"

"میں مونا کو بتاتا ہوں وہ سعدیہ کو تیار کرے گی۔" سفیر بولا اور وسیم کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے کال ملائی۔ "اے مونا آج سعدیہ اور وسیم کی رخصتی ہے...... نہیں بابا میرا دماغ خراب نہیں ہے...... شادی کے بعد تم نے چھوڑا کہاں ہے...... میں بکواس نہیں عرض کرر ہا ہوں...... ہمارے سرپرست اعلیٰ، اعلیٰ حضرت جناب شہباز ملک المعروف لنڈورے بابا نے فیصلہ صادر کر دیا ہے تم سعدیہ کو تیار کرو...... نہیں نہیں باہر جا کر شاپنگ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ موقع سے فائدہ اٹھانے کی نہیں ہو رہی ہے جو کرنا ہے گھر میں کرو۔"

میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ "بس بھائی تیار ہو جاؤ بیویاں یہی سلوک کرتی ہیں ہر مرد آزاد کے ساتھ جو ایک بار ان کے دام میں آ جائے۔"

وسیم کی آنکھیں مسکرانے لگی تھیں۔ "تب تو آپ میرے ساتھ زیادتی کرر ہے ہیں۔ ویسے یہ تقریب کل تک کے لیے نہیں ٹالی جا سکتی ہے۔ آج تصویروں والا کام نمٹانا ہے۔"

"وہ عبداللہ کے آدمی کر لیں گے۔" میں نے کہا۔ "یہ والا نیک کام آج ہو جانا چاہیے۔"

"بس بیٹا اس خوشی میں کافی پلا دے۔" سفیر نے وسیم کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "فقیر دعا کریں گے اللہ تیری سہاگ رات کامیاب کرے۔"

"تم سخت بے ہودہ آدمی ہو۔" وسیم خفگی سے بولا اور کھڑا ہو گیا۔

سفیر ہنسا۔ "بیٹے کل تک تو بھی ہو جائے گا۔"

وسیم کے جانے کے بعد میں نے پوچھا۔ "شہلا نے کچھ بتایا؟"

"میں نے اور ایاز نے کچھ تفتیش کی تھی۔ اس نے بس ایک ہی نام بتایا ہے۔ کسی لیاقت انصاری کا وہ اسی بینک میں ملازم ہے اور شاید سیکورٹی وہی دیکھتا ہے۔"

"شہلا کا لیاقت سے کیا تعلق ہے؟"

"وہی جو فتح خان سے ہے فرق صرف اتنا ہے کہ فتح خان نے اسے بلیک میل کر کے حاصل کیا اور شہلا نے لیاقت کے سامنے خود کو چارے کے طور پر ڈالا اور مچھلی نے منہ مار دیا۔"

''اگر لیاقت کا کام نکل گیا ہے تو وہ اب کیوں شہلا کے کام آئے گا؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم لیکن شہلا کا دعویٰ ہے کہ وہ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

وسیم کافی بنا کر لے آیا۔ ذرا سی دیر میں اس کی سفیر سے خفگی ختم ہوگئی اور دونوں پھر ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اچانک شہلا کے چلانے کی آواز آئی۔ میں نے کہا۔ ''شاید فتح خان کے آدمی کو ہوش آ گیا ہے۔ ذرا جا کر دیکھو کیا مسئلہ ہے کہیں وہ اسے مارنے کی کوشش تو نہیں کر رہا ہے۔''

''بھائی ہم کل سے اس عورت کو بھگت رہے ہیں اب تو ہی جا کر دیکھ۔'' سفیر نے انکار کر دیا اور وسیم بھی اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے مجھے ہی اٹھنا پڑا تھا۔ شہلا کمرے کے ایک کونے میں دبکی ہوئی چلا رہی تھی حالانکہ فتح خان کا نوجوان ساتھی فرش پر بے بسی سے بندھا پڑا تھا اور کسی طور شہلا کے لیے خطرہ نہیں تھا البتہ وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''کیا بات ہے کیوں چلا رہی ہو؟''

''پلیز اسے کہیں اور لے جاؤ۔'' وہ لرزتے لہجے میں بولی۔ ''یہ مجھے مار دے گا۔''

''یہ تمہیں کس طرح مار سکتا ہے اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہیں۔'' میں نے شہلا کو سمجھانے کی کوشش کی تو وہ چیخ اٹھی تھی۔

''میں کچھ نہیں جانتی اسے یہاں سے لے جاؤ ورنہ میں چیختی رہوں گی۔''

فتح خان کا ساتھی مسکرانے لگا تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ ہم سے ڈر رہا ہے۔''

میں نے شہلا کی طرف دیکھا اور اس کا خوف کسی قدر میری سمجھ میں آنے لگا تھا میں فتح خان کے ساتھی کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے بال پکڑ کر اس کی گردن پیچھے کی طرف کھینچی۔ اس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں کیونکہ اس کا سانس رک گیا تھا میں نے ایک جھٹکا دے کر پوچھا۔ ''یہ تم سے کیوں ڈر رہی ہے؟''

''ہم...... ہم بتاتا ہے۔'' اس نے بمشکل کہا۔ میں نے گرفت کم کی تو وہ جلدی جلدی سانس لینے لگا اور پھر بولا۔ ''یہ ہم سے ڈر رہا ہے کہ ہم اس کے ساتھ پھر وہی نہ کرے جو اس کی کوٹھی میں کیا تھا۔''

میں نے شہلا کی طرف دیکھا اس کا چہرہ ذلت کے احساس سے سیاہ ہوگیا تھا وہ جو بات چھپانا چاہ رہی تھی وہ سامنے آ گئی تھی۔ حالانکہ وہ عزت دار عورت نہیں تھی لیکن پھر بھی کسی عورت کے لیے اس سے بڑھ کر ذلت کیا ہو گی کہ ایک مرد طاقت کے بل پر اسے بے آبرو کر دے۔ فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے شہلا کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اس نے مجھے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ صرف فتح خان ذمے دار تھا لیکن اس کے ساتھی بھی شہلا کو بہتی گنگا سمجھ چکے تھے۔ میں نے فتح خان کے ساتھی کا سر پوری قوت سے زمین پر مارا۔ پوری قوت سے یوں مارنا پڑا کہ فرش پر قالین اور اس کے نیچے انڈر لے تھا اس لیے وہ اتنی آسانی سے بے ہوش نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ وار کافی ثابت ہوا اور ایک کراہ کے ساتھ وہ بے ہوش ہوگیا۔ اگر اتنی قوت سے میں اس کا سر پکے فرش سے ٹکراتا تو اس کے سر کے کئی ٹکڑے ہو جاتے اور اس میں جمع سارا گند بھیجہ جاتا۔ میں کھڑا ہوگیا اور شہلا سے کہا۔

''امید ہے اب تم سکون سے بیٹھو گی یہ تین چار گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔''

وہ چپ رہی اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ سفیر اور وسیم باہر موجود تھے اور سب سن اور سمجھ چکے تھے لیکن انہوں نے بھی اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔ پانچ بج چکے تھے۔ میں نے عبداللہ سے رابطہ کیا۔ ''کوئی

پروگریس؟"

"ابھی تک پوسٹ آفس کے ملازم کی کال نہیں آئی ہے۔"

"کہیں وہ ڈبل کراس نہ کر جائے۔"

"امید تو نہیں ہے وہ دوسری پارٹی اور دوسری پارٹی اس سے ناواقف ہے۔" عبداللہ نے کہا اور بولا۔ "ایک منٹ جناب دوسرے موبائل پر کال آ رہی ہے۔" مجھے ہولڈ کرا کے وہ کال سننے لگا۔ ایک منٹ بعد واپس آیا۔ "شہباز صاحب کام ہو گیا ہے۔ ایک آدمی کچھ دیر پہلے لفافہ پوسٹ آفس میں دے گیا ہے۔"

"گڈ اب آدمی سے کہو کہ مستقل پوسٹ آفس کے بندے سے رابطے میں رہے۔ دوسرے آدمی بھیجے؟"

"وہ روانہ ہو رہے ہیں کیونکہ انہوں نے چھپ کر کام کرنا ہے اس لیے گیٹ اَپ کر کے روانہ ہوں ایک فقیر بنے گا اور ایک غبارے بیچنے والا۔"

"ٹھیک ہے لیکن ان کو مسلح اور پوری طرح ہوشیار ہونا چاہیے۔ فتح خان اور اس کے ساتھی سفاک بھیڑیے ہیں۔"

"میرے ساتھی بھی کم نہیں ہیں جناب۔" اس نے اعتماد سے کہا۔

"میں جانتا ہوں تمہارے تربیت کے لحاظ سے فتح خان کے آدمیوں سے اچھے ہیں لیکن ان میں ایک کمی ہے وہ کسی کو بے دریغ قتل نہیں کر سکتے ہیں فتح خان کے آدمی یہ کام کرتے ہیں۔ اس لیے اپنے آدمیوں کو پوری طرح ہوشیار رہنے کو کہو۔ کسی بھی ہنگامی صورت میں وہ دشمن کو رعایت نہ دیں اور شوٹ ٹو کل کی پالیسی پر عمل کریں۔"

"ٹھیک جناب۔" عبداللہ نے کہا۔ میں نے اسے وسیم کے ولیمے کے بارے میں بتایا تو وہ خوش ہو گیا۔ کال ختم کر کے میں نے سفیر اور وسیم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور بولا۔ "سورج ڈوبتے ہی ہمیں یہاں سے عبداللہ والی کوٹھی کی طرف روانہ ہونا ہے۔"

"ان دونوں کا کیا ہو گا؟"

"یہ یہاں بندھے رہیں گے۔ رات کو میں اور بیتو یہاں آ جائیں گے۔ ایاز بھی ہو گا لیکن یہ ہے کہاں؟"

"گاڑیوں کا کچھ سامان چاہیے تھا وہ لینے گیا ہے چھ بجے تک آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے ہم اس کے آتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

ایاز چھ بجے سے پہلے آ گیا [illegible] جیپ میں تھا اسے وسیم کے ولیمے کے بارے میں پتا چلا تو وہ خوش نظر آنے لگا۔ میں اس کے ساتھ [illegible] گیا [illegible] فیر اور وسیم منی پجیرو میں آ گئے۔ یہاں پر یہ دو گاڑیاں تھیں باقی دو گاڑیاں اور بائیک عبداللہ کی کوٹھی [illegible] روانہ ہونے سے پہلے ایک نظر شہلا اور فتح خان کے ساتھی کو دیکھا۔ شہلا کو بتایا نہیں کہ ہم یہاں سے جا رہے [illegible] ورنہ وہ ابھی سے واویلا مچانا شروع کر دیتی۔ سارے دروازے اور مین گیٹ لاک کر دیا۔ جب ہم کوٹھی پہنچے [illegible] باقاعدہ شادی کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ سعدیہ کو تیار کیا جا رہا تھا۔ مونا نے اپنی واقف کار ایک بیوٹی پارلر والی بلوالی تھی اور اسی طرح ایک بوتیک کی مالکہ اس کی دوست تھی مونا کے کہنے پر وہ عروسی ملبوسات اور ایک فٹنگ کرنے والے کو بھی ساتھ لے آئی تھی۔ میں اور سب حیران رہ گئے۔

''یہ کیا چکر ہے؟'' میں نے مونا سے پوچھا۔

''شادی کا چکر ہے آپ نے ہی تو کہا تھا کہ آج وسیم اور سعدیہ کی شادی کرنی ہے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

''لیکن یہ اتنے لوگوں کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''ہم یہاں چھپنے آئے ہیں یا سارے زمانے کو بتانے کہ ہم یہاں ہیں۔''

''اتنے لوگ کہاں ہیں، دو بیوٹی پارلر والیاں ہیں اور دو بوتیک کے لوگ ہیں۔'' اس نے برا مان کر کہا۔

''اس سے زیادہ تو عبداللہ نے بلوا لیے ہیں کھانے کے ساتھ آئیں گے کیٹرنگ والے۔''

میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''یہ عبداللہ بھی دیوانہ ہو رہا ہے۔''

وسیم بھی پریشان ہو گیا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز صاحب یہ ٹھیک نہیں ہو رہا ہے۔ اگر ہمارے دشمن اس کوٹھی کے بارے میں شک رکھتے ہیں تو آج کے بعد ان کو یقین ہو جائے گا۔''

ایاز خوش تھا اس نے کہا۔ ''جناب اس طرح پھیکی تقریب کا مزہ بھی نہیں آتا اور جہاں تک خطرے کی بات ہے تو وہ ہمیشہ ہمارے آس پاس ہوتے ہیں۔

اتنے میں اندر سے بیتو نکل کر وسیم سے لپٹ گیا۔ ''وسیم بھائی بدھائی ہو آپ دولہا بننے والا ہے۔''

''مجھے تو لگ رہا ہے میں بدھو بننے والا ہوں۔'' وہ بھنا کر بولا۔

''ریلیکس یار۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا مجھے ایاز کی بات اچھی لگی تھی کہ ہمیں بہت زیادہ ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ خطرے ہمیشہ ہمارے آس پاس رہتے ہیں۔ ''جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے اب انجوائے کرو۔''

''یہ تو ہم بھی کہتا ہے۔'' بیتو بولا۔ ''وسیم بھائی آپ کا وہ ہم ہے جو ہر شادی میں دولہا کے ساتھ ہوتا ہے۔''

''شہ بالا۔'' ایاز نے کہا۔ ''لیکن وہ تو بچہ ہوتا ہے۔''

''تو ہم کون سا بڑا ہے آپ ہی تو کہتا ہے ہم ابھی بچہ ہے۔''

''لیکن شہ بالے کو گود میں بٹھانا ہوتا ہے یہ تمہیں گود میں کس طرح بٹھائے گا؟'' میں نے شرارت سے کہا۔

''اسے چھوڑو ہم گود میں نہیں بیٹھے گا۔'' بیتو نے وسیم کا بازو پکڑا۔ ''وسیم بھائی میرے ساتھ آؤ۔ عبداللہ بھائی نے تمہارے لیے سوٹ منگوائے ہیں ابھی چیک کرنا ہے کون سا تم کو پورا آئے گا۔''

وسیم نے بے چارگی سے مجھے دیکھا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔ سفیر پہلے ہی اپنی بیگم کے پیچھے جا چکا تھا۔ ایاز کا سامان اور کپڑے یہیں موجود تھے وہ بھی تیار ہونے چلا گیا اور میں نے سعدیہ کے کمرے کا رخ کیا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ عبداللہ کے دو آدمی کمرے کو حجلہ عروسی میں بدلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سعدیہ مونا کے کمرے میں تھی اور بیوٹی پارلر والیاں اسے تیار کر رہی تھیں۔ میں اندر آیا تو اس نے جلدی سے پاس رکھا دوپٹہ اوڑھ لیا کیونکہ وہ ویکس کرا رہی تھی اور سلیولیس شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اسے تیار کرنے والیاں برہم ہو گئیں۔ ایک بولی۔

''آپ اندر کیوں آئے؟''

''یہ آسکتے ہیں یہ میرے بھائی ہیں۔'' سعدیہ نے جلدی سے کہا۔

''ہاں میں اس کا بھائی ہوں۔'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''آج میری بہن دلہن بننے والی ہے۔''

سعدیہ شرما گئی تھی پھر اس نے کہا۔ ''مونا نے جب بتایا تو میں سمجھی کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ ہم اس طرح جلدی میں یہ شادی کر رہے ہیں ورنہ سوچا تو یہ تھا کہ تمہیں دھوم دھام سے وسیم کے ساتھ کسی دوسرے گھر میں رخصت کریں گے۔''

''جی نہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''میں نے کہیں نہیں جانا ہے آپ سب کے ساتھ رہنا ہے۔''

''تو ہم تمہیں کہاں بھیج رہے ہیں۔''

یک دم سعدیہ اداس ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ ''شوبی آپ جانتے ہیں میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ وسیم سے میرا قانونی رشتہ ہے لیکن آپ سے میرا دل کا رشتہ ہے۔ آپ کبھی مجھے مت چھوڑیئے گا۔''

''بہ شرطِ زندگی...... نہیں چھوڑوں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''اللہ آپ کو لمبی عمر دے اور جب میں مروں تو آپ کے سامنے مروں۔'' اس نے جذباتی ہو کر کہا۔

''اللہ تمہیں لمبی عمر اور ہمت دے۔''

''پلیز ہمارے پاس وقت کم ہے اور ان پر ابھی بہت کام کرنا ہے۔'' بیوٹی پارلر والی بولی۔

''ٹھیک ہے آپ اپنا کام کریں۔'' میں نے سعدیہ کا سر تھپتھپایا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ بیتو والے کمرے میں وسیم کی تیاری جاری تھی۔ عبداللہ نے اندازے سے اس کے ناپ کے مطابق کئی سوٹ منگوا لیے تھے اور اب وہ پہن پہن کر ان کو چیک کر رہا تھا۔ یہ سب تھری پیس سوٹ تھے کیونکہ ناپ کی شیروانی اور کرتا شلوار ملنا ممکن نہیں تھا۔ جوتے موزے اور ٹائیوں کا سیٹ الگ تھا۔ اسے تیار ہوتا دیکھ کر میں باہر آیا تو کوٹھی کے لان میں ٹینٹ کا سامان اتر رہا تھا اور سفیر اس کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ یہ کام بھی عبداللہ کا تھا۔ میں نے اسے کال کی تو وہ پوسٹ آفس کے پاس موجود تھا۔ وہ اپنے دو آدمیوں کے ساتھ خود نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''آفس بند ہو چکا ہے اور آس پاس بھی ویرانی ہے کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''تب اس شخص کو بلا لو جس کے پاس چابیاں ہیں اور لفافہ نکال لو۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کیونکہ جتنی احتیاط سے معائنہ کر سکتے تھے وہ کر لیا ہے اور اب تک کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آیا ہے جو اس جگہ کی نگرانی کر رہا ہو۔''

''تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''تین اور ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جس نے پوسٹ بکس نمبر لیا تھا۔ ہم پوری طرح تیار ہیں۔'' اس نے کہا تیار ہونے کا مطلب تھا کہ وہ اسلحے سے پوری طرح مسلح تھے اور ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹ سکتے تھے۔ میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے یہ کام نمٹاؤ اور واپس آ جاؤ۔''

ٹینٹ اور سامان لانے والے اپنا کام کر رہے تھے۔ ابھی سیٹنگ میں خاصا وقت تھا۔ سب مصروف تھے

اور میں فارغ تھا اس لیے اندر کنٹرول روم والے حصے میں آیا جہاں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولت بھی تھی۔ یہاں کئی کمپیوٹر تھے اور عبداللہ کا ایک آدمی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے کچن میں کام کرنے والے منیر کو کال کر کے کافی لانے کو کہا اور اپنا ای میل اکاؤنٹ کھولنے لگا۔ میری توقع کے عین مطابق اس میں ایمن شا کی کئی میلز تھیں اور ایک آج صبح ہی آئی تھی۔ ان سب میں ایک ہی سوال تھا کہ میں کہاں ہوں اور اس سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا ہوں۔ اس نے اپنے کئی فون نمبر بھی دیئے تھے۔ ایک گھر کا تھا، ایک دفتر کا اور اس کا ذاتی موبائل نمبر تھا۔ جتنی دیر میں میل چیک کی منیر کافی لے آیا۔ اس کی سروس کوئیک اور لاجواب ہوتی تھی۔

''شکریہ یار۔''

''ویلکم سر۔'' اس نے شائستگی سے کہا۔ وہ کافی کے ساتھ کچھ کوکیز بھی لے آیا تھا لیکن مجھے صرف کافی کی طلب تھی۔ منیر کے جانے کے بعد میں نے موبائل سے ایمن کا ذاتی موبائل نمبر ملایا۔ شاید پاکستان کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی کیونکہ دوسری بیل نہیں بجی تھی۔

''ہیلو کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''تم پہچان سکتی ہو۔''

''شہباز۔'' وہ چہک کر بولی۔ ''کہاں تھے تم میں تمہیں ای میل کر کے تھک گئی ہوں۔''

''ابھی چیک کی ہیں اور تمہیں کال کر رہا ہوں۔''

''بس جب ای میل دیکھتے ہو تو میرا خیال آتا ہے۔'' اس نے شکوہ کیا۔ میں شرمندہ ہو گیا کیونکہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ اپنا خیال بھی بہت کم آتا ہے۔''

''حالانکہ اب تمہارا خیال رکھنے والی آگئی ہے۔'' اس نے طنز کیا۔

''کیا مطلب؟''

''میرا اشارہ سویرا کی طرف ہے اب وہ تم سے شادی کرنے کے لیے آزاد ہے۔''

''یہ سب تمہیں کس نے بتایا؟'' میرا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

''میں صحافی ہوں اگرچہ شعبہ الگ ہے لیکن ہوں تو صحافی اپنے مطلب کی خبر نکال لیتی ہوں۔''

''ایمن تم میری جاسوسی کرتی رہی ہو۔''

''اگر کرتی بھی رہی ہوں تو میں تمہاری دشمن تو نہیں ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''تم جانتے ہو میرے دل میں تمہارا کیا مقام ہے۔''

''اگر تمہارے دل میں میرا کوئی مقام ہوتا تو تم مجھ سے اس طرح بات نہ کرتیں۔'' میں نے آہستہ سے کہا اگرچہ عبداللہ کا آدمی دور بیٹھا تھا اور مجھے امید تھی کہ اس تک میری آواز نہیں جائے گی۔

''سوری اگر تمہیں برا لگا ہے۔'' اس نے دھیمے انداز میں کہا۔

''اِٹس او کے۔'' میں نے بات ختم کی اور موضوع بدل دیا۔ ''تم کیا کر رہی ہو آج کل؟''

''ابھی افریقہ کے تپتے صحرا سے آئی ہوں اور کل کینیڈا کے ایک برف زار کی طرف روانگی ہے لیکن اصل

خبر یہ ہے میں دو ہفتے بعد پاکستان میں ہوں گی۔''

''یہاں کوئی خاص مقصد؟''

''ہاں ڈیڈی کے بارے میں ایک کلیو ملا ہے۔ میں نے فارن آفس کے توسط سے کیس ری اوپن کرنے کو کہا ہے۔''

''کیسا کلیو؟''

''مجھے ڈیڈی کا خط ملا ہے۔ اگرچہ بہت چھوٹا سا اور بغیر نام کے ہے لیکن مجھے یقین ہے یہ ڈیڈی کا خط ہی ہے اور اسے پاکستان کے علاقے سوات سے پوسٹ کیا گیا ہے۔''

برٹ شا اسی علاقے میں فتح خان کی قید میں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے خط لکھنے کا موقع کس نے دیا۔ فتح خان سے تو اس حماقت کی امید نہیں تھی ممکن ہے برٹ شا کے نگران کو اس پر ترس آ گیا ہو مجھے یاد تھا کہ وہ ذہنی طور پر پسماندہ شخص تھا جسے فتح خان نے برٹ شا کی نگرانی پر لگا رکھا تھا۔ اپنی ذہنی پسماندگی کے باوجود وہ شخص اس قابل تھا کہ برٹ شا کی نگرانی کر سکتا تھا تبھی اسے فتح خان نے اس کام پر لگایا تھا۔ میں نے ایمن سے پوچھا۔ ''کیا ہینڈ رائٹنگ برٹ شا کی ہے؟''

''یہ خاکی کاغذ پر شاید کوئلے کی مدد سے لکھا گیا ہے تم رائٹنگ کا اندازہ کر سکتے ہو پھر بھی میں نے یہاں تحریر کے کئی ماہرین کو دکھایا ہے اور ان کی متفقہ رائے ہے کہ بعض الفاظ یقینی طور پر ڈیڈی کے انداز میں لکھے گئے ہیں۔''

''کیا صرف ایک مبہم خط کی بنیاد پر حکومت پاکستان ایک برسوں پرانے کیس کو ری اوپن کرے گی؟''

''میں نے یہاں فارن آفس کو تو قائل کر لیا ہے اور اس کی جانب سے درخواست پاکستان کے فارن آفس کو چلی گئی ہے۔ میرا خیال ہے حکومت پاکستان بھی انکار نہیں کرے گی۔''

''ہاں غلاموں میں انکار کی جرأت بھی کہاں ہوتی ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''یہاں ہزاروں کیس برسوں سے لٹکے ہوئے ہیں اور ان کی انکوائری نہیں ہوتی ہے لیکن کیونکہ برٹ شا کا تعلق ہمارے آقاؤں کے آقاؤں سے ہے اس لیے میرا خیال ہے تفتیش ضرور ہو گی تو مس ایمن شا ویلکم ٹو پاکستان۔''

وہ ہنسی۔ ''ابھی تو میں نہیں آئی ہوں۔''

''لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے۔''

''شوبی تم مجھے یاد کرتے ہو؟'' اس کا لہجہ ذرا رومانٹک ہو گیا۔

''ہاں تم کوئی بھولنے والی چیز نہیں ہو۔ جیسے تمہارے انکل ڈیوڈ کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔''

''مجھے اس سے کیوں ملا رہے ہو۔'' وہ ناراض ہو گئی۔ ''مجھے نفرت ہے اس شخص سے جو بدقسمتی سے میرا انکل بھی ہے۔''

''اس نے چند دن پہلے مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' میں نے کہا اور ایمن کو ڈیوڈ شا سے کیے جانے والی معاہدے کا بتایا جواب باقی نہیں رہا تھا کیونکہ مرشد نے اس کی دھجیاں بکھیر دی تھیں جب کہ ڈیوڈ شا ابھی پاکستان میں تھا۔ ایمن حیران رہ گئی۔ اس نے کہا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیوڈ جیسا مغرور اور سفاک آدمی کسی کے اتنا جھک سکتا ہے۔ آخر وہ تمہارے لیے اتنا بے چین کیوں ہے؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا شاید وہ مجھے کہیں استعمال کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے وادی کا ذکر کرنے سے گریز کیا۔

ایمن نے خود وادی کا ذکر نکال لیا۔ ''ڈیوڈ شا کسی سفر سے واپس آیا تھا کہیں وہ اسی وادی کی طرف تو نہیں گیا تھا؟''

''ممکن ہے مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے البتہ یہ معلوم ہوا ہے کہ ڈیوڈ شا پاکستان میں بایولوجیکل ویپن پر کام کرا رہا ہے فری لانسر سے۔''

''وہ اسی قسم کا آدمی ہے لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''میں خود یہاں اس کے لوکل ایجنٹ کا نشانہ بنا اور مرتے مرتے بچا۔ اس نے مجھے ایبولا وائرس لگا دیا تھا میرے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی اور وہ مر گئی لیکن میری زندگی تھی اس لیے بچ گیا۔''

''ایبولا وائرس۔'' اس کی آواز میں خوف آ گیا تھا۔ ''یہ تو بہت خطرناک وائرس ہے افریقہ میں، مَیں نے اس کا شکار ہونے والے افراد کو بہت اذیت سے مرتے دیکھا ہے۔''

''مجھ پر جس وائرس کا تجربہ کیا گیا تھا وہ خاص طور سے اتنا طاقتور بنایا گیا ہے کہ انسان صرف تین دن میں مر جاتا ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ہے اسے خاص طور سے حیاتیاتی ہتھیاروں کے لیے بنایا جا رہا ہے۔''

''شکر ہے تمہیں کچھ نہیں ہوا۔''

''بس اللہ نے بچانا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''کیا تم مجھے ڈیوڈ شا کا کوئی رابطے کا نمبر دے سکتی ہو؟''

''میرے پاس اس کا پرسنل نمبر نہیں ہے لیکن اس کی رہائش گاہ کا نمبر دے سکتی ہوں۔ تم ایک منٹ ہولڈ کرو جب میں نمبر دھراؤں تو لکھ لینا۔'' ایمن نے کہا اور شاید دوسرے فون سے آپریٹر کو کال کی اور اس سے ڈیوڈ شا کی رہائش کا فون نمبر مانگا۔ آپریٹر اسے نوٹ کرانے لگا اور وہ بلند آواز سے دھراتی رہی جسے میں نے اپنے پاس نوٹ کر لیا۔ وہ فون بند کر کے واپس موبائل پر آئی۔ ''تمہیں اس کا نمبر کیا کرنا ہے؟''

''اسے اطلاع دینی ہے کہ ہم سے جو معاہدہ ہوا تھا اب میں اس کا پابند نہیں ہوں۔''

ایمن فکر مند ہو گئی تھی۔ ''شہباز اس سے جو ڈیل بھی کرو بہت سوچ سمجھ کر کرنا وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے کہا اور پھر اسے یاد دلایا۔ ''لیکن کیا تم نے سوچا ہے کہ تم برٹ شا کی تلاش کی کوشش کر رہی ہو تو ڈیوڈ شا کا کیا ردِعمل ہوگا۔ وہ برٹ شا کی جاگیر اور خطاب پر قابض ہے کیا وہ اس سے دست بردار ہونے کو تیار ہو جائے گا؟''

ایمن کچھ دیر چپ رہی پھر اس نے کہا۔ ''نہیں وہ کسی صورت یہ بات برداشت نہیں کرے گا لیکن میرا خیال ہے اسے خبر نہیں ہوگی۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے یہاں اس کے ایجنٹوں کی کمی نہیں ہے اور وہ سرکاری اداروں میں بھی ہیں وہ اسے

فوراً خبر کریں گے۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے یہاں اس کا اتنا اثر ورسوخ ہے کہ وہ کیس کو کھلنے ہی نہیں دے گا اور فارن آفس کی جانب سے تمہیں اطلاع ملے گی کہ دوبارہ تفتیش کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا ہے۔''

''مجھے اس کا خیال آیا تھا اس لیے میں نے خود پاکستان آنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''ممکن ہے اس کا کوئی فائدہ ہو لیکن سچ کہوں تو مجھے تمہاری ذات کے لیے بھی خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ تم ایک سفید فام ہو اور یہاں کسی سفید فام کو نشانہ بنا کر الزام کچھ مخصوص گروپس پر لگانا بہت آسان ہے۔ یہ کیس بھی بعد میں بے نام ونشان رہ جائیں گے۔''

''میں جانتی ہوں اس کے باوجود میں ڈیڈی کی تلاش کے لیے پاکستان ضرور آؤں گی۔'' اس کا لہجہ ٹھوس اور فیصلہ کن تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے لیکن وعدہ کرو کہ تم اپنی حفاظت پر پوری توجہ دو گی۔''

''شہباز تمہیں میری حفاظت کی پروا ہے؟'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں ہے۔''

وہ کھل اٹھی تھی کم سے کم اس کی آواز سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ''تب میں ضرور اپنی حفاظت کروں گی، لو یو۔'' اس نے ایک پُرشور چہکار کے ساتھ کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے موبائل رکھ کر سر سہلایا۔ ایمن شا کے سر سے میرا سودا نکلا نہیں تھا اور وہ سُست روی سے صحیح لیکن میری جانب پیش قدمی کر رہی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں سویرا سے محبت کرتا ہوں اور اس کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ میں کسی اور کا نہیں ہو سکتا ہوں۔ اگر ایمن مجھ سے مخصوص مغربی طرز کی محبت چاہتی ہے تو یہ بھی میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ اسے میری ذات سے سوائے مایوسی کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ بہر حال یہ اس کی چوائس تھی میری نہیں اس لیے انجام بھی اسے برداشت کرنا تھا مجھے نہیں۔ میں نے کاغذ پر لکھا ڈیوڈ شا کے گھر کا نمبر دیکھا اور موبائل میں وہ سم ڈالی جسے میں نے صرف دشمنوں سے بات کرنے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ نمبر ملانے پر دوسری بیل پر شاید ڈیوڈ شا کے بٹلر نے کال ریسیو کی۔

''شا ہاؤس ہو از دیئر۔''

''مجھے ڈیوڈ شا سے بات کرنی ہے۔'' میں نے کہا۔

''یور نیم پلیز سر؟''

''شہباز ملک۔'' میں نے کہا تو اس نے ایک منٹ ہولڈ کرنے کو کہا۔ ایک منٹ بعد ڈیوڈ شا لائن پر تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

''شہباز ملک تم نے اچھا نہیں کیا ہے۔''

''اچھا تمہارے آدمی مارشل نے نہیں کیا ہے ابھی تم پاکستان کی فضاؤں میں تھے اور اس نے تمہارے کیے معاہدے کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے مرشد سے میرا سودا کر لیا۔ اس نے مجھے مرشد کے حوالے کرنے کی کوشش کی اور راز کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے دونوں آدمیوں کو بھی گولی مار دی۔ میری خوش قسمتی کہ میرے ساتھی مجھے تلاش کرتے آ گئے ورنہ میں اس وقت کسی نامعلوم قبر میں پڑا ہوتا۔''

''مارشل کا کہنا ہے تمہارے ساتھیوں نے دھوکا کیا اور حملہ کر کے مارشل کے آدمیوں کو قتل کر دیا، جب وہ

"نہیں ان کے حوالے کرنے گیا تھا۔"

"ہمیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ میں ویسے ہی آزاد ہو رہا تھا اور دوسرے جب مارشل کے آدمی مارے گئے تو وہ کیسے بچ گیا۔"

ڈیوڈ شا کچھ دیر کے لیے چپ ہوا تھا پھر اس نے کہا۔ "تم دونوں کی باتوں میں مکمل تضاد ہے اب میں کس کی بات مانوں۔"

"میں نے تمہیں بات کلیئر کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ اب ہمارا معاہدہ ختم ہے۔ تم اپنے دیئے عہد کے مطابق مرشد کو پٹا ڈال کر نہیں رکھ سکے اس لیے میں بھی اس معاہدے سے آزاد ہوں۔" میں نے واضح کرتے ہوئے کہا اور پھر ذرا چبھتے لہجے میں بولا۔ "ویسے مجھے بڑی مایوسی ہوگی اگر مارشل جیسی عقل کے لوگ بھی تمہیں بے وقوف بنا جائیں۔"

"مجھے کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا ہے لیکن تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ مارشل نے تمہیں مرشد کے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی اور تم اپنی عقل مندی سے کام لے کر بچ نکلے۔" اس کا انداز استہزائیہ تھا۔

"یہ سوال تو تمہیں مارشل سے پوچھنا چاہیے تھا۔ تمہارا تنخواہ دار وہ ہے میں نہیں ہوں لیکن اگر تمہاری ذاتی عقل اس معاملے میں کام نہیں کر رہی ہے تو مارشل کے موبائل نمبر کی اس دن اور وقت کی کالز چیک کرا لو جو میرے آدمی کے نمبر پر کی گئیں تھیں۔ تمہارا اتنا اثر و رسوخ تو ہے پاکستان میں کہ موبائل کال لوکیشن نکلوا لو۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ سم کو فوری طور پر موبائل سے الگ کر دیا اور ساتھ ہی اسے توڑ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیا کیونکہ فتح خان یا مرشد کی بات دوسری تھی لیکن ڈیوڈ شا اس معاملے میں خطرناک آدمی تھا اس کے لیے بالکل ممکن تھا کہ وہ انگلینڈ میں ہوتے ہوئے یہاں میرے موبائل کی لوکیشن کا سراغ لگوا لے۔ مجھے اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔



مجھے ایمن اور پھر اس کے چچا سے بات کرتے ہوئے خاصی دیر ہو گئی تھی باہر یقیناً بہت کچھ ہو چکا تھا۔ میں اٹھ کر باہر آیا تو لان میں بالکل پیک ٹینٹ لگ گیا تھا۔ ایاز سب سے پہلے تیار ہو کر آ گیا تھا۔ اس کے پاس تھری پیس سوٹ نہیں تھا اس لیے اس نے پینٹ شرٹ کے ساتھ کوٹ نما جیکٹ لے لی تھی اور اس میں اچھا لگ رہا تھا۔ اس میں ہوا کی آمد و رفت کی گنجائش نہیں تھی اس لیے سردی کا اثر بھی کم تھا۔ دولہا اور دلہن کے لیے خوب صورت چھوٹا سا اسٹیج بنایا گیا تھا جس پر چار عدد صوفہ نما کرسیاں رکھی تھیں۔ نیچے بھی صوفہ نما کرسیاں رکھی تھیں لیکن یہ اسٹیج والی کرسیوں سے مختلف تھیں اور ایک لمبی میز کے دونوں طرف رکھی تھیں۔ رات کے نو بجنے والے تھے اور ابھی تک عبداللہ اور اس کے ساتھی نہیں آئے تھے۔ میں اسے کال کرنے والا تھا کہ وہ آ گیا۔ اس کی سیاہ شیشوں والی جیپ اندر آئی تھی۔ وہ اتر کر سیدھا میرے پاس آیا اس کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اسے کامیابی ہوئی ہے۔ اس نے جیب سے لفافہ نکال کر میرے حوالے کیا اور بولا۔ "آپ کو شادی کا ارینجمنٹ کیسا لگا؟"

"شاندار۔" میں نے کہا۔ "میں تو حیران ہوا تھا تم نے اتنی جلدی سب کر لیا۔"

"اور پوری راز داری سے۔" وہ بولا۔ "مونا بی بی نے جن خواتین کو بلایا ہے وہ بھی نہیں جانتیں کہ وہ کہاں

آئی ہیں ان کو ایک بند وین میں لایا گیا تھا اور اسی طرح واپس لے جائیں گے۔''

''گڈ......بس میں اسی چیز سے پریشان تھا کیونکہ یہ سب مونا کی واقف کار ہیں۔''

''جی مجھے معلوم ہے اور میں نے اسی لحاظ سے بندوبست کیا ہے۔ وسیم اور باقی کہاں ہیں۔''

''میرا خیال ہے تیار ہو رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں بھی چینج کر کے آتا ہوں۔''

''میں ذرا انتظامات دیکھ لوں۔'' عبداللہ بولا اور اپنے آدمیوں کی طرف چلا گیا۔ میں اندر آیا جہاں وسیم تیار تھا اور سعدیہ تیاری سے گزر رہی تھی۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''یہ کیا جناب میں آدھے گھنٹے میں تیار ہو گیا اور ابھی دلہن آدھی بھی تیار نہیں ہوئی ہے۔''

''بس بھائی باقی زندگی میں بھی ایسا ہی ہوگا۔'' میں نے کہا اور اپنے لیے ایک سوٹ نکالا۔ یہ سوٹ دیکھ کر مجھے زرین یاد آئی کیونکہ اسی نے پسند کر کے یہ سوٹ لیا تھا اور مجھے پہننے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ میں نے اسے منیر کو پریس کرنے کے لیے دیا اور خود باتھ روم میں گھس گیا۔ نہا کر آیا تو سوٹ استری ہو کر آ گیا تھا۔ بیتو بھی سوٹ پہن کر آئینے کے سامنے ٹائی باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس سے ٹائی لی۔ ''برخوردار ایسے نہیں باندھتے ہیں۔ میں تمہیں طریقہ بتاتا ہوں۔''

میں نے عملی طور پر اسے ٹائی باندھنا سکھائی اور بیتو سیکھ گیا اس نے پھر ٹائی کھول کر درست طریقے سے باندھی اور خوش ہو کر بولا۔ ''شوبی بھائی ہم کو آ گیا ہے۔''

''شاباش اب یہاں سے نکلو مجھے بھی سوٹ پہننا ہے۔''

مجھے صرف تولیہ میں ملبوس دیکھ کر بیتو ہنسا اور کمرے سے چلا گیا اس کے جانے کے بعد میں نے بھی سوٹ پہنا تھا۔ تیار ہو کر میں باہر آیا تو ایک ڈی جے بھی آ گیا تھا اور اپنے آلات سے دھیمی آواز میں موسیقی بکھیر رہا تھا۔ وسیم اسٹیج پر آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی چمک رہی تھی۔ میں نے سفیر سے پوچھا۔ ''دلہن اور مونا کہاں ہیں؟''

''اندر ہیں......ابھی تیاری میں کچھ وقت ہے۔''

میں وسیم کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اسے مطلع کیا۔ ''میں سعدیہ کی طرف سے ہوں۔''

وہ مسکرایا۔ ''یعنی آپ سالے کا رول پلے کر رہے ہیں۔''

''اب تک تو یہی رول پلے کرتے آئے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اور اپنا کوئی سالا ہے نہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں میں سویرا کا بھائی بن جاؤں گا۔'' اس نے خلوص سے کہا۔ میں نے سوچا وہ وقت کب آئے گا جب میں اسی طرح دولہا بن کر سویرا کو لینے جاؤں گا۔ بلکہ لینے کیا جاؤں گا۔ وہ اسی حویلی میں ہے جہاں اسے ساری عمر رہنا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد سعدیہ دلہن بن کر غضب ڈھاتی آ گئی تھی اگرچہ مونا کی تیاری بھی کم نہیں تھی اور اسے دیکھ کر سفیر جذباتی ہو گیا تھا لیکن سعدیہ نے تو سب کو دنگ رہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ گولڈن رنگ کے شرارے میں وہ خود بھی سنہری گڑیا لگ رہی تھی۔ میچنگ کی جیولری نے مزید کام کیا تھا۔ وسیم ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''یہ بیوٹی پارلر والے بھی کیا غضب ڈھاتے ہیں۔ سورج کو سوا نیزے پر پہنچا دیتے ہیں۔''

''درست فرمایا آپ نے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

مونا سعدیہ کا لباس سنبھالتی اسے اسٹیج تک لائی تھی۔ عبداللہ کا ایک آدمی چھوٹا ویڈیو کیمرا لے آیا تھا۔ سفیر ڈیجیٹل کیمرے سے تصویریں لے رہا تھا۔ عبداللہ بھی تیار ہو کر آ گیا تھا اور اس وقت با قاعدہ چمک رہا تھا۔ عام طور سے میں نے اسے اپنی ذات سے لاپروا پایا تھا۔ وہ شاید ہفتے میں ایک ہی بار شیو بنا کر فارغ ہو جاتا تھا اور اس کے بال بھی بکھرے رہتے تھے لیکن اس وقت شیو بنی تھی اور بال سلیقے سے بنائے گئے تھے۔ تھری پیس سوٹ میں وہ اسمارٹ لگ رہا تھا۔ ویسے کی مناسبت سے سب نے ہی تھری پیس سوٹ پہنے تھے۔ چھ سات گھنٹے پہلے میں نے صرف بات کی تھی اور جو سوچا تھا وہ عملی طور پر سامنے تھا۔ ویڈیو اور فوٹو سیشن کے بعد دعا کی گئی۔ سب نے وسیم کو گلے لگا کر اور دبا کر مبارک باد دی۔ اس کے بعد دولہا دلہن کو سلامیاں دینے کی باری آئی اور تقریباً سب نے نوٹوں والے لفافے انہیں پکڑائے حدیہ کہ ایاز نے بھی لفافے میں رقم دی۔ مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ جب میں اسٹیج پر آیا تو میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر جتنی رقم تھی وہ سعدیہ کے پرس میں ڈال دی۔ وہ ہنسی۔

''یہ کیا طریقہ ہے؟''

''یہ محبت کا طریقہ ہے جو لفافوں کا محتاج نہیں ہوتا۔''

''شوبی میں آپ کی شکر گزار ہوں میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ کے توسط سے مجھے اتنے اچھے لوگ ملیں گے۔''

''یہ تمہارا مقدر ہے گڑیا۔'' میں نے کہا اور اسٹیج سے نیچے آ گیا۔

''مجھے تو کچھ نہیں دیا۔'' مونا نے سرگوشی کی۔ ''میری اور سفیر کی شادی بھی تو ہوئی ہے۔''

''تو اب لے لینا۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے دیا تو ہے ایک کاٹھ کا اُلو۔''

مونا ہنسی اور سفیر نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ سلامیوں اور اسٹیج کے سیشن کے فوراً بعد کھانا لگا دیا گیا۔ اپنا کام مکمل کر کے مونا کی بیوٹی پارلر اور بوتیک کی فرینڈز بھی تقریب میں شامل ہو گئی تھیں۔ کھانے کے بعد عبداللہ ان کو واپسی کے لیے ساتھ لے گیا۔ مونا اپنی فرینڈز کو چھوڑ کر آئی اور پھر اس نے رخصتی کا اعلان کر دیا۔ سعدیہ کو وہ اندر لے گئی تھی جب کہ وسیم کو ہم نے روک لیا۔ سفیر نے اس کا بازو پکڑا۔ ''بیٹے اتنی جلدی بھی کیا ہے ذرا ہمارے ساتھ تو گپ شپ کر لو۔''

''جلدی تو نہیں ہے۔'' وسیم جھینپ کر بولا۔ وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ چلتی رہی تھی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ اب دیر ہو گئی ہے۔ ابھی مجھے، بیتو اور ایاز کو واپس جانا تھا۔ میں نے آہستہ سے سفیر سے کہا۔

''آج تو بھی یہیں رکے گا۔''

''بالکل نہیں میں تیرے ساتھ جاؤں گا۔''

''بکواس نہ کر مونا آج اکیلی ہو گی تو اس کے پاس رکے گا۔ آخر وہ تیری بیوی ہے۔''

سفیر ہچکچایا لیکن جب میں نے زور دیا تو مان گیا تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے اور ہمیں سفر بھی کرنا تھا۔ میں کھڑا ہوا تو سب ہی کھڑے ہو گئے اس بار سفیر نے وسیم کو روکنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ خود اسے بھی یہیں رہنا تھا اور وہ مونا کے پاس جانے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا اس پر بیتو نے اس کا مذاق اُڑایا۔ عبداللہ واپس آ گیا تھا

اس نے ہمارے ساتھ چلنے کو کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بیتو اور ایاز میرے ساتھ ہیں۔ تم آج سارا دن بہت مصروف رہے ہو آرام کرو۔'' میں نے کہا۔

گاڑیاں اب سب یہیں آ گئی تھیں۔ میں نے عبداللہ سے کہا کہ ہماری اضافی گاڑیاں کہیں کھڑی کروا دے تا کہ جب ضرورت پڑے ہم وہاں سے حاصل کر لیں۔ اس نے کہا کہ بندوبست ہو جائے گا۔ میں چاہ رہا تھا کہ ابھی ہم صرف دو گاڑیاں رکھیں چار زیادہ تھیں اور ان کو سنبھالنا بھی مشکل کام تھا۔ ایاز کی جیپ تو لازمی تھی اس کے علاوہ میں نے منی پجیرو لی۔ یہ چھوٹی گاڑی تھی اور اسے استعمال کرنا آسان تھا۔ الٹریشن کے بعد اس کی رفتار اور پک اَپ بھی بہتر ہو گیا تھا۔ ایاز اپنی جیپ لے کر نکلا اور میں اور بیتو پجیرو میں تھے۔ سردی تو غضب کی تھی۔ ساتھ ہی دھند بھی شروع ہو گئی اور جب ہم باہر نکلے تو دھند کی وجہ سے تیس گز سے آگے دیکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے ہیڈ لائٹس پوری طرح روشن کر دی تھیں۔ اس کے باوجود راستہ دیکھنے میں مشکل ہو رہی تھی اور ہماری رفتار کم تھی۔

ہم اسلام آباد کی حدود سے نکلے تو دھند میں کسی قدر کمی آئی تھی۔ اصل میں اسلام آباد میں سفیدے کے درخت بہت زیادہ ہیں اور یہ ہوا میں نمی چھوڑتے ہیں جس سے دھند کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کھلی جگہ پر دھند کم تھی۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ ایاز کی جیپ کی رفتار تیز ہو گئی۔ میں سمجھ نہیں سکا تھا کیونکہ وہ مجھ سے کوئی پچاس گز آگے تھا۔ میں نے بھی رفتار تیز کی بیتو اونگھ رہا تھا وہ چونکا۔ ''کیا ہوا شوبی بھائی رفتار کیوں بڑھا دی؟''

''پتا نہیں ایاز نے رفتار بڑھا دی ہے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ ایاز کوئی کام بلا وجہ کرنے والا شخص نہیں ہے کوئی نہ کوئی وجہ تھی جو اس نے رفتار بڑھا دی تھی۔ میں نے موبائل سے اسے کال کی۔ ''ایاز اسپیڈ کیوں بڑھا دی ہے؟''

''جناب میں آپ کو کال کرنے والا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''مجھ سے آگے ایک گاڑی جا رہی ہے۔ یہ دائیں طرف سے ایک سڑک سے نکلی تھی اور جب میری جیپ کے پاس سے گزری تو اس میں سے کسی لڑکی کی چیخیں سنی ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے اس گاڑی میں کسی لڑکی یا عورت کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے؟''

''میرا یہی خیال ہے جناب۔'' اس نے کہا۔ ''میری جیپ اور گاڑی دونوں کے شیشے مکمل طور پر بند ہیں اس کے باوجود لڑکی کی چیخیں صاف سنائی دیں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اگر کوئی مجبور لڑکی کچھ درندوں کے ہاتھ لگ گئی تھی تو اس کا امکان تھا کہ اس کے ساتھ آگے اچھا نہیں ہو گا۔ آبرو تو جائے گی اس کا امکان بھی ہے کہ اسے جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں اور یہ ہمارے سامنے ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ایاز کی آواز آئی۔ ''شہباز صاحب بتائیں کیا کرنا ہے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میں ان کو روکنا چاہوں گا۔'' اس نے بلا تامل کہا۔

''او کے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' میں نے بھی فوری فیصلہ کیا۔ ''کرنا کیا ہے؟''

''میں ٹکر مار کر گاڑی کو روکنے جا رہا ہوں۔'' ایاز نے کہا۔ وہ گاڑی روکیں گے تو انہیں ہینڈز اَپ کر کے صورت حال معلوم کر لیں گے۔ اس کے بعد دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم ٹکر مار کر آگے رکنا اور میں ان کے پیچھے رکوں گا۔''

ایاز کی جیپ کے سامنے والے حصے میں بڑی مضبوط قسم کی فولادی گرل تھی۔ اس لیے ایاز نے بے فکری سے جیپ کی رفتار تیز کی اور عقب سے گاڑی کو ٹکر ماری۔ سناٹے اور رات کے وقت دھماکے کی آواز صاف سنائی دی۔ اگلی گاڑی لہرائی اور سڑک سے اتر گئی۔ ایاز نے جیپ کچھ آگے روکی اور میں نے اپنی جیپ کچھ پیچھے روک دی۔ میں اور بیتو اپنے پستول سنبھالتے ہوئے نیچے اترے۔ تو ضرب کھانے والی گاڑی سے تین افراد نکل آئے تھے۔ وہ بدمعاشوں کے انداز میں وزنی گالیاں دیتے اور بڑھکیں مارتے ہوئے ایاز کی جیپ کی طرف لپک رہے تھے۔ ان میں سے سب سے آگے والا جیسے ہی جیپ کے دروازے تک پہنچا اور اس نے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی تو دروازہ طوفانی رفتار سے کھلا اور اس کے منہ پر لگا۔ وہ بلبلا کر پیچھے جا گرا۔ یہاں اسٹریٹ لائٹس کی روشنی تھی اس لیے کسی قدر نظر آ رہا تھا میں نے سب سے پیچھے والے کو ایک عدد پستول نکالتے دیکھا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اپنا پستول اس کے سر پر رکھ دیا۔

''بس کا کے اب حرکت مت کرنا۔'' میں نے کہتے ہوئے اس کا پستول اچک لیا۔ درمیان والا پہلے ہی پوز ہو گیا۔ کیونکہ ایاز ایک شاٹ گن کے ساتھ نیچے اتر آیا تھا۔ منہ پر دروازہ کھانے والا اٹھ گیا تھا اور ہمیں دانتوں تک مسلح دیکھ کر ان کی بکواس اور بڑھکیں رک گئی تھیں۔ وہ بالکل شرافت کے موڈ میں آ گئے تھے۔ میں نے پستول نکالنے والے سے پوچھا۔

''یہ کیا چکر ہے۔''

''کیسا چکر؟'' اس نے انجان بننے کی کوشش کی تو میں نے اس کے سر پر پستول کا دستہ مارا اور اسے صحیح معنوں میں چکر آ گئے۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' منہ پر دروازہ کھانے والا بولا۔ ''ایک تو ٹکر مار کر گاڑی کا بیڑا غرق کر دیا اور اوپر سے ہمیں مار بھی رہے ہو۔''

''یہ تو اسٹارٹ ہے۔'' بیتو بولا وہ گاڑی کا معائنہ کر رہا تھا اس کی سیاہ شیشوں کے اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ابھی اور مارے گا۔''

چکرانے والا اب سنبھل گیا تھا وہ تقریباً چالیس برس کا چہرے سے بدمعاش نظر آنے والا تنومند آدمی تھا باقی دو اس سے کم عمر تھے لیکن ان کے چہروں کی خباثت اس سے کسی طرح کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''گاڑی میں اور کون ہے؟''

''کوئی نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا تو میں نے پھر دستہ اس کے سر پر آزمایا۔ اس بار وہ گر پڑا تھا۔ میں نے دوسرے سے یہی سوال کیا۔

''جی میری عورت ہے۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ان کی ساری بدمعاشی ہوا ہو گئی تھی اور

انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ ہم ان سے بڑے بدمعاش تھے۔

''تمہاری عورت کیا گاڑی میں بیٹھ کر اسی طرح چلاتی ہے؟'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''اب کیوں خاموش ہے؟''

اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا لیکن منہ پر دروازہ کھانے والا کسی قدر تیز لہجے میں بولا۔ ''یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔''

''اچھا ابھی دیکھتے ہیں تمہارے ذاتی معاملے کو۔'' ایاز نے کہا اور آگے بڑھ کر کار کا عقبی دروازہ کھولا۔ منہ کی کھانے والا ''اوئے...... اوئے'' کرتا ایاز کی طرف لپکا تھا لیکن جیسے ہی وہ ایاز کے پاس پہنچا اس نے اچانک لات اس کے سینے پر ماری اور وہ الٹ کر پیچھے جا گرا۔ وار سخت تھا وہ سینہ پکڑ کر زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ بیتو نے ایاز کے وار کی داد دی۔ ایاز اندر جھانک رہا تھا پھر اس نے مجھے اطلاع دی۔ ''جناب ایک لڑکی ہے لیکن بے ہوش لگتی ہے۔''

''ان پر نظر رکھو۔'' میں نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا اور کار کی عقبی حصے میں دیکھا۔ لڑکی دوسری طرف دروازے سے ٹکی بے ہوش پڑی تھی کم سے کم اس کا ڈھیلا پن یہی بتا رہا تھا۔ وہ نقوش سے نوجوان اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ نیلی ویلویٹ کا سادہ سوٹ پہن رکھا تھا اور اوپر سوئیٹر تھا۔ اس کے لائٹ براؤن بال بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے آگے ہو کر اس کا منہ سونگھا اور کلوروفارم کی بُو نے تصدیق کر دی اسے بے ہوش کیا گیا تھا۔ میں واپس آیا اور مار سے بچنے والے سے پوچھا۔

''لڑکی بے ہوش ہے۔''

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ بدمعاش قسم کے لوگ تھے اور ہم ایک چلتی شاہراہ کے کنارے کھڑے ہو کر ان سے نہیں نمٹ سکتے تھے۔ میں نے ان کی تلاشی لینے کو کہا۔ بیتو نے سر پر ضرب کھانے والے کے پاس سے کلوروفام کی شیشی برآمد کی اور ٹھیک آدمی کے پاس سے ایک عدد چاقو نکلا تھا۔ میں نے ایاز سے کہا۔ ''یہاں سے چلو ان سے کہیں اور ذرا تسلی سے بات کرتے ہیں یہاں کوئی بھی آ سکتا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

ان کی گاڑی وہیں چھوڑ کر ہم نے انہیں اور بے ہوش لڑکی کو اپنے گاڑیوں میں منتقل کیا۔ لڑکی کو ایاز کی جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا اور منہ پر دروازہ کھانے والا اس کے ساتھ بیٹھ گیا جب کہ باقی دو میں سے ایک میرے ساتھ بیٹھا اور دوسرا بیتو کے ساتھ پیچھے تھا اس طرح ہم ان پر پوری طرح نظر رکھ سکتے تھے۔ یہ تو طے تھا کہ انہیں مکان پر نہیں لے جانا ہے۔ اس کے بجائے ہمیں آس پاس کوئی جگہ تلاش کرنی تھی جہاں ان سے سکون سے بات کر سکتے اور چیخ و پکار پر کوئی دخل در معقولات نہ کرتا۔ کچھ دور جا کر سڑک سے ذرا دور ایک کچا احاطہ نظر آیا جس کی دیوار گر گئی تھی اور اس کا مطلب تھا یہ غیر آباد تھا۔ ایاز نے اسے دیکھا اور جیپ اس کی طرف گھما دی۔ میں نے اس کی پیروی کی۔ دونوں گاڑیوں کی روشنیوں میں احاطہ ویران ہی لگ رہا تھا اور آس پاس کوئی آبادی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ احاطے کے آس پاس دور تک زمین پر کائی لگا پانی کھڑا تھا۔ شاید اس علاقے میں بارش کے پانی کی

اکا سی کا انتظام نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ زمین بے کار تھی۔ اس جگہ کو دیکھ کر میرے برابر میں بیٹھا بڑی عمر والا خوف زدہ ہو گیا۔

''یہاں کیوں آئے ہو؟''

''سوال مت کرو...... یہ کام ہمیں کرنا ہے، نیچے اترو۔'' میں نے پستول کا رخ اس کی طرف کیا تو وہ شرافت سے نیچے اتر گیا۔ باقی بھی نیچے اتر آئے۔ میں نے لڑکی کی نبض دیکھی۔ وہ ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے والی نہیں تھی۔ بیتو کو اس کے پاس چھوڑ کر میں اور ایاز انہیں احاطے میں لے آئے۔ میں نے کہا۔ ''شروع ہو جاؤ، یہ لڑکی کون ہے اور تم اسے کیوں اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟'' میں نے کہا اور اپنے پستول پر سائلنسر لگانے لگا۔ ان کی حالت خراب ہوئی تھی لیکن ان کی ڈھٹائی ختم نہیں ہوئی تھی۔

''ہم لڑکی کو اغوا کر کے نہیں لے جا رہے ہیں۔''

میں نے احتیاط سے گولی چلائی جو اس کے کان کے پاس سے گزر گئی وہ اچھل پڑا تھا میں نے گرج کر کہا۔

''تو کیا تمہاری بیٹی ہے؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔ میں نے دوسری گولی چلائی جو اس کے بازو کو چھوتی گزر گئی۔ اس نے کراہ کر بازو تھام لیا۔

''مجھے عورتوں پر ظلم کرنے والے لوگوں سے نفرت ہے اور انہیں اذیت سے مار کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اگلی بار گولی تمہارے جسم میں اترے گی لیکن تم اتنی جلدی مرو گے نہیں۔''

''تم کیا کہتے ہو؟'' ایاز نے منہ پر دروازہ کھانے والے سے پوچھا۔ اس کی ناک اور ہونٹ سوج گئے تھے۔ وہ بولا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔''

''چھوڑو ان بے چاروں کو کچھ نہیں معلوم انہیں زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہے گولی مار کر چھوڑ جاتے ہیں کل کوئی نہ کوئی لاش دیکھ لے گا۔'' میں نے پستول بلند کیا تھا کہ ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ شخص چلانے لگا۔

''خدا کے لیے مجھے مت مارو میں بتاتا ہوں۔ ہاں ہم اس لڑکی کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ استاد کو پسند آ گئی تھی لیکن مانتی نہیں تھی ایک اسکول میں ٹیچر ہے اور اس کا باپ بھی ہیڈ ماسٹر ہے۔''

میں افسوس سے سانس لے کر رہ گیا۔ ہمارے معاشرے میں اب ٹیچر کی یہ عزت افزائی ہی باقی رہ گئی تھی کہ عورت ٹیچر کو براہِ راست بے آبرو کیا جائے اور اس کے ٹیچر باپ کو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا جائے۔

''استاد کون ہے؟'' میں نے پوچھا تو بڑی عمر والا غرایا۔

''جیرے زبان بند رکھ۔''

''ہاں جیرا اپنی زبان بند رکھے گا لیکن تم بولو گے۔'' میں نے کہا اور اچانک لات مار کر اسے نیچے گرا دیا۔ دوسرے کے پاس سے برآمد ہونے والا چاقو میرے پاس تھا میں نے اس کی گردن پر گھٹنا رکھا اور چاقو سے اس کی کمر پر کٹ لگایا۔ اس نے آزاد ہونے کی کوشش کی لیکن میرے بوجھ تلے تڑپ کر رہ گیا تھا میں نے سوال کیا۔

''استاد کون ہے؟''

اس نے چیخ کر گالی دی تھی۔ وہ جس طرح مزاحمت کر رہا تھا مجھے لگا وہی استاد ہے لیکن یہ بات میں اس کی زبان سے کہلوانا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے بازو اور پھر اس کے پیروں پر کٹ لگائے۔ وہ گاڑی تلے آنے والے کتے کی طرح چیخ و پکار کرنے لگا۔ مگر ابھی تک اس نے مزاحمت ترک نہیں کی تھی۔ البتہ جب میں نے اسے ایک کان سے محروم کیا تو اس نے بھوں بھوں کر کے روتے ہوئے اقرار کر لیا کہ وہی استاد ہے۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور افسوس سے کہا۔

''ایک بے بس لڑکی کو اغوا کرنے والے کو اتنا ہی کم ہمت اور بزدل ہونا چاہیے۔ تم اقرار کرتے ہو کہ تم اس لڑکی کو بے آبرو کرنے کے لیے اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟''

''ہاں۔'' اس نے روتے ہوئے جواب دیا کیونکہ اس نے سوچا ہی نہیں تھا میں اسے شوٹ کر سکتا ہوں اس لیے جب میں نے عین دل کے مقام پر گولی ماری تو وہ چند لمحے بے یقینی سے مجھے دیکھتا رہا اور پھر منہ کے بل گر گیا۔ گرنے سے پہلے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ اس کے ساتھی دم بخود رہ گئے تھے اور پھر وہ تھر تھر کانپنے اور جان بخشی کی التجائیں کرنے لگے۔ ایاز بھی حیران ہوا تھا اسے مجھ سے اتنے شدید ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔ میں نے پوچھا۔

''اس لڑکی کا گھر کہاں ہے؟''

منہ کی کھانے والے نے کہا۔ ''پنڈی میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔''

''مکمل پتا بتاؤ۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔

''وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم ہے۔ میں مکان دکھا سکتا ہوں۔''

ایاز نے میری طرف دیکھا۔ ''کیا اس لڑکی کو گھر پہنچانا ہے؟''

''ظاہر ہے ہم اسے یوں تو نہیں چھوڑ سکتے اور ویسے بھی جب میں کسی معاملے میں دخل دیتا ہوں تو اسے انجام تک پہنچاتا ہوں۔''

''اس کا کیا کرنا ہے؟'' ایاز نے استاد کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

''یہیں پڑے رہنے دو۔ ممکن ہے کل تک کوئی دیکھ لے ورنہ چیلوں اور گِدھوں کا بھلا ہو جائے گا۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ استاد کے بارے میں یہ سن کر اس کے چیلوں کی حالت مزید خراب ہو گئی اور انہیں یقین آنے لگا کہ ہم انہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ وہ منت سماجت کرتے میری جیپ میں آئے۔ جیرہ میرے ساتھ بیٹھا تھا اور دوسرا بیتو کے ساتھ پیچھے بیٹھا تھا۔ میں نے راستے میں جیرے سے انٹرویو جاری رکھا تھا۔ اس سے جو صورتِ حال سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ آنجہانی استاد فرحان عرف فانا راولپنڈی کا ایک درمیانے درجے کا بدمعاش تھا اور یہ دونوں یعنی جیرہ اور عالم اس کے دست نا راست تھے یعنی اس کے تمام مجرمانہ کاموں میں برابر کے شریک رہتے تھے۔

یہ لڑکی شاہین ایک نجی اسکول میں ٹیچر ہے اور اس کا باپ ریاض عباسی ایک سرکاری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہے۔ استاد فانا نے کہیں شاہین کو دیکھ لیا اور وہ اسے پسند آ گئی تب سے وہ اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ دو دن پہلے سرِ

عا[illegible] نے پر شاہین نے اسے تھپڑ مار دیا تھا۔ تب سے استاد فانا کے دل میں آگ لگی تھی اور یہ آگ ایک ہی صورت میں سرد ہو سکتی تھی جب وہ شاہین سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیتا۔ بدلہ لینے کے لیے وہ اپنے ساتھیوں کے [illegible] اور ریاض عباسی کے گھر پہنچا اور دیوار پھلانگ کر وہ اندر گھس گئے۔ انہوں نے ریاض عباسی کو بے بس کر کے باندھ دیا اور شاہین کو بے ہوش کر کے اٹھا کر لے آئے لیکن راستے میں اسے ہوش آ گیا اور اس نے چیخیں ماریں۔ اب یہ اتفاق تھا کہ ایاز نے اس کی چیخیں سن لیں۔ معاملہ الٹ گیا اور استاد فانا کے دل میں لگی آگ دوسرے طریقے سے سرد ہوئی تھی۔ ایاز کی جیپ کی ٹکر سے پہلے وہ اسے دوبارہ کلوروفارم سنگھا چکے تھے۔

''تم نے دیکھا بعض اوقات آدمی کو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔'' میں نے جیرے سے کہا۔ ''اب دعا کرو کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے ورنہ تم دونوں کو بھی استاد کے پاس بھیجنا پڑے گا۔''

''خدا کی قسم...... مجھے میری ماں کی قسم میں کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔'' جیرے نے کہا۔

''میں تو اس بستی میں ہی نہیں جاؤں گا۔'' عالم بولا۔

میرے موبائل نے بیل دی۔ ایاز کال کر رہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔ ''کیا ہوا؟''

''لڑکی کو ہوش آ رہا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کہیں یہ شور نہ کر دے۔''

''کسی مناسب جگہ رک جاؤ اسے بات کر کے اور سمجھا کر آگے بڑھتے ہیں۔''

یہ مین روڈ تھی اس لیے ایاز نے ایک ذیلی سڑک پر جیپ موڑی اور کچھ آگے اس کے ویران حصے میں روک دی۔ جب میں اتر کر اس کے پاس پہنچا تو وہ شاہین کا ہاتھ پکڑ کر اسے فرار سے روک رہا تھا اور ساتھ ہی سمجھانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک کلوروفارم کے اثر میں تھی اور ہلکی سی آواز نکالتے ہوئے مزاحمت کر رہی تھی مجھے پاس دیکھ کر وہ مزید خوف زدہ ہو گئی۔

''بی بی آرام سے، آرام سے۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''ہم نے تمہیں ان بدمعاشوں سے چھڑا لیا ہے اور تمہیں تمہارے گھر پہنچانے جا رہے ہیں۔''

''تم...... تم ان کے ساتھی ہو۔'' وہ لڑکھڑاتے لہجے میں بولی۔

''اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو آ کر دیکھو وہ ہماری قید میں ہیں۔''

لیکن وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھی اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ اسے جانے دیا جائے۔ آخر میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے تم چلی جاؤ لیکن اتنی رات اور تاریکی میں تم کہاں جاؤ گی۔ تمہیں راستے معلوم ہیں۔ کوئی کنوینس ہے۔ کیا تمہیں استاد فانا جیسا کوئی اور نہیں ملے گا۔''

میری بات سن کر وہ تذبذب میں پڑ گئی تھی۔ میرا لہجہ ان بدمعاشوں سے بالکل مختلف تھا وہ پڑھی لکھی اور ذہین تھی اور اسے انسانوں کی پہچان تھی اس لیے دیر سے سہی لیکن اسے احساس ہونے لگا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ پھر میں نے اسے اپنی گاڑی میں بیٹھے جیرے اور عالم دکھائے۔ اسے کسی قدر یقین آ گیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم ہم پر بھروسہ کرو اور میرا خیال ہے تمہارا گھر اب زیادہ دور نہیں ہے۔''

گھر کے ذکر پر اسے باپ یاد آ گیا اور وہ تڑپ گئی تھی۔ ''انہوں نے بابا کو سر پر کچھ مارا تھا پھر مجھے کچھ

سونگھایا اور میں بے ہوش ہوگئی۔ پتا نہیں بابا کا کیا حال ہوگا؟''

''تمہارے بابا ٹھیک ہوں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ہم تمہارے گھر ہی جا رہے ہیں۔''

وہ ایاز کے ساتھ بیٹھنے پر بڑی مشکل سے آمادہ ہوئی تھی۔ ہمارے شریفانہ رویے نے اسے قائل کر دیا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے اور کوئی بیس منٹ بعد اس بستی کے پاس تھے جہاں شاہین کا گھر تھا یہ کچی آبادی تو نہیں تھی لیکن تھی غریبوں کی آبادی، گلیاں کچی تھیں اور مکان معمولی درجے کے تھے۔ ریاض عباسی کا مکان بڑے رقبے پر تھا اندر تین کمرے تھے لیکن صحن بڑا سا تھا جس میں بہت سارے پھول پودے لگے تھے۔ کمروں کی چھتیں ٹین کی تھیں جن پر بیلیں چڑھائی ہوئی تھیں۔ یہ سب صحن میں داخل ہوتے ہی نظر آ گیا تھا۔

ہم نے گاڑیاں دروازے کے سامنے روکی تھیں اور وہاں ہر طرف سناٹا تھا۔ لوگ سردی کی وجہ سے گھروں میں دبکے سو رہے تھے اور کسی پڑوسی کو نہیں پتا چلا تھا کہ اس گھر پر کیا قیامت گزر گئی ہے۔ اندر داخل ہونے والا دروازہ کھلا تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو شاہین کمروں کی طرف لپکی۔ ہم جیرے اور عالم کو بھی لے آئے تھے۔ میں نے ایاز اور بیتو کو اشارہ کیا کہ ان پر نظر رکھیں اور خود اندر آیا۔ شاہین پہلے کمرے میں گھسی تھی اور پھر اس کے رونے کی آواز آئی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہوا اور رک گیا وسط میں دری پر ایک سفید داڑھی اور بالوں والے بوڑھے کی لاش پڑی تھی۔ کم سے کم اس کی کھلی آنکھوں سے یہی لگ رہا تھا اور اس کے سر سے بہنے والا خون فرش پر جم گیا تھا۔ شاہین اس سے لپٹی رو رہی تھی۔ آہٹ سن کر اس نے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر گلوگیر لہجے میں بولی۔

''ظالموں نے میرے بابا کو مار دیا۔''

میں نے پاس بیٹھ کر بوڑھے کی نبض دیکھی۔ نبض رکی تھی اور ہاتھ بالکل سرد تھا۔ اسے مرے ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ شاید سر پر لگنے والی ضرب جان لیوا ثابت ہوئی تھی یا ہونے والی ذلت کے احساس نے اس کی جان لے لی تھی۔ وجہ کچھ بھی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ اس ملک میں زور آوروں نے ایک اور غریب گھر اجاڑ دیا تھا۔ شاہین باپ کی لاش کے سینے سے سر ٹکائے رو رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے، لیکن ہم یہاں نہیں رک سکتے ہیں کیا تمہارا کوئی جاننے والا ہے جسے اطلاع دی جا سکے؟''

اس نے انکار کیا۔ ''نہیں یہاں ہمارا کوئی نہیں ہے، ہم آزاد کشمیر کے رہنے والے ہیں لیکن وہاں بھی بابا کے دور کے رشتے دار ہیں۔''

''محلے والے تو ہیں تم ان کو بتا سکتی ہو۔''

''محلے والے۔'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''یہ تو اس وقت نہیں آئے جب یہ بدمعاش ہمارے گھر میں گھسے تھے اور میں چلائی تھی۔ سب سن کر بھی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے تھے۔''

یہ ہمارے معاشرے کا ایک اور المیہ ہے ہم کسی کے ساتھ زیادتی ہوتے دیکھتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔ جب ہم چپ ہوتے ہیں تو یہ کبھی نہیں سوچتے کہ کل کو ہماری باری بھی آ سکتی ہے اور اس وقت دوسرا کوئی نہیں بولے گا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس مظلوم لڑکی اور اس کے باپ کا کیا جائے۔ عقل کا تقاضہ یہ تھا کہ فوری روانگی اختیار کی جائے اس سے پہلے کہ اہل محلہ اور پولیس آئے اور ہماری روانگی کے راستے بند ہو جائیں، لیکن میں اسے

یوں چھوڑ کر بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا اس کا کیا کرنا ہے کہ ایاز تیزی سے اندر آیا۔ اس کا انداز بتانے کے لیے کافی تھا کہ کوئی خطرہ ہے۔ میں خود شاہین سے ذرا دور چلا گیا۔ ایاز نے ایک نظر شاہین اور اس کے باپ کی لاش دیکھی اور میرے کان میں سرگوشی کی۔

''جناب باہر کم سے کم چار افراد ہیں اور وہ شاید مکان کو گھیر چکے ہیں ان کا انداز خطرناک ہے۔''

''مسلح ہیں؟''

''دو کے پاس ہتھیار ہیں باقی دو کا نہیں پتا لیکن ان کا انداز ایسا ہی ہے، ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

میں اس کے ساتھ باہر آیا جہاں بیتو ان دونوں کو ہینڈز اَپ کرائے کھڑا تھا۔ انہوں نے بھی جان لیا تھا کیونکہ ان کے ہونٹوں پر اب مسکراہٹ تھی۔ میں نے پہلے سامنے سے دیکھا۔ نزدیکی بجلی کے کھمبے کے ساتھ ایک کھوکھا دکان کی آڑ میں موجود سایا عقب سے آتی روشنی کی وجہ سے صاف نظر آ رہا تھا۔ ایک اور گلی کے کونے پر موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں شاٹ گن تھی۔ ایاز بولا۔ ''ایسے ہی دو پیچھے بھی ہیں۔''

''ہمیں نکلنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''جو راستے میں آئے اسے اُڑا دو۔''

جیرہ نے کسی قدر بلند آواز سے کہا۔ ''ہمیں جانے دو کہیں ایسا نہ ہو تم خود بھی پھنس جاؤ۔''

''ہمارے ساتھی یہاں موجود ہیں۔'' عالم بھی بولا۔ میں اس کے پاس آیا اور اچانک گھٹنا اس کے زیر ناف مارا۔ وہ کراہ کر جھکا۔

''تمہارے ساتھیوں کو الہام ہوا ہے کہ ہم یہاں موجود ہیں۔''

''ہاں حادثے کے بعد استاد نے ان کو کال کر دی تھی۔'' جیرے نے انکشاف کیا۔

''تم اب بتا رہے ہو لگتا ہے تم نے استاد کے انجام سے سبق نہیں سیکھا۔'' میں نے کہا اور پھر اس کے پیٹ میں گھٹنا مارا وہ سیدھا ہو رہا تھا کہ کراہ کر پھر جھک گیا۔ میں نے سوچا اور ایاز کو ایک طرف لے جا کر دھیمی آواز میں اپنا پلان بتایا۔ وہ سنتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔

''میں سمجھ گیا جناب۔''

''بیتو کو بھی سمجھا دو ہمیں کیا کرنا ہے۔'' میں نے اسے ہدایت کی۔ یہ لوگ شاید اس بستی میں داخل ہوتے ہی ہمارے پیچھے لگ گئے تھے اور اب اس مکان کو گھیر چکے تھے۔ ممکن ہے یہ معمولی درجے کے اچکے ہوں لیکن یہ مسلح تھے۔ ہمارا یہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ میں اندر آیا اور باپ کی لاش کے پاس بیٹھی شاہین سے کہا۔

''سنو استاد فانا کے آدمی باہر آ گئے ہیں وہ مسلح ہیں اور ان کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہے ہمارے ساتھ چلو گی یا یہیں رکو گی۔''

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''وہ لوگ پھر آ گئے ہیں؟''

''ہاں ممکن ہے تمہیں اکیلا پا کر کوئی نقصان پہنچائیں یا ساتھ لے جائیں۔ اگر تم ہمارے ساتھ چلتی ہو تو ہم بعد میں تمہیں جہاں کہو گی وہاں پہنچا دیں گے۔ اگر رکنا چاہو تو تمہاری مرضی ہے لیکن یہاں خطرہ ہے۔ مجھے یقین ہے استاد فانا کے بارے میں جان کر اس کے ساتھی اس کا بدلہ بھی تم سے لیں گے۔''

وہ مزید سہم گئی تھی۔ ''مجھ سے کیوں؟''

میں اسے کیا بتاتا اس کا اصل جرم تو خوب صورت اور کمزور ہونا تھا اور زور آور اپنی مطلب برآوری کے لیے جواز ایجاد کر لیتے ہیں میں اسے یہ سب نہیں بتا سکتا اس لیے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو استاد وفا نا اپنی حماقت سے مارا گیا ہے اور شاید وہ اس کا بدلہ لینے آئے ہیں۔''

یہ سن کر اس کا رہا سہا رنگ بھی اُڑ گیا تھا اور اس نے گھبرا کر کہا۔ ''میں یہاں نہیں رہوں گی۔''

''تب فوراً چلو۔''

''لیکن بابا......''

''ان کے لیے اب دعا ہی کی جا سکتی ہے۔ یہاں سے نکلتے ہی ہم پولیس کو کال کریں گے اور وہ خود انہیں اسپتال پہنچا دے گی۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے اپنی کوئی اہم چیزیں لینی ہیں تو تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں۔''

میں باہر آیا تو بیتو اور ایاز جیرے اور عالم کے منہ ان کے اپنے کپڑے پھاڑ کر بند کر چکے تھے۔ ان کے ہاتھ بھی عقب میں باندھ دیئے تھے۔ میں نے جیرے سے کہا۔ ''آج تمہیں پتا چلے گا کہ بدمعاشی کیا ہوتی ہے۔''

ایاز مجھے ایک طرف لے گیا اور بولا۔ ''میں سوچ رہا ہوں پیچھے موجود ایک بندے کو ناکارہ کر دوں تاکہ وہ آگے مدد کو نہ آ سکے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے تم جب تک پیچھے والے کو نمٹا کر سامنے آؤ گے ہمیں نکلنے میں دیر ہو جائے گی۔'' میں نے اس کی تجویز مسترد کر دی۔ ''لڑکی بھی ہمارے ساتھ جا رہی ہے ورنہ بعد میں آنے والے اسے نہیں چھوڑیں گے۔''

ایاز بولا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

شاہین پانچ منٹ سے بھی پہلے نکل آئی اس نے جوتے پہن لیے تھے اور اوپر چادر بھی لے لی تھی اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا ہینڈ کیری نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے کہا۔ ''میرے ساتھ رہنا یہاں ابھی ہنگامہ ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ بولی اس نے تیزی سے خود پر قابو پا لیا تھا۔ میں دروازے کی طرف آیا۔ میرے اشارے پر ایاز نے مین سوئچ بند کر دیا اور مکان اور اس کے آس پاس تاریکی چھا گئی۔ میں نے گیٹ ذرا سا کھولا اور پستول باہر نکال کر گلی کے کونے پر موجود شخص کا نشانہ لیا۔ وہ کوئی تیس گز دور تھا اور اس پستول کی رینج پچاس ساٹھ گز تو تھی۔ سائلنسر کی وجہ سے حد کم ہوئی تھی لیکن یہ کافی تھی۔ گولی چلتے ہی اس نے ہاتھ اٹھا کر دل خراش چیخ ماری۔ اس کی چیخ نے کھوکھے تلے دبکے آدمی کو پریشان کر دیا اور وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو آواز دینے لگا۔

میں نے اشارہ کیا تو بیتو اور ایاز جیرے اور عالم کو دھکیلتے ہوئے دروازے تک لائے اور ان کو باہر دھکا دیا۔

وہ جانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ہمارا منصوبہ سمجھ گئے تھے مگر مجبور تھے۔ ان کے پیچھے ہم نکلے۔ کھوکھے کے پیچھے دبکے آدمی نے حرکت محسوس کرتے ہی اوپر تلے کسی پستول یا ریوالور سے فائر کیے اور آگے ہونے کی وجہ سے عالم نشانہ بنا اس نے ناک سے کرب ناک آواز نکالی اور گرنے لگا تھا کہ ایاز نے اسے ڈھال بنا لیا اور اپنی جیپ تک لے گیا۔ دروازہ کھول کر اس نے عالم کو ایک طرف پھینکا اور بیتو سمیت اندر گھس گیا۔ میں نے جیرے کو اپنی ڈھال بنا رکھا تھا۔ مکان کے دائیں طرف سے نمودار ہونے والے نے آتے ہی ری پیٹر سے فائر کیا اور اس کا ہولناک دھماکہ گونجا۔ جیرے نے جھٹکا کھایا اور منہ کے بل گرا تھا۔ اس کے گرتے ہی میں نے ری پیٹر والے کو

لگا تار تین گولیاں ماریں کیونکہ وہ ری پیٹر دوبارہ لوڈ کر رہا تھا اور اسے فائر کا موقع دینا وفات پانے کے برابر تھا۔ ری پیٹر کی گولی نہایت مہلک ہوتی ہے۔ ہاتھ اور پیروں کے علاوہ کہیں بھی لگے تو جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ ری پیٹر والے نے کرب زدہ آواز نکالی اور لڑکھڑا کر دیوار کی آڑ میں چلا گیا۔ شاہین میرے عقب میں کھڑی کانپ رہی تھی ایسی قتل و غارت گری اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پجیرو کی طرف بھاگا۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے اسے اندر دھکیلا۔ کیونکہ دوسری طرف کھوکھے والا موجود تھا اور ہم پر فائرنگ کر رہا تھا پھر بیتو کے فائر نے اسے خاموش کرا دیا۔ ایاز کی جیپ اسٹارٹ تھی جیسی ہی ہم پجیرو میں آئے اس نے جیپ آگے بڑھا دی میں نے بھی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی پوری ریس دی تھی اور پجیرو چھلانگ لگا کر آگے بڑھی اور بے قابو ہو کر ایک درخت سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ شاہین نے متوقع حادثے کا سوچ کر چیخ پہلے ماردی تھی لیکن خیریت رہی اور جیپ درخت کے برابر سے نکل گئی تھی۔ گاڑیاں آگے بڑھیں تو مکان کے عقب سے ایک رائفل بردار نکلا اور ہم پر دھڑا دھڑ گولیاں چلانے لگا۔ ایک گولی پجیرو کے عقبی شیشے میں سوراخ کرتی گزر گئی۔

''نیچے ہو جاؤ۔'' میں نے چلا کر کہا اور ایکسلریٹر پورا دبا دیا۔ ایاز پہلے ہی گلی سے نکل گیا تھا میں نے موڑ کاٹا تو ہم محفوظ ہو گئے تھے۔ میں نے موبائل نکال کر ایاز کو کال کی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''جلد از جلد نکلو، اگر کہیں پولیس ٹکرا جائے تو راستہ الگ کر لینا اور کوشش کرنا پولیس سے تصادم کی نوبت نہ آئے لیکن پکڑائی کسی صورت نہیں دینی ہے۔''

''ٹھیک ہے جناب۔'' ایاز نے کہا۔ میں نے موبائل بند کر کے رفتار بڑھا دی تھی۔ شاہین سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی اور کسی قدر خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی کیونکہ اس نے پولیس کے بارے میں میری ہدایت سن لی تھی۔ اس نے سہمے لہجے میں کہا۔

''تم لوگ کون ہو؟''

''ہم کوئی بھی ہوں لیکن تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہیں کیونکہ ہم عورت کی عزت کرنا جانتے ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''ابھی ہم اپنے ایک ٹھکانے پر جا رہے ہیں۔ وہاں تم کو کچھ دیر رکنا ہوگا حالات دیکھ کر پھر تم جہاں کہو گی تم کو پہنچا دیں گے۔'' میں نے کہا اور مین روڈ پر آتے ہی گاڑی کو فرسٹ گیئر میں ڈال دیا۔ ایاز کی جیپ خاصی آگے جا چکی تھی۔ اس کی عقبی سرخ روشنیاں بھی اب نظر نہیں آ رہی تھیں لیکن وہ اسی راستے پر تھا۔ میں نے شاہین سے پوچھا۔

''اس شہر میں تمہارا کوئی جاننے والا ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہاں ہمارا کوئی قریبی رشتے دار نہیں ہے۔ میر پور میں ہیں۔ وہاں بابا کی کچھ زمین بھی ہے جسے پٹے پر دیا ہے۔''

''کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہیں سنبھال سکے۔''

اس نے سوچا اور پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''شاید اس اسکول کی پرنسپل میری مدد کرے جہاں میں پڑھاتی ہوں۔ وہ میرا بہت خیال کرتی ہے۔''

اس کے ساتھ جو ہو چکا تھا اور کل تک اس گھرانے کے بارے میں جو کہانیاں مشہور ہوئی تھیں ان کو مدِنظر رکھتے ہوئے مجھے امید نہیں تھی کہ مذکورہ اسکول کی پرنسپل شاہین کی کوئی مدد کرے گی بلکہ وہ تو شاید اسے ملازمت سے فارغ کر دے گی۔ بستی سے نکلنے تک ہمیں ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے کہ پولیس اس طرف جا رہی ہے لیکن وہاں جتنی دھواں دھار فائرنگ ہوئی تھی۔ جیرے اور عالم کی اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں ہلاکت ہوئی تھی۔ ان میں سے کم سے کم دو ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے اور کم سے کم ایک زخمی تھا۔ یعنی وہاں پولیس کی آمد لازمی تھی اب اُسے ریاض عباسی کے بارے میں مطلع کرنا ضروری نہیں تھا۔ ''تم کہاں تک پڑھی ہوئی ہو؟''

''بی ایس سی کیا ہے۔'' وہ بے دلی سے بولی۔ ''بابا میری شادی کرنا چاہتے تھے لیکن غریب لڑکیوں کے لیے رشتے کہاں ہیں۔ جو آتا وہ ہمارا گھر دیکھ کر چلا جاتا۔ بابا پریشان تھے کہ ان کے بعد میرا کیا ہوگا۔ وہ دل کے مریض تھے دو بار ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ تیسری بار ہوا تو وہ بچیں گے نہیں......'' وہ بول رہی تھی اور مجھے پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ ایک خاص ذہنی کیفیت میں تھی۔ وہ بہ ظاہر حواس میں ہوتے ہوئے بھی حواسوں میں نہیں تھی اس کے اندر ایک گرہ سی بندھ گئی تھی اور وہ بول کر اسے کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''کبھی کبھی بابا کی پریشانی دیکھ کر دل چاہتا کہ خودکشی کرلوں۔''

''تمہیں اتنا کم حوصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس معاشرے میں بے شمار عورتیں اور لڑکیاں اکیلی ہیں اور وہ خود کما کر زندگی گزار رہی ہیں۔''

''میں جانتی ہوں لیکن مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔ یہ بات بابا بھی جانتے تھے۔''

''تمہارے بابا اپنا علاقہ چھوڑ کر یہاں کیوں آئے؟''

''ایک تو ان کی نوکری یہاں تھی دوسرے انہوں نے امی سے پسند کی شادی کی تھی اور ان کی خاطر اپنی بچپن کی منگیتر کو چھوڑ دیا تھا اس پر پوری برادری نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ کوئی ہم سے نہیں ملتا تھا۔ بابا بھی کسی سے نہیں ملتے تھے لیکن انہوں نے جس کی خاطر سب کو چھوڑ دیا تھا وہ ان کو بیچ راستے میں چھوڑ گئی۔ امی کا اس وقت انتقال ہو گیا جب میں صرف گیارہ برس کی تھی۔ ان کا اپنڈکس پھٹ گیا تھا۔''

''اوہ۔'' میں نے افسوس کیا۔

''اب اللہ نے بابا کو بھی لے لیا۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔ ''میرا کیا ہوگا؟''

''اللہ انسان کے لیے سب سے اچھا کرنے والا ہے۔ دیکھا جائے کہ تمہاری زندگی میں دکھ زیادہ ہیں لیکن اس نے آگے تمہارے لیے کون سی خوشیاں رکھی ہیں یہ تم یا کوئی نہیں جانتا ہے۔''

وہ کھڑکی سے باہر دھند میں گزرتی اسٹریٹ لائٹس کو دیکھ رہی تھی۔ ''پتا نہیں مجھے تو لگتا ہے کہ میری زندگی میں خوشی تو ایک طرف رہی کوئی آسانی بھی نہیں ہے۔''

''خوشیاں اور آسانیاں تلاش کرنے سے ملتی ہیں۔ یہ خود چل کر آپ کے پاس نہیں آتی ہیں۔''

وہ چپ ہو گئی تھی۔ شاید وہ میری بات سے متفق نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''آپ پولیس کا

سامنا نہیں کرنا چاہتے ہیں اس کی کوئی وجہ ہے؟''

''اس کی کئی وجوہات ہیں لیکن ان میں سے کوئی وجہ وہ نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو۔ ہمارا جرائم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں میں آپ کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ ''میں بہت کم باتوں پر دل سے یقین کرتی ہوں لیکن آپ لوگوں کے بارے میں اتنی سے دیر میں ایک بات پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ لوگ کسی قسم کے مجرم نہیں ہو سکتے ہیں۔''

''اس یقین کا شکریہ، کیونکہ تمہارا اور ہمارا ساتھ مختصر ہے اس لیے تمہارا ہمارے مسائل کے بارے میں جاننا بے کار ہے۔'' میں نے جیپ کا رخ اس کالونی کی سڑک کی طرف موڑ دیا جہاں ہمارا مکان تھا۔ ایاز آگے تھا اور وہ یقیناً اب تک مکان پر پہنچ گیا ہوگا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا جیپ وہاں موجود تھی۔ بیتو باہر کھڑا تھا اور ایاز دروازہ کھول کر اندر جا چکا تھا۔ میں نے پجیرو چھوٹی سی پارکنگ میں کھڑی کر دی اور شاہین کی طرف دیکھا۔ ''یہ ہمارا ٹھکانہ ہے گھر نہیں ہے اس لیے اسے دیکھ کر حیران مت ہونا۔''

ایاز نے روشنیاں جلا دی تھیں۔ شاہین کو لے کر میں بیڈ روم والے حصے میں آیا کیونکہ یہاں ہیٹر تھا اور سردی کی وجہ سے مکان ڈیپ فریزر بنا ہوا تھا۔ ایاز نے ہیٹر آن کیا اور چائے بنانے چلا گیا۔ بیتو تھک گیا تھا اس لیے ایک بستر پر دراز ہو گیا۔ میں نے شاہین سے کہا۔ ''تم یہاں آرام سے بیٹھو اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہنا۔''

وہ ایک طرف دیوار سے ٹک کر بیٹھ گئی۔ عبداللہ نے مجھے تصویروں والا لفافہ دے دیا تھا لیکن ابھی تک مجھے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں اٹھ کر باہر آیا اور تصویروں والا لفافہ نکالا۔ یہ ٹیپ سے بند کیا گیا تھا اور شاید عبداللہ نے بھی اسے نہیں کھولا تھا۔ میں نے اسے کھولا۔ اندر کوئی درجن بھر تصاویر تھیں اور ہر تصویر انسانیت کے نام پر دھبہ تھی۔ اس میں موجود مرد کا چہرہ بالکل واضح نہیں تھا لیکن شہلا کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ تصاویر شہلا کے ساتھی مرد نے جان بوجھ کر بنوائی تھیں۔ اس نے خود کو چھپاتے ہوئے صرف شہلا کو نمایاں کیا تھا اور تصاویر یقیناً بلیک میلنگ کے لیے تیار کی گئی تھیں۔ میں تصویریں دیکھ کر لفافے میں رکھ رہا تھا کہ ایاز چائے بنا کر لاؤنج میں لے آیا اس نے مجھے مگ تھمایا۔ اس کی حرارت اچھی لگی تھی۔ میں نے چائے لیتے ہوئے کہا۔ ''لڑکی سے کھانے کے بارے میں پوچھ لینا۔''

ایاز جھجکا پھر اس نے پوچھا۔ ''یہ رات کہاں سوئے گی؟''

''اسی کمرے میں سو جائے گی آج ہم لاؤنج میں گزارہ کر لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''اسے شہلا والے کمرے میں نہیں رکھ سکتے ہیں۔''

''فتح خان کے آدمی کا کیا کرنا ہے؟'' ایاز نے اگلا سوال کیا۔

''میں سوچ رہا ہوں اسے صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے کہیں ڈلواتے ہیں اور فتح خان کو مطلع کر دیتے ہیں لیکن پہلے شہلا تصدیق کر دے کہ فتح خان کے پاس اس کی یہی تصویریں تھیں۔''

''آپ اس سے پوچھ لیں۔'' ایاز نے شہلا کے کمرے کی طرف دیکھا۔ ''ویسے یہ اتنے سکون سے کیا

بیٹھی ہے اسے پتا تو چل گیا ہوگا کہ ہم مکان میں آ گئے ہیں۔"

"ممکن ہے وہ سو گئی ہو۔" میں نے کہا۔

"آپ بھول رہے ہیں اسے رات کا کھانا بھی نہیں دیا ہے۔" ایاز نے یاد دلایا تو میں نے سر پر ہاتھ مارا۔

"یہ تو بالکل ذہن سے نکل گیا۔"

"کل کی ڈبل روٹی رکھی ہے آپ کہیں تو چائے کے ساتھ وہ لا دوں۔"

"بالکل بلکہ فتح خان کے آدمی کے لیے بھی لے آؤ۔ کتنا ہی ذلیل سہی ہے تو وہ بھی انسان اور اسے بھی بھوک پیاس لگتی ہوگی۔"

ایاز کچن کی طرف چلا گیا۔ میں بیڈ روم میں آیا۔ شاہین ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس کے چہرے پر آنسو چمک رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "تمہارا دکھ تو وقت ہی کم کر سکے گا لیکن انسان کے ساتھ حاجتیں لگی رہتی ہیں۔ تم کچھ کھا لو اور پھر سو جاؤ۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تب چائے لے لو اور اگر ضرورت محسوس کرو تو نیند کی دوا لے لینا۔ بہتر ہوگا تم سو جاؤ۔" میں نے کہتے ہوئے بیتو کو بلایا۔ "برخوردار اٹھ جاؤ اور بستر اور کمبل بھی باہر لاؤ۔ آج لاؤنج میں سونا ہے۔"

"لاؤنج میں۔" بیتو نے فریاد کی۔ "ادھر سردی بہت ہوگا۔"

"کچھ نہیں ہوتا یار، یاد نہیں ہے برفانی پہاڑوں میں ہم نے کیسے راتیں گزاری ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ وقت تھا گزار لیا اب ادھر ذرا سا سردی بھی بہت لگتا ہے۔" بیتو نے کہا اور اٹھ کر بادلِ ناخواستہ کمبل، بستر اور تکیے سمیٹنا شروع کر دیئے۔ اس نے شاہین کے لیے ایک کمبل ایک گدا اور ایک تکیہ چھوڑ دیا تھا۔ میں نے شاہین سے کہا۔ "تم یہاں آرام سے سو سکتی ہو۔ واش روم یہ برابر میں ہے اور اگر تم چاہو تو اندر سے دروازہ بند بھی کر سکتی ہو۔"

اس دوران میں ایاز اس کے لیے چائے اور بسکٹ لے آیا تھا۔ اس نے ٹرے وہیں چھوڑ دی اور مجھ سے کہا۔ "ان کے لیے چائے اور ڈبل روٹی تیار کر دی ہے۔"

میں باہر آیا تو ٹرے قالین پر رکھی تھی اسے لے کر میں شہلا والے کمرے کی طرف آیا اب مجھے بھی تشویش ہونے لگی تھی کہ آخر اندر اتنی خاموشی کیوں تھی۔ شام کو شہلا کسی صورت فتح خان کے اس آدمی کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں تھی۔ اس نے شور کرنا شروع کر دیا تھا مگر اب خاموش تھی۔ میں نے باہر سے دروازہ کھولا اور اندر آیا۔ فتح خان کا آدمی دیوار کی طرف منہ کر کے سو رہا تھا اس کے ہاتھ پاؤں ویسے ہی بندھے ہوئے تھے۔ شہلا اپنے کمبل میں دیوار سے ٹیک لگائے لگائے بیٹھی خلاؤں میں گھور رہی تھی میں نے ٹرے اس کے سامنے رکھی اور پھر تصویروں والا لفافہ اس کی گود میں ڈال دیا۔ وہ چونکی۔ "یہ کیا ہے؟"

"تمہارے کرتوت ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں دیکھ کر شرمندہ ہوا ہوں۔ اب ان کو دیکھو اور اگر یہ تصویریں پوری ہیں تو ان کو اپنے ہاتھ سے ضائع کر دو۔ میں ان کے بدلے فتح خان کے اس ساتھی کو چھوڑنے کے

لیے تیار ہوں۔"

شہلا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اس نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ اٹھایا اور اس میں سے تصویریں نکالیں۔ میں نے دوسری طرف رخ کر لیا تا کہ وہ آرام سے تصویریں دیکھ لے۔ ایک منٹ بعد اس نے کہا۔"تصویریں ساری ہیں۔"

"گڈ۔" میں نے لائٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔"اب انہیں آگ لگا کر فلیش میں بہا دو۔"

وہ خاموشی سے واش روم میں چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ واپس آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اپنی تصویریں پا کر بھی اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔

"کیا بات ہے کیا ان تصویروں میں کچھ کم ہیں؟"

"نہیں تصویریں تو تمام ہیں۔" اس نے ہچکچا کر کہا۔"میں تمہاری بات سن کر پریشان ہو گئی ہوں۔"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ تم نے فتح خان کے ساتھی کے بدلے یہ تصویریں لی ہیں۔"

"تو اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے؟"

وہ پھر ہچکچائی۔"پریشانی کی بات ہے۔"

میں نے غور سے اسے دیکھا۔"شہلا کیا بات ہے کھل کر کہو۔"

اس نے فتح خان کے آدمی کی طرف دیکھا اور تھوک نگل کر بولی۔"تم اسے واپس نہیں کر سکو گے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے کہا اور پھر نوجوان کی طرف جھپٹا۔ وہ کروٹ کے بل لیتا ہوا تھا میں نے اسے سیدھا کیا تو اس کا سیاہ چہرہ اور منہ سے نکلی زبان بتا رہی تھی کہ وہ کب کا مر چکا ہے۔ اس کی گردن پر انگلیوں کے نشانات تھے۔ یہ کام شہلا ہی کر سکتی تھی۔ نوجوان تنومند تھا لیکن بندھی حالت میں وہ اتنا بے بس تھا کہ ایک عورت نے آرام سے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ مزاحمت بھی نہیں کر سکا تھا۔ اسے مرے یقیناً کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔"یہ تم نے کیا کیا؟"

"یہ ہوش میں آنے کے بعد بکواس کیے جا رہا تھا۔" وہ کسی قدر تیز لہجے میں بولی۔"غلیظ زبان استعمال کر رہا تھا، میں کب تک برداشت کرتی۔"

"میرے خدا اب میں فتح خان سے کیا معاہدہ کس طرح پورا کروں گا۔"

"تم اس سے معاہدہ پورا کرنے کے پابند نہیں ہو مجھے یقین ہے اگر ایسی صورتِ حال فتح خان کے ساتھ پیش آتی تو وہ کبھی تم سے کیا معاہدہ پورا نہیں کرتا۔"

میرا موڈ سخت خراب ہو گیا تھا۔ میں نے غرا کر کہا۔"بکواس بند کرو، فتح خان اور مجھ میں کیا فرق ہے تم اچھی طرح جانتی ہو، تم مجھے اس کی سطح پر لانے کی کوشش کر رہی ہو؟"

"سوری لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"اب یہ ہو سکتا ہے کہ میں اس کے بدلے تمہیں فتح خان کے حوالے کر دوں اور اپنی زبان پوری کر دوں۔"

شہلا سہم گئی تھی۔"تم ایسا نہیں کرو گے وہ درندہ ہے۔ اس کے حوالے کرنے سے بہتر ہے تم مجھے اپنے

ہاتھ سے ماردو۔"

"شاید میں یہی کروں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور پھر باہر آ گیا۔ ایاز اور بیتو لاؤنج میں تھے اور یقیناً انہوں نے سب سن لیا تھا۔

"یہ اس نے برا کیا۔" ایاز نے کہا۔

بیتو نے منہ بنایا۔ "ہم تو کہتا ہے شوبی بھائی اسے فتح خان کو دے دو ہم خود بینک لاکر سے اپنی چیز لے لے گا۔"

"نہیں اسے فتح خان کو دینے کا مطلب ہے کہ اس کے ہاتھ ایک مہرہ اور آ جائے۔ ابھی تو اس لاش سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ شاہین والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن اس گھر کی اندرونی ساخت ایسی تھی کہ ایک جگہ ہونے والی گفتگو با آسانی دوسری جگہ سنی جا سکتی تھی۔ ایاز نے غور کیا۔

"یہ مسئلہ نہیں ہے اسے کہیں نہ کہیں تو ڈالنا تھا زندہ نہ سہی لاش سہی۔"

"بس تو تیار ہو جاؤ۔" میں نے کہا۔ "لاش جیپ میں منتقل کرو، ہم اسے کہیں پھینک کر آتے ہیں۔"

"آپ کا جانا ضروری نہیں ہے۔" ایاز نے کہا۔ "میں اور بیتو یہ کام آسانی سے کر لیں گے۔ ویسے بھی کسی کا یہاں ہونا ضروری ہے۔" اس نے شاہین کے کمرے کی طرف دیکھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اگرچہ شاہین ایک مظلوم لڑکی تھی جسے ہم اس کے اغوا کنندگان سے چھڑا کر لائے تھے لیکن اس پر مکمل اعتماد کرنا بھی درست نہیں تھا۔ اس کی نگرانی کے لیے کسی نہ کسی کو یہاں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے تم دونوں جاؤ لیکن کسی ایسی جگہ چھوڑنا جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے اور اس جگہ کا پتا فتح خان کو بتایا جا سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" ایاز نے کہا پھر اسے کوئی خیال آیا۔ "یہاں سے کوئی تین میل آگے جی ٹی روڈ پر ایک پی ایس او پیٹرول پمپ ہے اس کے پیچھے چھوٹا سا بیلہ ہے میرا خیال ہے وہاں ڈال دیتے ہیں۔ زیادہ وقت نہیں لگے گا ہم پون گھنٹے میں لوٹ آئیں گے۔"

"یہ مناسب رہے گا۔"

میری رضامندی پاتے ہی وہ کھڑے ہو گئے۔ پہلے انہوں نے شہلا والے کمرے سے فتح خان کے آدمی کی لاش نکالی اور اسے ایک چادر میں لپیٹ دیا۔ پھر اسے اٹھا کر باہر ایاز کی جیپ کے پچھلے حصے میں ڈال دیا اور وہ روانہ ہو گئے۔ میں دروازے بند کر کے اندر آیا اور کیمروں کا سسٹم آن کر دیا ان کیمروں میں رات کو دیکھنے والا نظام بھی تھا۔ پھر میں شہلا کے کمرے میں آیا تو وہ مزے سے چائے اور ڈبل روٹی کھا رہی تھی اس کے انداز سے بالکل نہیں لگ رہا تھا کہ اس نے چند گھنٹے پہلے ایک آدمی کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا ہے۔ ویسے اس کی سفاکی کا نمونہ میں نے اس وقت ہی دیکھ لیا تھا جب اس نے پروفیسر اور اس کے ساتھیوں کو شوٹ کیا تھا لیکن کسی کو اپنے ہاتھ سے گلا دبا کر مارنا ایک الگ چیز ہے اور وہ یہ کام کر کے بھی پُرسکون تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ "اسے کہاں پھینکا ہے؟"

"میرے ساتھی لے گئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا ہے۔"

''تم فتح خان کا زیادہ غم مت کرو۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ''وہ شخص اسی قابل ہے۔ موقع ملنے پر وہ کسی دوسرے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔''

میں نے موضوع بدل دیا۔ ''اسے مارو گولی یہ بتاؤ کہ لیاقت انصاری سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

اس نے منہ بنایا۔ ''تمہارے ساتھی بھی کم درندے نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھ پر تشدد کیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے اور انہوں نے ٹھیک کیا تم اسی قابل ہو۔ شرافت کی زبان کہاں سمجھتی ہو؟ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کیا مجھ سے بھی اپنے ساتھیوں والا سلوک چاہتی ہو؟''

با دل ناخواستہ اس نے کہا۔ ''لیاقت اصل میں اس بینک کا سیکورٹی سپروائزر ہے۔''

''تم نے اس سے رابطہ کس طرح کیا؟''

''میں اس سے ایک تنہائی کی ماری عورت بن کر ملی، وہ عیاش آدمی ہے اس لیے اسے راستے پر لانے میں دیر نہیں لگی۔'' وہ پوری بے باکی سے بولی۔ ''اب وہ میرے پیچھے کتے کی طرح دم ہلانے کو تیار رہتا ہے۔''

''اگر ایسا ہی ہے تو تم نے اس کی مدد سے لاکر کیوں نہیں کھلوالیا؟''

''میں اسے یہ نہیں بتا سکتی، اس طرح تو میں ہمیشہ کے لیے اس کے چنگل میں پھنس جاؤں گی اور میں ہر بار کسی سے چھٹکارا پانے کے لیے قتل بھی نہیں کر سکتی۔''

''حالانکہ قتل کرنا تو تمہارے لیے بہت آسان ہو گیا ہے، ابھی تم نے ایک شخص کو گلا دبا کر ہلاک کیا ہے۔ یہ کام تو اچھا خاصا دل گردہ رکھنے والے مرد حضرات بھی نہیں کر سکتے ہیں۔'' میں نے طنز کیا تو اس نے برا سا منہ بنایا۔

''میں نے اس پر بہت محنت کی ہے اور بڑی چالاکی سے اس سے معلومات حاصل کی ہیں۔''

''کیا وہ لاکر تک رسائی میں تمہاری مدد کو تیار ہے؟''

''نہیں لیکن میں نے اس سے بینک کی سیکورٹی کی تمام تفصیلات حاصل کر لی ہیں اور ان کی مدد سے ایک پلان بھی بنا لیا ہے۔''

''پلان کیا ہے؟''

''یہ میں تمہیں یا کسی کو نہیں بتا سکتی چاہے تم لوگ میری بوٹیاں کیوں نہ اُڑا دو۔'' لفظ بوٹیاں ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ لذت آمیز ہو گیا تھا میں نے دل میں لاحول پڑھی۔ وہ سخت حرافہ تھی اور اسی لائق تھی کہ اسے فتح خان جیسے مرد ملیں۔ میں نے درشت لہجے میں کہا۔

''ایسا مت کہو شہلا اگر میں تمہاری توقع کے مطابق فتح خان کی سطح پر اتر آیا تو تم سے کچھ بھی دس منٹ میں اگلوا سکتا ہوں اور اس کے لیے مجھے تمہاری بوٹیاں اُڑانے کی ضرورت بھی نہیں ہے لیکن میں حتیٰ الامکان عورت پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتا ہوں۔''

وہ مسکرانے لگی۔ اس نے چائے اور ڈبل روٹی ختم کر دی تھی۔ میں نے ٹرے اٹھائی اور باہر نکل آیا۔ شاہین کے کمرے کا دروازہ بند تھا اب پتا نہیں یہ اندر سے لاک بھی تھا یا نہیں، میں نے چیک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیمروں کی مانیٹرنگ کا سسٹم اس کمرے میں تھا جو ڈرائنگ روم کے لیے مخصوص تھا اور وہاں سوائے قالین

کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں مانیٹر کے پاس بیٹھ گیا۔ دیوار سے ٹیک لگالی اور تھوڑی دیر بعد ایک نظر مانیٹر کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ ایاز اور بیتو کو گئے ہوئے بیس منٹ ہونے کو آئے تھے۔ ایک بار میں نے مانیٹر کی طرف دیکھا تو مکان سے کچھ دور ایک ڈبل کیبن ٹویوٹا دکھائی دی۔ اس سے دو افراد اترے تھے۔ حلیے سے وہ فتح خان کے گاؤں کے لگ رہے تھے۔ میں چوکنا ہوگیا۔ اگر چہ ضروری نہیں تھا کہ ان کا ہم سے کوئی تعلق نکلتا لیکن ہوشیار ہونے میں کوئی حرج نہیں تھا۔



میں نے سوچا اور پھر اٹھ کر باہر آیا اور جھک کر سیڑھیوں سے چھت پر آ گیا۔ وہاں تاریکی تھی اور مکان کے آس پاس روشنی تھی اس لیے میں دوسروں کو دیکھ سکتا تھا لیکن مجھے دیکھ لیے جانے کا امکان بہت کم تھا۔ میں نے منڈیر سے جھانک کر دیکھا۔ ٹویوٹا ڈبل کیبن مکان سے کوئی سوفٹ دور موجود تھی اور اس میں سے اترنے والوں میں سے ایک پچھلی نشست سے کچھ اتارنے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسرا ہاتھ میں عجیب سا کپڑا لیے کھڑا تھا۔ میں نے غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ شاید بلاؤز تھا جو خواتین ساڑھی کے ساتھ پہنتی ہیں لیکن اس آدمی کے پاس اس کا کیا کام تھا۔ دوسرا ابھی تک پچھلی سیٹ سے کسی کو کھینچ کر اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ کامیاب رہا اور اس نے ایک عدد کتا نیچے اتارا۔ کتا دیکھنے میں اچھی نسل کا لگ رہا تھا لیکن شاید اس سردی میں باہر آنے کو تیار نہیں تھا۔ اسے اتارنے والا اسے گالیاں دے رہا تھا۔ اس کی ہلکی سی آواز مجھ تک آ رہی تھی۔

''خانہ خراب کا بچہ کام کرو......کہیں کا......''

پھر دوسرے آدمی نے بلاؤز کتے کے منہ کے سامنے کر دیا اور اسے سونگھنے پر مجبور کرنے لگا کیونکہ کتا منہ پیچھے ہٹا رہا تھا اور وہ بار بار بلاؤز اس کے سامنے کر رہا تھا۔ میں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے؟ کتا اب پُرسکون تھا اور اس نے اپنے منہ کے آگے بلاؤز قبول کر لیا تھا۔ پھر اس آدمی نے بلاؤز ہٹا لیا اور اسے گاڑی کے اندر ڈال دیا۔ دوسرا کتا کی پشت تھپک رہا تھا جیسے اسے کام کے لیے آمادہ کر رہا ہو۔ پھر اچانک ہی کتے نے منہ اوپر کر کے جیسے ہوا سونگھی اور مکان کی طرف رخ کر کے بھونکنا شروع کر دیا۔ میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ اس کتے کو مکان سے کسی کی بو مل رہی تھی، لیکن کس کی؟

کتا کس کی بو محسوس کر کے مکان کی طرف بھونک رہا تھا؟ اس سوال کا جواب بجلی کی طرح میرے ذہن میں چمکا تھا۔ اسے شہلا کی بو مل رہی تھی کیونکہ اسے سونگھایا جانے والے بلاؤز شہلا کا تھا اور وہ یقیناً فتح خان کے آدمی تھے۔ اس نے وہی حربہ استعمال کیا تھا جو وسیم اور میرے ساتھیوں نے میری تلاش کے لیے استعمال کیا تھا اور کامیاب رہے تھے۔ اس آدمی نے فوراً کتے کے منہ پر چمڑے کا ایک منہ بند چڑھا دیا۔ وہ کوں کوں تو کر سکتا تھا لیکن بھونک نہیں سکتا تھا۔ غالباً وہ ہمیں بے خبر رکھنا چاہتے تھے۔ ان کو علم نہیں تھا کہ میں چھت سے انہیں دیکھ رہا تھا کیونکہ مکان کے اطراف میں تیز روشنی کے بلب روشن تھے لیکن چھت تاریکی میں تھی۔ بلب اس طرح لگے تھے کہ ان کی روشنی چھت کی طرف نہیں آتی تھی۔

کتے کا منہ بند کر کے انہوں نے ہتھیار نکال لیے تھے ایک کے پاس ہلکی مشین گن نظر آ رہی تھی اور دوسرے کے پاس چھوٹی شاٹ گن تھی اور دونوں نہایت مہلک ہتھیار تھے۔ ان کے ارادے کھل کر سامنے آ گئے

تے میں نے مزید وقت ضائع کیے بغیر موبائل نکال کر ایاز کا نمبر ملایا۔ اس نے کچھ دیر بعد کال ریسیو کی۔ میں نے پوچھا۔

''کہاں ہو تم کام ہو گیا؟''

''ہاں ہم اسے ڈال کر ابھی نکلے ہیں۔'' اس نے کہا وہ میرے لہجے سے سمجھ گیا۔ ''کوئی چکر ہے؟''

''ہاں یہاں دو مصیبتیں اور نازل ہو گئی ہیں اور لگ رہا ہے اس کے بھائی بندے ہیں جسے تم ڈال کر آ رہے ہو۔ وہ ایک عدد کتے کے ساتھ آئے ہیں جس نے شہلا کی بو پا لی ہے۔ فی الحال وہ مکان میں گھسنے کی تیاری کر رہے ہیں۔''

''ہم آ رہا ہیں۔''

''جلد از جلد آ جاؤ۔'' میں نے کہا اور فون بند کر کے اس کی بیل آف کر دی، مکان آگے پیچھے سے محفوظ تھا اور وہ توڑ پھوڑ کیے بغیر راستہ نہیں بنا سکتے تھے۔ اوپر آنے والا فولادی دروازہ بھی مکان کے ٹنکی ٹاور میں تھا اور اسے اندر سے بند کیا جاتا تو کوئی اس طرف سے بھی نہیں آ سکتا تھا لیکن ان کے پاس خطرناک ہتھیار تھے وہ فائر کر کے کوئی بھی لاک توڑ سکتے تھے۔ میں مستقل ان کی نگرانی کر رہا تھا اور مجھے خدشہ تھا کہ وہ کہیں کال کر کے اس بات کی اطلاع نہ کر دیں۔ ان کو کرنا تو یہی چاہیے تھا کہ فتح خان یا کسی دوسرے ساتھی کو اس مشکوک مکان کے بارے میں اطلاع دیتے اور مزید ساتھی آنے پر آرام سے ہمارے ٹھکانے کو گھیر لیتے لیکن انہوں نے خود ہی چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ گاڑی انہوں نے سڑک کے ساتھ چھوڑ دی تھی اور وہ کتے کے ساتھ کچے میں اتر آئے اور مکان کے بائیں پہلو کی طرف آئے میں اسی طرف منڈیر کے ساتھ دبکا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس طرف کیوں آئے تھے ان کو آگے یا پیچھے کی طرف سے آنا چاہیے تھا۔ مجھے ان میں سے ایک کی آواز سنائی دی۔

''اندر کیسے جائے گا؟''

دوسرے نے اس کے باپ کی دماغی حالت پر شبہ ظاہر کیا۔ ''پاگل کا بچہ اوپر چڑھ کر جائے گا یہ رسی کس لیے لایا ہے؟''

وہ بندوبست کر کے آئے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہاں کسی قسم کا ہنگامہ ہو اور ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑے۔ دوسرے میں مزید قتل و غارت گری کے موڈ میں نہیں تھا آج ویسے ہی چار افراد ہمارے ہاتھوں یا ہماری وجہ سے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اس لیے میں نے خاموش اور پُرامن حکمتِ عملی تیار کی اور ان میں سے پہلے کا انتظار کرنے لگا۔ باتوں سے وہ احمق لگ رہے تھے لیکن اپنے کام میں ماہر تھے۔ ان میں سے کسی نے سخت پلاسٹک کا بنا ہک جس سے رسی بندھی تھی گھما کر دیوار پر پھینکا اور وہ آ کر منڈیر پر اٹھ گیا۔ پلاسٹک کا ہونے کی وجہ سے ہک ہلکا بھی تھا اور آواز بھی زیادہ نہیں آئی تھی۔ رسی تنی اور ہک فکس ہو گیا۔ ان میں سے کوئی اوپر آ رہا تھا۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر اس کا انتظار کرنے لگا یہ مشکل سے چار فٹ اونچی تھی۔

میں ہک کے بالکل پاس تھا۔ اوپر آنے والا تیز تیز سانس لے رہا تھا اور اس کی سانس نے میری رہنمائی کی۔ جیسے ہی وہ منڈیر سے نمودار ہوا میں نے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے اس کی گردن سے پکڑ کر آگے کھینچا اور

دوسرے ہاتھ میں دبا پستول اس کی کنپٹی پر آزمایا۔ اسے آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ وہ جھول گیا اور اس سے پہلے کہ اس کی واپسی کا سفر شروع کرتا میں نے اسے چھت پر کھینچ لیا۔ وار نہایت سخت تھا اس لیے وہ سو فیصد بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کی ہلکی مشین گن اس کے شانے سے بندھی تھی اس لیے گرنے سے محفوظ رہی ورنہ اس کی آواز سن کر نیچے والا ہوشیار ہو جاتا۔ میں نے اسے ایک طرف لٹایا۔ اس کی مشین گن ٹنکی ٹاور کے اوپر رکھ دی اب کوئی اسے آسانی سے تلاش نہیں کر سکتا تھا اور پھر منڈیر سے ہاتھ نکال کر ہش ہش کی آواز کے ساتھ دوسرے کو اوپر آنے کا اشارہ کیا۔

''خانہ خراب۔'' نیچے والے نے دبی زبان میں کہا۔ ''پہلے دیکھو ادھر کوئی ہے تو نہیں۔''

میں نے دوبارہ ہاتھ اور زبان سے وہی اشارہ کیا۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا ورنہ فوراً پکڑا جاتا۔ بے ہوش ہونے والے کے پاس سے نسوار کی تیز بو آ رہی تھی اسی وجہ سے ذرا سی رسی چڑھ کر اس کا سانس بے قابو ہو گیا تھا۔ رسی تنی تو میں چوکس ہو گیا۔ دوسرا بھی اوپر آ رہا تھا لیکن وہ زیادہ ہوشیار ثابت ہوا تھا۔ منڈیر کے پاس آ کر اس نے بے ہوش نوجوان کو آواز دی۔ ''قسم خان...... اوہ خانہ خراب کدھر ہے۔''

قسم خان بے ہوش پڑا تھا اور اس کی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں جواب بھی نہیں دے سکتا تھا اور وہ منڈیر کے دوسری طرف اور کسی قدر نیچے تھا میں اسے اوپر نہیں کھینچ سکتا تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ وہ اوپر آ کر جھانکے تو میں اس کے ساتھ وہی سلوک کروں جو قسم خان کے ساتھ کیا تھا۔ مگر باس ہونے کی وجہ سے وہ قسم خان کے مقابلے میں زیادہ عقل رکھتا تھا یا شاید اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا کہ اوپر کچھ ہو چکا ہے اور اسی لیے وہ منڈیر تک آنے سے ہچکچا رہا تھا وہ دبی آواز میں قسم خان کو آواز دیتا رہا اور جب جواب نہیں ملا تو اس کا شبہ یقین میں بدل گیا تھا اور شاید اس نے واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ آواز سے ایسا لگ رہا تھا وہ واپس جا رہا ہے۔

لیکن اس سے پہلے میں ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے کھڑے ہو کر رسی ذرا اوپر کھینچی اور ہک نکال کر چھوڑ دیا۔ مکان سطح زمین سے کوئی پانچ فٹ بلند تھا۔ پھر اس کی پہلی منزل کی چھت بارہ فٹ سے زیادہ اونچی تھی اور اوپر چار فٹ کی منڈیر تھی یعنی وہ کم سے کم بیس فٹ کی بلندی سے گرا تھا۔ اس نے ایک دبی چیخ ماری اور گرنے کے بعد دوسری چیخ ذرا اونچی آواز میں ماری تھی۔ میں نیچے کی طرف بھاگا۔ نیچے جاتے ہوئے میں نے ٹنکی ٹاور کا دروازہ اندر سے بند کر دیا تا کہ قسم خان ہوش میں بھی آ جائے تب بھی مکان کے اندر نہ آ سکے۔ مکان سے باہر نکل کر کونے سے جھانکا تو وہ مجھے زمین پر پڑا کراہتا دکھائی دیا۔ اس کی ایک ٹانگ یقیناً ٹوٹ گئی تھی کیونکہ وہ کھڑا ہونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور دبی زبان میں مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا۔ کتا اس کے پاس شرافت سے خاموش کھڑا تھا۔ اس کی شرافت کی وجہ اس کے منہ پر چڑھا چمڑے کا خول تھا۔ میں نے دیوار کی آڑ سے اسے للکارا۔

''خبردار...... ہلنا مت...... اپنی گن ایک طرف پھینک دو میں تین تک گنوں گا اور پھر تمہارے ساتھی کی طرح تمہیں بھی گولی مار دوں گا۔''

''میں گن پھینکتا ہے۔'' اس نے بوکھلا کر کہا اور جلدی سے اپنی شاٹ گن ذرا دور پھینک دی، کتا اس کے بالکل پاس کھڑا تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ اس کے پاس کوئی اور ہتھیار ہے یا نہیں۔ مکان کا پہلو ہونے کی وجہ سے یہاں اتنی روشنی بھی نہیں تھی۔ میں نے پستول والا ہاتھ سیدھا کیا اور محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ میری توجہ

تے کی طرف نہیں تھی کیونکہ اس نے میری آواز سن کر بھی کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا اس کا مطلب تھا وہ صرف بھونکنے والا کتا تھا حملہ کرنے اور لڑنے والا نہیں تھا لیکن میری یہ خوش فہمی فوراً ہی دور ہوگئی۔ فتح خان کا ساتھی مکاری میں اس سے کم نہیں تھا اس نے چپکے سے کتے کے منہ پر چڑھا چمڑے کا خول اتار دیا تھا۔ اچانک اس نے چلا کر کہا۔

''بش دیکھ اسے۔''

اس پر بش بالکل صدر بش کی طرح غراتا ہوا میری طرف لپکا۔ میں کوئی دس قدم کے فاصلے پر تھا۔ وہ اتنی تیزی سے آیا کہ مجھے گولی چلانے کا موقع ہی نہیں ملا اور اس نے دور سے چھلانگ لگائی وہ میرے سینے سے ٹکرایا اور مجھے لیتا ہوا نیچے گرا بلکہ میں گرا وہ تو میرے اوپر تھا۔ اس کے بھیانک جبڑے میری گردن دبوچنے کے لیے بے تاب تھے لیکن اس سے پہلے وہ میری گردن دبوچتا میں نے اضطراری طور پر اس کی گردن دبوچ لی۔ پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ مجھے اعتراف ہے اور میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے دنیا میں کسی جاندار سے اتنا خوف نہیں آتا جتنا کتے سے آتا ہے۔ اس کی جگہ کوئی انسان مجھ پر حملہ کرتا تو میں نہایت آسانی سے اسے قابو کر چکا ہوتا۔ کتا زیادہ بڑا نہیں تھا اور شاید یہ گرے ہاؤنڈز کی کی کوئی نسل تھا لیکن وہ طاقتور بہت تھا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح مجھے کاٹ لے اور اس کے پنجے میرے سینے کو کھرچنے کی کوشش کر رہے تھے اگر میں نے مضبوط پیراشوٹ اور فوم کی بنی جیکٹ نہ پہن رکھی ہوتی تو اس کے پنجے یقیناً میرا سینہ ادھیڑ کر رکھ دیتے۔ میرا آزاد ہاتھ زمین پر پستول ٹٹول رہا تھا پستول تو نہیں ملا لیکن ایک بڑا اور مناسب قسم کا پتھر ہاتھ آ گیا اور میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر پوری قوت سے کتے کے سر پر مارا۔ اس کی بھیانک جارحانہ غراہٹیں اچانک ہی فریادی کوں کوں میں بدل گئیں اور میں نے اسے اس کے مالک کی طرف اچھال دیا۔ کتا بروقت اس پر گرا کیونکہ اس نے رینگ رینگ کر شاٹ گن تک رسائی حاصل کر لی تھی۔

دماغ پر ضرب نے کتے کے حواس خمسہ اور سوچنے کی صلاحیت کو متاثر کیا تھا اس لیے اس نے زخمی پر گرتے ہی منہ مارا اور اس کا بازو پکڑ لیا اس پر وہ چلایا۔ ''او خانہ خراب یہ میں ہے۔''

لیکن خانہ خراب کے حواس درست ہوتے تو وہ اسے کاٹتا ہی کیوں؟ کتے نے اسے پہچاننے سے انکار کرتے ہوئے باقاعدہ بھنبھوڑنا شروع کر دیا۔ میں اٹھ کر اپنا پستول تلاش کر رہا تھا۔ جو بالآخر مجھے دیوار کے ساتھ پڑا مل گیا۔ میں نے پستول ملتے ہی سب سے پہلے کتے کا کام تمام کیا۔ سائلنسر کی وجہ سے بس ہلکی سی ٹھک کی آواز آئی اور کتا بے جان ہو کر اپنے مالک پر لڑھک گیا۔ میں نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ وہ فوراً مر گیا تھا۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''اب حرکت مت کرنا ورنہ تمہیں بھی کتے کی طرح جہنم رسید کر دوں گا۔''

اس نے کتے کے انجام سے سبق حاصل کیا اور بالکل ساکت ہو گیا۔ میں نے اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس سے نہ تو کوئی ہتھیار تھا اور نہ ہی کوئی اور چیز تھی صرف گاڑی کی چابیاں نکلی تھیں۔ مجھے تعجب ہوا۔ ''تمہارے پاس موبائل فون نہیں ہے؟''

''وہ گاڑی میں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''خانہ خراب کا بیل بجتا ہے اسے بند نہیں کیا جا سکتا۔''

نہایت سنگین ماحول میں بھی مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ خراب موبائل لیے گھوم رہا تھا اور اسی وجہ سے بروقت فتح خان کو اطلاع نہیں کر سکا۔ میں نے کہا۔ ''فتح خان کے پاس کیا صرف تم جیسے احمق رہ گئے ہیں کام لینے کے لیے؟''

اس نے برا منایا۔ ''ہم احمق نہیں ہے فتح خان کا کزن ہے۔''

اس کا انداز ایسا تھا جیسے فتح خان کا کزن ہونے کی حیثیت سے اس کا احمق ہونا ممکن نہیں ہے۔ ایاز اور بیتو ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ میں نے اس کی شاٹ گن اٹھائی اور اسے کھڑے ہونے کو کہا۔ وہ بولا۔ ''ہمارا ٹانگ ٹوٹ گیا ہے۔''

''تب زمین پر رینگ کر چلو۔'' میں نے حکم دیا۔ ''اگر اپنے کتے کی طرح مرنا نہیں چاہتے ہو۔''

بادلِ ناخواستہ وہ کوشش کر کے کھڑا ہو گیا۔ نیچے گرتے ہوئے اس کے بائیں پاؤں میں چوٹ آئی تھی۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر آگے بڑھنے لگا۔ مکان کے سامنے لا کر میں نے اسے رکنے کا حکم دیا اور اسے نظروں میں رکھتے ہوئے اس کی گاڑی کی تلاشی لی۔ اندر ایک عدد رائفل مزید تھی اس کے علاوہ ڈیش بورڈ پر ایک موبائل موجود تھا میں نے موبائل جیب میں رکھ لیا یقیناً اس میں مجھے کام کی کئی چیزیں ملتیں۔ رائفل کو میں نے نہیں چھیڑا تھا۔ زخمی مکان کے سامنے کیاری سے ٹکا بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''شہباز خان۔'' اس نے جواب دیا تو میں حیران ہوا۔ وہ میرا ہم نام تھا۔ وہ فتح خان کا کزن تھا اور شاید اسی وجہ سے فتح خان اکثر مجھے شہباز خان کہہ جاتا تھا جس سے میں چڑ تا تھا۔

''شہباز خان تھوڑی ہمت کرو اور اندر چلو۔'' میں نے کہا۔ اسی لمحے دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکیں اور وہ بہت تیزی سے ہماری طرف آ رہی تھی۔ ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لیے میں گیٹ کے پلر کی آڑ میں ہو گیا لیکن وہ ایاز کی جیپ ثابت ہوئی تھی۔ ایاز اور بیتو باہر آئے۔ انہوں نے شہباز خان کا معائنہ کیا اور بیتو بولا۔

''شوبی بھائی نہ جانے کیوں یہ ہم کو فتح خان جیسا منحوس لگ رہا ہے؟''

''کیونکہ یہ فتح خان کا کزن ہے۔'' میں نے انکشاف کیا اور تعارف کرایا۔ ''جناب شہباز خان...... مکان میں گھسنے کی کوشش میں ایک ٹانگ تڑوا بیٹھے ہیں۔ ایسا ہی ایک دوسرا نمونہ اوپر بے ہوش پڑا ہے۔''

اس تعارف پر شہباز خان خون کے گھونٹ پی کر خاموش تھا۔ ہم اسے اندر لائے اور فی الحال ڈرائنگ روم والے حصے میں بٹھایا۔ بیتو کو اس کی نگرانی پر لگا کر میں اور ایاز اوپر سے بے ہوش قسم خان کو لائے۔ اسے بھی ڈرائنگ روم میں ڈال کر میں نے ایاز سے کہا کہ ان کی گاڑی آس پاس کسی ایسی جگہ چھوڑ دے جہاں سے وہ فوری طور پر کسی کی نظر میں نہ آئے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ لوگ کس طرح ہمارا سراغ لگاتے یہاں تک آئے ہیں۔ کتے کا سن کر وہ فکر مند ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''کیا آپ کو یقین ہے صرف یہی لوگ ہیں؟''

''یہ تو ابھی تفتیش کریں گے تو پتا چل جائے گا۔ اس کتے کا بھی بندوبست کرنا ہے بلکہ ایسا کرتے ہیں اسے گاڑی میں ہی ڈال دیتے ہیں۔''

''میں یہ کام کر لیتا ہوں آپ ان دونوں سے پوچھ گچھ کریں۔'' اس نے کہا اور باہر چلا گیا۔ میں ڈرائنگ روم والے حصے میں آیا جہاں شہباز خان اپنے سوج جانے والے پاؤں کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''تمہارے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں؟''

''بس ہم دو ہی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''فتح خان نے ہمیں ایک عورت کو تلاش کرنے کا کام دیا تھا۔''

''تم کتے کی مدد سے اسے تلاش کر رہے تھے۔ اس عورت کا بلاؤز کہاں سے آیا؟''

''فتح خان نے دیا تھا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''کتا کس کا ہے؟''

''قسم خان کا۔'' وہ بولا۔ ''فتح خان نے ہم سے کہا کتے کی مدد سے ایک عورت کو تلاش کرنا ہے۔ روز کے دو ہزار روپے دے گا اور اگر عورت مل گیا تو ایک لاکھ روپے دے گا۔''

اس کی بات سے ظاہر تھا کہ وہ فتح خان کے خاص آدمی نہیں تھے بلکہ معاوضے پر اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ''کب سے تلاش کر رہے ہو؟''

''دو دن سے۔'' اس نے جواب دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تعاون کر رہا تھا اور اس نے ابھی تک جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ فتح خان نے تمہارے پیچھے اپنے آدمی لگا دیئے ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسے ضرورت نہیں ہے وہ ہم پر اعتماد کرتا ہے۔''

فتح خان اپنے باپ پر اعتبار کرنے والا شخص نہیں تھا لیکن اس کا کزن اس پر یقین رکھتا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم چھت پر جاؤ اور آس پاس نظر رکھو۔''

اگرچہ کیمرے لگے تھے لیکن وہ صرف سامنے اور عقب کا منظر دکھاتے تھے۔ بیتو کے جانے کے بعد میں نے شہباز خان سے اگلا سوال کیا۔ ''فتح خان کہاں ہے؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے جواب دیا۔ ''دو دن پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا اور کام کے لیے ایک ہوٹل بلایا۔'' اس نے ایک جگہ کا نام لیا جہاں ماضی میں افغان مہاجرین بستے تھے اب یہ بستی ختم کی جا چکی تھی۔ اس کی جگہ کچی آبادی بن گئی تھی جس میں زیادہ تر جرائم پیشہ قسم کے لوگ رہتے تھے۔ شہباز خان اور اس کا ساتھی قسم خان اسی بستی میں رہائش پذیر تھے اور فتح خان نے اسی بستی کے ہوٹل میں ان سے ملاقات کی تھی۔ اس نے ان کو کام سونپا اور پیشگی دس ہزار روپے دیئے تھے۔ اس نے کہا تھا وہ پانچ دن میں عورت کو تلاش کر لیں تو وہ انہیں ایک لاکھ روپے دے گا اور اگر وہ ناکام رہے تو پھر کسی اور سے یہ کام لے گا۔ اسے قسم خان کے کتے کے بارے میں معلوم تھا اس نے شہلا کا استعمال شدہ بلاؤز ان کے حوالے کیا تھا۔ تاکہ کتے کو سونگھا کر اس کی مدد سے شہلا کو تلاش کر سکیں۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا فتح خان سکون سے بیٹھنے والی چیز نہیں تھا۔ وہ مجھے تلاش کر رہا تھا۔ فتح خان نہایت مستقل مزاج آدمی تھا اور جس کام کے پیچھے پڑ جائے وہ کر کے رہتا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی

تھی کہ وہ میری مدد سے برٹ شا سے ہیرے نکلوا سکتا ہے۔ کیونکہ میں برٹ شا کی بیٹی ایمن شا کو پاکستان بلوا سکتا تھا اور مجھے اس کام پر آمادہ کرنے کے لیے وہ میرے کسی ساتھی کو قابو کرنے کی فکر میں تھا اس کی وجہ سے میں نے مونا اور سعدیہ کو عبداللہ والی کوٹھی میں رکھنا مناسب سمجھا تھا وہ وہاں زیادہ محفوظ تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''اگر تم اس عورت کو تلاش کر لیتے تو فتح خان کو اطلاع کس طرح دیتے؟''

''اس کا نمبر میرے پاس ہے۔'' شہباز خان نے نمبر بتایا۔ میں نے اس کے موبائل میں بتایا ہوا نمبر دیکھا وہ ایک کے نام سے محفوظ تھا۔ یعنی شہباز خان نے فتح خان کا نام نہیں رکھا تھا۔ میں نے اسی موبائل سے فتح خان کا نمبر ملایا۔ اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی اور غنودہ آواز میں بولا۔ ''شہباز خانا کیا بات ہے؟''

''فتح خان اس عورت کا سراغ مل گیا ہے۔'' میں نے کہا تو اس کی نیند اُڑ گئی تھی میری آواز شہباز خان سے بالکل مختلف ہے اور فتح خان اسے اچھی طرح پہچانتا ہے اس نے بے یقینی سے کہا۔

''شہباز تم......شہباز خان کہاں ہے؟''

''وہ میرے پاس ہے۔'' میں نے کہا۔ ''فتح خان تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہے۔''

''کون سے وعدے پر؟''

''یہی کہ تمہاری طرف سے دشمنی ختم ہو گئی ہے۔''

''میں قائم ہوں۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''میرے آدمی تمہیں نہیں بلکہ شہلا کو تلاش کر رہے تھے۔''

'' بکواس مت کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ شہلا میرے پاس ہے اور شہلا تمہارے لیے بیکار چیز ہے تم اور تمہارے ساتھی اسے اچھی طرح استعمال کر چکے ہیں۔ بہر حال تمہاری نیت کی خرابی کی سزا قدرت نے تمہیں پہلے ہی دے دی ہے۔ تمہارا جو آدمی میرے پاس قید تھا اسے میں نے شہلا کے ساتھ رکھا تھا اور اس نے اپنا ذہنی گند اُگل کر شہلا کو اتنا مشتعل کیا کہ اس نے تمہارے آدمی کا گلا دبا دیا۔ اس کی لاش تمہیں جلد مل جائے گی۔''

یہ سن کر فتح خان کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شہباز خان یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔''

''یہ میں نے نہیں شہلا نے اچھا نہیں کیا ہے میں اب اچھا نہیں کروں گا۔ فتح خان میں نے تمہیں بہت نظر انداز کر دیا اسی وجہ سے تمہارے حوصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔''

وہ فکر مند ہو گیا۔ ''کیا کرو گے تم؟''

''تمہارے ان ساتھیوں کو ان کے اسلحے اور گاڑی سمیت پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ میرا خیال ہے ان پر دہشت گردی کے حوالے سے مقدمہ بنے گا اور ممکن ہے کوئی خفیہ ایجنسی انہیں اپنی تحویل میں لے کر تفتیش شروع کر دے، تم جانتے ہو وہ ایسی تفتیش کریں گے کہ ان کو چھٹی کے دودھ سمیت سب یاد آ جائے گا۔''

یہ سن کر فتح خان کے حواس ٹھکانے پر آ گئے اور اس نے فوراً مفاہمانہ لہجہ اختیار کیا۔ ''شہباز خان یہ ہماری آپس کی بات ہے۔ پولیس تک لے جانے میں تمہیں بھی نقصان ہوگا۔''

''میں تم سے اتنا تنگ آ گیا ہوں کہ پولیس کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔'' میں نے کہا اور موبائل بند کر دیا۔ احتیاطاً میں نے اس کی بھی سم نکال لی تھی۔ میں نے شہباز خان کی طرف دیکھا۔ ''تم نے سن لیا

ہو گا فتح خان کو تمہاری بھی پروا نہیں ہے۔''
اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔''ہم اس کے لیے کام کرتا ہے اگر ہم کامیاب ہو جاتا تو ایک لاکھ ملتا اب پکڑا گیا ہے تو اس کا ذمہ نہیں ہے۔''
میں نے حیرت سے اسے دیکھا وہ سچ مچ اس کا کزن تھا۔ اسے گالیاں دینے کے بجائے اس کی حمایت کر رہا تھا۔''تم نے میرا ارادہ بھی سن لیا ہوگا۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔''
وہ چالاک تھا اس نے فوراً نکتہ اٹھایا۔''اس صورت میں ہم پولیس کو اس جگہ کے بارے میں بتا دے گا۔''
''اگر چھوڑا تو فتح خان کو بتا دو گے۔ اور اس ٹھکانے کی کوئی بات نہیں ہے ایسے کئی ٹھکانے ہمارے پاس ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔''تم اپنی خیر مناؤ، تمہیں اسلحے سمیت پولیس کے حوالے کیا تو وہ تم پر کس قسم کے کیس بنائے گی تم جانتے ہو؟''
اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔''کوئی اور راستہ نہیں ہے؟''
''ہے اگر تم مجھے فتح خان کے بارے میں کوئی ایسی بات بتاؤ جو میرے کام آسکے تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا دوسری صورت میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔''
اس دوران میں قسم خان کسمسانے لگا تھا۔ ایاز واپس آگیا تھا۔ اس نے کہا۔''میں گاڑی پاس ہی گھنی جھاڑیوں پر چھوڑ آیا ہوں۔''
میں اتنی دیر میں سوچ چکا تھا فی الحال ان کو اپنے پاس رکھنا تھا میں نے ایاز سے کہا۔''ان دونوں کو شہلا والے کمرے میں قید کرنا ہے۔''
''شہلا کہاں جائے گی؟''
''اسے شاہین والے کمرے میں منتقل کر دیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔
ایاز ہچکچایا۔''کیا یہ ٹھیک ہوگا؟...... اس کمرے کو باہر سے بند نہیں کیا جا سکتا ہے۔''
''ہم نگرانی کرتے رہیں گے۔ ان لوگوں کا کوئی بندوبست ہو جائے تو شہلا کو پھر واپس اسی کمرے میں بند کر دیں گے۔''
ایاز مطمئن نہیں تھا لیکن پھر اس نے کچھ نہیں کہا۔ میں نے شاہین کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اندر سے سہمے لہجے میں پوچھا۔''کون ہے؟''
''شاہین میں ہوں۔'' میں نے نرمی سے کہا تو اس نے دروازہ کھول دیا اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے معذرت کی۔''تمہیں پریشان کیا لیکن تمہارے کمرے میں ایک خاتون رہے گی۔ اصل میں کچھ لوگ او آگئے ہیں اور جگہ کم پڑ گئی ہے۔''
''کوئی بات نہیں ویسے یہ آپ کا گھر ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔''آپ پوچھ کر مجھے شرمندہ مت کریں۔''
''تمہارا شکریہ۔'' میں نے کہا اور شہلا والے کمرے میں آیا۔ وہ بھی جاگ رہی تھی۔ شاید اس نے بھی باہ ہونے والی سرگرمیوں کو سن لیا تھا۔

''کیا بات ہے کوئی مسئلہ ہوا ہے؟''

''فتح خان کے دو گرگے تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آگئے اور پکڑے گئے۔''

''مجھے تلاش کرتے ہوئے؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''انہیں کیسے پتا کہ میں یہاں ہوں؟''

''ان کے پاس تمہارا استعمال شدہ بلاؤز تھا اور وہ ایک کتے کو سونگھا کر اس کی رہنمائی میں یہاں تک آئے ہیں۔''

وہ پریشان ہوگئی۔ ''صرف وہی نہیں ہوں گے بلکہ ان کے پیچھے فتح خان کے اور آدمی بھی ہوں گے۔''

''اس کا امکان ہے اور میرے ساتھی اس کا جائزہ لے رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''فی الحال میں تمہیں دوسرے کمرے میں لے جانے آیا ہوں۔''

''کیوں؟''

''یہاں فتح خان کے آدمیوں کو رکھنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اپنا بستر اٹھاؤ اور چلو یہاں سے۔''

وہ بادلِ ناخواستہ میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی۔ شاہین کو دیکھ کر اس نے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''کیا یہ بھی قیدی ہے؟''

''نہیں ورنہ میں اسے تمہارے کمرے میں لاتا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ویسے اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میں باہر آیا۔ بیتو اور ایاز، قسم خان اور شہباز خان کو شہلا والے کمرے میں لا رہے تھے۔ قسم خان ہوش میں آگیا تھا اور دکھی نظر آ رہا تھا۔ شاید اسے اپنے مرحوم کتے کا پتا چل گیا تھا۔ شہباز خان کی حالت بہتر تھی۔ اس کی ٹانگ ٹوٹی نہیں تھی کیونکہ وہ لنگڑا کر صحیح لیکن اپنے پیروں پر چل رہا تھا۔ ان دونوں کو کمرے میں بند کر کے ہم ڈرائنگ روم میں آگئے۔ بیتو نے بتایا کہ اس نے نائٹ ویژن دوربین سے چاروں طرف دیکھا ہے لیکن اسے نہ تو کوئی گاڑی نظر آئی ہے اور نہ ہی کوئی آدمی گھر سے باہر دکھائی دیا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم سو جاؤ میں اور ایاز باری باری جاگتے رہیں گے۔''

''نہیں آپ سو جاؤ میں اور ایاز بھائی باری باری جاگے گا۔'' اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اصرار کیا تو میں مان گیا۔ ویسے بھی گزشتہ دو راتوں سے میں ٹھیک طرح سے نہیں سویا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں اپنا بستر لگایا۔ رات خاصی ہوگئی تھی اور میں تھک گیا تھا اس لیے لیٹتے ہی سو گیا۔ کوئی دو گھنٹے بعد ہی بیتو نے بدحواسی میں مجھے جگا دیا۔

''شوبی اٹھ جاؤ باہر کچھ لوگ ہے۔''

میں اٹھ گیا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''باہر دو گاڑی آ کر رکا ہے اور اس سے لوگ اتر کر مکان کے گرد گھیرا ڈال رہا ہے۔ ایاز بھائی اوپر ہے۔''

میں اسے نیچے رکنے کا کہہ کر جوتے اور جیکٹ پہنے اوپر چھت پر آیا۔ ایاز نائٹ ویژن استعمال کر رہا تھا اسی وجہ سے وہ لوگ نظر میں آگئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''دو گاڑیوں میں کم سے ایک درجن افراد ہیں اور سب مسلح ہیں۔''

میں فکر مند ہو گیا۔ فتح خان کے آدمی پکڑنے کے باوجود میں نے سستی دکھائی تھی۔ حالانکہ اسی وقت ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔ بہر حال اب تو تاخیر ہو گئی تھی۔ اگر یہ فتح خان کے آدمی تھے تو امکان تھا کہ وہ خود بھی ساتھ ہو گا اور اس کے ہوتے ہوئے بچ نکلنے کا امکان کم تھا۔ میں نے ایاز سے کہا۔ ''نیچے جا کر اسلحے میں سے سائلنسر والی دور مار رائفلیں نکال لاؤ۔''

وہ نیچے چلا گیا میں نے اس سے دوربین لے لی تھی اور ساتھ ہی موبائل نکال لیا۔ میں نے دوربین سے آنے والوں کا معائنہ کیا۔ وہ پانچ اطراف میں تھے اور ہر جگہ کم سے کم دو افراد تھے۔ نائٹ ویژن میں ان کے پاس موجود خودکار اسلحہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب محاورے کے مطابق دانتوں تک مسلح تھے۔ سامنے والی طرف دو جگہوں پر پانچ افراد تھے۔ دو، دو دائیں اور بائیں تھے جب کہ تین افراد پیچھے کی طرف تھے۔ گاڑیاں جو ڈبل کیبن والی پک اَپ تھیں دائیں اور عقبی سمت میں کھڑی کی تھیں۔ مجھے ان کے عزائم میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے اور وہ یقیناً سو رہا تھا۔ تیسری بیل پر اس نے کال ریسیو کی۔

''عبداللہ ایمرجنسی ہے۔'' میں نے بلاتمہید کہا۔ ''ایک درجن مسلح ترین افراد نے ہمارے ٹھکانے کو گھیر لیا ہے اور امکان ہے وہ فتح خان کے آدمی ہیں۔ وہ دو گاڑیوں میں آئے ہیں اور اس وقت مکان کے چاروں طرف موجود ہیں۔''

عبداللہ نے سیکنڈ میں صورتِ حال کو سمجھ لیا تھا اس نے کہا۔ ''میں بیس منٹ میں آ رہا ہوں اس وقت تک آپ تصادم ٹالنے کی کوشش کریں یا حملے کی صورت میں مدافعت کریں۔''

میں نے موبائل رکھ دوربین سے ایک بار پھر ان لوگوں کا جائزہ لیا۔ وہ فی الحال آگے نہیں آ رہے تھے شاید انہیں کسی اشارے کا انتظار تھا۔ سردی شدت کی تھی اور کسی قدر دھند بھی تھی اس لیے مجھے اطمینان تھا وہ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے جب کہ میں انہیں واضح دیکھ سکتا تھا۔ ان میں سے کسی نے نائٹ ویژن عینک نہیں لی تھی ورنہ مجھے نظر آ جاتا۔ دیم جو اسلحہ لایا تھا اس میں جدید ترین دور مار سائلنسر لگی رائفلیں بھی تھیں۔ ان کی مار ہزار گز سے زیادہ تھی لیکن ان کے فائر کی آواز چند گز سے زیادہ دور نہیں جاتی تھی۔ ان پر نائٹ ویژن دوربین نصب تھی۔ ایاز رائفلوں سمیت لوٹ آیا وہ اپنا موبائل اور ہینڈ فری بھی لے آیا تھا۔ میں نے فوری طور پر کانفرنس کال ملائی۔ اب ہم سب ایک دوسرے سے رابطے میں تھے۔ بیتو اور ایاز کے ساتھ عبداللہ بھی اس کانفرنس کال میں شامل تھا۔ میں نے رائفل چیک کرتے ہوئے ایاز سے پوچھا۔

''بیتو کہاں ہے اس کی ضرورت بھی ہے۔''

''میں اسے نیچے چھوڑ آیا ہوں آپ کہتے ہیں تو لے آتا ہوں۔''

بیتو کی واقعی ضرورت تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ شہلا جس کمرے میں تھی وہ باہر سے بند نہیں ہو سکتا تھا اور اُسے احساس ہو جاتا کہ باہر کوئی نگرانی نہیں کر رہا ہے تو وہ فرار ہونے کی کوشش بھی کر سکتی تھی۔ میں نے مسئلے کا حل سوچا اور بیتو سے کہا۔ ''شہلا کو آدمیوں والے کمرے میں ڈال کر اوپر آ جاؤ یہاں تمہاری ضرورت ہے۔''

عبداللہ روانہ ہوتے ہوئے ہماری گفتگو سن رہا تھا میں نے اُسے اپنے آدمیوں کو احکامات دیتے سنا۔ بیتو شہلا کو دوسرے کمرے میں چھوڑے بغیر اوپر آ گیا تھا۔ شہلا نے دوسرے کمرے میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ شہلا کی بدزبانی پر خفا تھا اور اسے دبے لفظوں میں برا بھلا کہہ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی ہم نے آج اتنا گندہ زبان والا عورت نہیں دیکھا ہے۔''

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔'' ایاز بولا۔

''فکر نہ کرو برخوردار میرے ساتھ رہو گے تو یقیناً شہلا سے بھی آگے کی کوئی چیز دیکھ لوگے۔''

ہم مزے سے خوش گپیاں کر رہے تھے لیکن ساتھ ہی چاروں طرف دشمن پر بھی نظر رکھے ہوئے تھے اور ہماری گفتگو کانفرنس کال کے ذریعے جاری تھی۔ دشمن ہمیں گھیر چکے تھے لیکن خوش قسمتی سے ابھی تک انہوں نے حملہ نہیں کیا تھا ورنہ ہم مشکل میں پڑ جاتے۔ بے شک ہم مورچہ بند اور دفاعی نکتہ نظر سے بہتر پوزیشن میں تھے لیکن درجن بھر مسلح افراد کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ بے شک ہم تین تھے اور ان کو اتنی آسانی سے اندر آنے نہیں دیتے لیکن ایک بار لڑائی چھڑ جائے تو اس میں کون جیتا رہے گا اور کون مارا جائے گا یہ کہنا مشکل ہے۔ بیتو نے پوچھا۔ ''شوبی کیا کرنا ہے؟''

''اگر یہ حملہ کریں تو سامنے موجود ہر فرد کو اُڑا دینا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر ان کو موقع مل گیا تو یہ ہمیں نہیں بخشیں گے لیکن صرف روکنا ہو تو زخمی کرنے پر اکتفا کرنا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے جناب۔'' ایاز نے تائید کی۔ ''ان کے عزائم قاتلانہ لگ رہے ہیں۔''

میں سامنے والے حصے میں آ گیا اور بیتو عقب میں چلا گیا۔ ایاز باری باری دائیں اور بائیں نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ فتح خان نے اس جگہ کو کیسے تلاش کر لیا۔ کیا اس کے پاس کوئی دوسرا کتا بھی تھا جو شہلا کی بو پر اسے یہاں تک لے آیا ہو لیکن ان لوگوں کے ساتھ کسی کتے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اگر انہوں نے کسی اور طریقے سے اس جگہ کا پتا چلایا تھا تو فی الحال وہ میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ ممکن شہباز اور قسم خان کو علم نہ ہو اور فتح خان کا کوئی آدمی ان کی نگرانی کر رہا ہو۔ عبداللہ کو کال کیے ہوئے پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''تم کہاں ہو؟''

''ہم راستے میں ہیں دس سے بارہ منٹ لگیں گے۔'' اس نے بتایا۔ ''گھیرنے والوں نے کوئی حرکت کی ہے؟''

''ان کی طرف سے ابھی تک کوئی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔'' میں نے کہا اور اسی لمحے سامنے والی سمت سے دو افراد مکان کی طرف بڑھے۔ میں نے تیزی سے رائفل سنبھال لی۔ ''وہ حرکت میں آ گئے ہیں۔''

''آپ ان کو روکیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''ان کا نزدیک آنا خطرناک ہو سکتا ہے۔''

عبداللہ درست کہہ رہا تھا وہ پاس آ جاتے تو ان کو دور کرنا یا روکنا مشکل ہو جاتا۔ میں نے سب سے آگے آنے والے شخص کے پاؤں کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ رائفل سے ہلکی سی آواز نکلی اور وہ شخص گر گیا۔ اس کا ساتھی پلٹ کر واپس بھاگا لیکن میں نے اسے بھی مار گرایا۔ اسے بھی ران میں گولی لگی تھی۔ اب وہ زمین پر پڑے کراہ رہے تھے۔ انہوں نے زخمی ہونے کے باوجود اپنی آواز بلند نہیں کی تھی۔ صرف وہی نہیں بلکہ ان کے ساتھیوں نے چاروں طرف سے مکان پر ہلہ بول دیا تھا۔ کیونکہ اسی لمحے بیتو اور ایاز کی طرف سے بھی کارروائی ہوئی تھی اور اس

بار گولیاں کھانے والے چیخے چلائے تھے ان میں سے ایک کی چیخ میں موت کا کرب رچا ہوا تھا۔اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے مکان پر گولیوں کا مینہ برسنے لگا تھا۔کم سے کم نصف درجن خود کار ہتھیار آگ برسا رہے تھے۔
ہم پیچھے ہو گئے تھے اور گولیاں آ کر منڈیر کا پلاسٹر اُڑا رہی تھیں۔میں نے ایاز سے پوچھا۔

''میں نے ایک کو مار گرایا ہے۔اس کے گھٹنے میں گولی لگی ہے۔''

''ہم نے ایک کا سر اُڑا دیا ہے۔'' بیتو بولا۔

''بلا وجہ مارنے سے گریز کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

حملہ آور بوکھلا کر پورا میگزین خالی کرنے پر تل گئے تھے اور جیسے ہی سامنے موجود واحد فرد کی رائفل کا میگزین خالی ہوا میں نے منڈیر سے اٹھ کر اس کا نشانہ لیا۔وہ میگزین بدل رہا تھا۔عجلت میں گولی اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں لگی تھی اور وہ بنا آواز نکالے منہ کے بل گر گیا۔اس دوران میں ایاز نے بھی مزید ایک اور دشمن کو نشانہ بنایا تھا۔عبداللہ نے مار دھاڑ کی آواز سن لی تھیں اس نے کہا۔

''ہم کالونی کے قریب پہنچ گئے ہیں۔آپ سب ٹھیک ہیں؟''

''ہم ٹھیک ہیں لیکن دشمن کے کوئی چھ افراد ناکارہ ہو گئے ہیں ایک مارا گیا ہے۔تمہارے ساتھ کتنے آدمی آ رہے ہیں؟''

''میرے ساتھ پانچ آدمی ہیں۔''

ایاز پیچھے کا حصہ کور کر رہا تھا اچانک وہ چلایا۔''شہباز صاحب ہوشیار وہ راکٹ مار رہے ہیں۔''
یہ سنتے ہی میں اور بیتو غیر ارادی طور پر نیچے گر گئے تھے۔ایاز نے بھی پیچھے کی طرف چھلانگ لگائی اور چھت کے وسط میں آ گرا۔اسی لمحے دھماکہ ہوا اور میں نے مکان کے عقبی حصے میں آگ کے ساتھ گرد و غبار کا فوار[illegible]ند ہوتے دیکھا۔میرا دل بیٹھ گیا۔قیدیوں اور شاہین کے ساتھ ہمارا سارا اسلحہ اور گولہ بارود بھی اسی حصے میں تھا۔وہ نشانہ بن جاتا تو اس مکان کی جگہ صرف ایک گڑھا رہ جاتا اور ہمارے پرزے بھی نہ ملتے۔چند لمحے کے لیے چھت بری طرح لرزتی رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ اب تب میں گر جائے گی لیکن خیریت رہی۔راکٹ نے نہ تو چھت گرائی اور نہ ہی گولہ بارود کو نقصان ہوا تھا لیکن ایک اور راکٹ آ کر لگتا تو یقیناً مکان ملبے کا ڈھیر بنا جاتا۔میں نے چلا کر ایاز اور بیتو کی خیریت پوچھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''ہم بھی ٹھیک ہے۔'' بیتو بولا۔

''ان کو شوٹ کر دو۔'' میں نے کہا اور رینگتا ہوا عقبی حصے کی طرف بڑھا منڈیر اُڑ گئی تھی اور اب کھڑے ہونے کا مطلب فوت ہونا تھا کیونکہ فائر مستقل آ رہا تھا۔فضا میں ابھی تک گرد و غبار تھا لیکن نائٹ ویژن کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ گرد اور دھند کے پار بھی دکھاتی ہے کیونکہ انفرا ریڈ کی لہریں دھند اور غبار سے بھی گزر جاتی ہیں۔عقب میں موجود گاڑی کے عقب میں دشمن کے کم سے کم دو آدمی تھے۔ان میں سے ایک راکٹ لانچر نما چیز اٹھائے ہوئے تھا اور اس میں دوسرا راکٹ فٹ کر رہا تھا۔وہ اپنا کام تقریباً مکمل کر چکا تھا اور اسے مہلت دینا خودکشی بھی ہو سکتی تھی اس لیے میں نے اس کے سینے کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔اب یہ قسمت تھی جس نے ہمارا

ساتھ دیا۔ گولی اتفاق سے راکٹ پر جا لگی اور جو راکٹ مکان پر فائر کیا جانے والا تھا وہ لانچر میں ہی پھٹ گیا۔ تیز روشنی ہوئی تو میں نے جلدی سے دوربین آنکھ سے ہٹالی کیونکہ انفراریڈ معمولی روشنی کو بھی سورج کی طرح تیز چمک کے ساتھ دکھاتی۔ سامنے آگ کا گولہ نمودار ہوا جس میں انسانی جسموں اور گاڑی کے ٹکڑے بھی شامل تھے۔

عبداللہ مسلسل ہماری خیریت پوچھ رہا تھا۔ میں جھنجھلا گیا۔ ''ہم ٹھیک ہیں یار تم اپنی توجہ یہاں پہنچنے پر لگاؤ۔ ابھی ان سے پیچھا چھڑا کر ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔''

''ہم پہنچ رہے ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

گاڑی کے عقب میں موجود افراد میں کوئی بچا بھی تھا تو اس قابل نہیں تھا کہ کچھ کر سکے۔ سامنے والوں کا بھی صفایا ہو گیا تھا۔ البتہ دائیں بائیں سے فائرنگ جاری تھی۔ میں حیران تھا کہ فتح خان کیا چاہتا تھا کیا وہ مجھے ختم کرنا چاہتا تھا جو اس نے اس لاؤ لشکر اور تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ صرف تین افراد ہونے کے باوجود ہم ان پر حاوی آ گئے تھے۔ ایاز اور بیتو اب دائیں اور بائیں والوں کے خلاف جوابی کارروائی کر رہے تھے۔ ایک اور شخص مارا گیا تھا۔ میں نے حساب لگایا۔ دشمن کے کم سے کم پانچ مارے جا چکے تھے اور چار زخمی تھے اور اب چار یا پانچ باقی تھے۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''سامنے اور عقب میں کوئی دشمن باقی نہیں رہا ہے صرف دائیں بائیں ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے کہا اور اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے لگا۔

حملہ آور اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر پاگل ہو گئے تھے اور مسلسل فائرنگ کر رہے تھے۔ اسی دوران میں عبداللہ پہنچ گیا۔ دونوں گاڑیاں لائٹ بجھا کر آئی تھیں اور اچانک حملہ آوروں کے سر پر پہنچیں تو انہیں بھاگنے کا اور مدافعت کا موقع نہیں ملا تھا۔ عبداللہ اور اس کے آدمیوں نے باقی بچ جانے والوں کو مار گرایا۔ فائرنگ کا ایک تیز لیکن مختصر دور چلا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ عبداللہ نے موبائل پر کہا۔ ''میدان صاف کر دیا ہے جناب۔''

''آس پاس دیکھو کوئی بچا ہوا نہ ہو اور اگر کوئی زندہ مل جائے تو اسے مارنا مت۔'' میں نے نیچے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ ایاز پہلے ہی نیچے آ گیا تھا۔ لاؤنج تک کا حصہ ملبے کا ڈھیر بن گیا تھا اور عقبی دیواریں گر چکی تھیں۔ اگر مکان پلرز اور بیم والا نہ ہوتا تو شاید پورا ہی بیٹھ جاتا۔ سب سے برا حشر اس کمرے کا تھا جس میں فتح خان کے دو آدمی تھے اور دونوں مارے جا چکے تھے۔ شہباز خان کا ایک بڑے بلاک تلے آ کر کچل گیا تھا۔ میں نے شاہین اور شہلا والے کمرے کا دروازہ کھولا میرا خیال تھا کہ مجھے ان کی بھی لاشیں دیکھنے کو ملیں گی لیکن حیرت انگیز طور پر کمرے کو نقصان ہونے کے باوجود وہ ٹھیک تھیں البتہ ان کے حواس گم تھے۔ شاہین کمرے کے کونے میں دبکی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ شہلا نے البتہ خود کو کسی قدر سنبھال رکھا تھا۔ اس نے پوچھا۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''فتح خان کے آدمیوں نے حملہ کیا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور شاہین کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے شہلا سے کہا۔ ''یہاں سے نکلو جلدی۔''

ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ شاہین کسی معمول کی طرح کھڑی ہو گئی اس کے حواس

ابھی تک گم تھے۔ ظاہر ہے وہ ایک عام سی گھریلولڑکی تھی جس نے آج سے پہلے ایسے مارا ماری کے حالات کہاں دیکھے تھے۔ شہلا کھڑی ہوگئی۔ اس نے اپنی ہیل والی جوتی پہن لی تھی کیونکہ یہاں اس کے اور کوئی جوتی یا چپل نہیں تھی۔ باہر عبداللہ اور اس کے ساتھی آ گئے تھے اور وہ ایاز اور بیتو کے ساتھ مل کر اسلحہ اور دوسرا سامان نکال رہے تھے۔ میں نے ہر وہ جگہ صاف کرنا شروع کر دی جہاں ہماری انگلیوں کے نشانات ہو سکتے تھے لیکن ایسی جگہیں بہت زیادہ تھیں۔ عبداللہ میرے پاس آیا اس نے کہا۔

''آپ زحمت نہ کریں ہمارے جانے کے بعد یہاں کچھ باقی نہیں رہے گا۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے دو سلینڈر نما چیزیں دکھائیں۔ یہ آگ لگانے والے بم ہیں ان میں ٹائم سیٹ کر کے یہاں ڈال جائیں گے۔''

اگر چہ کسی کا مکان تباہ ہو جاتا اور وہ بے چارہ پولیس کے چکر میں آ جاتا لیکن مجبوری تھی ہماری بچت اسی میں تھی میں نے سر ہلایا۔ ''کوئی زندہ ملا؟''

''دو افراد ہاتھ لگے ہیں لیکن دونوں زخمی ہیں۔ زخم خطرناک نہیں ہیں۔ گیارہ بندے مارے گئے ہیں۔''

گویا دس پندرہ منٹ میں تیرہ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ قتل و غارت گری مجھے کبھی پسند نہیں رہی ہے اور میری کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو انتہائی ناگزیر ہونے کی صورت میں ماروں۔ آج ایسے ہی حالات تھے اگر ہم انہیں نہ مارتے تو وہ ہمیں ختم کر دیتے۔ وہ اسی نیت سے آئے تھے اس کے باوجود میں دل پر بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ اسلحے والے بکس ایاز کی جیپ میں بار کر دیئے گئے جبکہ میں شہلا، شاہین اور بیتو کے ہمراہ اپنی جیپ میں آ گیا۔ عبداللہ کے آدمی پہلے ہی تیار تھے۔ وہ اندر بم لگا کر آیا اور ہم فوری روانہ ہو گئے لیکن عبداللہ نے مین روڈ کی طرف جانے سے گریز کیا تھا اس طرف پولیس سے ٹکراؤ کا امکان تھا۔

فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں یقیناً دور تک گئی تھیں۔ اس صورت میں جلد یا بدیر پولیس کی آمد لازمی تھی۔ اس سے پہلے ہمارا اس جگہ سے دور نکل جانا ضروری تھا۔ ابھی ہم مکان سے کچھ دور گئے تھے کہ اس میں لگائے بم پھٹ گئے آواز نہیں آئی تھی لیکن آگ نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے مکان کو لپیٹ میں لے لیا۔ عبداللہ اس کچے راستے سے واقف تھا پندرہ بیس منٹ بعد ہم ایک سڑک پر تھے۔ ہمارے پاس ابھی دو ٹھکانے تھے۔ ایک مکان اور ایک فلیٹ تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کس طرف کا رخ کیا جائے۔ اچانک موبائل نے وہبریٹ کی میں نے نکال کر دیکھا عبداللہ کال کر رہا تھا۔

''جناب آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

میں نے اسے دوسرے دو ٹھکانوں کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا۔ ''اگر آپ میری بات مانیں تو میں نے ایک اچھا ٹھکانہ بنالیا ہے جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کوئی نہیں جانتا ہے۔''

''کہاں ہے؟''

مری جانے والی متبادل نئی ہائی وے پر ہے۔ میں نے اسے اسی لیے حاصل کیا ہے۔ چھوٹی لیکن تمام سہولتوں کے ساتھ جگہ ہے۔''

''ٹھیک ہے فی الحال تو وہیں چلتے ہیں بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔'' میں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ ویسے بھی اس وقت مجھے اپنا ذہن خالی اور بے سمت محسوس ہو رہا تھا۔ عبداللہ سے بات کر کے میں ڈرائیونگ کرنے لگا۔ بیتو نے میری کیفیت محسوس کر لی تھی اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''شوبی آپ پریشان مت ہو وہ سب ہمارے دشمن تھے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''میں سمجھتا ہوں یار لیکن وہ انسان بھی تھے اور مجھے انسانی زندگی کی حرمت سکھائی گئی ہے۔ مجھے کبھی کسی کو مار کر اچھا محسوس نہیں ہوتا ہے چاہے وہ میرا جانی دشمن کیوں نہ ہو اور مجھے قتل کرنے ہی کیوں نہ آیا ہو۔''

''کیونکہ آپ اچھا آدمی ہے لیکن اچھا آدمی کسی برے آدمی کو مارے تو یہ اچھا بات ہوتا ہے۔''

''ہاں ہوتا تو ٹھیک ہے......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔ شاہین اور شہلا پیچھے خاموش بیٹھے تھے۔ وہ دونوں عام سے کپڑوں میں تھے کیونکہ حملے کے وقت سو رہے تھے۔ جیپ میں ہیٹر تھا اس وجہ سے اندر فضا گرم تھی جب کہ باہر درجہ حرارت نکتہ انجماد کے آس پاس تھا۔ عبداللہ والی گاڑی سب سے آگے تھی اس کے پیچھے ایاز کی جیپ تھی، پھر عبداللہ کے آدمیوں کی گاڑی تھی اور سب سے پیچھے میں تھا۔ راستے میں عبداللہ کے آدمیوں والی گاڑی اس کی کوٹھی کی طرف مڑ گئی۔ ان کا کام ختم ہو گیا تھا اس لیے وہ چلے گئے اور ہم نے اپنا سفر جاری رکھا تھا۔

ٹول پلازہ سے گزر کر ہم مری جانے والی نئی شاہراہ پر آئے۔ یہ ایکسپریس وے تھا اور اچھی چوڑی سڑک تھی۔ یہاں دھند کم تھی اور کہیں کہیں برف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ یہاں باقاعدہ برف باری تو کم ہوتی تھی لیکن گرنے والی اوس برف کی طرح جم جاتی ہے۔ کوئی بیس منٹ بعد عبداللہ رک گیا۔ میں حیران ہوا تھا کیونکہ آس پاس کوئی کوٹھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ دائیں طرف کھائی تھی اور اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا احاطہ اور پھر کمرہ نما بنا ہوا دکھائی دے رہا تھا لیکن یہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ ہم سب یہاں رہ سکتے۔ احاطہ بڑا تھا مگر کھلی جگہ میں رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عبداللہ نے گاڑی کنارے لگائی تھی تاکہ دوسرے ٹریفک میں خلل نہ ہو۔ وہ نیچے اترا تو میں بھی نیچے اتر آیا۔ البتہ بیتو کو گاڑی میں رکنے کو کہا۔ شہلا پر نظر رکھنا ضروری تھا وہ شاطر عورت اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فرار ہو سکتی تھی۔ اس دوران میں عبداللہ احاطے کا گیٹ کھول رہا تھا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''جناب اپنی اور ایاز کی گاڑیاں اندر لے آئیں۔''

احاطے میں اتنی جگہ تھی کہ دونوں جیپیں آرام سے اندر آ گئیں۔ احاطے کے سامنے ترچھی اور نیچی چھت والا ایک ہی کمرہ تھا اس کے وسط میں دروازہ تھا اور دروازے کے دونوں طرف مختصر لیکن جدید انداز کی کھڑکیاں تھیں۔ احاطہ کوئی تیس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا تھا۔ جب کہ کمرے کی چوڑائی بیس فٹ تھی۔ کھلی فضا میں سردی شدت کی تھی۔ عبداللہ نے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ لاؤنج نکلا تھا اور اس سے سیڑھیاں نیچے کی طرف جا رہی تھیں۔ جیتو شاہین اور شہلا کو لے کر اندر آیا تو خوش ہو گیا۔ ''یہ تو ویسا مکان ہے جیسا ادھر انڈیا میں بھی پہاڑوں میں ہوتا ہے اوپر سے نیچے جاتا ہے۔''

عبداللہ مسکرایا۔ ''تم نے ٹھیک پہچانا۔ نیچے اس کی دو منزلیں اور ایک چھوٹا سا باغ بھی ہے۔ داخلے کا راستہ یہی ہے۔''

لاؤنج میں معمولی سا فرنیچر تھا اور احاطے سمیت اس جگہ کا کل رقبہ چھ سات مرلے سے زیادہ نہیں تھا۔ گزوں میں ڈیڑھ پونے دوسو گز سمجھ لیں۔ البتہ تعمیر میں اعلیٰ درجے کا ماربل استعمال ہوا تھا۔ یہ لینٹر کی بنی کوٹھی تھی سیڑھیوں کی ریلنگ شاندار پالش شدہ لکڑی کی تھی۔ عبداللہ ہمیں نیچے لایا۔ پہلے فلور پر کل چار کمرے تھے۔ دو بیڈ روم، ایک نشست گاہ اور ایک دیگر کاموں کے لیے مخصوص تھا۔ اس سے نیچے بھی تین کمرے تھے۔ کچن اسی حصے میں تھا اور سامنے چھوٹا سا باغ تھا۔ یہاں سے ایک کچا راستہ نیچے وادی کی طرف جاتا تھا اور یہاں اچھی خاصی آبادی تھے۔ مکانات دور دور بنے تھے لیکن پوری ڈھلان ان مکانوں سے آباد تھی۔ کیونکہ یہاں بجلی تھی اس لیے وادی برقی روشنیوں سے تاروں بھری رات کا منظر پیش کر رہی تھی۔

کسی شوقین نے یہ گھر بنوایا تھا۔ اسے ڈھلان کے ساتھ یہ جگہ مل گئی تھی اور اس نے الٹی ترتیب سے کئی منزلہ گھر بنایا۔ اس میں داخلے کا راستہ سب سے اوپر والی منزل میں تھا۔

بیڈ روم پوری طرح فرنشڈ تھے اور نشست گاہ میں فرش پر دبیز قالین کے ساتھ ایک شاہانہ صوفہ سیٹ تھا لیکن یہ باقاعدہ فرنشڈ نہیں تھا۔ مخصوص مقاصد والا کمرہ بالکل خالی تھا اور فرش بھی ننگا تھا۔ پکڑے جانے والے حملہ آوروں کو یہیں لایا گیا تھا۔ ان میں سے ایک کو بازو میں گولی لگی تھی اور دوسرے کی پنڈلی فریکچر تھی لیکن گولیاں نکل گئی تھیں اس لیے زخموں پر پٹیاں باندھنے کے بعد ان کی حالت بہتر لگ رہی تھی۔ میں نے پہلی بار دیکھا تھا اور میں چونک گیا کیونکہ وہ خدوخال سے مقامی لوگ لگ رہے تھے۔ یعنی اس نسل کے لوگ جو مارگلہ اور مری کے پہاڑوں میں آباد ہے۔ وہ خوف زدہ نہیں تھے اور خاص طور سے مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

فی الحال کچھ دوسرے کام نمٹانے تھے اس لیے ان سے پوچھ گچھ کا ارادہ ملتوی کر کے ان کو اس خالی کمرے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ جب کہ شہلا اور شاہین کو ایک بیڈ روم میں بھیج دیا۔ شاہین کا ہینڈ کیری بیتو لے آیا تھا۔ وہ اپنا حلیہ درست کرنے میں لگ گئیں کیونکہ دھماکے کے بعد وہ مٹی مٹی ہوگئی تھی۔ جب تک عبداللہ مجھے کوٹھی دکھا رہا تھا اس دوران میں جیتو، ایاز اور عبداللہ کا ایک آدمی جو اس کی جیپ میں تھا ہمارا سامان اور اسلحہ وگولہ بارود نیچے لے آئے تھے۔ یہ سب سے نیچے والے حصے میں ایک کمرے میں رکھ کرا سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ یہاں ایک فرنشڈ بیڈ روم تھا لیکن باقی دو کمرے خالی تھے۔ ان میں سوائے وال ٹو وال قالین کے اور کچھ نہیں تھا۔ البتہ دیوار گیر الماریاں اور ریکس ہر کمرے میں موجود تھے اور ان کی وجہ سے ہمیں سامان رکھنے میں آسانی ہوئی تھی۔ کھلا ہوا اضافی اسلحہ الماریوں میں رکھ دیا تھا اور گولہ بارود بکسوں میں ہی تھا۔ لائنوں میں یخ بستہ پانی آ رہا تھا اس لیے سب نے منہ ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا کیونکہ گرد وغبار سے سب کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ میرے کپڑے گندے ہو گئے تھے۔ انہیں بدلنا تھا۔

کچن میں فریج تھا اور اس میں کھانے پینے کی خاصی اشیا تھیں۔ پکانے کا سامان بھی تھا۔ یہاں گیس نہیں تھی اس لیے سلنڈر رکھے تھے۔ برتن اور دوسرا سامان بھی تھا۔ یعنی ہمیں کوئی مشکل نہیں ہوتی اس گھر میں سہولت کی ہر چیز موجود تھی۔ اوپر لاؤنج میں پانی کی ٹنکی کے ساتھ لکڑیوں سے گرم ہونے والا گیزر موجود تھا۔ عبداللہ کا آدمی اسے چلانا جانتا تھا وہ گیزر میں آگ لگانے چلا گیا۔ عبداللہ نے کہا۔ ”یہ جگہ محفوظ ہے آپ یہاں آرام سے ان سے تفتیش کر سکتے ہیں اور سہولتیں بھی ساری ہیں۔ میں صابر کو یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ گھر کے کام بھی کر لیتا

ہے اور آپ نے باہر سے کچھ منگوانا ہو تو یہ جا کر لے آئے گا۔''

''یہ ٹھیک رہے گا فی الحال ہمارا یہاں سے نکلنا ٹھیک نہیں ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وسیم یا سفیر کو تو نہیں بتایا۔''

''نہیں میں نے انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''موبائل مت استعمال کیجیے گا میرا اندازہ ہے یہ مصیبت اسی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ آپ سب اپنے رابطے والی سمیں بدل دیں۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ عبداللہ کوٹھی کی چابیوں کا ایک سیٹ مجھے دے کر رخصت ہو گیا۔



صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ میں نے شہلا اور شاہین والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ شاہین جاگ رہی تھی اس نے دروازہ کھولا۔ وہ ابھی تک خوف زدہ تھی لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا تھا نہانے کا موقع نہیں تھا کیونکہ ابھی تک لائنوں میں گرم پانی نہیں آیا تھا اس نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لیے تھے اور بال بنا رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو اب ہم محفوظ ہیں۔''

''وہاں کیا ہوا تھا۔ استاد فانا کے آدمی تھے؟''

''نہیں یہ ہمارے دشمن ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔ صبح ہونے والی ہے اور ہم سب ایک بڑے مرحلے سے گزر کر آئے ہیں۔ یہاں کچن موجود ہے اگر تم ہمارے لیے کوئی چائے کافی تیار کر دو تو......''

''آپ درخواست کیوں کر رہے ہیں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''آپ مجھے حکم دے سکتے ہیں۔''

میں نے نرمی سے کہا۔ ''بی بی تم مہمان ہو اور مہمان کو حکم نہیں دیتے ہیں۔''

وہ اندر سے سوئیٹر پہن کر آ گئی۔ ''آپ میرے لیے اتنا کر رہے ہیں تو کیا میں یہ معمولی سا کام نہیں کر سکتی مجھے کچن دکھائیے۔''

میں اسے نیچے کچن میں لایا۔ بیتو اور ایاز دوسرے بیڈروم میں ڈیرہ جما چکے تھے۔ صابر نے گیزر چلا دیا تھا اور اب لائنوں میں کسی قدر گرم پانی آنے لگا اس لیے بیتو نہانے گھس گیا تھا خود رات کی مارا ماری کی وجہ سے میری حالت بھی خستہ ہو رہی تھی۔ شاہین نے کچن کا چارج سنبھال لیا اور سب سے پہلے چیزوں کی تلاش شروع کی۔ سردی کم کرنے کے لیے اس نے چولہے جلا لیے تھے۔ چائے، کافی، چینی، خشک دودھ اور پیک کریم کے ڈبے سب وہاں موجود تھے۔ اس نے فریج سے ڈبل روٹی اور انڈے نکالے اور مجھ سے پوچھ کر انڈے فرائی کرنے لگی۔ ساتھ ہی اس نے سلائس ٹوسٹر میں سینکنے کے لیے رکھ دیئے۔ وہ تیزی سے اور سلیقے سے کام کرنی والی لڑکی تھی۔ اس کے اعصاب یقیناً مضبوط تھے۔ ورنہ گزشتہ رات اس کا باپ مارا گیا پھر اس نے اپنے گھر کے سامنے قتل و غارت گری دیکھی۔ اس کے بعد ہمارے ٹھکانے پر ہونے والا معرکہ بھگتا۔ جس وقت میں ناشتہ کر رہا تھا تو مشرق کی جانب سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔ یہ مکان مشرق کے رخ پر تھا اور صبح کی روشنی اس کے تمام حصوں تک

آتی تھی۔ شاہین نے کام کرتے کرتے مجھ سے کہا۔

''ایک سوال کروں اگر آپ برا نہ مانیں؟''

''کرو۔''

''یہ عورت کون ہے؟ کل رات سے میں اس کے ساتھ ہوں اور اس نے مجھ سے اتنی بیہودہ باتیں کی ہیں کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی ہوں۔''

''وہ ہے ہی ایسی عورت، یوں سمجھ لو کہ وہ میرے پاس قید ہے اور میری جان کی دشمن ہے لیکن میں اسے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں عورتوں کا احترام کرتا ہوں۔ بہر حال اگر تمہیں اس کی وجہ سے مشکل ہو رہی ہے تو میں تمہیں کسی اور کمرے میں منتقل کر دیتا ہوں۔ وہاں تو مجبوری تھی لیکن یہاں کئی کمرے ہیں۔''

شاہین نے سکون کا سانس لیا۔ اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''میں آپ کی شکر گزار ہوں کیونکہ وہ اس وقت جس طرح سو رہی ہے اس کے ساتھ کمرے میں رہنا مجھے عذاب لگ رہا تھا۔''

شاہین نے واضح نہیں بتایا تھا لیکن میں سمجھ گیا۔ شہلا کو لباس اتار کر سونے کی عادت تھی۔ اس کی فطرت شاہین سے بالکل الگ تھی۔ میں ناشتہ کر کے اوپر آیا اور شہلا والا بیڈ روم باہر سے بند کر دیا۔ یہاں سردی کی وجہ سے ہر کمرے کے آتش دان میں لکڑیاں چن دی گئی تھیں اور بیتو نے اپنے بیڈ روم والے آتش دان میں آگ بھی لگا دی تھی۔ وہ اور ایاز ناشتہ کرنے چلے گئے اور میں نے اپنے بیگ سے ایک پینٹ اور ہائی نیک جرسی نکالتے ہوئے واش روم کا رخ کیا۔ رات مجھ پر مٹی کی خاصی موٹی تہہ جم گئی تھی۔ نہا کر وہ تہہ اتاری اور کپڑے بدل کر باہر آیا۔ بیتو کھا پی کر سو رہا تھا۔ ایاز بھی ساری رات کا جاگا ہوا تھا میں نے اسے سونے کو کہا۔ وہ مان نہیں رہا تھا اس لیے مجھے حکم دینا پڑا تھا۔ ''میں کچھ دیر سو چکا ہوں اس لیے ابھی جاگ سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم سو جاؤ میں چند گھنٹے بعد تمہیں جگا دوں گا۔''

''جیسا آپ کا حکم جناب۔'' ایاز نے کہا اور سونے کے لیے چلا گیا۔

شاہین کو کچن کے ساتھ والا بیڈ روم کھول دیا تھا۔ وہ بھی فرنشڈ تھا۔ کیونکہ دن نکل آیا تھا اور اب سردی میں وہ شدت نہیں تھی اس لیے شاہین نے آتش دان جلانے سے منع کر دیا۔ میں نے باغ میں جھانکا۔ رات بھر گرنے والی اوس جو برف کے کرسٹل میں بدل گئی تھی اب پگھل رہی تھی۔ سبزہ مرجھایا ہوا تھا اور سامنے وادی سے دھند اٹھ رہی تھی۔ شہلا کی طرف سے مجھے اطمینان تھا کہ وہ کمرے سے نہیں نکل سکتی تھی۔ صابر اوپر لاؤنج میں تھا۔ میں نے اسے بلایا۔ میرا ارادہ پکڑے جانے والے افراد سے تفتیش کا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں وہ دونوں کھٹک رہے تھے۔ میں اور صابر کمرے میں داخل ہوئے تو وہ دیوار سے ٹکے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ان کے تاثرات بدل گئے تھے اور وہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور غرا کر پوچھا۔

''کیا میری صورت تمہیں اپنے مبینہ باپ جیسی نظر آتی ہے۔''

''شہباز ملک۔'' اس نے بے خوفی سے مخصوص پوٹھوہاری لہجے میں کہا۔ ''تمہارے دن پورے ہو گئے ہیں اب تم بچو گے نہیں۔''

''اچھا کیا حضرت عزرائیل نے تمہیں اپنا ایجنٹ مقرر کر دیا ہے۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا اور اچانک گھما کر اسے ایک طرف دیوار پر دے مارا۔ اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی تھی اور وہ پٹ سے مردہ چھپکلی کی طرح زمین پر گرا۔ وہ اچھے وزن کا جوان تھا اگر اسے میری نیت کا اندازہ ہوتا تو میں اتنی آسانی سے دیوار پر نہیں مار سکتا تھا وہ کچھ نہ کچھ مزاحمت کرتا۔ کچھ دیر تک تو وہ ساکت رہا جیسے بے ہوش ہو گیا ہو۔ اس کے زخمی بازو پر بھی چوٹ آئی تھی لیکن وہ مکر کیے پڑا تھا جیسے ہی میں اس کے پاس آیا اس نے میرے پاؤں پر لات ماری۔ یہ کمزور سا وار تھا میں ہلکا سا لڑکھڑایا اور پھر اسے سر کے لمبے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور گھما کر دوسری دیوار پر دے مارا۔ اس نے چلا کر کہا۔ ''ہائے ماں جی۔''

جس کے پاؤں پر گولی لگی تھی وہ خوف زدہ تھا لیکن اس نے تب بھی مجھے خبردار کرنا ضروری سمجھا۔ ''تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

میں نے اس کے زخمی پاؤں پر پیر رکھا تو وہ بلبلا گیا تھا۔ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تم لوگوں نے غالباً ہمارے ساتھ بہت اچھا کیا ہے۔ راکٹ اور دوسرا گولہ بارود تم لوگ اچھا کرنے کے لیے لائے تھے۔''

''اوئے...... ہائے...... میں مرا۔'' وہ رونے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''مجھے چھوڑ دے۔''

لیکن میں نے دباؤ برقرار رکھا۔ ''تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''

''فتح خان نے۔'' اس نے بلبلانا چھوڑ کر پھرتی سے جواب دیا۔ میں نے جوتے کا دباؤ بڑھایا تو وہ پھر سے بلبلانے لگا۔ ''اوئے میں سچ کہہ رہا ہوں...... چھوڑ مجھے۔''

''بکواس مت کرو اگر تمہیں فتح خان نے بھیجا ہوتا تو تم اتنی آسانی سے اس کا نام نہ لیتے۔ تم فتح خان کے آدمی نہیں لگتے ہو۔''

''ہم فتح خان کے آدمی ہیں۔'' اس نے سخت اذیت میں ہونے کے باوجود پوری ڈھٹائی سے کہا۔

میں نے لمبے بالوں والے کو اٹھایا۔ وہ اس بار سچ مچ نیم بے ہوش ہو گیا تھا اور کھڑا ہونے پر جھول رہا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ ''اے...... ہوش میں آؤ...... تمہیں کس نے بھیجا ہے۔''

وہ جھولتے ہوئے بولا۔ ''مر......''

''جمیل۔'' نیچے پڑا شخص چلایا۔ ''اپنی زبان بند رکھ۔''

اب وہ اپنی زبان بند رکھتے تب بھی میرا مقصد حل ہو گیا تھا۔ جمیل نے بے خودی میں راز تقریباً اگل دیا تھا۔ میں نے مر کے ساتھ شد لگایا تو جواب مل گیا تھا۔ وہ مرشد کے لوگ تھے۔ اب ان کا رویہ سمجھ میں آنے والا تھا۔ صرف مرشد میرا ایسا دشمن تھا جو مجھے ہر قیمت پر مروا دینا چاہتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو بھیجا تھا جو اس کی عقیدت میں کفر سے گزر گئے تھے اور نعوذ باللہ اسے خدا سے بڑھ کر درجہ دیتے تھے۔ میں نے جمیل کو چھوڑ دیا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ نیچے پڑا شخص اب خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ اب میں اس کی طرف آؤں گا۔ میں اس کے پاس بیٹھا۔

''تمہیں اس نام نہاد پیر نے بھیجا ہے۔ جس کے کارناموں پر ابلیس بھی شرما جائے۔''

مرشد کے حضور اس گستاخی پر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن اس نے ضبط کر کے کہا۔ ''میں کسی مرشد کو نہیں

ہا۔تاہم فتح خان کے آدمی ہیں۔''

''گویا اگر میں تمہارے سامنے مرشد کو ذلیل اور کمینہ وغیرہ کہوں تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

اس کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا لیکن اس نے ڈھٹائی کا دامن ابھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''اور اگر میں اسے سوٴر، کتا اور کسی غلیظ نسل کا جانور قرار دوں تو......''

اس بار اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور اس نے چلا کر کہا۔''بکواس بند کر حرامی......''

میں نے اس کا سر دیوار سے مارا تو اس کی زبان رک گئی تھی۔''مرشد کے ناجائز پلے......تُو کھل گیا نا......اب دیکھ تیرے ساتھ کیا ہوتا ہے؟''

وہ چکرا گیا تھا اس کے باوجود اس نے حقارت سے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔''کیا کر لو گے......زیادہ سے زیادہ جان لے لو گے......مرشد بادشاہ پر ایسی سو جانیں قربان ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''شاید تمہارے علم میں ہو کچھ عرصے پہلے مرشد کے کچھ آدمی جو کہیں ایک مشن پر گئے تھے اس حال میں واپس آئے تھے کہ وہ بہرے اور اندھے ہو چکے تھے۔انہیں میں نے ہی اندھا بہرہ کیا تھا۔اب یہی کام تم لوگوں کے ساتھ کروں گا اور اس میں اشیا جوڑنے والے سلوشن کی صرف ایک ٹیوب خرچ ہو گی۔''

وہ خوف زدہ ہو گیا۔''بکواس کرتے ہو تم۔''

''اچھا جب میں یہ کام کروں تب تم خود کو سمجھاتے رہنا کہ میں بکواس کر رہا ہوں۔اسی طرح اندھے اور بہرے ہو جانا۔میرا خیال ہے جن لوگوں کے ساتھ میں نے پہلے یہ سلوک کیا تھا مرشد نے ان کو مروا دیا ہو گا۔اس کا پلا ہونے کی وجہ سے تمہیں اس بات کا علم ہو گا۔''

اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ میری بات درست تھی۔مرشد روگ پالنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا۔میں نے پھر کہا۔''سنو میں نے جو کہا ہے میں وہ بھی کر سکتا ہوں میں تمہیں قتل بھی کر سکتا ہوں۔تمہاری لاشیں کسی نامعلوم قبر میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی اور اس نام نہاد پیر کا کسی بھی پتا نہیں چلے گا کہ تم لوگ کہاں گئے۔مگر میں تمہیں چھوڑ بھی سکتا ہوں لیکن ایک معمولی شرط ہے۔''

''کیسی شرط؟''

''میں مرشد کے جرائم کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''مرشد بادشاہ مجرم نہیں ہے۔''اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''یعنی تمہارے خیال میں دوسروں کو قتل کرانا، عورتوں اور لڑکیوں کو اغوا کرنا، دوسروں کا مال و دولت لوٹ لینا ثواب کے کام ہیں؟''میں نے طنز کیا۔''کیا مرشد کے اشارے پر اس کے تم جیسے کتے یہ سب نہیں کرتے ہیں؟''

اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ یہ سب کرتا رہا تھا۔جمیل اب کسی قدر ہوش میں آ گیا تھا اور مرشد کا نام سن کر اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔''بکواس کر رہا ہے ہم فتح خان کے آدمی ہیں۔''

اس پر اس کے ساتھی نے روانی اور سلاست اس کی گھر کی خواتین سے اپنی ناجائز رشتے داریوں کا

انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ مرشد کا نام اس نے لیا تھا۔ جمیل چکرا گیا کیونکہ اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ اس کی زبان سے مرشد کا نام نکلا تھا لیکن اس کے ساتھی نے اتنے پُر زور انداز میں کہا کہ اسے یقین آ گیا۔ یوں اس نے اپنی گردن بچالی حالانکہ اقرار اسی نے کیا تھا۔ جمیل نے صرف ''مر'' کہا تھا۔ جمیل نے کمزور لہجے میں کہا۔

''بکواس نہ کر میں نے کوئی نام نہیں لیا ہے۔''

''نام تو لیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب تم دونوں کی عافیت اسی میں ہے کہ مرشد کے جرائم کے بارے میں بتاؤ جو اس نے تم لوگوں کے توسط سے کرائے ہیں۔''

اس پر دونوں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے زخمی پاؤں والے کی طرف دیکھا۔ ''اپنے ساتھی کو بتا دینا کہ انکار کے صورت میں تم دونوں کے ساتھ کیا کروں گا۔''

میں باہر آیا تو سخت تشویش زدہ تھا۔ مرشد بہ ظاہر کہیں آس پاس نہیں تھا لیکن اس نے میرا سراغ لگا لیا تھا۔ پہلے میں حملہ آوروں کو فتح خان کا ساتھی سمجھا تھا۔ اس کے دو آدمی پہلے ہی میرے پاس تھے اس لیے میں سمجھا کہ ان کی مدد سے اس نے ہمارے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا ہے لیکن مرشد کے آدمی وہاں کس طرح پہنچے۔ قیدیوں والے کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہوتا تھا اور اندر سے اسے کوئی رستم زمان ہی توڑ سکتا تھا ان دونوں کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے میں بے فکر تھا۔ میں نیچے باغ میں آیا۔ اس وقت تک دھوپ پھیل چکی تھی اور اس کی ہلکی کرنیں اچھی لگ رہی تھیں۔ اس کے باوجود سردی ایسی تھی کہ مجھے اپنی جیکٹ کی زپ بند کرنا پڑی۔

واقعات کی رفتار میں نہایت تیزی آ گئی تھی۔ مرشد کے آدمی جس طرح ہمارے محفوظ ٹھکانے تک آ پہنچے تھے اس سے مجھے یہ جگہ بھی غیر محفوظ لگنے لگی تھی۔ میں ان وجوہات پر غور کرنے لگا جس کی وجہ سے مرشد کی رسائی ہمارے ٹھکانے تک ہوئی تھی۔ مجھے عبداللہ کی بات درست لگی تھی۔ مرشد نے موبائل کالز کی مدد سے اس جگہ کا سراغ لگایا تھا لیکن کون سی موبائل کالز کی مدد سے؟ کیونکہ میرے پاس جو سم تھیں ان میں سے کسی سے کبھی مرشد کو یا اس کے کسی آدمی کو کال نہیں تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں فتح خان کا نمبر تو مرشد کے علم میں نہیں تھا اور وہ اس کی نگرانی کروا رہا ہوگا۔ وہ حکومت میں شامل تھا اور خود بھی نہایت طاقتور شخص تھا۔ وہ کسی موبائل نمبر کو آبزرویشن پر رکھوا سکتا تھا۔ جیسے جیسے میں اس بات پر غور کرتا رہا مجھے یہی بات قرین قیاس لگی تھی۔ فتح خان کے موبائل کی مدد سے مرشد نے میرا سراغ لگایا اور اس نے فوری طور پر اپنا قاتل دستہ روانہ کر دیا تھا۔ وہ لوگ جس انداز سے آئے تھے اور ان کے پاس جو ہتھیار تھے ان کا ایک یہی مقصد ہو سکتا تھا۔ میں اوپر آیا اور صابر سے کہا۔

''ہوشیار رہنا میں باہر جا رہا ہوں۔''

''آپ بے فکر رہیں صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔

میں اوپر آیا اور جیپ نکالی۔ اس کی عقبی ونڈ شیلڈ میں گولی کا سوراخ تھا جس پر ایاز نے اسٹیکر لگا کر فی الحال سوراخ چھپا دیا تھا۔ میں نے جیپ باہر نکالی تو صابر نے گیٹ اندر سے بند کر دیا۔ احاطے کی دیوار کوئی آٹھ فٹ اونچی تھی یعنی اس میں موجود گاڑیاں باہر سے نظر نہیں آ سکتی تھیں۔ میں اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سر پر اونی ٹوپی اور آنکھوں پر بڑے سائز کا سن گلاس لینے کے بعد میری صورت خاصی حد تک غیر نمایاں ہو گئی تھی اور جب

تک کوئی بھی مجھے نہیں دیکھتا وہ مجھے شہباز ملک کی حیثیت سے نہیں پہچان سکتا تھا۔ میں فیض آباد تک آیا یہاں آٹو پارٹس کی ایک مارکیٹ تھی لیکن صبح دس بجے کچھ نہیں کھلا تھا۔ البتہ ایک پی سی او کھلا مل گیا۔ وہاں ایک بیزار سے بڑے میاں اپنے اخبار دیکھ رہے تھے۔ میں نے کال ملانے کو کہا تو انہوں نے مزید بے زاری سے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے انہیں نمبر بتایا اور کیبن میں آ گیا۔ انہوں نے نمبر ملا کر مجھے ریسیور اٹھانے کا اشارہ کیا اور دوبارہ اخبار سنبھال لیا۔ فتح خان نے فوراً کال ریسیو کی۔

''کون ہے؟''

''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''نام مت لینا۔''

''تم۔'' اس نے بے یقینی سے کہا اور پھر بولا۔ ''شہباز میں نے دشمنی ختم کرنے کا سوچا تھا لیکن تم نے اسے بڑھا دیا۔ میرے چچا کے بیٹے کی لاش مل گئی ہے۔''

''میں نے اسی کے بارے میں بتانے کے لیے خطرہ مول لے کر کال کی ہے۔ یہ سب مرشد کا حرامی پن ہے۔ اس نے شاید تمہارا موبائل فون آبزرویشن پر رکھوایا ہے۔ کیونکہ جیسے ہی میں نے تمہارے آدمی کے موبائل سے تمہیں کال کی، اس کے کچھ دیر بعد ہی مرشد کے کتے آن پہنچے تھے۔ تمہیں مکان کی حالت کا پتا ہے؟''

''نہیں۔'' فتح خان کا لہجہ دھیما پڑ گیا تھا۔

''انہوں نے راکٹ مارا تھا۔ شہباز خان اور قسم خان راکٹ حملے میں مارے گئے ہیں میں نے انہیں صرف قید رکھا تھا اور تم جانتے ہو میں بلاوجہ کسی کی جان لینے کا قائل نہیں ہوں چاہے وہ میرا بدترین دشمن ہی کیوں نہ ہو۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں شک تھا۔

''ہاں میں زیادہ لمبی بات نہیں کر سکتا کیونکہ یہ نمبر غیر محفوظ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم ای میل کر سکتے ہو؟''

''ہاں مجھ کو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ استعمال کرنا آتا ہے۔''

''میں تمہارے اس نمبر پر اپنا ای میل ایس ایم ایس کر رہا ہوں۔ مجھے کوئی محفوظ نمبر ای میل کر دو پھر میں تم سے بات کروں گا اور اس نمبر کو ترک کر دو بلکہ وہ ٹھکانہ بھی چھوڑ دو جہاں ہو ورنہ مرشد کے گرگے وہاں بھی آ جائیں گے بلکہ عین ممکن ہے اب تک روانہ ہو چکے ہوں۔''

میری بات فتح خان کی سمجھ میں آ گئی۔ خطرہ بھانپنے کے معاملے میں وہ بہت تیز آدمی تھا۔ اس نے عجلت میں لائن کاٹ دی۔ بڑے میاں بے خبر اخبار میں کھوئے ہوئے تھے۔ میں نے کال چارج کا پوچھا تو انہوں نے فون دیکھ کر بادلِ ناخواستہ مجھے رقم بتائی اور میں ادائیگی کر کے باہر آیا۔ میں نے شہباز خان والی سم لگا کر فتح خان کو اپنا ای میل ایس ایم ایس کیا اور پھر اس سم کو توڑ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد راستے میں آنے والے پہلے فقیر کو شہباز خان مرحوم کا موبائل تھما دیا۔ مغفرت کی دعا کی درخواست پر فقیر بھونچکا رہ گیا تھا کسی نے اسے بھیک میں موبائل نہیں دیا تھا۔ میں آگے بڑھ گیا۔ ایک کیفے میں بیٹھ کر وقت گزاری کی اور پھر آٹو پارٹس کی مارکیٹ پہنچا وہاں دکانیں کھلنا شروع ہو گئی تھیں میں نے ایک دکاندار سے جیپ کی عقبی ونڈ شیلڈ مانگی۔ اس کے پاس نہیں تھی لیکن اس کا بھائی اسی کا کام کرتا تھا اور اس نے ابھی تک دکان نہیں کھولی تھی۔ اس نے بھائی کو کال کی۔

''اوئے دکان تے آ اتھے گاہک آگئے ہیں تے توں ابھی تک بے بے کی بغل میں گھسا اے۔''

یقیناً بے بے سے مراد اس کی بیوی ہوگی۔ اس نے فون بند کر کے کہا۔''وہ ابھی آدھے گھنٹے میں آجائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں جیپ چھوڑے جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ جیپ میں کچھ نہیں تھا۔ میں نے چابی اس کے حوالے کر دی۔''میں ایک گھنٹے بعد آؤں تو شیشہ بدل چکا ہو۔''

''آپ بےفکر رہو صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ خیال رکھنا جیپ کی کوئی چیز بھی تبدیل نہ ہو۔'' میں نے لہجہ بدل کر کہا۔''اس کا شیشہ گولی سے خراب ہوا ہے۔''

اس کا رنگ بدلا تھا۔''صاحب آپ بےفکر ہو کر جاؤ ہم یہاں مارکیٹ میں بیٹھے ہیں۔''

''تب بیٹھے رہنے والے کام کرنا۔'' میں نے اسے خبردار کیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ایک رکشہ روک کر میں نے اسے موبائل مارکیٹ چلنے کو کہا۔ دس منٹ بعد میں موبائل مارکیٹ میں تھا۔ مارکیٹ کھل رہی تھی۔ ایک بڑی شاپ میں آیا اور ایسا موبائل مانگا جس سے انٹرنیٹ بھی آسانی سے استعمال کیا جا سکے۔ بڑا کسٹمر پا کر دکاندار کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ اس نے مستعدی سے کہا۔''میرے پاس ایپل کے کچھ آئی فون آئے ہیں۔ کہیں تو وہ دکھاؤں۔''

''دکھاؤ لیکن خیال رہے زیادہ مہنگے نہ ہوں۔''

''مہنگے تو ہیں لیکن آپ ان کی کارکردگی دیکھیں۔'' اس نے ایک آئی فون نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ ''اس میں انٹرنیٹ آن ہے آپ استعمال کر کے دیکھ سکتے ہیں۔''

میں نے اپنا ای میل کھولا تو اس میں فتح خان کی طرف سے ای میل موجود تھی۔ مجھے حیرت ہوئی اس نے بڑی تیزی دکھائی تھی۔ میں نے نمبر نوٹ کیا۔ یہ استعمال شدہ آئی فون تھا لیکن اس کی کارکردگی واقعی بہت اچھی تھی۔ میں نے دکاندار سے کہا۔''کیا قیمت ہے اس کی۔''

''اگر آپ نیا لیں تو بیالیس ہزار کا ہے اور اگر یہ لینا چاہیں تو میں پینتیس میں دے دوں گا۔ صرف سات مہینے استعمال ہوا ہے۔''

کسی قدر بحث کے بعد وہ بتیس پہ مان گیا۔ اس نے مجھے آئی فون کی تمام چیزیں اور باکس بھی ساتھ دیا۔ میں نے اسی سے ایک نئی سم لی اور اسی وقت بیلنس ڈال کر انٹرنیٹ آن کرنے کا پروسیس بھی کر لیا۔ مجھے بتایا گیا کہ چند گھنٹے بعد میں انٹرنیٹ استعمال کر سکوں گا۔ میں نے سب سے پہلے عبداللہ کو کال کی۔''عبداللہ یہ میرا نیا نمبر ہے اسے محفوظ کر لو۔ وسیم اور سفیر سے کہو کہ اب تک استعمال میں جو سمیں تھیں ان کو پھینک دیں اور نئی سمیں لگا کر مجھے اطلاع دیں۔''

''ٹھیک ہے جناب ویسے میں نے ان کو بتا دیا ہے اور وہ آنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔''

''یاران سے کہو ابھی وہیں رکیں اور مجھ سے رابطہ کریں۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر سم بدلی اور اپنے پاس موجود ایک اور نئی سم لگا کر فتح خان کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کرنے کے بجائے کاٹ دی تھی۔ میں نے

دوبارہ کوشش نہیں کی اور ٹیکسی پکڑ کر واپس آٹو پارٹ مارکیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ دکان والے کا بھائی بیوی کی بغل سے نکل کر آ گیا تھا اور اس وقت جیپ کا شیشہ بدل رہا تھا۔ اس نے دس منٹ میں کام نمٹا لیا۔ میں نے اصلی شیشہ لگانے کو کہا تھا۔ میں نے چیک کیا اس نے اصلی ہی لگایا تھا۔ اسے ادائیگی کر کے میں وہاں سے روانہ ہوا اور موبائل سے ہینڈ فری لگا کر ایک بار پھر فتح خان کا نمبر ڈائل کیا اس بار اس نے کال ریسیو کر لی۔

''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں مصروف تھا۔'' اس نے میری آواز پہچان لی تھی۔ ''یہ نمبر محفوظ ہے۔''

''فتح خان مرشد نہ صرف مجھے ختم کرنے پر تل گیا ہے بلکہ وہ اب تمہارے خلاف بھی پوری طرح حرکت میں آ چکا ہے۔''

''یہ تو تم کہہ رہا ہے۔'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ''کیا ثبوت ہے کہ شہباز خان کو مرشد کے آدمیوں نے مارا ہے؟''

''فتح خان مجھے تمہاری عقل پر ترس آ رہا ہے۔ بہر حال اس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ وہ راکٹ حملے میں مارے گئے ہیں۔ اگر مجھے ان کو مارنا ہوتا تو میں اس مکان میں راکٹ نہ مارتے جہاں میں موجود تھا اس کام کے لیے دو گولیوں کی ضرورت پڑتی جو کافی تعداد میں موجود ہیں۔ دوسرے میرے پاس مرشد کے دو آدمی ہیں جو اس واقعے میں زندہ بچ گئے تھے اور میں انہیں ساتھ لے کر وہاں سے نکلا ہوں۔ انہوں نے پہلے تمہارا نام لیا کہ وہ تمہارے آدمی ہیں لیکن مجھے شک تھا۔ مجھے کوئی ایسی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ تم مجھے اس طرح قتل کرنے کے لیے لاؤ لشکر بھیجو۔ ان کا انداز بھی مختلف تھا۔ اس لیے مجھے شبہ تھا کہ وہ بکواس کر رہے ہیں۔ جب میں نے ذرا دوسرے طریقے سے پوچھا تو انہوں نے اقرار کر لیا۔''

''مرشد کو کیسے پتا چلا کہ تم وہاں موجود ہو اور اس نے اپنے آدمی روانہ کر دیئے؟''

میں نے جواب دیا۔ ''یہ سب تم سے موبائل پر بات کرنے کے بعد ہوا اور اسی سے مجھے یقین ہے کہ مرشد اصل میں تمہارے نمبر کی نگرانی کرا رہا ہے اور ممکن ہے کال ٹیپ بھی کر رہا ہو۔ وہ با اثر آدمی ہے اس کے لیے یہ کام ناممکن نہیں ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' فتح خان کے لہجے میں غصہ آ گیا۔ ''اگر یہ بات سچ ہے تو ہم مرشد کو چھوڑے گا نہیں۔''

میں ہنسا۔ ''ابھی وہ وقت دور ہے۔ فی الحال تو ہم اپنی جان بچاتے پھر رہے ہیں۔ میں بہت خوش قسمت ہوں جو کل کے حملے مجھے یا میرے کسی ساتھی کو نقصان نہیں ہوا۔''

''اور شہلا۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''وہ بھی بچ گیا؟''

''اتفاق سے...... ورنہ وہ برابر والے کمرے میں تھی اور اس کمرے کو بھی نقصان ہوا ہے۔'' میں نے کہا اس وقت میں بھارہ کہو سے ذرا پیچھے تھا میں نے مزید آگے جانے کے بجائے گاڑی سڑک سے کچے میں اتار کر روک دی۔ فتح خان بھی کم شاطر نہیں تھا۔ ممکن ہے اس کے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہو جس سے وہ میرے موبائل کی لوکیشن جان جاتا۔ ''ویسے اب تمہیں شہلا سے کیا مطلب ہے جو تم اسے اس کی استعمال شدہ بلاؤز کی مدد سے

تلاش کرار ہے تھے؟''

''میں اصل میں تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''مجھے تم سے کام ہے۔''

''فتح خان میرا خیال ہے میں نے بات کلیئر کر دی ہے اب بھی تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو تم جو چاہے سمجھتے رہو اور ہاں اب تمہاری طرف سے مجھے یا میرے ساتھیوں کو چھیڑنے کی کوئی کوشش کی گئی تو میں اسے تمہاری طرف سے اعلانِ جنگ سمجھوں گا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''فی الحال میری ساری توجہ مرشد کی طرف ہے۔ بہتر ہوگا تم درمیان میں پنگا کرنے سے گریز کرو۔''

اس سے پہلے وہ کچھ کہتا میں نے موبائل آف کر کے اس سے سم نکال کر دوسری لگا لی۔ اس سم کا نمبر وسیم، سفیر اور عبداللہ کے پاس تھا۔ آئی فون والی سم کو میں نے بالکل الگ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ میں اس کی مدد سے انٹرنیٹ سے منسلک رہنا چاہتا تھا۔ میں روانہ ہو گیا کیونکہ مجھے نکلے ہوئے کئی گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ راستے میں ایک مناسب نظر آنے والی بیکری سے میں نے سینڈوچز، چھوٹے بڑے، رول اور اسی نوعیت کی دوسری چیزیں لیں جن سے آسانی سے پیٹ بھرا جا سکتا تھا اور یہ معیاری بھی ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ کولڈ ڈرنکس، ڈبل روٹی، انڈے، مکھن اور دودھ کے ڈبے لیے۔ یہ چیزیں ناشتے کے علاوہ ہنگامی مواقع پر کام آتیں جب کھانے کے لیے باہر جانے یا کچھ لانے کا موقع نہ ہوتا۔

جب میں واپس پہنچا تو سب جاگ چکے تھے اور میری فکر میں تھے۔ میں جیپ سے اترا تو بیتو نکل آیا۔ اس نے کہا۔ ''شوبی آپ کہاں چلا گیا تھا بتائے بغیر ہم سب پریشان ہو گیا تھا۔''

''کام سے گیا تھا یار...... یہ سامان اندر لے جاؤ۔''

بیتو کھانے پینے کی چیزیں دیکھ کر خوش نظر آنے لگا یقیناً دوپہر میں انڈہ ڈبل روٹی کھانے کے خیال سے اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔ میں نے صابر سے حالات پوچھے تو اس نے کہا۔ ''وہ دونوں شور کر رہے تھے پھر ایاز صاحب نے اندر جا کر ان کو تسلی دی تو چپ ہوئے۔''

''ان کو اسی طرح پڑے رہنے دو، کھانا پانی کچھ نہیں دینا ہے۔'' میں نے ہدایت کی۔ عام طور سے میں کسی کے ساتھ سخت سلوک نہیں کرتا ہوں لیکن ان جاہل لوگوں سے مجھے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی جو مرشد جیسے شیطان کے حکم کی تعمیل کارِ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ چاہے انہیں کسی عورت کو اٹھا کر لانا پڑے یا کسی بے گناہ کو قتل کرنا پڑے۔ وہ کسی رحم و رعایت کے مستحق نہیں تھے۔ میں نیچے آیا تو ایاز اور شاہین کچن میں موجود تھے۔ شاہین برتن دھو رہی تھی اور ایاز کچن میں میز پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے لگا جیسے وہ مجھے دیکھ کر جھینپ گئے ہوں لیکن میں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

''واہ کافی پی جا رہی ہے اکیلے اکیلے۔'' میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا تو شاہین پھر جھینپ گئی اور جلدی سے بولی۔

''انہوں نے کہا تو میں نے بنا دی آپ کہیں تو آپ کے لیے بھی بنا دوں۔''

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔''

شاہین کافی بنانے لگی۔ ایاز نے پوچھا۔ ''آپ کہاں چلے گئے تھے؟''

میں نے پہلے تو اسے مختصراً مرشد کے آدمیوں کے اقبالِ جرم کے بارے میں بتایا۔ پھر فتح خان سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا تھا یہ فتح خان کے آدمی نہیں ہیں اور فتح خان اپنے کزن کی موت کا ذمہ دار مجھے سمجھ رہا تھا۔ بہرحال میں نے بات کلیئر کر دی ہے۔''

''تو مرشد موبائل کی مدد سے ہمارا سراغ لگا رہا ہے؟'' ایاز سوچ کر بولا۔ ''اس صورت میں ہمیں بہت محتاط ہو جانا چاہیے۔''

''ہمیں اپنی تمام سمیں نئی لگانی ہیں۔''

''میری پرانی لگی ہے۔'' اس نے موبائل نکالا اور سم نکال کر اسے توڑ دیا اور پھر دوسری سم لگائی جو اس نے ابھی تک استعمال نہیں کی تھی۔ میں اسے آئی فون دکھا رہا کہ بیتو آ گیا اس نے خوش ہو کر کہا۔

''شوبی میرے لیے لایا ہے؟''

''ہاں تم لے لو۔'' میں نے اسے دے دیا۔ ''اچھا کھلونا ہے لیکن اس سے کہیں کال مت کرنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے سعادت مندی سے کہا اور آئی فون لے کر چلا گیا۔ اسے موبائل کا شوق تھا اور یہ شوق کال کرنے کا نہیں بلکہ موبائل میں موجود دوسری تفریحی سہولیات کا تھا۔ کھانے کا سامان کچن میں آ گیا تھا۔ شاہین اسے مائیکرو ویو میں گرم کرنے لگی۔ میں نے کافی کے ساتھ سینڈوچز اور پیزا لیا۔ کھانے کے بعد میں اوپر آیا۔ شہلا کمرے میں قید تھی اور کچھ بیزار لگ رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''شہباز خدا کے لیے یا تو مجھے جانے دو یا مار دو، میں اس قید سے تنگ آ گئی ہوں۔''

''واقعی؟'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''تمہیں قید تنگ کر رہی ہے یا میرا اور میرے آدمیوں کا شریفانہ رویہ تنگ کر رہا ہے۔''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تم غلط سمجھ رہے ہو۔''

''اب میں تم کو صحیح طرح سے سمجھا ہوں غلط تو پہلے سمجھا تھا۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''بہرحال تمہارے کردار سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ مجھے وہ بریف کیس چاہیے جو پروفیسر کے بینک لاکر میں ہے۔ اس کے بغیر تمہیں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''میں کہہ چکی ہوں اسے صرف میں ہی نکال سکتی ہوں۔''

''یہ خوش فہمی ہے تمہاری کیونکہ میں کچھ مسائل میں گھرا ہوں۔ مجھے ذرا ان سے فارغ ہو جانے دو اس کے بعد میں بینک لاکر تک رسائی کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لوں گا لیکن اس صورت میں، مَیں تمہیں رہا نہیں کروں گا بلکہ دوبارہ فتح خان کے حوالے کر دوں گا۔''

شہلا اگر ڈری تھی تب بھی اس نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ بہرحال فتح خان اور اس کے آدمی اس کے لیے کوئی خوشگوار یاد نہیں تھے انہوں نے اسے جانور کی طرح استعمال کیا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے کہا۔ ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اگر میں تمہیں اپنا منصوبہ بتا دوں تو تم لاکر کی باقی چیزوں سے کوئی سروکار نہیں رکھو گے۔''

اگرچہ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر مجھے لاکر تک رسائی کا موقع ملا تو میں بریف کیس حاصل کرنے کے ساتھ لاکر میں موجود پروفیسر کا بلیک میلنگ کا تمام اسٹف ضائع کر دوں گا لیکن میں نے محسوس کیا کہ شہلا بھی اس

اسٹف کے چکر میں ہے اور اگر میں نے اسے اپنے اصل عزائم سے آگاہ کر دیا تو وہ مجھ سے تعاون سے انکار کر دے گی۔ اس لیے میں نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ ''کیوں نہیں میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں مجھے صرف بریف کیس سے مطلب ہے۔''

شہلا نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے، میں تمہاری زبان پر اعتبار کر رہی ہوں لیکن مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔''

''یہاں اس کمرے میں بیٹھ کر تم آرام سے سوچ سکتی ہو لیکن خیال رہے کہ یہ مدت اتنی طویل نہ ہو کہ تمہاری وفات کا وقت آ جائے، تم جانتی ہو میرے پیچھے مرشد اور فتح خان جیسے دشمن لگے ہوں اور کل رات ہی تم مرتے مرتے بچی ہو۔''

''مجھے بس کل تک کی مہلت دو۔'' اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے سوچ لو، لیکن میری بات یاد رکھنا تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور میں بھی تمہیں زیادہ دیر اپنے پاس نہیں رکھ سکتا ہوں۔ اگر میں تمہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکا تو آزاد کرنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے فتح خان کے حوالے کر دوں گا اور اس کے پاس تمہارا کم سے کم مصرف تو ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے بھرائے لہجے میں کہا۔

''فتح خان بہت ذلیل اور گھٹیا آدمی ہے۔ اس نے اور اس کے کتوں نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔''

''اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارے ساتھ اس سلوک کا اعادہ نہ ہو تو مجھ سے تعاون کرو ورنہ......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اس کے کمرے سے نکل آیا۔ میں رات کو صرف دو گھنٹے سویا تھا پھر بہت زیادہ بھاگ دوڑ اور قتل و غارت گری نے مجھے ذہنی اور جسمانی طور پر تھکا دیا تھا میں نے بہتر سمجھا کہ کچھ دیر کے لیے سو جاؤں۔ ایاز اور بیتو نیچے کچن میں کھانے میں مصروف تھے۔ صابر کو کھانا اوپر ہی دے دیا تھا۔ میں آ کر لیٹا ہی تھا کہ سفیر کی کال آ گئی۔ وہ برہم تھا میری آواز سنتے ہی چلانے لگا۔

''شہباز تُو واجب القتل ہو گیا ہے تُو نے رات کو بتایا کیوں نہیں؟''

''تو تُو کیا کرتا توپ لے کر آ جاتا۔'' میں نے کہا۔ ''وہی کرتا جو عبداللہ نے کیا۔ ویسے اصل کام ہم کر چکے تھے۔ اس لیے تیرا یا وسیم کا آنا بے کار تھا۔''

''تو کم سے کم بتا تو سکتا تھا۔'' وہ ابھی تک برہم تھا۔

''ضرورت ہوتی تو ضرور بتاتا، بلا وجہ تم دونوں کو پریشان کرنے کا فائدہ نہیں تھا۔ وہ ٹھکانہ تو تباہ ہو گیا لیکن اب ہم پہلے سے بہتر جگہ پر ہیں اور مرشد کے دو آدمی بھی ہاتھ لگے ہیں۔''

سفیر نے روانی سے مرشد کی شان میں قصیدہ گوئی کی جو قطعی ناقابلِ بیان تھی۔ لگتا تھا مونا اس کے آس پاس نہیں ہے ورنہ اس زبان و بیان پر اس کا بیویانہ لیکچر شروع ہو جاتا۔ میں نے اسے مختصراً صبح سے اب تک ہونے والی پیش رفت کے بارے میں بتایا۔ سفیر اور وسیم نے اپنے موبائلز کی سم بدل لی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یار میں نے شہلا کا قصہ نمٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

سفیر غالباً اچھل پڑا تھا۔ ''کیا کرے گا، اس کا مرڈر......؟ پیار سے یا ہتھیار سے؟''

''بکواس نہ کر...... ویسے کرنا تو یہی چاہیے لیکن میں اب پہلے بریف کیس والا معاملہ نمٹا دینا چاہتا ہوں اس کے بعد میری بلا سے یہ جہنم میں جائے۔ میں اب اپنی ساری توجہ مرشد اور فتح خان پر لگانا چاہتا ہوں۔ خاص طور سے مرشد آپے سے باہر ہو گیا ہے اسے کوئی جھٹکا پہنچانا ضروری ہے۔''

''تیری فتح خان سے کیا بات ہوئی ہے؟''

''میں نے اسے بتایا ہے کہ حملہ مرشد کے آدمیوں نے کیا ہے اور ان کی طرف سے مارے جانے والے راکٹ نے شہباز خان اور قسم خان کی جان لی ہے۔ لگ تو ایسا رہا ہے کہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہے اور اب اس کی آتش فشانی کا رخ مرشد کی طرف ہوگا۔''

''وہ مرشد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''خیر اسے مار گولی یہ بتا کہ شہلا کے ساتھ کیا کرنا ہے؟''

''میں نے اسے کل تک کی مہلت دی ہے۔ اس کے بعد میں اسے ایک طرف کر کے خود اس بینک لاکر تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور اس صورت میں شہلا کو فتح خان کے حوالے کر دوں گا۔''

''کیا یہ مناسب ہوگا؟''

''اس جیسی عورت کے لیے تو بالکل مناسب ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا اب میں سونے والا ہوں۔ مہربانی کر کے چار گھنٹے سے پہلے کوئی تنگ نہ کرے اور وسیم کو بھی حالات سے آگاہ کر دینا۔''

''میں اور وسیم تیرے پاس آ رہے ہیں۔''

''نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ابھی تم وہیں ٹھہرو۔''

''اس معاملے میں تیری نہیں سنی ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''اور سنا ہے کوئی نئی مظلومہ ہاتھ آئی ہے اسے بھی تو دیکھنا ہے۔''

''اچھا بھائی دیکھ لے...... لیکن وہ بے چاری سچ مچ مظلوم ہے۔ کل رات اس کا باپ مارا گیا۔''

''ہاں یار تو ہم بھی تعزیت ہی کریں گے۔'' سفیر نے کہا اور کال کاٹ دی مجھے معلوم تھا کہ وہ رکے گا نہیں۔ میں نے فون بند کر دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ دماغ کسی قدر منتشر تھا اس لیے سونے میں کچھ وقت لگا۔ میں شام تک سوتا رہا سورج غروب ہونے کے بعد بیتو مجھے اٹھانے آ گیا۔

''شوبی اٹھ جاؤ کب تک سوتا رہے گا۔''

میں نے انگڑائی لی۔ ''ٹائم کیا ہوا ہے؟''

''چھ بج رہا ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔ ''سفیر اور وسیم بھائی بھی آ گیا ہے۔''

میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ باہر آیا تو سردی کی شدت میں نمایاں اضافہ محسوس ہوا تھا۔ وسیم، سفیر اور ایاز نیچے لاؤنج میں موجود تھے۔ شاہین حسبِ معمول کچن میں تھی اور اس نے یہ کام ذمے داری سمجھ کر سنبھال لیا تھا۔ میں اندر آیا تو اس نے چائے کا پوچھا۔ ''آپ کے لیے بناؤں؟''

''ہاں بنا دو لیکن شاہین یہ تمہاری ذمے داری نہیں ہے۔''

''میں یہاں رہ رہی ہوں اور اپنی خوشی سے کر رہی ہوں۔'' اس نے پانی رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ لوگوں نے مجھے اُن بدمعاشوں سے بچایا، میرے بابا کے قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ یہ مجھ پر آپ کا احسان ہے۔''

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ہمارے لیے ہمہ وقت کچن میں موجود رہو۔''

وہ مسکرائی۔ ''اتفاق سے آپ جب بھی آئے تو میں یہاں پائی گئی لیکن میں تو زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں رہی ہوں۔''

اس نے چائے کا کپ میرے سامنے رکھا تو میں نے کہا۔ ''تم بھی بیٹھو، مجھے تم سے معلوم کرنا ہے تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

اس نے شاید اس بارے میں نہیں سوچا تھا کیونکہ جب میں نے پوچھا تو اس کا چہرہ یک دم بجھ گیا تھا۔ اس نے بے دلی سے کہا۔ ''سچی بات ہے کہ مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کہاں جاؤں۔ میں نے جن اسکول پرنسپل کی بات کی تھی جہاں میں پڑھاتی ہوں۔ اب میں سوچتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ وہ بھی مجھے پناہ نہیں دے سکتی ہیں۔''

''مجھے پہلے بھی یہ ممکن نہیں لگ رہا تھا کیونکہ آج کل لوگ کسی بھی مشکل میں پڑنے کو تیار نہیں ہوتے ہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تمہارا ہمارے بارے میں کیا خیال ہے؟''

وہ گڑبڑائی۔ ''جی کیا مطلب؟''

''مطلب ہم کیسے لوگ ہیں کیا تمہیں ہم سے کوئی خوف محسوس ہوا؟''

''بالکل بھی نہیں۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''آپ سب بہت اچھے ہیں۔ آپ، بیتو بھائی اور ایاز۔''

میں نے نوٹ کیا کہ اس نے بیتو کو تو بھائی کہا تھا لیکن ایاز کو نہیں حالانکہ ایاز عمر میں بیتو سے کہیں بڑا تھا۔

''اگر تمہیں کچھ وقت یہاں گزارنا پڑے تو میرا خیال ہے تمہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ تم آرام سے اپنے آنے والے کل کے بارے میں سوچو اور جو فیصلہ کرو مجھے بتا دو۔ میں اور میرے ساتھی تمہاری جو مدد کر سکے ہم ضرور کریں گے۔''

''میں اس مدد کے لیے آپ کی شکر گزار ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم نے محسوس کر لیا ہوگا کہ ہم عام انسان نہیں ہیں۔ ہمیں خاص حالات درپیش ہیں۔ بہت سارے لوگ ہمارے دشمن ہیں اور وہ ہمارے ساتھ کیا کر سکتے ہیں اس کا ایک نمونہ تم کل رات دیکھ چکی ہو۔ یعنی ہمارے ساتھ رہنا زندگی کا رسک بھی ہے۔''

''میں جان چکی ہوں لیکن میرے پاس آپ لوگوں کے ساتھ رہنے کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔ ''میرا یہاں کوئی نہیں ہے۔ پتا نہیں بابا کی تدفین کس طرح ہوگی۔''

''تم فکر مت کرو ابھی لوگ اتنے بے مروت بھی نہیں ہوئے ہیں کہ ایک شخص کی تدفین بھی نہ کر سکیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

وہ پُر امید نظر آنے لگی۔ ''آپ معلوم کر سکتے ہیں شاید میں آخری بار بابا کو دیکھ سکوں۔''

میں نے ندیم کو کال کی۔ وہ میری آواز نہیں پہچان سکا اور کچھ اور سمجھا تھا۔ ''او بھائی کیوں تنگ کر رہے ہو

کہ تمہارا کیس نہیں لینا ہے۔''

''میرا کیس تو تمہارا باپ بھی لے گا۔'' میں نے آواز بدل کر کہا۔

''تو انہیں کے پاس چلے جاؤ میں قبرستان اور قبر کا پتا سمجھا دیتا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ان کے پاس تو تمہیں لے جا کر گاڑھوں گا۔'' اس بار میں نے اصل آواز میں کہا تو ندیم نے پہچان لیا۔

''ابے تو گورکن کی اولاد۔'' وہ چلانے لگا۔ ''میرے بیوی بچوں کے دشمن تیری وجہ سے وہ جلد بیوہ اور یتیم ہو جائیں گے۔''

''ان شاء اللہ...... میرا مطلب ہے کہ اللہ نے چاہا تو نہیں چاہا تو نہیں ہوں گے۔ یہ بتا کچھ ہوا ہے۔''

''یہ پوچھ کہ کیا نہیں ہوا۔'' اس نے بھنائے لہجے میں کہا۔ ''تم لوگ پتا نہیں کیا کرتے پھر رہے ہو لیکن رات کو جی ٹی روڈ پر تباہ ہونے والے مکان کے کیس میں تیرا نام آ گیا ہے اور وہاں ملنے والی لاشیں بھی تیرے کھاتے میں ڈال دی گئی ہیں۔''

میں چونکا تھا۔ ''پولیس کو کس نے بتایا؟''

''بتایا......؟ ارے بھائی پولیس مرشد کے اشاروں پر ناچ رہی ہے اور اسی نے یہ کام کرایا ہے۔ گواہ بھی ملے ہیں جنہوں نے تجھے اس مکان میں دیکھا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہ ایک کیس اور میرے گلے پڑ گیا ہے۔''

''بیٹے یہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ معاملہ انسداد دہشت گردی کی عدالت تک جائے گا۔ تیرے چھ میں سے چار کیس تو میں نے ختم کرا دیئے ہیں۔ راجا صاحب نے بھی مدد کی ہے لیکن تجھ پر تھانے میں مار پیٹ اور پولیس والوں پر قاتلانہ حملے کا کیس موجود ہے۔ وہ بھی کسی طرح ختم ہو جاتے لیکن یہ نیا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔''

''چل اسے بھی دیکھ لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''اب تُو اپنی بات کر تیرے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

''کیا بات کروں کل شام میرے دفتر میں مرشد کے کتے آئے تھے انہوں نے مجھے تو کچھ نہیں کہا لیکن دفتر کا بیڑا غرق کر دیا اور میرے چپڑاسی کا بازو توڑ کر چلے گئے۔''

میں پریشان ہو گیا تھا کیونکہ مجھے پہلے ہی خدشہ تھا کہ مرشد اب مجھے ہر زاویے سے گھیرنے کی کوشش کرے گا اور میرا اندیشہ درست نکلا تھا۔ ''تجھے کیسے پتا چلا کہ مرشد کے آدمی ہیں۔''

''ایک تو ان کے چہروں پر مرشد جیسی نحوست تھی اور دوسرے انہوں نے خود بتایا۔'' اس نے کہا۔ ''ان کے سرغنہ نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے تمہارے کیس سے دست برداری اختیار نہیں کی تو مجھے زندگی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔''

''ندیم تُو ان کی بات مان لے۔'' میں نے کہا۔

''بکواس نہ کرو وہ تو میں تجھ پر بھڑاس نکال رہا تھا۔ میں نے بھی مرشد کی ایسی کم تیسی نہ کر دی تو میرا نام ندیم نہیں۔ میں نے ٹی وی والوں اور اخباری نمائندوں کو بلا لیا تھا اور دفتر پر حملے کو سرکاری غنڈہ گردی ظاہر کیا ہے۔ میں نے بار کونسل میں بھی رپورٹ کر دی ہے تُو جانتا ہے آج کل حکومت اور وکیلوں کی ٹسل چل رہی ہے۔

میں نے مرشد کا نام نہیں لیا ہے، میرے دفتر میں خفیہ کیمرا لگا ہے اس نے آنے والوں کی تصاویر اتاری ہیں۔ یہ فوٹیج بھی ٹی وی والوں کو دے دی ہیں۔"

"یہ تو نے اچھا کیا کہ مرشد کا نام نہیں لیا لیکن میں پوری سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ مرشد ان دنوں فرعون بنا ہوا ہے۔ کل رات کا واقعہ اس کی طرف سے مجھے ختم کرنے کی کوشش تھی لیکن میری قسمت اچھی تھی اس کے ساتھی مارے گئے اور ہم بچ نکلے۔"

"کب تک بچتے رہو گے؟" ندیم نے سرد آہ بھری۔

"جب تک اللہ چاہے گا۔ میرا مشورہ مان لے عارضی طور پر ہی میرے کیسز سے دست بردار ہو جا کیونکہ اب میں نے معاملہ عدالت سے باہر نمٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تیرا ارادہ کیا ہے؟"

"تجھے بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے اسے ٹال دیا۔ "ابھی تجھ سے ایک کام ہے۔ کل رات ایک اور جگہ بھی کچھ لوگ مارے گئے ہیں وہاں گھر سے ایک بزرگ آدمی کی لاش بھی ملی ہوگی۔"

"ہاں میں نے شاید ٹی وی میں دیکھا ہے۔"

"معلوم کرو کہ اس بزرگ کی تدفین کون کر رہا ہے اور کب کر رہا ہے؟"

"معلوم ہو جائے گا لیکن اس قسم کے کام عام طور سے مخیّر حضرات ہی کرتے ہیں۔"

"وہ لاوارث نہیں ہے، اسکول ہیڈ ماسٹر ہے اور محلے میں اس کا ذاتی مکان ہے میرا خیال ہے یہ کام اس کے ساتھی اور محلے والے مل کر انجام دیں گے لیکن مجھے معلوم کر کے بتا۔"

"ٹھیک ہے تُو کہتا ہے تو معلوم کر لیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

بیوی بچوں کا حال احوال معلوم کر کے میں نے موبائل بند کیا۔ شاہین رو رہی تھی۔ میں اسے تسلی دینا چاہتا تھا لیکن مجھے خواتین کو تسلی دینے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے ایک گلاس پانی اس کے سامنے رکھ دیا۔ اسے پی کر اس نے آنسو صاف کیے۔ "کاش میں آخری بار بابا کو دیکھ سکتی۔"

"یہ ممکن تو ہے لیکن اس کا امکان ہے کہ استاد فانا کے بچے کچے آدمی انتقام کے چکر میں وہاں موجود ہوں گے اور تمہارے لیے خطرہ ہوگا۔"

وہ چپ ہو گئی لیکن پھر اس نے سر ہلایا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں میرا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"تم اپنے بابا کا زندگی والا چہرہ یاد رکھو، کیا فائدہ ان کو کفن میں لپٹے دیکھنے کا۔ ان کے لیے دعا کرو۔"

اس نے چہرہ صاف کیا۔ "میں مسلسل ان کے لیے دعا کر رہی ہوں۔"

مجھے خیال آیا کہ اگر میں اسے عبداللہ والی کوٹھی پر بھجوا دوں تو وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے تک وہاں رہ سکتی تھی۔ ممکن ہے عبداللہ اس کے لیے کسی ملازمت کا بندوبست کر دیتا۔ میں نے شاہین سے کہا۔ "میرے دو ساتھیوں کی بیویاں بھی ہیں اور وہ ایک جگہ رہتی ہیں۔ یہاں تم اکیلی لڑکی ہو اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ وہاں تمہیں تنہائی کا احساس بھی نہیں ہوگا اور وہ جگہ محفوظ بھی ہے۔"

"اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو مجھے وہاں جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" شاہین نے کہا پھر اس نے کسی

نے اُس سے پوچھا۔ ''یہ لوگ آپ کے دشمن کیوں ہیں؟''

''یہ ایک لمبی کہانی ہے یوں سمجھ لو کہ میرے دشمن فرعون صفت ہیں اور میں ان کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

''آج کل ہر طرف ایسے ہی فرعون ہیں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔ ''جن کا مطالبہ یہی ہوتا ہے کہ سامنے والا ان کے سامنے جھک جائے اور ان کی ہر جائز اور ناجائز بات مانتا جائے ورنہ وہ اس سے جینے کا حق بھی چھین لیں گے۔''

''اس کی وجہ ہے لوگوں نے اپنے حق کے لیے ڈٹ جانا چھوڑ دیا ہے اور ہر فرعون کے سامنے جھک جاتے ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جب تک ان فرعونوں کے سامنے کوئی کھڑا نہیں ہوگا یہ اسی طرح دوسروں کا جینا حرام کر کے رکھیں گے۔''

''میں نے یہی کیا ہے اور یہی میرا قصور ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تم تیار ہو تو میں ابھی تمہیں بھجوا دیتا ہوں۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔'' اس نے کہا اور چائے کے برتن دھونے کے لیے سنک میں رکھنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ یہاں سے جانے پر دل سے آمادہ نہیں تھی لیکن وہ یہ بات ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں نے باغ میں آتے ہوئے عبداللہ کو کال کی اور اسے شاہین کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا۔ ''جناب میں خود آپ سے یہی کہنا چاہ رہا تھا کسی غیر متعلقہ فرد کا وہاں رہنا درست نہیں ہے۔ میں ابھی آدمی بھیج رہا ہوں آپ شاہین کو اس کے ساتھ روانہ کر دیجیے گا۔''

''ٹھیک ہے تم اپنا آدمی بھجوا دو۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ تم میرے وکیل ندیم کے بارے میں جانتے ہو؟''

''بہت اچھی طرح جناب، ایک بار ان سے ملاقات بھی ہوئی ہے۔ آپ کے کیسز کے سلسلے میں اور راجا صاحب کی خواہش تھی کہ وہ یہاں ان کے قانونی معاملات دیکھیں لیکن ندیم صاحب نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے معذرت کر لی تھی۔''

ان باتوں کا مجھے علم نہیں تھا۔ ''یار کل ندیم کے دفتر پر حملہ ہوا ہے اور مرشد کے آدمیوں نے وہاں غنڈہ گردی کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے گھر دفتر اور آنے جانے کے لیے حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔''

''ہو جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''میرے آدمی براہِ راست تو ان کی حفاظت نہیں کریں گے لیکن وہ دور سے ان پر نظر رکھیں گے اور دفتر کے لیے میں ایک اچھی سیکورٹی ایجنسی کے گارڈ بھجوا دیتا ہوں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' میں نے کہا۔

ندیم سے ہونے والی گفتگو نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ مرشد ایک بار پھر مجھ سے متعلقہ افراد کو چھیڑ رہا تھا۔

میں نے حویلی کال کی۔ ماں جی اور بابا سے بات ہوئی میں نے بابا کو بتایا کہ آج کل بہت محتاط رہیں۔

پھر میں نے رفیق بھائی کے گھر کال کر کے آپا اور شمی سے بات کی۔ شمی بہت خوش تھی کیونکہ عتیق تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے ایک بار پھر دھند چھا رہی تھی۔ میں اندر آیا تو وسیم، سفیر اور ایاز آپس میں گپ شپ کر رہے تھے۔ ایاز اپنی ابتدائی جھجک پر قابو پا کر پوری طرح ہمارے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ بیتو ایک طرف آئی فون لیے بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی یہ تو بہت مزے کا ہے۔''

''اس میں انٹرنیٹ بھی ہے تمہیں استعمال کرنا سکھاتا ہوں۔'' میں نے اس سے آئی فون لیا اور اسے انٹرنیٹ استعمال کرنے کے طریقے سکھانے لگا بیتو کی تعلیم زیادہ نہیں تھی لیکن بنیادی طور پر وہ بہت ذہین لڑکا تھا تب ہی اس نے بہت تیزی سے خود کو شہری ماحول میں ڈھال لیا تھا آدھے گھنٹے میں وہ انٹرنیٹ استعمال کرنا سیکھ چکا تھا حالانکہ کسی کمپیوٹر کے مقابلے میں آئی فون میں انٹرنیٹ ذرا مشکل ہوتا ہے۔

''شہباز ان دونوں نمونوں کا کیا کرنا ہے؟'' سفیر نے پوچھا تو میں ان کے پاس آ بیٹھا۔ اس کا اشارہ مرشد کے آدمیوں کی طرف تھا۔

''انہیں مرشد کے خلاف استعمال کرنا ہے۔''

ایاز نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ مرشد کو نعوذ باللہ خدا کے درجے پر رکھتے ہیں وہ کسی صورت اس کے خلاف ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔''

''ایسا نہیں ہے یار، مرشد کو قریب سے جاننے والے جانتے ہیں وہ انسان تو کیا شیطان کہلانے کا مستحق بھی نہیں ہے۔ ابھی یہ صرف بڑھک مار رہے ہیں ذرا ان کو زخمی حالت میں بھوک پیاس کی مار سہنے دو اس کے بعد دیکھنا۔''

وہ سب جاننے کے لیے بے چین تھے کہ آج میں نے کیا کیا۔ میں سفیر کو مختصراً بتا چکا تھا۔ اس لیے اب ذرا تفصیل سے انہیں بتایا پھر شہلا کے بارے میں اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ ''میں جلد از جلد اس سے چھٹکارا پالینا چاہتا ہوں۔''

''ہاں بھیا۔'' سفیر نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کہیں ہمیشہ کے لیے گلے نہ پڑ جائے کتنے سکون سے یہاں رہ رہی ہے۔''

''رات کو کپڑے اتار کر سوتی ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' میں نے پوچھا تو وسیم جھینپ گیا۔

''وہ ایک رات اس کے کمرے میں گیا تھا، مجھے کیا معلوم تھا کہ اتنی دلیر عورت ہے کسی کی قید میں اس طرح سارے کپڑے اتار کر سو سکتی ہے۔''

ایاز مسکرانے لگا۔ ''میں نے دیکھا تھا وسیم صاحب یوں کمرے سے باہر آئے جیسے انہوں نے اندر کوئی شیر دیکھ لیا ہو۔''

وسیم ہنسا۔ ''ایسی عورت کو آدم خور شیرنی ہی سمجھو۔''

ایاز نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''شہباز صاحب آپ نے مرشد کو جواب دینے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''سچی بات ہے کہ ابھی کچھ نہیں سوچا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے بھی میں پہلے بریف کیس حاصل

کرنا چاہتا ہوں۔"
"اگر آپ کہیں تو میں مرشد پر کام کروں۔ وہ اور اس کے آدمی مجھے نہیں جانتے ہیں۔"
"کیا کام کرو گے؟" وسیم نے پوچھا۔
"آغاز ان دونوں سے کروں گا اور ان سے جو معلومات ملے گی اس کی روشنی میں آگے دیکھوں گا۔" اس نے اپنی حکمتِ عملی بیان کی۔
"ایاز ٹھیک کہہ رہا ہے۔" سفیر نے اس کی تائید کی۔ "اب ہم پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہیں اس لیے ہم سب کو ایک ہی کام کرنے کے بجائے الگ الگ ٹاسک بانٹ لینے چاہئیں۔"
"ٹھیک ہے ایاز یہ کام تمہارے سپرد ہے۔ تم بیتو کو اپنے ساتھ رکھو، میں وسیم اور سفیر مل کر شہلا والا معاملہ دیکھتے ہیں۔"
"بس تو پھر ابھی دیکھتے ہیں۔" ایاز کھڑا ہو گیا۔ "ویسے بھی ہاتھ پاؤں چلانے کو دل چاہ رہا ہے۔"
"ہمارا بھی۔" بیتو نے موبائل رکھ دیا اور ایاز کے ساتھ چلا گیا۔
کچھ دیر میں عبداللہ کا آدمی آ گیا تھا۔ میں نے شاہین کو اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ وہ کچھ ہچکچائی تھی لیکن پھر میرے کہنے پر چلی گئی۔ ابھی اسے ہمارے پاس آئے پورا ایک دن بھی نہیں ہوا تھا لیکن وہ ہم پر اعتماد کرنے لگی تھی۔ یہ اعتماد ہی تھا ورنہ وہ میرے کہنے پر ایک اجنبی کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوتی۔ بیتو اور ایاز مرشد کے آدمیوں کے ساتھ مصروف تھے اور بعض اوقات ان کی مصروفیت کی آوازیں کمرے سے باہر بھی سنائی دیتی تھیں۔ میں نے سفیر سے کہا۔
"چل یار کہیں سے کھانے کو کچھ لے آتے ہیں۔"
وسیم نے فریاد کی۔ "میں نے کیا قصور کیا ہے؟"
"یار کسی کو تو یہاں ہونا چاہیے۔"
"ایاز ہے، بیتو ہے اور صابر بھی ہے۔"
"صابر سو رہا ہے۔" سفیر نے اسے آگاہ کیا۔ "وہ کل رات سے جاگا ہوا تھا۔"
"شہلا کی نگرانی بھی ضروری ہے اگرچہ وہ کمرے میں بند ہے لیکن اس جیسی عورت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ وہ فرار کی کوشش کر سکتی ہے۔ میں نے اسے کل تک کی مہلت دی ہے۔"
مجبوراً وسیم رکنے کو تیار ہو گیا تھا۔ میں اور سفیر باہر نکلے۔ احتیاطاً ہم نے کچھ اسلحہ ساتھ رکھ لیا تھا کیونکہ اب دشمن سے واسطہ معمول کی بات بن چکی تھی۔ بلکہ اب دشمنوں سے سامنا نہ ہو تو حیرت ہوتی تھی۔ دشمن نہ ملتے تو دشمن جیسے کچھ لوگ مل جاتے تھے جیسا کہ شاہین کے کیس میں ہوا تھا۔ بہرحال شدت کی سردی اور ہلکی سی دھند میں امکان کم تھا کہ ہمارا دشمنوں سے واسطہ پڑتا۔ ہم اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے سفیر سے پوچھا۔
"کل کیا رہا؟"
وہ خوش نظر آنے لگا۔ "میرے رک جانے سے مونا خوش تھی، واقعی یار ان عورتوں کو ہماری توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سعد یہ تو دیکھنے والی ہو رہی تھی۔ تُو نے بہت نیکی کا کام کیا ہے۔"

''بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔''

''کب؟''سفیر ہنسا۔''ہمیں آئے ہوئے دس دن بھی نہیں ہوئے ہیں۔''

ہم اسلام آباد پہنچے تو مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اس بینک کا معائنہ کر لیا جائے جہاں پروفیسر نفیس کا لاکر موجود تھا۔ یہ بینک اسلام آباد میں ہی تھا۔ میں نے سفیر سے کہا تو وہ مان گیا اور مجھے خبردار کیا۔''لیکن صرف معائنہ کرنا ہے کوئی پنگا نہیں لینا ہے۔''

''میں پنگا نہیں لیتا ہوں پنگا خود مجھے لیتا ہے۔''میں نے گاڑی کا رخ بینک کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ یہ ایک کمرشل ایریا تھا لیکن رات ہوتے ہی محاورے کے مطابق یہاں اُلو بولنے لگتے تھے۔ اسلام آباد میں ہی سرِ شام سب بند ہو جانے کا رواج ہے۔ سردیوں میں اور بھی جلدی سب بند ہو جاتا ہے۔ ایسا کچھ یہاں بھی تھا۔ اس بینک کے ساتھ اے ٹی ایم بھی تھا۔ اس زمانے میں اے ٹی ایم بینک کی عمارت سے باہر ہوتے تھے یا اگر عمارت میں ہوتے تھے تب بھی ان کا مشین والا حصہ باہر ہوتا تھا۔ یہ بھی کچھ اسی قسم کا اے ٹی ایم تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔

''میں رقم نکالنے کے لیے جا رہا ہوں تم ذرا اندر سے جائزہ لیتے رہو۔''میں کہتے ہوئے اترا اور اے ٹی ایم کی طرف بڑھا۔ وہاں ایک گارڈ بینک کے بند دروازے کے سامنے موجود تھا۔ میں نے مشین میں کارڈ ڈالا اور رقم نکالنے لگا۔ مجھے رقم کی ضرورت نہیں تھی میں صرف بینک کی عمارت کو پاس سے دیکھنا چاہتا تھا۔ رقم نکال کر میں نے گارڈ سے ہاتھ ملا کر کہا۔

''اگر اے ٹی ایم کے ساتھ مسئلہ ہو جائے تو آدمی کس سے بات کرے؟''

''کیسا مسئلہ صاحب؟''

''جیسے رقم نہ نکلے تو؟''

''ادھر بینک میں ایک رات کا آدمی ہوتا ہے وہ مسئلہ دیکھتا ہے۔''اس نے بتایا۔''کیا آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟''

''نہیں لیکن ہو بھی سکتا ہے میں یہاں پاس رہتا ہوں اس لیے اکثر اس اے ٹی ایم سے رقم نکلواتا ہوں۔''میں نے کہا اور جانے کے لیے مڑا تھا کہ ایک بڑی کار آ کر ہماری جیپ کے پیچھے رکی۔ خوش قسمتی سے میں بینک کے سامنے رکھے ایک بڑے آرائشی گملے کے پیچھے تھا جس میں بڑا سا پودا لگا تھا۔ کیونکہ کار سے اترنے والا شخص فاضلی تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید آج کسی دشمن سے سامنا نہ ہو لیکن میری قسمت میں لکھا تھا میں جہاں جاؤں وہاں اپنی جان کے کسی نہ کسی گاہک کو سامنے پاؤں۔ اسے دیکھ کر پہلا خیال یہی آیا کہ وہ ہمارا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہے لیکن اس نے خود اس اندیشے کی تردید کر دی۔ اس نے کار کے اندر کسی سے کہا۔

''ٹھیک ہے حرامزادی پہلے تیرا معاوضہ تیرے منہ پر مارتا ہوں۔''

فاضلی کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سخت مشتعل ہے اس نے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور اے ٹی ایم کی طرف آیا۔ وہ گملے کے ایک طرف سے گزرا اور میں دوسری طرف سے سڑک کی طرف آیا۔ میں نے کار سے چہرہ مخالف سمت میں رکھا تھا۔ ممکن ہے وہاں بھی میرا کوئی چہرہ شناس ہو۔ جو نظر بھی قیامت کی رکھتا ہو۔ اتنی کم روشنی

اور ساتھ ہی مجھے پہچان جائے۔ حالانکہ کار کے شیشے بھی تاریک تھے۔ یہ بڑی سائز کی لیکن پرانے ماڈل کی
فاضلی بھی جیپ میں گھسا اور سفیر سے کہا۔ ''تو نے دیکھا اس حرامی کو؟''
بند شیشوں کے پیچھے اسے فاضلی کی آواز نہیں آئی تھی۔ میں نے اسے فاضلی کے بارے میں بتایا تو وہ فکر
مند ہو گیا۔ ''شہباز یہاں سے نکل، اس سے پہلے یہ بھی تجھے دیکھ لے۔''
''اتنی جلدی کیا ہے یار۔'' میں نے جیپ اسٹارٹ کی۔ ''جب ایک دشمن سامنے آ ہی گیا ہے تو ذرا دیکھتے
ہیں یہ کر کیا رہا ہے۔ کار میں کوئی خاتون ہے جس کی ولدیت پر فاضلی نے شک کیا ہے اور اس کا معاوضہ پیشگی
دینے کا اعلان کیا ہے غالباً اسی لیے وہ اے ٹی ایم کی طرف گیا ہے۔''
فاضلی کی بات سے یہ تو ظاہر تھا کہ اس کی کار میں کوئی کال گرل قسم کی چیز تھی لیکن وہ اسے کہاں لے جا رہا
تھا اور کس کے لیے لے جا رہا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ فاضلی میرے سامنے تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ
اسے اٹھا لوں۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ فاضلی عجلت میں واپس آیا۔ وہ کار میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اس کا
مطلب تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی اور تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی کار آگے بڑھ گئی تھی۔ جب وہ اتنی آگے نکل گئی کہ
اس کی عقبی سرخ روشنیاں بھی مدہم پڑ گئی تھیں تو میں نے جیپ آگے بڑھا دی۔ دھند کی وجہ سے کار بمشکل ہی نظر آ
رہی تھی۔ سفیر مجھ سے متفق نہیں تھا۔ اس نے کہا۔
''دیکھ بھائی یہ حرامی پہلے بھی تیرے ساتھ یہ کھیل کھیل چکا ہے۔ جب تیرے ساتھ ساتھ مرحومہ زرین
تھی۔ مجھے لگ رہا ہے یہ اب بھی اسی طرح تجھے پیچھے لگا کر لے جا رہا ہے۔''
سفیر کی بات قابلِ غور تھی لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ اس بار معاملہ مختلف ہے۔ ''نہیں یار وہ چکر دوسرا تھا۔ پھر
وہ میری پوری طرح نگرانی کر رہے تھے اور میری بدقسمتی کہ ان سے بچنے کے چکر میں ڈاکٹر توفیق جیسے ننگ
انسانیت کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔''
''اوہ بھائی یہ بھی اس کی کوئی چال ہو سکتی ہے۔ ایسا نہ کہ ہم پھنس جائیں اور واپسی کا راستہ بھی باقی نہ
رہے۔''
''یار حوصلہ رکھ...... دشمن اتنا خطرناک یا عقل مند نہیں ہوتا ہے جتنا ہم اسے سمجھ لیتے ہیں۔'' میں نے رفتار
بڑھاتے ہوئے کہا۔
سفیر بھنا گیا تھا۔ ''لیکن دشمن کو بے وقوف یا کم تر سمجھنا بھی بے وقوفی ہوتی ہے۔''
''تو اسلحہ تیار کرتا کہ ضرورت پڑے تو ہم فوری طور پر استعمال کر سکیں۔'' میں نے اپنا پستول چیک کیا۔
عقبی نشست کے نیچے پائیدان میں کپڑے میں لپٹی دو چھوٹی خودکار رائفلیں تھیں۔ یہ سنگل موڈ پر فائر کرنے کے
ساتھ ساتھ تین گولیوں کا برسٹ بھی مارتی تھیں۔ سفیر نے سمجھ لیا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں اور ابھی اس کی بات
نہیں سنوں گا۔ بادلِ ناخواستہ اس نے رائفل نکالی۔ پستول اس کے پاس پہلے بھی تھا۔ فاضلی والی کار ہم سے کوئی
سو گز آگے جا رہی تھی۔ اسلام آباد کی سڑکوں پر روشنیاں تیز تھیں اگر میں جیپ کی ہیڈ لائٹس بند کر دیتا تب بھی
امکان تھا کہ وہ جیپ دیکھ لیتے اور اس صورت میں مشکوک ہو جاتے کیونکہ رات اور دھند میں کوئی ہیڈ لائٹ بند
کر کے ڈرائیو نہیں کرتا ہے۔ اس لیے روشن ہیڈ لائٹ رکھنا میری مجبوری تھی۔ کچھ دیر میں کار اسلام آباد کے ایک

کم آباد سیکٹر کی طرف مڑ گئی۔ یہاں سرکاری افسران، سیاست دانوں، ججوں اور میڈیا سے تعلق رکھنے والے افراد کو پلاٹ الاٹ کیے گئے تھے۔ اس وقت یہاں آبادی کم تھی۔ سڑکیں پختہ تھیں لیکن اسٹریٹ لائٹس کم تھیں۔ کوٹھیاں دور دور بنی تھیں۔ میں نے جیپ کی رفتار سُست کر دی اور متوازی سڑکوں سے گزرنے لگا۔ یعنی دوسری سڑک سے کار پر نظر رکھنے لگا۔ سفیر نے خبردار کیا۔

''آگے کہیں راستہ بند ہو گیا تو یہ نکل جائیں گے۔''

''اس علاقے میں کہیں ڈیڈ اینڈ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ فاضلی والی کار برابر والی سڑک سے گزر رہی تھی اس کی روشنیاں میری رہنمائی کر رہی تھیں۔ پھر ایک کوٹھی کے عقب سے گزر کر میں آگے نکلا تو خلافِ توقع کار نظر نہیں آئی اور نہ اس طرف روشنیاں دکھائی دیں۔

''میرا خیال ہے وہ اس کوٹھی میں چلی گئی۔'' سفیر نے اس کوٹھی کی طرف اشارہ کیا جس کا منہ دوسری سڑک کی طرف تھا اور پشت اس سڑک کی طرف تھی جس پر ہم تھے۔ درمیان میں ایک پلاٹ بھی تھا۔ سفیر ٹھیک کہہ رہا تھا کیونکہ اس کوٹھی سے آگے وہ کار نہیں آئی تھی واپسی کا سڑک دور تک صاف نظر آ رہا تھا اگر وہ پلٹ جاتی تب بھی دکھائی دیتی۔ میں نے اس سے کہا۔

''چیک کرنا ہوگا۔''

''کیسے کرو گے۔'' سفیر نے کوٹھی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کی ساخت دیکھ رہے ہو ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی قلعہ ہو۔''

واقعی کوٹھی کی ساخت قلعہ نما تھی۔ اس کی چار دیواری دس بارہ فٹ اونچی تھی اور پھر اس پر تین فٹ کی دوہری خاردار تار لگی تھی۔ دس دس فٹ کے فاصلے سے پول تھے جن پر تیز روشنی والے بلب روشن تھے۔ ان سے احاطہ اور اس کے باہر کا حصہ یکساں طور پر روشن ہو رہے تھے۔ یہ انتظامات ظاہر کر رہے تھے کہ کوٹھی میں کوئی اہم شخصیت ہے۔ میرے اور سفیر کے ذہن میں ایک ہی نام آیا تھا میں نے کہا۔ ''کہیں یہاں......''

''مرشد تو نہیں ہے؟'' سفیر نے بات مکمل کی۔

لیکن میں نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ ''مرشد قلعہ نما مرشد ہاؤس میں زیادہ محفوظ ہے۔ اسے یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت تو ہے بھائی۔'' سفیر کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''فاضلی ضرورت کا سامان لے کر آیا ہے۔''

''مرشد کو عورتوں کی کمی تو نہیں ہے۔''

''بھائی کس دنیا میں ہو، جو شخص ایک عورت پر گزارا کرنا نہیں جانتا ہو اس کا گزارا ساری دنیا کی عورتوں سے بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ بات عمل کی نہیں نیت کی ہے۔ اب یہ ہر شخص کی استعداد پر ہے کہ وہ آوارگی میں کہاں تک جا سکتا ہے۔'' سفیر نے بات کی اور پتے کی کی۔ واقعی مرشد جیسے لوگوں کی ہوس کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے ان کو ساری دنیا کی دولت اور آسائشیں بھی مطمئن نہیں کر سکتی ہیں یہی معاملہ صنف نازک کے سلسلے میں تھا۔ میں نے کہا۔ ''اس کا پتا چل جائے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے موبائل نکالتے ہوئے کہا اور عبداللہ سے رابطہ کیا۔ ''عبداللہ شہباز بات کر رہا ہوں۔''

''جناب حکم فرمائیں۔'' اس نے میرے لہجے سے اندازہ کر لیا تھا۔

''ایک کوٹھی ہے۔'' میں نے کہا اور عبداللہ کو اس کا ممکنہ پتا سمجھایا۔ ''میں چاہتا ہوں اس کی مکمل نگرانی کی جائے اور اس سے جو شخص نکلے اس کا تعاقب کیا جائے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔'' اس نے کہا۔ ''کیا آپ خود وہاں موجود ہیں؟''

''ہاں میں یہیں ہوں۔''

''بس تو میں آ رہا ہوں۔''

میں نے کال کاٹ کر وسیم کو کال کی اور اسے صورتِ حال کے بارے میں بتایا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں مرشد یا اس کے کسی اہم آدمی کا ٹھکانہ معلوم ہو گیا ہے۔''

''مرشد کا تو مشکل ہے۔'' وسیم نے کہا اس معاملے میں وہ میرا ہم خیال تھا۔ ''لیکن یہ ممکن ہے نادر یا مرشد کے خاندان کا کوئی اہم فرد ہو۔''

''واقعی ایسا بالکل ممکن ہے۔ کم سے کم کوٹھی کے حفاظتی انتظامات سے لگ رہا ہے کہ اس میں کوئی اہم شخصیت ہے۔''

''شہباز صاحب پاکستان واپسی کے بعد سے میں غور کرتا رہا ہوں کہ ہمیں دشمن کو کس طرح اس حد تک مجبور کر دینا چاہیے کہ وہ امن کی طرف آنے پر راضی ہو جائے۔ میں نے ایک پلان بنایا ہے۔ ہمیں دشمن کے خلاف الل ٹپ کام کرنے کے بجائے ایک باقاعدہ پلان کے تحت کام کرنا چاہیے۔ ہمیں تربیت یافتہ افراد اور جدید آلات کی مدد سے ایک مرکزی کمانڈ سینٹر بنانا چاہیے۔ آپ آتے ہیں تو اس پر بات کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ہم آتے ہیں تو اس پر بات کرتے ہیں۔''

عبداللہ اپنے آدمیوں اور ضروری سامان کے ساتھ آدھے گھنٹے میں آ گیا تھا۔ میں نے اسے کوٹھی دکھائی اور تمام معلومات فراہم کیں۔ فاضلی کے بارے میں سن کر وہ پُر جوش ہو گیا تھا۔ ''کیوں نہ فاضلی کو اٹھا لیا جائے؟''

''یہ کام بھی کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اسے اٹھانے میں کوئی ہنگامہ نہ ہو۔'' میں نے کہا۔

''نہیں ہو گا۔'' عبداللہ نے یقین سے کہا۔ ''شہباز صاحب اس معاملے میں مجھے وسیم صاحب کی مدد درکار ہے وہ بہت تجربے کار آدمی ہیں انہوں نے کل بھی مجھے بہت کچھ بتایا ہے۔''

''ہاں ایک زمانے میں اس کا گروپ تھا جس میں بہترین لڑاکے تھے۔ وہ سب میری وجہ سے ختم ہو گیا اور اب وہ اکیلا میرا ساتھ دے رہا ہے۔''

''ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''لیکن اب میرے لیے دوسری چیزوں کے ساتھ اپنے آدمیوں کو دیکھنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں تم پر واقعی بوجھ ہے۔ تم ہر طرح کے انتظامات بھی دیکھتے ہو اور پھر تمہیں اپنے آدمیوں کو

بھی استعمال کرنا پڑتا ہے جب کہ یہ فل ٹائم کام ہے۔"

"بس تو آپ وسیم صاحب سے درخواست کریں کہ وہ یہ کام سنبھال لیں اور میرے پاس تمام موجود تمام آدمی ان کے انڈر رہوں گے۔ وہ تجربے کار آدمی ہیں ایک باقاعدہ سیٹ اَپ بھی بنا سکتے ہیں جس کی وجہ سے کارروائیوں میں آسانی ہوگی۔"

مجھے حیرت ہوئی تھی ابھی چند لمحے پہلے وسیم نے مجھ سے یہ بات کی تھی اور اب عبداللہ بھی یہی کہہ رہا تھا۔

"میں اسے کہتا ہوں مجھے یقین ہے وہ خوشی سے راضی ہوجائے گا۔"

عبداللہ نے دبی زبان میں کہا۔"لیکن آپ یا کوئی اور یہ نہ سمجھے کہ میں اپنی ذمے داریوں سے جان چھڑا رہا ہوں۔ آپ حکم دیں تو میں سب کرنے کو تیار ہوں۔"

میں نے اس کا شانہ تھپکا۔"عبداللہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تم میرے لیے وسیم اور سفیر کی طرح ہو۔ ہم سب ایک جان ہیں کوئی کسی سے الگ نہیں ہے اگر تم یہ بات مجھ سے کہنے کے بجائے وسیم سے کہتے تو وہ بخوشی تمہاری بات مان لیتا اور تمہیں سن کر حیرت ہوگی ابھی تمہارے آنے سے پہلے وسیم سے میری بات ہوئی ہے تو اس نے بھی یہی بات کی ہے۔"

عبداللہ خوش ہوگیا۔"مجھے یقین ہے اب کام بہت بہتر انداز میں ہوگا کیونکہ وسیم صاحب اس فیلڈ کے ماہر ہیں۔ میرے پاس موجود ہر فرد اور تمام وسائل ان کے لیے حاضر ہیں۔"

میں نے عبداللہ کو کوٹھی دکھائی۔"اس کی نگرانی اس طرح کرنی ہے کہ اندر موجود افراد کو شک نہ ہو۔"

"میرے آدمی یہ کام کرلیں گے۔" عبداللہ نے کہا۔ اس کے ساتھ تین آدمی آئے تھے اور ان میں سے دو کے پاس بائیک تھی۔ یعنی ان کو کسی کا تعاقب کرنا پڑتا تو یہ اس کے لیے بائیک تھیں۔ میں اور سفیر واپس روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک ریستوران سے کھانا پیک کروایا۔ بیتو کو مدِنظر رکھتے ہوئے کچھ باربی کیو لیا اور آدھے گھنٹے بعد اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ دوپہر کا کھانا کھائے دیر ہوچکی تھی اور سب کا بھوک سے برا حال تھا اس لیے سب نے پہلے کھانا کھایا۔ بیتو جا کر شہلا کو بھی کھانا دے آیا تھا۔ وہ کئی بار کھانے کے لیے شور کر چکی تھی اور اس نے ڈبل روٹی جیسی کوئی چیز کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

کھانے کے بعد میں نے وسیم کو عبداللہ کی درخواست کے بارے میں بتایا تو وہ خوش ہوگیا۔"میں بھی کچھ کرنا چاہ رہا ہوں مجھے بیٹھے بیٹھے زنگ لگ رہا ہے۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب مجھے پرانے روپ میں آجانا چاہیے اسی طرح میں درست طور پر آپ کے کام آسکوں گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اب ہمیں کام بانٹ لینے چاہئیں اس طرح ہم تمام سمتوں پر توجہ دے سکیں گے۔"

"میں نے عبداللہ کا کام دیکھا ہے وہ محنتی اور مخلص ہے لیکن اسے لڑنے والے لوگوں سے کام لینا نہیں آتا ہے اور نہ وہ ان کی تربیت کرسکتا ہے۔"

"اسی وجہ سے اس نے تم سے کہا ہے۔ اب یہ اتفاق ہے کہ تم نے ذرا دیر پہلے ہی مجھ سے اس بارے میں بات کی تھی۔" میں نے کہا

''اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سب اپنے کاز کے لیے سوچ رہے ہیں اور جب سب مخلص ہوں تو سب کے ذہن میں ایک ہی بات آتی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں ایک کمانڈ سینٹر بنانا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے تم اس بارے میں عبداللہ سے بات کرو اس نے اپنے تمام آدمی اور وسائل تمہارے ہاتھ میں دینے کو کہا ہے۔'' میں نے کہا اور وسیم کو اس کوٹھی کے بارے میں بتایا جس میں فاضلی کسی کال گرل کو لے کر گیا تھا۔ ''تم سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرو کہ کوٹھی میں کون ہے۔ جب یہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنا اگلا لائحہ عمل طے کر سکتے ہیں۔''

''میں ابھی سے اس کام کو دیکھتا ہوں۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں نے مرشد جیسے دشمن سے نمٹنے کے جو پلان بنایا ہے اس میں سب سے پہلے تربیت یافتہ با اعتماد افراد کا ایک گروپ تیار کرنا ہے جو لڑنے اور مرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ ان کی مدد سے دشمن کے اہم افراد اور ٹھکانوں کا پتا چلانا اور ان کو تباہ کرنا شامل ہے۔ یہ تمام کام ایک کمانڈ سینٹر کے تحت ہوں گے۔ اس طرح ہم مرشد جیسے بڑے دشمن کے گرد گھیرا تنگ کرتے جائیں گے اور بالآخر اس سے چھٹکارا پالیں یا کسی طرح سے اسے مجبور کر دیں گے۔''

''پلان اچھا ہے اب اس پر عمل کرنا ہوگا۔'' سفیر بولا۔

''میں عمل کے لیے تیار ہوں۔'' وسیم کھڑا ہو گیا۔

''بس تو تم روانہ ہو جاؤ۔'' میں نے کہا اسے جیپ کی چابی دے دی اور اے ٹی ایم کارڈ دے دیا۔ وسیم روانہ ہو گیا۔ میرے ساتھی خود حرکت میں آ رہے تھے اور انہوں نے ایک ایک کر کے ذمے داریاں لینا شروع کر دی تھیں۔ میں اکیلا عبداللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اتنے سارے کام نہیں نمٹا سکتا تھا۔ اب رفتہ رفتہ کاموں میں آسانی آ رہی تھی کیونکہ سب نے ذمے داریاں بانٹ لی تھیں۔ ایاز اور بیتو نے مرشد کے آدمیوں سے تفتیش کی تھی اور مجھے اس کے نتائج بتانے کے لیے بے چین تھے۔ ایاز نے کہا۔

''جناب یہ بہت ڈھیٹ لوگ ہیں لیکن جمیل نے ایک کام کی بات اُگلی ہے۔ پچھلے دنوں ایک معروف صحافی خاتون راحیلہ کا مرڈر ہوا تھا۔ پولیس نے تفتیش کے بعد اس کے شوہر کو گرفتار کر لیا اور اس پر ابھی کیس چل رہا ہے لیکن جمیل کا کہنا ہے کہ جس دن راحیلہ کی لاش ملی اس سے ایک دن پہلے وہ مرشد ہاؤس میں دکھائی دی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق راحیلہ کو کئی افراد نے زیادتی کا نشانہ بنایا تھا اور پھر بے رحمی سے گلا دبا کر قتل کر دیا تھا۔ کیونکہ معاملہ ایک صحافی خاتون کا تھا اس لیے آئی جی نے ایک خصوصی تفتیشی ٹیم تشکیل دی اور اس نے شواہد کی بنیاد پر اس کے شوہر اختر ملک کو گرفتار کر لیا لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔''

یہ کام کی بات تھی اور اسے مرشد کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں نے غور کیا اور ایاز سے پوچھا۔

''کیا اختر ملک نے اپنی بیوی کے حوالے سے مرشد کا نام لیا ہے؟''

''نہیں اس نے مرشد کا نام نہیں لیا ہے لیکن اس نے اقبالِ جرم سے انکار کرتے ہوئے پولیس کو بیان دیا کہ وہ اپنی بیوی کے قاتلوں سے لاعلم ہے۔''

''راحیلہ کس نوعیت کی صحافی تھی؟''

''وہ تجزیاتی صحافت کرتی تھی اور ان دنوں ایک چینل سے سیاسی ایشوز پر پروگرام لے کر آ رہی تھی۔''

''میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔''یار تیری ایک گرل فرینڈ تھی جو کسی اخبار میں کام کرتی تھی لیکن جب مونا نے دھمکی دی تو تُو نے مجبوراً اس سے دوستی ترک کی تھی۔''

سفیر نے دانت نکالے۔''کیا یاد دلا دیا۔اس وقت آتش جوان تھا۔''

''ہاں اب نہ آتش ہے اور نہ جوان ہے۔''میں نے تائید کی تو سفیر نے مجھے گھورا لیکن کچھ کہنے سے گریز کرتے ہوئے بولا۔

''اب اگر میں نے اس سے رابطہ کیا تو بہت برا سلوک کرے گی۔''

''تُو نے بھی اس سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔مونا سے پہلے اسے دو سال تک لارے دیتا رہا تھا اور پھر اچانک ٹاٹا کہہ دیا۔''میں نے کہہ دیا۔''لیکن میرے یار وہ مرد ہی کیا جو ایک عورت کو جو پہلے بھی رام تھی دوبارہ رام نہ کر سکے۔''

''اچھا کوشش کروں گا لیکن اس سے کام کیا ہے؟''سفیر نے بادلِ ناخواستہ کہا۔

''اس سے معلوم کر کہ یہ راحیلہ والی اسٹوری کیا ہے۔مرشد کے خلاف کوئی نکتہ نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ممکن ہے ہمارے ہاتھ کوئی ایسی چیز آجائے جس سے مرشد پر دباؤ ڈالا جا سکے۔''

''ٹھیک ہے صبح کچھ سابقہ یاروں سے رابطہ کر کے اس کا نمبر لینے کی کوشش کرتا ہوں۔''سفیر نے جماہی لی اور اٹھ گیا۔''مجھے تو نیند آرہی ہے۔''

میں نے کھینچ کر اسے بٹھا لیا۔''بیٹے تُو بھول رہا ہے مونا یہاں نہیں ہے۔''

''تب ہی تو سونے کی بات کر رہا ہوں۔''وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔''ویسے بہانہ تب بھی نیند کا کرتا۔''

اس کے جانے کے بعد ایاز بولا۔''شہباز صاحب مجھے لگ رہا ہے یہ دونوں مرشد کے آدمیوں میں خاص مقام رکھتے ہیں اور بہت کچھ جانتے ہیں۔ان کے کچھ کس بل نکل گئے ہیں لیکن ابھی بہت سارے بل باقی ہیں۔''

''وہ بھی نکالنے کی کوشش کرو،اس معاملے میں تم لوگوں کو فری ہینڈ ہے۔یہ لوگ پیشہ ور قاتلوں سے بھی بدتر ہیں،کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔''میں نے کہا اور بیتو کی طرف دیکھا۔''یار کوئی چائے پانی ملے گا۔''

''کیوں نہیں ملے گا۔''بیتو نے مستعدی سے کہا۔''آپ بولو چائے پیو گے یا کافی......ایاز بھائی دونوں بہت اچھا بناتا ہے۔''

''لیکن مجھے تو تمہارے ہاتھ کی بنی چائے چاہیے۔''میں اس کی شرارت پر مسکرایا۔''سنا ہے تم بھی اچھا بنانے لگے ہو۔اگر نہیں بناتے ہو تو پریکٹس ہو جائے گی اور جب شادی کرو گے تو کام آئے گی۔''

شادی کے نام پر وہ جھینپ گیا اور جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔''نا بابا یہ سفیر اور وسیم کا حال دیکھ کر اب ہم نے سوچا ہے اتنی جلدی شادی نہیں کرے گا۔''

''منے تمہاری شادی اتنی جلدی ہوگی بھی نہیں۔''ایاز نے اسے تسلی دی۔''ہمارے حساب سے اس میں بہت وقت ہے۔ہمارے ہاں جب تک آدمی کے سر میں سفید بال نہ آجائیں تو اس کی شادی نہیں ہوتی ہے۔''

''اچھا۔''بیتو تشویش زدہ ہو گیا تھا۔''ہماری طرف تو ایسا نہیں ہوتا ہے۔میرے قبیلے میں تو لوگوں کے بال بھی جلدی سفید نہیں ہوتے ہیں۔''

''سفید تو ہمارے بھی جلدی نہیں ہوتے ہیں لیکن ہم چائے اور کافی زیادہ پی کر سفید کر لیتے ہیں۔''

بیتو چونکا۔''چائے کافی پینے سے بال سفید ہو جاتا ہے۔''

''اس سے تو بچوں کے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں۔ میں تمہیں پندرہ سولہ سال کے بچے دکھاؤں گا۔'' ایاز نے یقین دلایا تو بیتو پھرتی سے کھڑا ہو گیا۔

''ہم ابھی چائے بنا کر لاتا ہے۔'' وہ جانے لگا اور جاتے ہوئے رک گیا اس نے ایاز سے مشکوک لہجے میں پوچھا۔''کہیں آپ مجھ سے چائے بنوانے کے لیے تو ایسا نہیں کہہ رہا ہے۔''

''نہیں منے، یہ سچ ہے سائنسی تحقیق ہے۔'' ایاز نے کہا۔''چائے اور کافی سے دماغ میں خشکی ہوتی ہے اور اسی خشکی کی وجہ سے بال سفید ہو جاتے ہیں۔''

بیتو مطمئن ہو کر چلا گیا تو میں ہنسا۔''یہ کون سی سائنسی تحقیق ہے؟''

ایاز ہنسنے لگا۔''کوئی نہ کوئی تو ہوگی اور نہ بھی ہوئی تو چائے تو مل جائے گی۔''

بیتو چائے بنا لایا جس میں کسی شاعر کی محبوبہ کے لبوں والی تمام خصوصیات تھیں یعنی گرم تھی اور میٹھی تھی۔ ہونٹوں سے چپکنے والی تھی۔ میں نے پہلے گھونٹ کے بعد رکھ دی۔ بیتو بولا۔''کیا ہوا کیا اچھا نہیں بنا ہے۔''

''بنی تو اچھی ہے لیکن اللہ کے بندے تم نے چینی کیا ہول سیل میں ڈالی ہے اتنی شکر تو میں سارے مہینے میں نہیں پیتا ہوں۔''

''ہم تو ہمیشہ اتنی چینی ڈالتا ہے اچھا آپ کے لیے دوبارہ نکال لاتا ہے۔'' وہ میرا کپ اٹھا کر لے گیا اور ایک منٹ بعد دوسرا کپ لا دیا۔ اس میں چینی اعتدال میں تھی۔ اب بیتو کو فکر تھی کہ اگر وہ دن میں چھ سات بار چائے پیئے تو اس کے بال کتنے عرصے میں سفید ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اس نے سوالات شروع کر دیئے تھے۔ ایاز نے کہا۔

''اتنی جلدی تو نہیں ہوں لیکن وقت سے پہلے ضرور ہو جائیں گے یہ بتاؤ کہ تمہارے قبیلے میں مردوں کے بال کس عمر میں سفید ہونا شروع ہوتے ہیں؟''

''چالیس کے بعد۔''

ایاز نے چائے ختم کر کے کپ میز پر رکھا اور بولا۔''بس تو تمہارے اڑتیس یا انتالیس برس کی عمر میں سفید ہو جائیں گے۔''

بیتو اچھل پڑا۔''چائے کافی پینے سے بس اتنا فرق پڑے گا؟''

''ہاں تم اور کیا سمجھتے ہو کہ کل پرسوں تک بال سفید ہو جائیں گے۔''

''لیکن آپ تو بول رہا تھا کہ بچوں کے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں۔''

''وہ تو لوکل بچے ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی دودھ کی جگہ چائے پینا شروع کر دیتے ہیں۔'' ایاز بولا۔

''بہر حال تم فکر نہ کرو تمہاری شادی ضرور ہوگی۔''

''لیکن اس کی ہونے والی دلہن کہاں ہے؟'' میں نے شرارت سے کہا۔ بیتو ہم میں سے چھوٹا تھا اس لیے

اس بے چارے کی شامت آئی رہتی تھی پہلے وسیم اسے تنگ کرتا تھا اور اب ایاز بھی شامل ہو گیا تھا لیکن یہ پیار محبت والی چھیڑ چھاڑ تھی اس کی دل آزاری کا تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ اپنے پیاروں اور زمین سے بچھڑا ہوا شخص تھا اس لیے سب ہی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔

''کہیں بھی ہو اُسے لے آئیں گے۔'' ایاز نے سینے پر ہاتھ مارا۔ وہ کا کی سے واقف تھا اس لیے شرارت سے مسکرایا۔ ''چاہے اس کے لیے چین کیوں نہ جانا پڑے۔''

بیتو جلدی سے کھڑا ہو گیا اور کپ سمیٹنے لگا۔ ''اچھا شوبی ہم کو اب نیند آ رہا ہے کل ملے گا۔'' وہ کپ لے کر رخصت ہو گیا۔

''یار یہ بہت پیارا انسان ہے۔'' میں نے ایاز سے کہا۔ ''مجھے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح محسوس ہوتا ہے۔''

''شہباز صاحب یہ میرے لیے بھی چھوٹے بھائی کی طرح ہے۔'' وہ بولا۔ ''میں اس کا بڑے بھائی کی طرح ہی خیال رکھوں گا۔ ویسے ایک بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔ ہم چین کی حکومت کے راز اسے واپس پہنچانے کے لیے کوشش کر رہے ہیں اور اگر ہم بریف کیس حاصل کر کے چینی حکومت کے حوالے کر دیں۔ تو کیا ہم ان سے کا می کا مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں؟''

''کر تو سکتے ہیں لیکن یار وہ جیتی جاگتی لڑکی ہے کوئی کھلونا نہیں ہے جسے ہم لے کر بیتو کو دے دیں۔ وہ چین جیسے ترقی یافتہ ملک میں ہے۔ وہاں تعلیم حاصل کر رہی ہے اور اس نے یقیناً اپنے مستقبل کے بارے میں بھی سوچا ہو گا۔ سفر کی بات اور تھی جب وہ بیتو کے قریب آ گئی تھی لیکن اب ممکن ہے اس کے خیالات بدل گئے ہوں۔ تم سمجھ دار آدمی ہو۔ کم عمری کی محبت کسی پُر شور پہاڑی برساتی نالے کی طرح ہوتی ہے۔ بارش ہوتے ہی یوں زور و شور سے بہتا ہے کہ اپنے زور میں سب بہا کر لے جائے گا لیکن جب پانی اترتا ہے تو یوں خشک ہو جاتا ہے جیسے کبھی بہا ہی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ بیتو کے لیے مستقبل میں کیا ہے۔ ہاں ہم اس کے لیے کوشش کر سکتے ہیں۔''

ایاز سن رہا تھا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''بیتو سترہ سال کا بھی نہیں ہے۔ ابھی اس کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنا کیریئر بنانے کی عمر ہے لیکن یہ ہمارے ساتھ دشمنوں سے لڑ رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ حالات بہتر ہوں گے اور جب بھی ایسا ہوا سب سے پہلے بیتو کو پڑھانا ہو گا تا کہ وہ مستقبل میں کسی طرح ہم لوگوں سے پیچھے نہ رہے۔''

ایاز مسکرایا۔ ''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے میں نے اسے پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ اس کی انگریزی خاصی حد تک بہتر ہے اب میں اسے اردو اور ریاضی بھی پڑھا رہا ہوں۔ وہ ذہین ہے کوئی چیز بتاؤ تو جلد سیکھ جاتا ہے۔''

مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔ ''اچھا میں نے تو کبھی تم دونوں کو کتاب لیے نہیں دیکھا۔''

''کتاب نہیں ہے جناب۔'' ایاز بولا۔ ''ابھی تو صرف سادہ کاغذ اور پین کی مدد سے پڑھائی جا رہی ہے۔''

مجھے خوشی ہوئی تھی کہ میرے ساتھی ایسے حالات میں بھی مثبت سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ باتوں کے دوران ایاز کو خیال آیا اور اس نے کہا۔ "میں بتانا بھول گیا...... جب آپ نہیں تھے تو شہلا نے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"کیا کہہ رہی تھی؟"

"اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن وہ آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے میں دیکھ لوں گا۔" میں نے سر ہلایا۔

رات خاصی ہوگئی تھی۔ بیتو کی طرح ایاز بھی سونے چلا گیا۔ میں نے وسیم سے رابطہ کیا۔ وہ عبداللہ کے آدمیوں کے ساتھیوں کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا۔ "شہباز صاحب میں نے ان کو طریقہ سکھا دیا کہ کس طرح سے نگرانی کرنی ہے اور باہر جانے والوں کا کس طرح تعاقب کرنا ہے۔"

"یہ کام تم ہی کر سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"ہمیں ایک سینٹرل کمانڈ کی ضرورت ہے جہاں سے ہونے والی تمام سرگرمیوں کی نگرانی کی جا سکے اور فوری ہدایت دی جا سکے۔ میں نے عبداللہ سے بات کی ہے۔ کل ہم اس سلسلے میں کام کریں گے۔"

"اچھی بات ہے لیکن کوشش کرنا کہ سینٹرل کمانڈ ہمارے عام ٹھکانوں سے ہٹ کر ہو۔"

"میں نے بھی یہی سوچا ہے۔"

"بلکہ کوئی ایسا بندوبست کرو کہ ہمیں کہیں جانا ہو تو ہمیں کوئی مشکل نہ ہو۔" میں نے کہا اور پھر ایک خیال الہام کی طرح ذہن میں نازل ہوا تھا۔ "وسیم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ایک بڑے سائز کی وین یا درمیانے سائز کی بس لے کر اس میں اپنا کمانڈ سینٹر بنا لو۔"

"زبردست آئیڈیا ہے اس طرح ہم مسلسل حرکت میں رہ سکتے ہیں اور اگر دشمن ہمارا ٹھکانہ تلاش بھی کر لے تو ہم فوراً وہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ میں اس پر کام کرتا ہوں۔"

وسیم سے بات کر کے میں نے ندیم کا نمبر ملایا۔ وہ سونے جا رہا تھا۔ اس نے فریاد کی۔ "اوہ بھائی اس وقت تو بخش دیا کرو...... تُو کیا چاہتا ہے میری بیوی مجھے عاق کر دے۔"

"بکواس کرنے کے بجائے آپ سیدھی طرح سے بتائیں کہ میں نے جو کام دیا تھا وہ کیا یا نہیں؟"

"کر دیا ہے یار۔ ابھی دومنٹ پہلے رپورٹ ملی ہے۔ اس ہیڈ ماسٹر کی تدفین آج شام کو ہوئی ہے۔ اہل محلہ اور اس کے اسکول کے ماتحتوں نے تدفین کا کام کیا ہے۔ اس کا کوئی رشتے دار بھی آ گیا تھا اور اس کے مکان پر اب وہی ہے۔"

"یہاں اس کا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔"

"بیٹی ہے لیکن وہ پُراسرار طور پر غائب ہے۔ اور بھائی ایسے مواقعوں پر رشتے دار پیدا ہو جاتے ہیں۔ سنا ہے ماسٹر کا اچھا خاصا مکان ہے اور ظاہر سی بات ہے اس کی پنشن اور گریجویٹی بھی تو ہوگی لیکن بائی دی وے اس سارے معاملے سے تمہیں کیا دلچسپی ہے؟"

میں نے ندیم کو مناسب الفاظ میں گزشتہ رات پیش آنے والا واقعہ سنایا۔ "ندیم اس معاملے کو دیکھ

اور اگر وہ شخص کوئی فراڈ یا ہے یا نہیں بھی ہے تب بھی مکان اس سے خالی کرا اور اسے اپنی تحویل میں لے لے۔"

تو اس نے سر پیٹ لیا۔"بھائی تیرے کیسز کے لیے تو سارے پاکستان کے وکیل بھی ناکافی ہیں۔ تُو فی گھنٹے کے حساب سے کیس پیدا کر رہا ہے۔"

"اب میں کیا کروں شامت اعمال ہے جہاں جاتا ہوں کوئی نہ کوئی کیس ہو جاتا ہے۔"

"یار ایسا کر سویرا سے شادی کرا اور اسے لے کر دنیا کے کسی ایسے نکڑے نکل جا جہاں مرشد نہ اس جیسی کوئی حرام ذات ہو اور وہاں صرف بچوں والے کیس کر...... اگر تُو نے ایسا نہ کیا تو میرے بیوی بچے......" وہ شور کرتا رہ گیا اور میں نے لائن کاٹ دی۔ پھر عبداللہ والی کوٹھی کا نمبر ملایا۔ وہاں منیر نے کال ریسیو کی۔ مجھے پہچان کو بولا۔

"صاحب آپ کیسے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے یار...... یہ خواتین سو گئی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟"

"جاگ رہی ہیں...... سب لاؤنج میں موجود ہیں۔"

ظاہر ہے جب دو خواتین میں تیسری شامل ہو تو ایسی ہی محفل جم سکتی تھی وہ یقیناً شاہین سے اس کے بارے میں سب جاننے کے لیے بے چین ہوں گی۔ میں نے مونا سے بات کرنے کو کہا تو منیر کارڈلیس وہیں لاؤنج میں لے گیا جہاں سے مسلسل ان تینوں کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ منیر نے مونا کو کارڈلیس دیا۔ اس نے پوچھا۔"کس کی کال ہے؟"

"شہباز صاحب کی۔"

"شوبی۔" مونا نے جلدی سے کہا۔"کیسے ہو تم؟"

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن تم لوگ کیا کر رہی ہو۔ یہ بتاؤ کہ گفتگو کے دوران سانس وغیرہ نہیں لیتی ہو ایک ہی سانس میں بولتی جاتی ہو۔"

وہ ہنسنے لگی۔"یہ تو ہم خواتین کی خصوصیت ہوتی ہے۔"

"یہ جو نئی خاتون آئی ہیں یہ کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہیں اور بہت اچھی ہیں۔" مونا نے جواب دیا۔"اب زیادہ مزہ آئے گا۔"

"مزے بعد میں لینا فی الحال تو تم دونوں کو اسے دلاسہ وغیرہ دینا ہوگا۔ کل رات اس کے باپ کا انتقال ہوا ہے اور آج شام کو اس کی تدفین ہو چکی ہے۔ اسے نہیں معلوم ہے۔"

"اوہ۔" مونا دکھی ہو گئی۔"اچھا لو شاہین سے بات کرو۔"

"اسلام وعلیکم۔" اس نے کہا۔

"وعلیکم اسلام۔" میں نے جواب دیا اور پھر کچھ دیر رک کر کہا۔"شاہین تمہارے والد کی تدفین کر دی گئی ہے۔ تدفین اہل محلّہ اور اسکول کے ساتھیوں نے مل کر کی ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا کوئی رشتے دار بھی آ گیا ہے اور اب مکان پر وہی ہے۔"

"ہمارا یہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے۔" وہ بولی۔"یہ بات میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ یہ کوئی

دھوکے باز ہوگا۔ یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو کسی اکیلے آدمی کے مرنے پر اس کی جائیداد اور دوسری چیزوں پر قابض ہو جاتے ہیں۔''

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے میں نے اپنے وکیل کے سپرد یہ معاملہ کر دیا ہے۔ وہ اس سے مکان خالی کرا لے گا۔ اس لیے تم اس بارے میں فکر مت کرو۔''

''شہباز صاحب میں آپ کی شکر گزار ہوں۔'' اس نے روتی آواز میں کہا۔ ''پتا نہیں خدا نے کس نیکی کے صلے میں آپ تک پہنچا دیا۔ ابھی مونا اور سعدیہ سے بات ہوئی ہے تو مجھے صحیح معنوں میں پتا چلا کہ آپ کتنے عظیم انسان ہیں۔''

''یہ دونوں پاگل ہیں ان کی باتوں کا اعتبار مت کرنا۔'' میں نے کہا اور کچھ دیر رسمی گفتگو کے بعد سعدیہ سے بات کی۔ اس کے لہجے کی کھنک اور شوخی بتا رہی تھی کہ وہ کتنی خوش تھی۔ فون بند کر کے میں نے آرام کا سوچا۔ اگرچہ دن میں کئی گھنٹے سویا تھا لیکن جو سکون رات کی بھرپور نیند دیتی ہے اس سے ابھی محروم تھا۔ میں بیڈ روم کی طرف آیا تھا کہ مجھے شہلا کا خیال آیا۔ اس نے مجھ سے بات کرنے کو کہا تھا اور یقیناً اس وقت تک وہ سو گئی ہوگی۔ میں اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جھجکا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا وہ حسبِ معمول کپڑے اتار کر سو رہی ہو گی۔ میرا اندازہ درست تھا اس کے کپڑے بستر کے آس پاس قالین پر بکھرے ہوئے تھے اور ان میں مخصوص نسوانی ملبوس بھی تھے۔

وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتی تھی یا یہ سب اس کی فطرت میں شامل ہو چکی تھی۔ شکر ہے وہ کمبل میں روپوش تھی کیونکہ اس کمرے میں آتش دان میں لکڑیاں نہیں تھیں اس لیے اسے بغیر آتش دان کے گزارا کرنا پڑ رہا تھا ویسے میں نے محسوس کیا کہ یہ گھر بند ہونے کے بعد اندر سے اتنا سرد نہیں رہتا تھا اور گرم کپڑوں اور کمبل میں آسانی سے گزارا ہو جاتا تھا۔

''شہلا۔'' میں نے اسے آواز دی۔ تیسری آواز پر اس نے کمبل سے چہرہ برآمد کیا۔ اس کی آنکھوں کا خمار بتا رہا تھا کہ وہ گہری نیند سے جاگی تھی۔

''تم اس وقت...... یہاں...... خیریت۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کیا کوئی خیال آ گیا......''

''بکواس بند کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''مجھے پتا چلا ہے کہ تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو؟''

وہ جان بوجھ کر لاپروائی سے اٹھی اور سامنے کے رخ سے کمبل ڈھلک گیا میں نے دل میں لاحول پڑھی لیکن چہرے سے ایسا کوئی تاثر نہیں دیا جس سے اسے اندازہ ہو کہ مجھے اس کی عریانی نے متاثر کیا ہے یا میں جھینپ گیا ہوں۔ ''ہاں میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور اسی لیے تم سے ملنا چاہتی تھی۔''

''تم نے تو کل تک مہلت مانگی تھی لیکن تمہارا اطمینان سے سونا بتا رہا ہے کہ تم نے سچ مچ کوئی فیصلہ کر لیا ہے۔''

اس نے میری طرف دیکھا اور کمبل بس اتنا درست کیا کہ اس کے ہوش رُبا خدوخال چھپ گئے۔ ''ہاں میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔''

''اب مجھے اس فیصلے سے آگاہ کر دو تاکہ میں تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔''

''میں تمہارا ساتھ دوں گی اور میں نے جو پلان بنایا تھا میں وہ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہو گئی ہوں صرف تمہاری زبان پر اعتبار کر کے۔''

''پلان کیا ہے؟''

''وہ میں تمہیں زبانی نہیں بتا سکتی، میں نے سب لکھ کر تصویروں کی مدد سے واضح کر کے ایک جگہ رکھا ہے لیکن یقین کرو اس پر عمل کرنا اتنا آسان ہو گا کہ تم جب دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔''

''پلان کہاں ہے؟''

''ایک محفوظ جگہ ہے، وہاں سے کوئی اسے حاصل نہیں کر سکتا ہے اسے لینے کے لیے مجھے ہی جانا ہو گا۔''

''ایسی کون سی جگہ ہے جہاں سے صرف تم ہی کچھ حاصل کر سکتی ہو؟''

''میرا ایک خفیہ ٹھکانہ ہے۔ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہے میں نے کاغذات اور دوسری چیزیں وہیں رکھی ہیں۔ میں نے اندر داخل ہونے اور حفاظت کا نظام ایسا رکھا ہے کہ صرف میں ہی اندر جا سکتی ہوں۔''

اس کی بات پر میں مسکرایا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے یہ بات سن کر میں تمہیں جانے دوں گا۔''

''مجھے معلوم ہے تم کسی صورت مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے لیکن میں پھر بھی تم پر اعتماد کر رہی ہوں۔'' اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''تم اس کے لیے مجبور ہو۔''

وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ''شہباز ملک مجھے اتنا بھی مجبور مت سمجھو بہت سارے مواقع ایسے آئے تھے جب میں فائدہ اٹھا سکتی تھی لیکن میں نے نہیں اٹھایا۔ خاص طور سے جب مکان پر حملہ ہوا تھا میں وہاں سے فرار ہو سکتی تھی۔''

''اس صورت میں تمہارا یہ خوب صورت جسم مردہ خانے میں پڑا ہوتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہاں ہر طرف موت تھی اور فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''یہ تو تقدیر کی بات ہے لیکن میں کوشش تو ضرور کرتی۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن میں نے تم سے تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''اس صورت میں تمہیں میری طرف سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی، لیکن اگر تم نے دھوکا کیا تو خود بھگتو گی۔'' میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''سو جاؤ اور دیکھو کل کا دن تمہارے لیے کیا لے کر آتا ہے۔''

''شب بخیر۔'' اس نے توبہ شکن انگڑائی لی اور دوبارہ کمبل میں روپوش ہو گئی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو اپنے حسن و جمال کی قوتِ تسخیر ہر مرد پر آزماتی ہیں وہ عادت سے مجبور ہوتی ہیں۔ میں کمرے میں آیا تو دونوں بیڈ زایاز اور بیتو کے قبضے میں تھے مجبوراً میں نیچے اس بیڈ روم میں آیا جہاں کل رات شاہین رکی تھی۔ اس نے بیڈ اور کمرے کی صفائی کر دی تھی۔ ورنہ اوپر والے بیڈ روم مٹی زدہ ہو رہے تھے۔ یہاں کمبل بھی تھا۔ میں جوتے اور جیکٹ اتار کر لیٹ گیا۔ اس بار نیند کی دیوی فوراً ہی مہربان ہو گئی تھی۔ آنکھ کھلی تو کھڑکی سے تیز دھوپ اندر آ رہی تھی۔ یہ کمرہ مشرق میں سورج نکلنے کے رخ پر تھا۔ کچھ کرنیں شرارت سے میرے چہرے کو سہلا رہی تھیں۔ میں

کچھ دیر ان سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر اٹھ گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر باہر آیا تو بیتو کچن میں ناشتہ تیار کرنے میں مصروف تھا۔ جب گھر میں کوئی عورت نہیں ہوتی تھی تو وہ سگھڑ بیبیوں کی طرح کچن سنبھال لیا کرتا تھا۔ وہ ڈبل روٹی سینک رہا تھا اور ایک برتن میں انڈے ابل رہے تھے۔ ایاز جاگ گیا تھا اور اپنی جیپ کی سیوا میں لگا ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس بس ایک ہی گاڑی تھی۔ مجھے ایک گاڑی اور درکار تھی۔ عبداللہ والی کوٹھی میں دو عدد گاڑیاں موجود تھیں۔ میں نے اسے کال کی۔

''یار کوئی چھوٹی گاڑی بھیج دو۔ کوئی کار ہو تو بہتر ہے لیکن ریس میں ٹھیک ہو۔''

''میں ابھی بھیجتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''اگر کہیں تو بائیک بھی بھیج دوں اس سے ایک آدمی کو آنے جانے میں آسانی رہتی ہے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے بائیک بھی بھیج دو۔''

بات کر کے میں کچن میں میز پر آبیٹھا جہاں بیتو ناشتہ لگا رہا تھا۔ سفیر سو رہا تھا۔ میں نے ناشتہ شروع کر دیا اور بیتو سے کہا۔ ''شہلا کو بھی دے آؤ۔''

وہ ایک پلیٹ میں چند توس اور ایک ابلا ہوا انڈہ رکھ کر لے گیا۔ کافی کا پانی چولہے پر ابل رہا تھا۔ جب تک میں نے ناشتہ کیا کافی تیار ہو گئی تھی۔ اپنا اور شہلا کا کافی مگ لے کر میں اس کے کمرے میں آیا۔ وہ جاگے میں آ چکی تھی اور سکون سے ناشتہ کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے تمہیں کپڑے اتار کر سونے کی عادت ہے لیکن کم سے کم انہیں اس طرح پھیلایا تو مت کرو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اور میرے ساتھی کس فطرت کے لوگ ہیں ہمیں یہ سب اچھا نہیں لگتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں لیکن عادت ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔ ''خیر چھوڑو اسے ممکن ہے آج کے بعد تمہیں یہ مسئلہ نہ رہے۔''

وہ سمجھ رہی تھی کہ میں کاغذات حاصل کر کے اسے رہا کر دوں گا لیکن میں نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا اس وقت اسے رہا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا جب تک بریف کیس میرے ہاتھ میں نہیں آ جاتا۔ میرے خیال میں وہ نہایت خطرناک عورت تھی اور اگر میں نے بریف کیس حاصل کیے بغیر اسے آزاد کر دیا تو اس کا امکان تھا کہ وہ کوئی چکر چلا جائے۔ اس کا مبینہ پلان دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ وہ جلدی جلدی کافی پی رہی تھی اور اس کے انداز میں کچھ دیر پہلے والا سکون نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بے تابی سے پوچھا۔ ''ہمیں کب جانا ہے؟''

''بس کچھ دیر میں چلتے ہیں۔''

وسیم نے اسے ایک اونی ٹراؤزر اور سیاہ رنگ کی بند گلے کی جرسی لا دی تھی جو موسم کے لحاظ سے موزوں تھی لیکن اسے جسم کو اتنا ڈھانپ کر رکھنے کی عادت نہیں تھی اس لیے وہ الجھن محسوس کر رہی تھی اس کی ساڑھی تباہ ہونے والے مکان میں رہ گئی تھی۔ مجھے خیال آیا تھا کہ کہیں دشمن پھر کسی کتے کو اس کی ساڑھی سونگھا کر ہماری تلاش نہ شروع کر دے لیکن یہ اتفاق تھا کہ فتح خان کے آدمی شہلا کو تلاش کرتے اس کالونی تک آ گئے تھے۔ کتے

بہت زیادہ فاصلے سے بو نہیں سونگھ سکتے ہیں اور جو بہت تیز حس شامہ رکھتے ہیں وہ کسی شخص کی گزرنے والی جگہ سے بو محسوس کر لیتے ہیں بشرطیکہ آدمی پیدل ہو۔ گاڑی میں گزرے گا تو کتے کو راستے سے بو محسوس نہیں ہوگی۔

راولپنڈی اسلام آباد جیسے وسیع علاقے میں کسی کو سونگھنے والے کتے کی مدد سے تلاش کرنا ایسا ہی تھا جیسے بھوسے کے ڈھیر میں سے سوئی تلاش کرنا۔ یعنی قسمت ساتھ ہو تبھی کامیابی مل سکتی ہے۔ اب اتفاق کی بات ہے کہ میرے سامنے دو کیس آئے اور دونوں میں کتوں کو کامیابی ملی۔ پہلے مونا کے مسٹر براؤن نے مجھے تلاش کر لیا اور پھر قسم خان کے کتے نے شہلا کو تلاش کر لیا۔ میں نے شہلا سے کہا۔

''تمہارا خفیہ ٹھکانہ کہاں ہے؟''

''اسلام آباد میں ایک جگہ۔'' وہ بولی۔ ''ویسے یہ کون سی جگہ ہے سردی بتا رہی ہے کہ ہم کسی بلند جگہ ہیں۔''

وہ چالاک عورت تھی۔ اگرچہ ہم رات کو آئے تھے اور اسے جیپ میں پیچھے والے حصے میں رکھا تھا اس لیے امکان کم تھا کہ اس نے مکان یا راستہ دیکھا لیکن اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہم کسی بلند جگہ تھے۔ میں نے تردید یا تصدیق کرنے کے بجائے مبہم انداز میں کہا۔ ''نہیں آج کل سردی بہت شدید ہے۔''

اس نے کافی کا مگ خالی کر کے پلیٹ میں رکھ دیا۔ نازک جسامت سے قطع نظر اس کی خوراک اچھی خاصی تھی۔ اسے جب موقع ملتا وہ ڈٹ کر کھاتی تھی۔ وہ ہلکے جسم کی مالک تھی سوائے کچھ خاص مقامات کے جہاں قدرتی طور پر چربی جمع ہو جاتی ہے۔ ایسا لگتا تھا وہ باقاعدگی سے ورزش کرتی تھی اور ممکن ہے اسے سوئمنگ کا شوق بھی ہو۔ یہی وجہ تھی وہ جسمانی طور پر فٹ اور مضبوط تھی۔ میری بات پر اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''او کے تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں کہ ہم کسی میدانی علاقے میں ہیں۔''

میں باہر آیا سفیر سو رہا تھا۔ ایاز نے جیپ کی صفائی کر لی تھی اور اس کا عقبی حصہ شہلا کو لے جانے کے لیے موزوں گا۔ یہاں سے وہ راستے میں کود نہیں سکتی تھی اور بند ہونے کی وجہ سے اس کا چیخ چلا کر کسی کو متوجہ کرنا بھی آسان نہیں تھا اس کے باوجود میں نے فیصلہ کیا کہ کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ ہمارے پاس پلاسٹک کی بنی جدید ہتھکڑی تھی۔ طے پایا کہ شہلا کے منہ پر ٹیپ لگا کر اسے پشت سے ہتھکڑی لگائی تھی۔ ایک بار لگنے کے بعد اسے کاٹ کر اتارا جا سکتا تھا۔ میں نیچے آیا اور سامان سے ہتھکڑی اور ٹیپ نکال کر شہلا والے کمرے میں آیا۔ وہ ہتھکڑی دیکھ کر بدکی۔ ''اس کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت ہے۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس میں ایک کلپ ڈالا اور پھر اسے پشت کی طرف گھما کر دوسرے ہاتھ کو بھی باندھ دیا۔ کلپ کی ڈوریاں کھینچنے سے وہ پوری طرح کس گئے تھے۔ اب شہلا کسی صورت ان کو نہیں کھول سکتی تھی۔ وہ تلملائی۔ ''تم نہایت گھٹیا آدمی ہو۔''

میں مسکرایا۔ ''تمہارے نزدیک ہر وہ آدمی گھٹیا ہوتا ہے جو تمہیں ایک خاص نظر سے نہیں دیکھتا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے منہ اور پھر آنکھوں پر بھی ٹیپ لگا دیا۔ اس نے معمولی سی مزاحمت کی تھی لیکن مجھے کوئی مشکل نہیں ہوئی۔ سہارا دے کر اسے اوپر لایا۔ ایاز نے جیپ کا پچھلا حصہ کھول کر رکھا ہوا تھا۔ اسے اندر دھکیل دیا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور ہم دونوں جیپ میں بیٹھے اور صابر نے مین گیٹ کھول دیا۔ وہ بے چارہ ہمارے لیے چوکیدار کا کام کر رہا تھا حالانکہ وہ تربیت یافتہ محافظ تھا۔ شہلا عقب میں سکون سے بیٹھی تھی۔ جیپ

کے باہر سے اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ سڑک پر آنے کے بعد میں نے وسیم کو کال کی۔

''رات میں کوئی پروگریس ہوئی ہے؟''

''نہیں جناب لیکن میرے آدمی اس عورت کو اٹھانے کی تیاری کر رہے ہیں جو رات یہاں آئی تھی لازمی بات ہے وہ واپس بھی جائے گی۔ ہم تعاقب کر کے اس کا ٹھکانہ دیکھ سکتے ہیں اور اس کے بعد اسے اٹھانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''فاضلی نکلا وہاں سے؟''

''نہیں...... لیکن میں نے یا کسی دوسرے نے اب تک فاضلی کو دیکھا نہیں ہے۔''

''وہ کسی قدر طویل قامت ہے گورے رنگ کا اور کنجی آنکھوں والا، سر پر کسی قدر لمبے ہلکے بھورے بال ہیں اور چلتے وقت کمر کو ہلاتا ہے جیسے خاص جنس کے لوگ چلتے ہیں۔ بہت ہوشیار اور چوکنا قسم کا شخص ہے اگر اس کا تعاقب کرنا ہو تو بہت ہوشیار رہ کر کرنا۔''

''میں سمجھ گیا، اپنے آدمیوں کو بھی سمجھا دوں گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''میں شہلا کو لے کر جا رہا ہوں اس نے کہا ہے کہ اس نے بینک میں ڈکیتی مارنے کا مکمل پلان کہیں رکھا ہوا ہے۔''

''آپ بھی ہوشیار رہیے گا یہ عورت بھی کم نہیں ہے۔ یقین کریں اتنے اعتماد والی عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی ہے۔ اس کے اعصاب بہت مضبوط ہیں۔''

''ظاہر ہے کو ایک ہٹے کٹے مرد کو اپنے ہاتھوں سے گلا دبا کر ہلاک کرنے والی کے اعصاب مضبوط تو ہوں گے۔'' میں نے مڑ کر شہلا کی طرف دیکھا۔ وہ میری بات سن رہی تھی لیکن اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ وسیم سے بات کر کے میں نے موبائل میں وہ سم ڈالی جس سے فتح خان سے بات کی تھی۔ اس کا نمبر ملایا اور اس نے کال ریسیو کی۔ ''فتح خان کیا حال ہیں؟''

''اچھا ہی ہے البتہ مرشد کے لیے کل رات اچھا نہیں تھا۔'' فتح خان نے جواب دیا تو اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''کیا ہوا اس کے ساتھ؟''

''اس کا ادھر روات میں ایک فیکٹری ہے کیمیکل کا، کل رات کسی نے چوکیدار کو باندھ کر اسے آگ لگا دیا۔ جب تک فائر بریگیڈ والا آتا پورا فیکٹری جل چکا تھا کیمیکل آگ بھی تیزی سے پکڑتا ہے۔ سنا ہے کوئی دو ارب روپے کا نقصان ہوا ہے۔''

''دو ارب روپے۔'' میں چونکا۔ ''یہ تو بہت بڑا نقصان ہے، مرشد تو پاگل ہو گیا ہوگا۔''

''ہاں..... آگ لگانے والوں نے چوکیدار کو باہر ڈالا تھا وہ بچ گیا تھا لیکن جب پولیس آیا تو اسے فیکٹری سے چوکیدار کا جلا ہوا ڈھانچہ ملا تھا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''مرشد جیسے فرعون سے اسی قسم کی توقع کی جا سکتی ہے۔ فتح خان اس کا ایسا کون سا دشمن ہے۔''

''تم جانتا ہے مرشد خنزیر کا بچہ ہے ایسے شخص کا نہ جانے کتنا دشمن ہوگا۔'' وہ لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔ ''پر یہ والا بڑا خطرناک دشمن ہے ابھی تو آغاز ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''فتح خان اس کا مطلب ہے تمہیں میری بات کا یقین آ گیا ہے۔''

''اس کو چھوڑو...... شہباز خان دنیا میں میرا سب سے قریبی رشتے دار تھا اس کی موت اس کے قاتل کو سستی نہیں پڑے گی۔''

''فتح خان اگرچہ تم میرے دوست نہیں ہو اور شاید اب دشمن بھی نہیں ہو پھر بھی میں تم سے شہباز خان کی موت کا افسوس کرتا ہوں۔''

''تم کو افسوس کرنے کا ضرورت نہیں ہے۔ افسوس تو مرشد کرے گا۔''

مجھے خیال آیا کہ میں فتح خان سے مرشد کے بارے میں معلومات حاصل کروں کیونکہ وہ اس کے پاس رہا تھا اور اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا پھر اس کے بہت سارے ٹھکانے بھی فتح خان کے علم میں تھے لیکن پھر میں نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ بے شک فی الحال فتح خان دشمن نہیں رہا تھا لیکن میں اس پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ ہیروں کی بازیابی کا کیڑا اس کے ذہن سے نکلا نہ ہو اور وہ اب بھی میری اور میرے ساتھیوں کی فکر میں ہو۔ میں نے کچھ دیر میں فون بند کر دیا۔ اس دوران میں ہم اسلام آباد کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ایاز نے ایک جگہ جیپ روک لی یہاں سے ایک راستہ راولپنڈی اور دوسرے مضافات کی طرف جاتا تھا اور ایک راستہ اسلام آباد کی طرف جاتا تھا۔ اس نے کہا۔

''اس سے پوچھیں کہاں جانا ہے؟''

میں نے مڑ کر شہلا کے منہ سے ٹیپ اتار دیا۔ ''اسلام آباد میں کہاں جانا ہے۔''

اس نے جی سیکٹر کے ایک مکان کا پتا بتایا۔ ''یہاں جانا ہے لیکن مکان میں میرے بغیر جانے کی کوشش مت کرنا ورنہ کسی مشکل میں پڑ سکتے ہو۔''

''تم فکر مت کرو۔''

میں نے دوبارہ اس کے منہ پر ٹیپ لگا دیا اور ہم روانہ ہو گئے۔ ایاز نے جان بوجھ کر ان پوش علاقوں سے گزرنے سے گریز کیا جہاں پولیس چیکنگ کے لیے موجود ہوتی ہے اور کسی بھی مشکوک گاڑی کو تلاشی کے لیے روک لیتی ہے۔ ہم تلاشی دینے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ ہمارے پاس ایک عدد مغویہ کے ساتھ مہلک اسلحہ بھی تھا۔ ایاز ذیلی سڑکوں سے گزرتا ہوا جی سیکٹر کی طرف جانے لگا۔ اسلام آباد میں جا بجا چھوٹے چھوٹے جنگل لگائے گئے ہیں تاکہ شہر کی آب و ہوا صاف ستھری رہے اور اس کی دل کشی میں بھی اضافہ ہو۔ آبادیوں کے درمیان یہ جنگل ایک طرح سے حد فاصل کا کام بھی کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے مختلف سیکٹرز کی آبادیاں ایک دوسرے سے الگ رہتی ہیں۔

مطلوبہ مکان جی سیکٹر میں ایک ایسے ہی جنگل کے پاس نکلا تھا۔ اتفاق سے اس لائن میں صرف دو مکان تھے اور یہ ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے۔ شہلا کا بتایا ہوا مکان جنگل سے بالکل ملا ہوا تھا اور سڑک کے پار سے جنگل کا آغاز ہو جاتا تھا۔ یہ ایک چھوٹا کوٹھی نما مکان تھا اور سامنے چھوٹے سے احاطے میں ایک مختصر سا

لان اور اس کے ساتھ کار پورچ تھا۔ میں نے نیچے اتر کر مکان کا معائنہ کیا اس کے پر گیٹ پر نیم پلیٹ پر لکھا پتا دیکھا۔ یہ وہی مکان تھا لیکن دیکھنے میں یہ عرصے سے بند اور ویران لگ رہا تھا میں نے اچک کر فولادی گیٹ سے اندر جھانکا تو پورچ میں فرش مٹی سے اٹا نظر آیا۔ یعنی اس مکان میں کم سے کم دو ہفتے سے کسی نے قدم نہیں رکھا تھا۔ مجھے شک ہوا۔ اگر شہلا نے بینک لاکر تک رسائی کے منصوبے کے کاغذات یہاں رکھے تھے تو اس کا آنا جانا تو ہونا چاہیے تھا۔ میں واپس جیپ میں آیا اور شہلا کے منہ سے ٹیپ اتار کر کہا۔

''ہم تمہارے بتائے مکان کے سامنے موجود ہیں لیکن یہ تو دنوں سے بند نظر آ رہا ہے۔''

اس نے چند گہری سانس لیے۔ ''ہاں میں آخری بار کوئی پندرہ دن پہلے یہاں آئی تھی اور پھر منحوس فتح خان نازل ہو گیا تھا شکر ہے میں نے کاغذات یہاں منتقل کر دیئے تھے ورنہ وہ دوسری چیزوں کے ساتھ اس کے ہاتھ لگ جاتے۔''

میں نے اس کے الفاظ تولے اگر وہ جھوٹ بھی بول رہی تھی تو بہت صفائی سے بول رہی تھی اس کے لہجے میں کہیں بھی پکڑائی نہیں تھی۔ میں نے گہری سانس لی اور چاقو نکال کر اس کے ہاتھوں کی ہتھکڑی کاٹ دی۔ اس نے جلدی سے اپنی آنکھوں سے ٹیپ اتارا۔ میں پیچھے ہوا تھا لیکن وہ جان بوجھ کر مجھ سے رگڑ کھا کر جیپ سے نیچے اتری تھی۔ میں نے دل میں اسے سنائیں اور منہ بولا۔ ''کوئی احمقانہ حرکت مت کرنا جس پر پچھتانے کے لیے صرف تمہاری لاش رہ جائے۔''

''مجھے دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بے زاری سے منہ بنایا اور بولی۔ ''اگر تمہیں کاغذات مل جائیں تو تم میری جان چھوڑ دو گے؟''

''اتنی آسانی سے نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جب تک میں لاکر تک نہیں پہنچ جاتا اور بریف کیس میرے ہاتھ نہیں آ جاتا تمہیں ہمارے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔''

اس کے چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات نمودار ہوئے اور وہ پھٹ پڑی تھی۔ ''لیکن تمہاری باتوں سے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے تم کاغذات لے کر مجھے چھوڑ دو گے۔''

''یہ تمہاری سمجھ کی غلطی ہے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔''

''شہباز تم مجھے دھوکا دے رہے ہو۔''

میں مسکرایا۔ ''چلو ایسا ہی سمجھ لو، لیکن کیا تم اس کی مستحق نہیں ہو۔ تم میری دشمن ہو اور دشمن سے آدمی خلوص نہیں برتتا ہے۔ ویسے تم نے سچ مچ مجھے اتنا احمق سمجھا تھا کہ میں کاغذات کا ایک پلندہ لے کر تمہارا شکریہ ادا کروں گا اور تمہیں جانے دوں گا؟''

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔ ''میں تمہیں اندر نہیں لے جاؤں گی۔''

''اگر تم نہ لے جاؤ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہم کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ جائیں گے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم سے تعاون کرو۔''

اس نے سوچا اور گہری سانس لے کر سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے لیکن مین گیٹ کی چابی میرے پاس نہیں ہے۔ ہمیں گیٹ پھلانگ کر اندر جانا ہوگا۔''

''مزید اندر جانے کے لیے بھی تو چابیاں درکار ہوں گی۔''

''نہیں اندر کے دروازوں پر فنگر پرنٹ لاک ہیں جب میں اپنے فنگر پرنٹ دوں گی تو لاک کھل جائے گا۔''

''خوب تم نے بڑا جدید سسٹم لگایا ہے۔''

''کرنا پڑا ہے۔'' وہ بولی۔ ''میں گیٹ خود سے نہیں پھلانگ سکتی تم لوگوں کو مدد کرنا ہوگی۔''

''تم فکر مت کرو۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ''تمہارا پھول سا بوجھ اٹھانے کے لیے ہم ہیں۔''

اس نے مجھے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں۔ اس دوران میں ایاز نے جیپ اس طرح کھڑی کی کہ گیٹ کا بڑا حصہ اس کے پیچھے چھپ گیا تھا اور کوئی دور سے دیکھتا تو اسے ہم گیٹ پھلانگتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ میں نے آس پاس دیکھا اور جب مجھے کوئی فرد نہیں آیا تو میں گیٹ پر چڑھ کر اندر کود گیا۔ میں نے ایاز کو باہر ٹھہرنے کو کہا تھا۔ اس نے سہارا دے کر شہلا کو اوپر چڑھایا۔ وہ بری طرح ڈر رہی تھی اور یوں ڈگمگا رہی تھی جیسے ابھی نیچے گر جائے گی۔ ایاز نے اسے چڑھا تو دیا تھا لیکن اترنا اسے خود تھا اور اس سے اترا نہیں جا رہا تھا وہ گیٹ کے اوپر بیٹھی ڈگمگا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اس نے بوکھلائے انداز میں کہا۔ ''پلیز مجھے نیچے اتارو...... میں گر جاؤں گی۔''

''سات فٹ کی بلندی سے گر کر تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''چھلانگ لگادو۔''

''پلیز۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ وہ بری طرح خوف زدہ لگ رہی تھی۔ مجھے ترس آنے لگا اور میں بھول گیا کہ وہ کس قسم عورت ہے۔ خوف اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کمر تھامی اور اسے نیچے کھینچا تو وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ تقریباً مجھ پر آگری تھی اور جب تک میں سنبھلتا اس نے ہاتھ مار کر میری جیکٹ کی جیب سے پستول نکال لیا تھا اور پھرتی سے پیچھے ہٹ کر مجھ پر تان لیا۔

''بس شہباز ملک تمہارا کھیل ختم ہوگیا ہے۔''

پستول کی نال میرے سینے کی طرف اٹھی تھی اور شہلا کی انگلی کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔



شہلا کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جیسے اس نے سچ مچ میرا کھیل ختم کر دیا ہو۔ ''یہ تمہارا خیال ہے۔''
میں نے سکون سے کہا۔ ''میرا کھیل کم سے کم تمہارے ہاتھوں ختم نہیں ہوگا۔''
وہ پیچھے ہٹ گئی۔ ''تم غلط سمجھ رہے ہو میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی ہوں۔ تم ان چند افراد میں سے ہو جن پر ہاتھ اٹھانے کو دل نہیں چاہتا ہے۔''
''تب یہ پستول کس خوشی میں نکالا ہے؟''
وہ پیچھے ہٹتے ہوئے برآمدے میں داخلی دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے مجھ پر سے نظر ہٹائے بغیر لاک کے اوپر لگا ایک بٹن دبایا تو اس کی سرخ روشنی جل اٹھی تھی۔ اس نے جواب دیا۔ ''یہ پستول میں نے صرف اس لیے نکالا ہے کہ تم مجھے روکو مت۔''
''تمہارا کیا خیال ہے اس طرح تم مجھ سے بچ جاؤ گی۔'' میں نے ایک قدم آگے بڑھایا۔
اس نے اضطراری انداز میں پستول سیدھا کر لیا۔ ''شہباز آگے مت آؤ ورنہ میں گولی چلا دوں گی مجھے اس کے لیے مجبور مت کرو۔''
''تم نے پلان اچھا بنایا خود کو خوف زدہ ظاہر کیا اور مجھ سے پستول حاصل کرنے میں کامیاب رہیں۔''
میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اب اسے چار قدم دور تھا۔
''شہباز بس۔'' اس کے چہرے پر سختی نمودار ہوئی تھی۔ ''اب ایک قدم آگے مت آنا۔''
''ورنہ تم مجھے گولی مار دو۔'' میں نے مذاق اُڑانے والے انداز میں کہا۔ ''لیکن کس چیز سے، اس خالی پستول سے۔''
''تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔'' اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''پستول میں میگزین موجود ہے۔''
''مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' میں نے آہستہ سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور باہر نکالا تو اس میں پستول کا میگزین دبا ہوا تھا۔ اس کی نظر بے ساختہ پستول کے دستے کی طرف گئی۔ میرے لیے ایک لمحے کی مہلت کافی رہی اور میں نے نیچے ہوتے ہوئے اس کا پستول والا ہاتھ تھام کر اوپر کیا۔ اس نے گولی چلا دی تھی لیکن وہ ہوا میں گئی میں نے اسے دوسرے فائر کی مہلت نہیں دی اور پستول چھین لیا۔ پستول چھن جانے کے بعد اس نے مشتعل ہو کر گالی اور مجھے لات مارنے کی کوشش کی۔ میں نے ذرا سا گھٹنا موڑ کر اس کا وار روکا اور اسے دیوار کی

طرف دھکیل دیا۔ میں اسے کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا اس لیے کوئی ایسا وار کرنے سے گریز کیا جس سے اسے چوٹ لگے۔ وہ دیوار سے ٹک کر ہانپنے اور مجھے گھورنے لگی۔ اگر کوئی انسان کسی دوسرے کو آنکھوں سے قتل کر سکتا تو اس روز میرا بچنا ناممکن تھا شہلا مجھے کچھ ایسی ہی نظروں سے گھور رہی تھی۔ ایاز نے گیٹ کے اوپر سے جھانکا۔ ''سب ٹھیک ہے؟''

''پہلے نہیں تھا لیکن اب ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ذرا باہر دیکھنا اس فائر کا ردِعمل نظر آ رہا ہے۔''

''نہیں جناب صرف ایک کتا تھا فائر ہوتے ہی اس نے پولیس والوں کی سی تیزی سے ایک طرف دوڑ لگا دی اور اب باہر کوئی نہیں ہے۔'' ایاز خوشگوار موڈ میں تھا۔

''یار دیکھو کہیں کوئی گھر سے نہ جھانک رہا ہو اور اسے ہماری سرگرمیاں مشکوک لگیں تو وہ پولیس کو کال کر سکتا ہے۔''

''نہیں ایسا کوئی نہیں ہے فائر کی آواز زیادہ دور تک نہیں گئی ہے اور اگر کسی نے سنا بھی ہے تو اسے کوئی پٹاخہ یا کسی گاڑی کے سائلنسر کا مس فائر سمجھا ہوگا۔''

شہلا نے اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا وہ پھیکے انداز میں مسکرائی۔ ''تم نے مجھے بے وقوف بنا دیا۔ میگزین دیکھ کر میں ایک لمحے کے لیے یہی سمجھی کہ پستول خالی ہے۔''

''میں ہمیشہ اپنے پاس اضافی میگزین رکھتا ہوں۔'' میں نے دوسرا میگزین واپس جیکٹ میں رکھ لیا۔ ''اب یہ دروازہ کھولو اور کوئی حرکت مت کرنا۔''

اس نے شکست خوردہ انداز میں لاک کے فنگر پرنٹ ریڈر پر اپنا انگوٹھا رکھا اور چند لمحے بعد کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ جیسے ہی دروازہ ذرا سا کھلا اندر لاؤنج میں خود بخود روشنی ہوگئی۔ شہلا نے یہاں واقعی جدید ترین سسٹم نصب کرایا تھا۔ لاؤنج زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اپنی سجاوٹ اور فرنیچر کی وجہ سے بڑا نظر آ رہا تھا۔ اندر جاتے ہوئے میں نے ایاز سے کہا۔ ''ہوشیار رہنا۔''

''باہر کی طرف سے آپ بے فکر رہیں۔''

میں شہلا کے ساتھ اندر آیا تو دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔ یہ کوئی نصف کنال پر پھیلا ہوا پوری طرح کورڈ مکان تھا۔ سوائے سامنے کے چھوٹے لان اور کار پورچ کے۔ لاؤنج کے ایک طرف بہترین کچن تھا اور اس سے آگے دو کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ یہ عام دروازے تھے۔ مکان اندر سے بہت صاف ستھرا اور چمک رہا تھا۔ شہلا نے کہا۔ ''یہ اندر سے سینٹرلی اے سی ہے اور یہاں ہوا کی آمدورفت کی کوئی جگہ نہیں ہے اس لیے گرد وغبار اندر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''تمہارا پلان کہاں ہے؟''

وہ مجھے کچن سے آگے ایک کمرے میں لائی یہ بیڈ روم تھا۔ اس نے الماری کھولی اور اس کے ایک خفیہ خانے سے ایک چھوٹی سی پلاسٹک کور والی فائل نکال کر میری طرف اچھال دی۔ میں نے فائل کیچ کی۔ ''پلان اس میں ہے؟''

''اس میں صرف آؤٹ لائن ہے۔'' وہ بولی اور پھر اپنے ماتھے پر انگلی ماری۔ ''اصل پلان یہاں محفوظ

ہے۔"

میں جھنجھلا گیا۔ "تو تم بلا وجہ یہاں لائی ہو، کیا مجھے تمہارا سر توڑ کر اس میں سے پلان نکالنا پڑے گا؟"

وہ ہنسی۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے میں جب تم سے تعاون کر رہی ہوں لیکن یہ ضروری ہے اسے دیکھ کر تم میرا پلان آسانی سے سمجھ جاؤ گے۔"

"شہلا۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "تم میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

وہ ڈرنے کے بجائے مزید شوخ ہو گئی۔ "کیوں کیا مجھے اس کا حق نہیں ہے میں ایک حسین عورت ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے بل کھانے کے انداز میں اپنا سراپا دکھایا۔ "کیا نہیں ہوں؟"

"اگر ہو تو یہ کون سا موقع ہے؟"

اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ "یہی تو موقع ہے یہاں کوئی نہیں ہے بس میں اور تم ہیں۔"

"سمجھ لو میں بھی نہیں ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"اچھا۔" وہ چیلنج کرنے والے انداز میں بولی۔ "تب میں کپڑے بدل رہی ہوں کیونکہ میں یہاں اکیلی ہوں اور یہ باسی کپڑے اب برداشت نہیں ہو رہے ہیں۔"

موسم ایسا نہیں تھا کہ اس کا لباس اتنی جلدی خراب ہوتا۔ مکان پر راکٹ حملے میں بھی وہ کمبل میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہی تھی یعنی اس کے کپڑے گرد سے بچ گئے تھے۔ یہ سراسر اس کی بدمعاشی تھی۔ میں نے کہا۔ "کپڑے بدلنے کی ضرورت نہیں ہے اپنے کچھ کپڑے اور دوسرا سامان لے لو جس کی تمہیں ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

اس نے منہ بنا کر مجھے دیکھا۔ "تم میں ذرا بھی سینس آف ہیومر نہیں ہے۔"

"جس قسم کا سینس آف ہیومر تم چاہتی ہو وہ بالکل بھی نہیں ہے۔ اب جو کرنا ہے دس منٹ کے اندر کر لو کیونکہ اس کے بعد یہ جگہ باقی نہیں رہے گی۔" میں نے کہا اور جیب سے ایک آتش گیر ٹائم بم نکالا۔ عبداللہ نے ان بموں کا ایک پورا سیٹ دیا تھا۔ شہلا کے ساتھ یہاں آتے ہوئے میں ایک لے آیا کہ شاید کہیں ضرورت پڑ جائے۔ "میں نے اس پر دس منٹ بعد کا وقت سیٹ کر دیا ہے اور یہ دیکھو ٹائمر چل پڑا ہے۔" میں نے ٹائمر کو آن کرنے والا بٹن دبا کر اسے اسٹاپ واچ دکھائی۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" اس نے چیخ کر کہا اور میری طرف لپکی لیکن اس کے قریب آنے سے پہلے میں نے پاؤں اٹھا کر اسے روکا اور پھر بستر کی طرف دھکیل دیا۔ وہ پلٹ کر بستر پر جا گری۔ اس کے اٹھنے سے پہلے میں نے اس کی کمر پر پاؤں رکھ دیا۔ اس نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی اور میرے پاؤں تلے کسی زہریلی ناگن کی طرح بل کھانے لگی۔

"بس اب کچھ مت کرنا، اگر اس مکان کے ساتھ جل کر مرنا نہیں چاہتی ہو تو جو کرنا ہے دس منٹ میں کر لو بلکہ اب ساڑھے نو منٹ رہ گئے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے پاؤں ہٹا لیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور ملتجی لہجے میں بولی۔

''پلیز شہباز یہ مت کرو میں نے بڑی محنت سے اس مکان کو اس شکل میں ڈھالا ہے۔ مجھے اس جگہ سے محبت ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''افسوس کہ تم نے محبت کرنے کے لیے ایک بے جان مکان کو پسند کیا ہے صرف نو منٹ رہ گئے ہیں۔''

''ہاں کیونکہ آج کے انسان محبت کے لائق کہاں ہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''میں اس مکان کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔''

میں نے اسے خبردار کیا۔ ''شہلا تم باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہو ابھی تمہارے پاس موقع ہے یہاں تمہاری کوئی اہم چیز ہے تو اسے نکال لو اب آٹھ منٹ رہ گئے ہیں۔''

وہ سمجھ گئی کہ میں اس کی بات نہیں سنوں گا۔ وہ الماری کی طرف لپکی تو میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کر لیا۔ ''کوئی غلط حرکت کرنے سے پہلے سوچ لینا مجھے گولی چلانے میں وقت نہیں لگے گا۔''

اس نے ایک چرمی بیگ نکالا اور پھر کچھ کپڑے نکال کر ایک خالی بیگ میں ڈالے۔ اسی بیگ میں اس نے ایک لاکر سے زیورات کے ڈبے نکال کر رکھے۔ چرمی بیگ پر نمبروں والا لاک تھا لیکن بیگ اس نے صرف زپ سے بند کر دیا۔ یقیناً چرمی بیگ میں کوئی قیمتی چیز تھی۔ اس نے پانچ منٹ میں سب تیار کر لیا اور مجھ سے کہا۔

''میں نے سب لے لیا ہے۔''

''اس بیگ میں کیا ہے؟''

''اس میں میری کچھ اہم چیزیں ہیں۔'' اس نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ میں نے مطالبہ کیا۔

''مجھے دکھاؤ ورنہ یہ بیگ یہیں چھوڑ جاؤ۔''

وہ سمجھ گئی کہ میں نہیں مانوں گا۔ مجبوراً اس نے نمبروں والا لاک ترتیب دے کر کھولا اور بیگ میری طرف بڑھا۔ اس میں خاصی مالیت کی کرنسی تھی۔ یہ شاید ایک کروڑ روپے تھے۔ پانچ ہزار والے نوٹوں کی بیس گڈیاں تھیں۔ کرنسی کے علاوہ اس میں کچھ نہیں تھا۔ میں نے اطمینان کر کے بیگ اسے واپس کر دیا۔ اس نے کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا۔

''تم اسے واپس کیوں کر رہے ہو؟''

''کیونکہ یہ رقم تمہاری ہے اور مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔''

''باہر چلو۔'' اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔ ''تم نے جو بم لگایا ہے وہ پھٹ نہ جائے؟''

میں اس کے ساتھ مکان سے باہر آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کا تالہ خود کار طریقے سے لگ جاتا تھا اور اسے دوبارہ کھولنے کے لیے شہلا کے انگوٹھے کی ضرورت پڑتی، میں نے باہر آتے ہی بم جیب سے نکال کر اس کا ٹائمر آف کر کے اسے ری سیٹ کر دیا اب اسے دوبارہ ایکٹو کرنا پڑتا۔

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''تم نے یہ بم تو لگایا ہی نہیں۔''

میں نے بم جیب میں رکھ لیا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے مس شہلا رضوی، یہ میرا مذاق ہے کیسا لگا؟''

اس کے چہرے پر بیک وقت غصے، بے بسی اور شک کے تاثرات نمودار ہوئے۔ ''تم واقعی مذاق کر رہے ہے

تھے؟''

''ہاں میرا مذاق ایسا ہی ہوتا ہے اور کیا تم نے مجھے مرشد یا فتح خان جیسا کوئی نفسیاتی مریض سمجھ رکھا ہے جو حُسن سے وابستہ ہر چیز کو تباہ کرنے پر تل جاتے ہیں چاہے وہ کتنی خوب صورت کیوں نہ ہو۔ مجھے تمہارا یہ گھر بہت اچھا لگا اور جو چیز مجھے اچھی لگے میں اسے تباہ نہیں کرتا ہوں۔''

اس نے سکون کا سانس لیا اور چہک کر بولی۔ ''شہباز تم نے میرا دل جیت لیا ہے آئی لو یو۔''

''معاف کرنا مجھے تمہارے دل کی ضرورت نہیں ہے مجھے لاکر میں پڑا اپنا بریف کیس چاہیے اگر تم بلا وجہ لی ٹانگ اُڑا کر نہ رکھتیں تو میں اب تک خود لاکر تک رسائی حاصل کر چکا ہوتا۔''

''اس پلان کی مدد سے۔'' اس نے فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم نہایت آسانی سے لاکر تک پہنچ جاؤ گے۔''

''اس میں کیا ہے؟''

''اس میں بینک کے اندر کا مکمل نقشہ ہے اور لاکر روم کی تصاویر ہیں۔ حفاظتی انتظامات کے بارے میں مکمل معلومات ہیں۔''

''بینک کے اندر کوئی تمہارا مددگار بھی ہے شاید اس کا نام لیاقت......''

''میں نے اس وقت غلط بتایا تھا اس کا نام شاہد منظور ہے اور وہ بینک میں سیکورٹی سپروائزر ہے۔ اب بینک والے گارڈز نجی سیکورٹی کمپنیوں سے لیتے ہیں لیکن سپروائزران کا اپنا ملازم ہوتا ہے خاص طور سے جن بینکوں میں زیادہ کیش یا لاکرز ہوتے ہیں وہاں لازمی بینک کا اپنا ملازم سیکورٹی سپروائزر ہوتا ہے کیونکہ ایسے واقعات ہو چکے ہیں جب گارڈز ہی رات کو بینک لوٹ کر فرار ہو گئے۔''

''شاہد منظور تم سے تعاون پر آمادہ ہے ممکن ہے وہ تمہیں بے وقوف بنا رہا ہو اس کا کام نکل چکا ہے۔'' میں نے کہا تو شہلا کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ بتا چکی تھی کہ اس نے اپنے حسن کا جال ڈال کر شاہد منظور کو پھنسایا تھا۔

''میں نے بتایا تھا وہ کچھ نہیں جانتا ہے لیکن اس کی مدد سے میں سب معلوم کر چکی ہوں اور بذات خود جا کر دیکھ بھی چکی ہوں کیونکہ اس کی اکثر ڈیوٹی رات کو ہوتی تھی تو میں اس سے ملنے کے بہانے بینک پہنچ جاتی تھی۔ مجھے کیش روم اور لاکر روم دروازوں کے کوڈز بھی معلوم ہو گئے ہیں۔''

''ان کے کوڈز ہر روز بدل دیئے جاتے ہوں گے؟''

''نہیں ان کے کوڈز ہر ہفتے بدلے جاتے ہیں۔ پانچ مختلف کوڈز ہیں اور ہر پانچویں ہفتے پہلے والا کوڈ آ جاتا ہے میرے پاس تمام کوڈز ہیں۔''

ہم صحن میں کھڑے بات کر رہے ہیں۔ شہلا بہت خوش تھی کہ میں نے اس کے اس خوب صورت ٹھکانے کو تباہ نہیں کیا۔ ایاز نے گیٹ کے اوپر سے جھانکا۔ ''شہباز صاحب باقی گفتگو راستے میں بھی ہو سکتی ہے۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا اور سہارا دے کر شہلا کو دیوار پر چڑھانا چاہا لیکن وہ خود ایک ہی چھلانگ میں اوپر چڑھ گئی اور پھر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ اس نے مجھے صحیح سے بے وقوف بنایا تھا وہ تو مجھے بر وقت ترکیب سوجھ گئی اور میں پستول لینے میں کامیاب رہا ورنہ امکان تھا وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی۔ جب تک میں

باہر آیا ایاز اسے پچھلے حصے میں بٹھا کر جیپ اسٹارٹ کر چکا تھا۔ میں بیٹھا اور اس نے جیپ آگے بڑھا دی۔
''جب فائر ہوا تو کسی طرف سے ردِعمل نہیں آیا تھا'' ایاز نے کہا۔ ''لیکن کچھ دیر سے بائیں طرف کے ایک مکان سے ایک بڑی بی آ کر کئی بار جھانک چکی ہیں۔ ان کو شک ہو رہا تھا۔''
''ممکن ہے پولیس کو کال کر دی ہو؟''
''ہو سکتا ہے۔'' ایاز نے کہا اور مجھے یاد دلایا۔ ''خاتون کی آنکھیں بند کرنی ہیں۔''
میں عقب میں آیا اور شہلا کے احتجاج اور مزاحمت کے باوجود اسے دوبارہ ہتھکڑی لگا کر اس کی آنکھوں اور منہ پر ٹیپ لگا دیا۔ اس کے دونوں بیگ اس کے پاس تھے۔ واپس آ کر میں نے فائل کھولی۔ اس میں سچ مچ بینک کا مکمل اندرونی نقشہ تھا اور ایک ایک چیز کی وضاحت تھی۔ اس کے ساتھ لاکر روم کی فل سائز تصاویر تھیں یہ کسی بہترین ڈیجیٹل کیمرے سے لی گئی تھیں اور ان کی ریزولوشن لاجواب تھی۔ ایک کمپیوٹر پرنٹ آؤٹ پر نمبروں سے کھلنے والے تالوں کے نمبرز لکھے تھے۔ دو تالوں کے پانچ مختلف کوڈز تھے جن میں سے ایک ہفتے میں ایک بار استعمال ہوتا تھا۔ رات کے وقت بینک میں چار گارڈ ہوتے تھے۔ دو باہر ہوتے تھے اور دو اندر ہوتے تھے۔ ہر چار گھنٹے بعد اندر اور باہر والوں کی ڈیوٹی بدل جاتی تھی۔
سیکورٹی سپروائزر بینک کے اندرونی حصے میں ہوتا تھا جہاں تک کسی گارڈ کی رسائی بھی ممکن نہیں تھی۔ اگر کوئی ڈکیتی کی نیت سے بینک میں آئے اور اندر والے گارڈز پر بھی قابو پالے تب بھی وہ سیکورٹی سپروائزر پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ سیکورٹی سپروائزر اندر کیمروں کی مدد سے بینک کے باہر اور بیرونی ہال ہر جگہ مکمل نظر رکھے ہوئے ہوتا تھا اور ذرا سا خطرہ دیکھتے ہی وہ نہ صرف الارم بجا دیتا بلکہ پولیس اور سیکورٹی کمپنی کو بھی کال کر دیتا۔ ڈاکو اندر نہیں گھس سکتے تھے کیونکہ انہیں سیف روم کا دروازہ کاٹنا پڑتا اور یہ آسان کام نہیں تھا۔ بینک والوں نے واقعی بہت اچھے حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ ان کی موجودگی میں ڈاکا مارنا یا بینک میں گھسنا آسان کام نہیں تھا لیکن شہلا کا کہنا تھا کہ اس کا حیران کن حد تک آسان پلان تھا جس کی مدد سے بینک میں بآسانی گھسا جا سکتا تھا۔ ہم واپس آئے تو وسیم گیا ہوا تھا۔ اسے اس عورت کے ٹھکانے کا پتا چلانا تھا جسے گزشتہ رات فاضلی اس کوٹھی میں لے گیا تھا۔ ایاز شہلا کو نیچے لے گیا اور میں نے وسیم کے نمبر پر کال کی۔
''کام ہو گیا؟''
''جی جناب اس عورت کا پتا مل گیا ہے۔ اونچی پارٹی ہے۔ ایف سیکٹر میں ایک اپارٹمنٹ میں رہتی ہے۔ نام شبانہ ہے اور کام کا آپ کو پتا ہے۔''
''فاضلی وہاں سے نکلا یا نہیں؟''
''فاضلی نکلا تھا لیکن جو آدمی اس کے پیچھے تھا اس کی بائیک اچانک پنکچر ہو گئی اور فاضلی نکل گیا اس کے بعد وہ دوبارہ کوٹھی کی طرف نہیں آیا ہے۔''
''اس کی قسمت بھی اچھی ہے کئی بار وہ میرے نشانے پر آنے کے بعد نکلا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔
''شبانہ کے لیے کیا پروگرام ہے؟''
''اسے آج رات گھر سے نکلنے پر اٹھا لیا جائے گا اور اگر وہ نہیں نکلی تو یہ کام کل کیا جائے گا۔''

''تم نے ٹھیک سوچا ہے اس کے گھر میں گھسنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''میں نے آپ کی موبائل کمانڈ سینٹر والی بات پر غور کیا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے ہمیں اس کے لیے ایک عدد طاقتور انجن والی وین یا مائیکرو بس درکار ہوگی۔''

''اندازاً کتنے کی مل جائے گی؟'' میں نے دل ہی دل میں اپنے اثاثوں کا حساب لگاتے ہوئے کہا۔

''اچھی حالت میں پرانی وین یا مائیکرو بس پندرہ کے آس پاس میں مل جائے گی۔''

''میں ایاز کے ذمے یہ کام لگاتا ہوں اسے گاڑیوں کے بارے میں بڑی اچھی طرح علم ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کون سی چیز کہاں سے مل جائے گی۔''

''یہ ٹھیک رہے گا اسے میرے پاس بھیج دیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس خبیث کے آدمیوں والا معاملہ سفیر دیکھ لے گا۔'' اس نے مرشد کا نام لینے سے گریز کیا۔

''اس کے لیے میں بھی یہاں ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا میں نے ایاز کو بلایا۔ اُسے اپنے پاس موجود تمام رقم دی۔ یہ کوئی دس لاکھ کے قریب رقم تھی۔ اسے وسیم کے پلان کے بارے میں سمجھایا۔ ''ہمیں ایک اچھی حالت میں وین یا مائیکرو بس کی ضرورت ہے۔ کوشش کرو کہ یہ کام آج ہو جائے اگر مطلوبہ گاڑی مل جائے تو اس کا سودا کر لینا۔''

''میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں۔ میں کئی ایسے شورومز سے واقف ہوں جہاں اس قسم کی گاڑی مل سکتی ہے۔''

''گڈ اسی وجہ سے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔'' میں نے کہا اور سفیر کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''نیچے بیتو کے ساتھ مرشد کے آدمیوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔'' ایاز مسکرایا۔ ''انہوں نے میری ڈیوٹی سنبھال لی ہے۔''

میں نیچے آیا تو قیدیوں کے کمرے سے شور کی آواز آ رہی تھی غالباً یہ جمیل تھا۔ وہ واویلا مچا رہا تھا۔ ''ہائے ربا...... اوئے ظالما...... ہائے...... اوئے نہ مار۔''

میں نے اندر جھانکا تو بیتو اسے پنچنگ بیگ کے طور پر استعمال کر رہا تھا اور اس کا ناک منہ برابر کر دیا تھا۔ سفیر مار دھاڑ والے کاموں سے ذرا گریز کرتا تھا خاص طور سے جب وہ ہاتھ سے کرنا پڑیں اس لیے وہ ایک طرف کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ دوسرے کا نام شاید خرم تھا۔ اس کے پاؤں میں گولی لگی تھی اور وہ ایک طرف دیوار سے ٹکا ہوا کانپ رہا تھا۔ گزشتہ روز کے مقابلے میں اس کی اکڑ میں کمی آئی تھی۔ بھوک، گولی کے خراب ہوتے زخموں کی تکلیف اور سردی کے ساتھ مسلسل خاطر تواضع نے اُن کو سیدھا کر دیا تھا۔ میں اندر آیا اور سفیر سے پوچھا۔

''ان کی یادداشت بہتر ہوئی؟''

سفیر مسکرایا۔ ''بہت حد تک...... اسے یاد آ گیا ہے کہ راحیلہ کا قتل اس نے کیا تھا۔'' اس نے خرم کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور یہ کام اس نے مرشد کے کہنے پر کیا تھا۔''

''کیا فائدہ یہاں یہ اقرار کر رہا ہے لیکن اسے پولیس کے حوالے کیا تو یہ مکر جائے گا اور وہی راگ الاپے گا جو اسے مرشد سمجھائے گا۔'' میں نے مایوسی سے کہا تو وہ بلبلا گیا تھا۔

''نہیں میں پولیس کے سامنے بھی یہی کہوں گا۔''

وہ ہمیں بے وقوف سمجھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ایسے نہیں تم صاف ستھرے ہو کر یہ بیان ریکارڈ کراؤ گے تبھی تمہاری جان چھوٹے گی۔''

وہ بدکا۔ ''کیسا بیان؟''

''یہی کہ تم نے مرشد کے حکم پر کیا کیا جرائم کیے ہیں جیسے اس صحافی عورت راحیلہ کا قتل کیا اور بھی جرم کیے ہوں گے۔''

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''اگر میں بیان دے دوں تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟''

''کیوں نہیں۔'' میں نے بلا تامل کہا۔ ''ہمیں مرشد کے جرائم کا ثبوت درکار ہے تمہارا کوئی اچار تو نہیں ڈالنا ہے۔''

بیتو کا دل بھر گیا تھا اس لیے اس نے جمیل کو چھوڑ دیا اور وہ دیوار سے ٹیک لگائے ہانپ رہا تھا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''اس نے کچھ اگلا ہے؟''

''اسی نے تو بتایا ہے کہ راحیلہ کا قتل خرم نے کیا ہے۔'' بیتو بولا۔ ''پر یہ حرامی پن کر رہا ہے پورا بات نہیں بتا رہا تھا پھر ہم کو غصہ دلایا اور اس کا منہ خراب کر دیا۔''

بیتو کے مکوں نے جمیل کے منہ پر کوئی نصف درجن زخم ڈال دیئے تھے اس کی ایک آنکھ سوجن کی وجہ سے بند ہو رہی تھی اور دوسری میں خون اترا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان سے اب بیان حاصل کر لیا جائے۔ میں بیتو اور سفیر کو باہر لایا۔ ''ان سے بیان حاصل کرنا ہے لیکن پہلے ان کی حالت ٹھیک کرنا ہو گی ورنہ ویڈیو میں تیار کیا ہوا بیان صاف تشدد کی مدد سے حاصل کیا ہوا نظر آئے گا۔''

''اس میں تو کئی دن لگ جائیں گے۔'' سفیر نے اعتراض کیا۔ ''منے نے دوسرے کا حلیہ کچھ زیادہ ہی بگاڑ دیا ہے۔''

''خرم کا حلیہ کسی قدر بہتر ہے۔ اسے کھانے پینے کو دو اور کوئی دوا بھی دے دو۔ اس کی حالت جلد بہتر ہو جائے گی۔''

''کھا پی کر وہ دوبارہ اپنی بات پر اڑ گیا تو؟''

''اس کا علاج ہے جمیل کو قربان کر دیں گے اس کے انجام سے عبرت پکڑ کر وہ مان جائے گا۔''

''جیسا تم کہو۔'' سفیر نے کہا۔ ''لیکن اس بیان کو کہاں استعمال کرو گے عدالتوں میں اس قسم کی چیزوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔''

''لیکن عدالت انہیں بالکل نظر انداز بھی نہیں کرتی ہے۔ حالات اور واقعات کی کڑی ملا کر ایک نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ان سے بیان حاصل کرنے کی تیاری کرو ہم انہیں زیادہ دن یہاں نہیں رکھ سکتے ہیں۔''

سفیر نے خرم کو دوسرے صاف ستھرے کپڑے دیئے اور اسے اپنے زخم صاف کرنے کا موقع بھی فراہم کیا۔ باہر لا کر اسے کھانے پینے کو بھی دیا تھا۔ پھر سفیر نے اسے کچھ دوائیں دیں اور ایک اینٹی بایوٹک انجکشن لگایا تا کہ اس کے زخم کی تکلیف کم ہو۔ جمیل کو اس سلسلے میں بالکل نظر انداز کر دیا تھا دو دن سے اسے کھانے اور پینے کو کچھ نہیں دیا تھا اور پیاس سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔ ایسا ضروری تھا تا کہ خرم عبرت پکڑ تا رہے اور اسے احساس رہے کہ کسی قسم کے انکار کی صورت میں اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ ہمارے پاس ڈیجیٹل کیمرا نہیں تھا لیکن آئی فون میں بہترین قسم کا میگا پکسل کیمرا موجود تھا جو ہائی ڈیفینیشن مووی بھی بنا سکتا تھا اور اس کے اندر کئی جی بی کی میموری تھی جس میں یہ مووی با آسانی محفوظ کی جا سکتی تھی۔ میں نے اسے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ ریکارڈنگ اسی کمرے میں کی جانی تھی کیونکہ یہاں سوائے خالی دیواروں کے اور کچھ نہیں تھا۔ دیواروں پر آف وائٹ میٹ فنش پینٹ تھا۔ اگر چہ دیواروں پر خون کے دھبے آ گئے تھے لیکن کسی ڈٹرجنٹ ملے پانی اور کپڑے سے انہیں با آسانی صاف کیا جا سکتا تھا۔ خرم کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا اور آئی فون کو مووی ریکارڈنگ پر سیٹ کر کے ایک اسٹول پر رکھ دیا تھا اس سے بہت واضح اور بغیر کسی حرکت کے مووی بن رہی تھی۔ تیز روشنی والا بلب آئی فون کے پیچھے تھا اس لیے خرم پوری طرح واضح تھا۔ آئی فون میں آواز کی ریکارڈنگ کا سسٹم بھی تھا۔ میں نے آواز بدل کر خرم سے پہلا سوال کیا۔

''تم نے راحیلہ کو پہلی بار کب دیکھا؟''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔ ''جب وہ مرشد ہاؤس میں تھی۔''

''تم نے دیکھا تو اس وقت وہ کیسی حالت میں تھی؟''

''وہ بے ہوش تھی اور اس کے سارے کپڑے پھٹ گئے تھے۔''

''کیا اس کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی؟''

''لگا تو ایسا ہی تھا لیکن میں نے اپنی آنکھ سے کچھ نہیں دیکھا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم مرشد کے لیے کیا کام کرتے ہو؟''

''جو مرشد بادشاہ کہیں۔''

''اگر وہ کہے کہ کسی کو قتل کرنا ہے، کسی عورت کو اغوا کر کے لانا ہے یا کسی کا گھر جلا دینا ہے تو تم یہ سب کرتے ہو؟''

اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں کیونکہ اگر وہ اقرار کرتا تو ایک طرف قانون کے شکنجے میں اس کی گردن پھنستی تو دوسری طرف مرشد اسے نہ بخشتا۔ بلکہ قانون سے تو وہ شاید بچ جاتا لیکن مرشد اسے اس کے گھر والوں سمیت نمونہ عبرت بنا دیتا۔ مگر وہ جواب دینے سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا مجبوراً اس نے سر ہلایا۔ ''جی جو وہ کہیں وہ مجھے کرنا ہوتا ہے۔''

''تمہارا کام مرشد ہاؤس سے باہر ہوتا ہے۔ اس دن تمہیں اندر کیوں بلایا گیا تھا۔''

''وہ مجھ سے کہا گیا تھا کہ اس عورت کو......''

''کس عورت کو نام سے بتاؤ؟''

''راحیلہ کوٹھکانے لگانا ہے۔'' اس نے بمشکل کہا۔ اتنی مشکل تو اسے اس مظلوم عورت کا گلا دبانے میں پیش نہیں آئی ہوگی جتنی اس کے قتل کے اقرار میں پیش آرہی تھی۔

''تمہیں کس نے حکم دیا تھا کہ اس عورت کو قتل کردو؟''

اس بار اس نے تھوک نگلا اور کئی سیکنڈ کی کوشش کے بعد بولا۔ ''مرشد بادشاہ نے۔''

''یہ مرشد بادشاہ کون ہے؟''

اس نے تعجب سے کہا۔ ''جناب سارا زمانہ جانتا ہے مرشد بادشاہ کون ہیں۔''

''اس کا اصل اور پورا نام بتاؤ؟''

''سید مرشد علی ولد سید مستفید علی۔'' خرم نے جواب دیا وہ سمجھا نہیں تھا کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا تھا میں اس بیان کو عدالتی نکتہ نظر سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تا کہ مرشد کا وکیل اس میں سقم تلاش نہ کر سکے۔ میں نے مرشد ہاؤس کا پتا پوچھا تو اس نے وہ بھی فرفر بتا دیا۔ پھر میں اصل سوال کی طرف آیا۔

''مرشد نے اس صحافی عورت راحیلہ کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا تھا؟''

''یہ تو مرشد بادشاہ ہی جانتے تھے۔ وہ بس حکم دیتے ہیں اور ہمارا کام تعمیل کرنا ہوتا ہے۔'' خرم نے کہا۔

''تو تم نے حکم کی تعمیل کی اور اس مظلوم عورت کا گلا دبا کر اسے ہلاک کر دیا؟''

اس نے بڑی مشکل سے سر ہلایا۔ ''مجبوری تھی مرشد بادشاہ کا حکم تھا۔''

''واضح الفاظ میں بتاؤ کہ تم نے کیا کیا؟''

''میں نے اس کا گلا دبا کر اسے ہلاک کر دیا تھا۔'' وہ ہیجانی انداز میں بولا۔ ''اس سے زیادہ اور کیا صاف بتاؤں۔''

''راحیلہ کی لاش کا کیا ہوا تھا؟''

''مجھے اس بارے میں نہیں معلوم وہ فاضلی لے گیا تھا۔'' خرم نے بتایا تو میں چونک گیا۔ یعنی فاضلی اس معاملے میں بھی ملوث تھا۔ میں نے بیان کو مضبوط کرنے کے لیے اس سے مزید سوالات کیے اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ذکر راحیلہ اور مرشد کا ہی کیا جارہا ہے۔ تقریباً بیس منٹ کی ریکارڈنگ تھی۔ کام مکمل کر کے ہم باہر آئے اور آئی فون پر ہی ریکارڈنگ دیکھی۔ سب کچھ بہترین طریقے سے ریکارڈ ہوا تھا۔ اب ہمیں کمپیوٹر کی ضرورت تھی تا کہ سی ڈیز پر اس بیان کی کاپیاں بنا سکیں لیکن یہاں کمپیوٹر نہیں تھا۔ وہ عبداللہ والی کوٹھی میں تھا۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔

''عبداللہ ہم نے مرشد کے ایک آدمی سے بیان حاصل کر لیا ہے اور اسے مووی کی صورت میں ریکارڈ کر لیا۔''

''کیسا بیان جناب؟''

میں نے اسے مختصر تفصیل بتائی تو وہ خوش ہوگیا۔ ''یہ کام کی چیز ہاتھ آئی ہے۔''

''تم ایسا کرو اس موی کی کئی کاپیاں بنا لو یہاں کمپیوٹر نہیں ہے۔''

''میرے پاس ایک لیپ ٹاپ ہے وہ بھیج دیتا ہوں۔''

''نہیں اس کے بجائے یو ایس بی کے ساتھ اپنا آدمی بھیج دو میں چاہتا ہوں کہ تمہارے بنگلے میں موجود کمپیوٹر کا ماہر اس مووی کو مزید بہتر اور مختصر کر دے کیونکہ آئی فون میں اس کا سائز خاصا بڑا آیا ہے اور پھر اسے پوری طرح چیک کرنے کے بعد سی ڈی یا ڈی وی ڈی پر منتقل کرے۔''

''میں سمجھ گیا میں وسیم صاحب کے ساتھ ذرا مصروف تھا اس لیے گاڑی اور بائیک بھی نہیں بھیج سکا تھا اب دونوں ایک ساتھ بھیج رہا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''وسیم کہاں ہے؟''

''میرے ساتھ ہیں۔''

''بات کرانا۔'' میں نے کہا تو عبداللہ نے موبائل وسیم کو دے دیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''کمانڈ سینٹر کے لیے آلات کا انتخاب کر رہے ہیں ابھی کچھ دیر میں ایاز کے ساتھ وین دیکھنے کے لیے جانا ہے۔''

''ایاز یہاں ہے؟''

''نہیں وہ باہر ہے مجھے باہر سے پک کرے گا۔''

میرے ساتھی سمجھدار تھے وہ بلا وجہ عبداللہ والی کوٹھی کی طرف جانے سے گریز کرتے تھے۔ تا کہ دشمن کی وہاں تک رسائی کا اندیشہ کم سے کم رہے۔ ''کال گرل والے معاملے کا کیا بنا؟''

''آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں اور جیسے ہی وہ باہر نکلے گی اسے اٹھا لیں گے۔''

''میرا خیال ہے اسے بھی اسی ٹھکانے پر لے آؤ۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں خاصی گنجائش ہے اور پوچھ گچھ میں بھی آسانی رہتی ہے۔''

''یہی مناسب ہوگا۔'' وسیم نے کہا میں نے اسے مرشد کے آدمی سے حاصل شدہ اقبالی بیان کے بارے میں بتایا تو وہ بھی خوش ہو گیا۔

''یہ زبردست کام ہوا ہے اب آیا نا اونٹ پہاڑ تلے۔''

''لیکن زیادہ خوش فہمی کی ضرورت بھی نہیں ہے مرشد فی الحال بہت طاقتور اور بارسوخ ہے۔''

''لیکن شہباز صاحب کبھی نہ کبھی تو اونٹ پہاڑ تلے آئے گا۔ یہ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا ایمان ہے کہ اللہ ظالم کی رسی ایک حد تک دراز کرتا ہے اور جب رسی کھینچتا ہے تو اسے کہیں پناہ نہیں ملتی ہے۔''

''میں تم سے متفق ہوں اور اسی بھروسے پر اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہوں۔''

''شہلا کے معاملے کا کیا بنا؟''

میں نے اسے بتایا۔ ''اس کے پاس کوئی ایسا پلان ہے جس کی مدد سے بینک میں داخل ہو کر کارروائی کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔''

''اس سے پلان نکلوائیں لیکن اس پر اعتماد نہ کریں۔''

''اعتماد تو بالکل نہیں ہے لیکن یہ بہت شاطر عورت ہے آج بھی ہاتھ سے نکل گئی تھی۔'' میں نے وسیم کو بتایا

کہ شہلا کے نئے ٹھکانے پہنچ کر اس نے کیا حرکت کی تھی۔

''آپ کو وہاں پر بھی اس کے ہاتھ باندھ کر رکھنے چاہیے تھے۔''

''بھائی انسان ہوں غلطی انسان سے ہوتی ہے۔''

وسیم سے بات کر کے میں نے موبائل بند کر دیا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''یار اپنے آدمی سے کہنا کھانے کے لیے بھی کچھ لیتا آئے ابھی تک دوپہر کا کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔''

''ہم تو بھوک سے فوت ہونے والا ہے۔'' بیتو نے دور سے کہا۔

عبداللہ ہنسا۔ ''آپ فکر نہ کریں یہاں ٹفن پیک ہو رہے ہیں آج خواتین نے زبردست لنچ بنایا ہے۔''

فون بند کر کے میں نے بیتو کو خوش خبری سنائی اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ ''شوبی قسم سے باہر کا کھا کھا کر میرا منہ اتر گیا ہے۔ کتنے دن بعد دیدی کے ہاتھ کا کھانا ملے گا۔''

''بیٹے اگر مونا نے بنایا ہوا تو یہ منہ بالکل اتر جائے گا۔'' سفیر نے بیتو کا گال تھپتھپا کر کہا۔ ''تمہیں ابھی اس کے ہاتھ کے کھانوں کا تجربہ نہیں ہے۔''

''یار کیوں جھوٹ بول رہا ہے اتنا اچھا تو بناتی ہے۔ شادی سے پہلے تو تُو کھانے کے لیے مرا جاتا تھا۔ ہر روز اس کے گھر ڈنر پر مُصر ہوتا تھا۔''

سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''یار وہ شادی سے پہلے کا دور تھا اس وقت تو وہ اُبلا ہوا چڑا بھی کھانے کو پیش کرتی تو میں خوشی خوشی کھا جاتا۔''

''لیکن میں اُبلا ہوا چڑا کسی صورت نہیں کھا سکتا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے یاد ہے اس وقت وہ بہت اچھا بناتی تھی اگر چہ اسے سب بنانا نہیں آتا تھا۔''

''بس بھائی شادی ہوتے ہی وہ سب بھول گئی۔'' سفیر نے ایک اور سرد آہ بھری۔ تو بیتو فکر مند نظر آنے لگا اس نے فوراً سعدیہ کا نمبر ملایا۔

''دیدی ہم بات کرتا ہے، آج کھانا کس نے بنایا ہے..... ہاں ہم ٹھیک ہے..... ہم کھانے کا پوچھ رہا ہے..... اچھا.....'' کچھ دیر بعد اس نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پلاؤ مونا دیدی نے بنایا ہے اور بروسٹ بھی..... صرف شامی کباب آپ نے بنایا ہے۔'' اس نے فون بند کر کے ہماری طرف دیکھا۔ ''ہم صرف شامی کباب کھا کر گزارا کرے گا۔''

''یہ میری بیوی کی توہین ہے۔'' سفیر بولا۔ ''تمہیں پلاؤ اور بروسٹ بھی کھانا ہوگا۔''

''اچھا ہم چکھ لے گا۔'' بیتو نے درمیانی راستہ نکالا۔

''یار پہلے خود کہہ کر اس بے چارے کو ڈرا دیا اور اب اپنی بیوی کے ہاتھ کا بنا کھانا کھلانے پر اصرار کر رہے ہو۔''

''ہاں آپ خود کھائے گا بیوی آپ کا ہے۔'' بیتو نے جلدی سے کہا۔ ''ہم مجبور نہیں ہے آپ مجبور ہے۔''

سفیر نے سر ہلایا۔ ''یہ تو تم نے پتے کی بات کی منے واقعی مجبور تو میں ہوں تم سب مرد آزاد ہو۔''

کچھ دیر بعد عبداللہ کے آدمی کار اور بائیک لے کر آ گئے۔ کار وٹز تھی اور بائیک وہی تھی جو میں نے ایاز کے

ساتھ جا کر لی تھی۔ وہ کھانوں سے بھرے کئی ٹفن بھی لے کر آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے پیغام بھی دیا۔

''یہ ٹفن واپس چاہئیں۔ دوبارہ کھانا بھیجنے کے کام آئیں گے۔''

بیتو اور سفیر نے کھانا لے جا کر دوسرے برتنوں میں منتقل کیا اور سگھڑ بیبیوں کی طرح صرف وہی نکالا جو ابھی کھانا تھا، باقی فریج میں محفوظ کر دیا۔

وہ یو ایس بی لائے تھے اسے آئی فون سے لگا کر مووی اس میں کاپی کی۔ یو ایس بی اور خالی ٹفن لے کر وہ ٹیکسی میں رخصت ہو گئے جسے وہ راستے سے ساتھ لیتے آئے تھے۔ ان کے جاتے ہی ہم کھانے پر ٹوٹ پڑے کیونکہ بھوک سے سب کا برا حال تھا۔ خلافِ توقع پلاؤ اور بروسٹ سب سے مزے کا ثابت ہوا کیونکہ وہ سعدیہ نے بنایا تھا اور شامی کباب مناسب تھے یہ شاہین نے تیار کیے تھے۔ مونا نے متنجن بنایا تھا اور یہ بھی شاندار تھا۔ کھانے کے دوران مجھے خیال آیا اور میں نے بیتو سے ایک ٹرے منگوا کر اس میں تھوڑی تھوڑی ہر چیز نکالی اور اسے شہلا کو بھجوا دیا۔ یقیناً اسے بھی بھوک لگی ہوگی۔ البتہ قیدیوں کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ ان کے لیے فی الحال فاقہ ہی مناسب ہوگا کیونکہ ابھی ان سے اور بھی بہت کچھ اگلوانا تھا۔

بیتو خوش تھا اس نے جوابی کارروائی کے طور پر متنجن کو فضول قرار دیا کیونکہ وہ مونا نے بنایا تھا اس پر دونوں کی ہلکی پھلکی جھڑپ ہوئی تھی۔ ہلکی پھلکی اس لیے کہ کھا پی کر دونوں پر خمار طاری ہونے لگا تھا۔ بیتو کمبل لے کر وہیں صوفے پر دراز ہو گیا اور سفیر نے پہلے فلور کے بیڈروم کا رخ کیا۔ وہ مونا سے دوری کا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ یعنی ڈٹ کر سو رہا تھا۔ میں نے کھانے میں ہاتھ ہلکا رکھا تھا۔ صابر صبح وسیم کے ساتھ چلا گیا تھا اس لیے اب یہاں بس ہم تین تھے۔ شہلا اور قیدیوں کی نگرانی کے لیے کسی نہ کسی کا جاگتے رہنا ضروری تھا۔ میں نے دو کپ کافی تیار کی اور شہلا کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ بھی پیٹ بھرنے کے بعد کمبل میں دبکی ہوئی اونگھ رہی تھی۔ اس نے نہا دھو کر کپڑے بدل لیے تھے۔ صبح صابر نے گیزر میں تازہ لکڑیاں ڈالی تھیں اس لیے ابھی تک گرم پانی آ رہا تھا۔ شہلا نے ایک عدد اونی لیگن کے ساتھ چھوٹی سی فراک نما شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ جس کا گلا تا حدِ نگاہ کشادہ تھا۔ اوپر سے اس نے سامنے سے بٹنوں سے بند ہونے والا ایک بیگی اسٹائل کا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ اس کے صرف دو نچلے بٹن بند تھے اور وہ گریبان کی کشادگی میں دخل اندازی سے قطعی گریزاں تھا۔ میں نے حسبِ معمول پہلے لاحول پڑھی اور پھر اس سے کہا۔

''کیا خیال ہے اب کام کی بات کی جائے؟''

اس نے پُرخمار نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''کرو تمہیں کس نے روکا ہے؟''

میں نے کافی کا دوسرا مگ بستر کے ساتھ دراز پر رکھ دیا۔ ''شہلا مجھے تمہارا پلان چاہیے ہم بینک میں کس طرح بہت آسانی سے گھس سکتے ہیں اور اپنا کام کر سکتے ہیں؟''

وہ کمبل ایک طرف کر کے بیٹھ گئی اور جلدی سے کافی کا مگ اٹھا لیا۔ ''اُف کتنے دنوں بعد اچھی کافی نصیب ہوئی ہے۔''

میں ایک طرف رکھی صوفہ نما سیٹنگ پر ٹک گیا۔ ''یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔''

''جواب بہت سادہ سا ہے۔'' اس نے ایک سِپ لے کر کہا۔ ''تم میری مدد سے بینک میں داخل ہو

گے۔ کیونکہ تم نے اندر کے حفاظتی انتظامات دیکھ لیے ہوں گے؟ کوئی باہر موجود گارڈز پر قابو پالے تب بھی وہ بینک کے سیف روم اور لاکرز والے حصے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اندر شاہد منظور یا اس کی جگہ کوئی دوسرا سیکورٹی سپروائزر ہوتا ہے۔ وہ باہر گڑبڑ محسوس کرتے ہی پولیس کو کال کردے گا اور الارم بجاوے گا۔ اس کے حصے میں اسی وقت داخل ہوا جاسکتا ہے جب وہ اندر سے لاک کھول دے۔"

"یہ لاک کون کھلوائے گا؟"

"میں۔" اس نے ایک خاص پوز بناتے ہوئے اپنے سینے پر ایک ادا سے یوں انگلی رکھی کہ مجھے پھر لاحول پڑھنا پڑی۔ "کیوں کیا میں یہ کام نہیں کرسکتی۔"

"تم کیا نہیں کرسکتی ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن خدا کے لیے اس وقت اپنی توجہ صرف پلان پر مرکوز رکھو۔"

"اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے ابھی تو بہت وقت ہے۔"

میرے پاس وقت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تاخیر سے یہ معاملہ خراب ہوسکتا ہے۔ فتح خان کے علم میں یہ لاکر ہے اور وہ خود وہاں براہِ راست کارروائی کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر وہ خود نہ کرے تب بھی ہماری راہ میں روڑے تو اٹکا سکتا ہے۔"

فتح خان کا ذکر سن کر وہ فکرمند ہوگئی۔ "وہ کیسے؟"

"بہت آسان ہے وہ بینک انتظامیہ کو لاکر کے بارے میں بتادے گا اور ممکن ہے لاکر اور اس میں رکھی اشیا سرکاری تحویل میں لے لی جائیں۔"

"ہاں اس کا خطرہ ہے۔" اس نے تسلیم کیا۔

"اسی لیے میں کہہ رہا ہوں ہمارا جلد از جلد لاکر تک پہنچ جانا ضروری ہے اور پلیز سیدھی ہوکر بیٹھو۔"

شہلا سنجیدہ ہوگئی کیونکہ اس نے اپنا خاص پوز ترک کردیا اور سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ "ٹھیک ہے میں راضی ہوں اب بتاؤ یہ کام کب کرنا ہے۔ اصل میں مجھے قابلِ اعتماد ساتھی میسر نہیں تھے ورنہ میں بہت پہلے یہ کام کرچکی ہوتی۔ اس کام کے لیے کم سے کم پانچ افراد کی ضرورت ہے۔"

"اب تمہیں ساتھی میسر ہیں۔ تم ایک بار ہمیں بینک کے اندر تک پہنچاؤ گی اس کے بعد کا کام ہمارا ہے۔"

"صرف ساتھی ہی نہیں بلکہ کچھ خاص اوزار بھی درکار ہوں گے۔ لاکر سخت ترین میٹل کے ہیں لیکن یہ میٹل بہت زیادہ موٹی نہیں ہے اسے ڈرل اور الیکٹرک آری کی مدد سے آسانی سے کاٹا جاسکتا ہے۔"

"یہ دونوں چیزیں بھی مل جائیں گی۔" میں نے کہا۔ "بس اتنا سا پلان ہے تمہارا؟"

"ہاں میں نے کہا تھا نا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ بتاؤ اس سے سادہ پلان اور کوئی ہوسکتا ہے۔" وہ فخر سے بولی۔

میں نے غور کیا اور پھر اعتراف کیا۔ "شاید نہیں۔"

"میں نے بہت محنت کرکے یہ کام کیا ہے۔ ایک بار میں نے اندر پہنچ کر شاہد منظور کو قابو کرلیا تو اس کے بعد پھر کیا رہ جاتا ہے۔"

"چار عدد گارڈز پھر بھی باقی رہ جائیں گے اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا تو

ملہ ہو جائے گا۔ کیونکہ فائر کی صورت میں ہمارے پاس اتنا وقت نہیں رہے گا کہ لاکر کاٹ سکیں۔"

"میں نے اس کی ترکیب بھی سوچ لی ہے۔ میں کافی بنا کر لے جاؤں گی۔ اس میں بے ہوشی کی دوا ہو گی۔ اگر میں گارڈز کو کافی پیش کروں گی تو سردی کی وجہ سے وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"ممکن ہے ان میں سے کسی کو کافی پسند نہ ہو اور وہ انکار کر دے۔"

اس سوال پر شہلا بھنا گئی تھی۔ "تو تم لوگ کس مرض کی دوا ہو جو ایک رہ جائے گا اسے تم قابو نہیں کر سکو گے؟"

درحقیقت شہلا کا منصوبہ بہترین تھا۔ بینک کے دفاعی انتظامات کا اس سے بہتر توڑ ممکن ہی نہیں تھا۔ توڑ وہ پہلے ہی کر چکی تھی بس اب اسے عملی طور پر آزمانا تھا۔ میں نے جو سوالات کیے تھے وہ بائی دی وے تھے کیونکہ اس قسم کے منصوبوں میں سو فیصد درستگی ممکن نہیں ہے خطرے کا عنصر کم ہو سکتا ہے لیکن ختم نہیں ہو سکتا ہے۔ ناکامی کے امکانات ہر حال میں ہوتے ہیں۔ میں صرف اسے چھیڑ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے ہم یہ کام کر لیں گے لیکن تم شاہد منظور کو اپنی بات ماننے پر کس طرح مجبور کرو گی۔"

"پستول کی مدد سے۔" اس نے جواب دیا۔ "بلکہ شاید اس کی ضرورت بھی نہ پڑے کیونکہ میں وہی کافی اسے بھی دوں گی۔ پھر بھی پستول لازمی ہوگا۔"

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ شہلا کو اسلحہ دینا خطرے سے خالی نہیں تھا وہ اس سے ناجائز فائدہ بھی اٹھا سکتی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ "تم کئی ہو گے اور میں ایک پستول سے سب کو تو ہینڈز اپ نہیں کر سکتی دوسرے میں وہاں کوئی حرکت کروں گی تو یہ تو پھنسنے والی بات ہو گی۔ مجھ پر اعتماد کرو۔"

میں نے سر ہلایا۔ "شاید ایسا ہی کرنا پڑے، لیکن مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا پڑے گا۔"

"میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے میں نے دیکھا ہے تم جو کہتے ہو تمہارے ساتھی بلا چوں چرا اس پر عمل کرتے ہیں۔"

"کیونکہ وہ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں لیکن اس قسم کے معاملات میں مشورہ بہتر ہوتا ہے۔ ایک دماغ کے مقابلے میں کئی دماغ یقیناً زیادہ بہتر سوچ سکتے ہیں۔"

شہلا کچھ فکر مند لگ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "شہباز بعض اوقات مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔"

"مجھ سے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "میرے خیال میں تو میں نہایت شریف آدمی ہوں اور خواتین کو مجھ سے ڈرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔"

"اسی لیے تو ڈر لگتا ہے۔" وہ بولی۔

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "زمانہ ہی بدل گیا ہے پہلے خواتین مردوں کی بدمعاشی سے ڈرتی تھیں اور اب شرافت سے ڈرنے لگی ہیں۔"

وہ جھنجھلا گئی۔ "میرا مطلب ہے کہ کہیں تم لاکر میں موجود پروفیسر کا دوسرا اسٹف بھی میرے حوالے کرنے سے انکار نہ کر دو۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں مجھے صرف اپنے بریف کیس سے مطلب ہے۔" میں نے کہا۔ "میں قسم کھا کر

کہتا ہوں کہ لاکر سے سوائے بریف کیس کے اور کچھ نہیں لوں گا۔''

شہلا کے چہرے پر اطمینان نمودار ہوا۔''اب مجھے یقین ہے۔''

''ویسے بینک سے تم کہاں جاؤ گی؟''

''کہیں بھی جاؤں گی۔ تمہیں نہیں بتا سکتی۔ بینک سے ہمارے راستے الگ ہوں گے۔''

''تو طے ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا اور اس کا خالی ہونے والا مگ بھی اٹھا لیا۔''میرا خیال ہے ایک دو دن میں کارروائی کر لیں گے۔ تم شاہد منظور سے رابطہ کس طرح کرو گی؟''

''میرے پاس اس کا نمبر ہے۔ صرف یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس کی شفٹ کب کی ہے۔''

میں نے سوچا اور شہلا سے شاہد منظور کا حلیہ پوچھا۔ اس نے بڑی وضاحت سے اس کے بارے میں بتایا۔ اس کی سب سے اہم نشانی یہ تھی کہ وہ لنگڑا کر چلتا تھا کسی زمانے میں اسے عرق النسا کا مرض ہو گیا تھا جو علاج سے ٹھیک ہو گیا لیکن اس کی ٹانگ میں لنگ چھوڑ گیا۔ میں نے کہا۔''عورتوں کا شوقین لگتا ہے مرض بھی کون سا ہوا جس میں نسا آتا ہے۔ یہ اس کے کردار میں بھی لنگ چھوڑ گیا ہے۔''

شہلا ہنسی۔''ٹھیک کہا تم نے عورتوں کا شوقین ہے بلکہ ترسا ہوا ہے۔ خوب صورت عورت دیکھتے ہی اس کی عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔''

''جیسا کہ تمہارے کیس میں ہوا۔''

''یقین کرو اگر اس کی جگہ کوئی ذرا بھی مضبوط کردار کا آدمی ہوتا تو مجھے کبھی بینک کے اس حصے میں آنے کی اجازت نہ دیتا لیکن وہ ایسا ٹھرکی ہے کہ بس میری آواز سن لے بستر مرگ پر ہوگا تو وہاں بھی بلا لے گا۔'' وہ بولی تو میں نے اسے افسوس سے دیکھا۔ شہلا دیکھنے میں خوب صورت اور باوقار لگتی تھی لیکن اس کا کردار کسی کال گرل سے بہتر نہیں تھا۔ اصل میں ہماری ایلیٹ کلاس مادر پدر آزاد ہو چکی ہے۔ ویسٹرن لائف اسٹائل میں یہ ویسٹ والوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں کیونکہ ویسٹ والوں کا کم سے کم ضمیر تو زندہ ہوتا ہے ان لوگوں کا تو ضمیر بھی مردہ ہو چکا ہے اور یہ کسی گلی سڑی لاش کی طرح اس ملک اور معاشرے پر مسلط ہو چکے ہیں۔ ہمارے ملک کے موجودہ بگاڑ کا ذمے دار یہی ایلیٹ کلاس ہے۔ یہ اس ملک میں رہتے ہیں۔ یہاں کاروبار اور ملازمتیں کرتے ہیں، تعلیم حاصل کرتے ہیں، تفریح کرتے ہیں اور بہترین گھروں میں پوری آسائشوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں لیکن یہ خود کو پاکستانی نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کی اصل دولت اور جائیداد بیرون ملک ہے اور ان کے پاسپورٹ اور بیگز ہمیشہ تیار رہتے ہیں کہ جیسے ان پر یا خدا ناخواستہ ملک پر کوئی برا وقت آیا تو یہ فوری طور پر یہاں سے نکل جائیں گے۔ ضروری نہیں ہے ان میں تمام لوگ خراب ہی ہوں۔ ان میں بہت سارے اچھے لوگ بھی ہوں لیکن میں ان تمام لوگوں کو اس ایلیٹ کلاس کا سمجھتا ہوں جو خود کو پاکستانی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے خراب وقت کے لیے اپنا ٹھکانہ پہلے ہی کہیں اور بنا لیا ہے۔ ان میں وہ معمولی الیکٹریشن بھی شامل ہے جو موقع ملنے پر اس عزم کے ساتھ ملک سے نکلتا ہے کہ دوبارہ یہاں واپس نہیں آئے گا اور وہ ارب پتی بھی شامل ہے جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا ہو اور اس کا عمر کا بڑا حصہ ملک سے باہر گزرا ہو۔

بدقسمتی سے یہ ایلیٹ کلاس دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے یعنی ایسے افراد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو

کستان کو اپنا ملک سمجھتے ہی نہیں ہیں اور جب وہ اسے اپنا ملک نہیں سمجھیں گے تو اس کے مسائل سے ان کا کیا
تعلق ہوگا۔ شہلا کا شمار بھی ایسے ہی پاکستانیوں میں ہوتا تھا جن کی پاکستانیت صرف ایک شناختی کارڈ اور ایک
گرین پاسپورٹ تک محدود تھی۔ میں اس کے کمرے سے نکلا تو مجھے اپنا دل بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ بیتو اور سفیر سو
رہے تھے میں کافی کے مگ کچن میں رکھ کر باہر صحن میں نکل آیا۔ سورج کی روشنی اپنے آخری دموں پر تھی۔ کچھ دیر
بعد اندھیرا چھا جاتا اور سردی کی شدت میں اضافہ ہو جاتا۔ صحن میں سردی تھی کیونکہ سورج مغرب کی طرف جھکنے
سے یہ حصہ سائے میں آ گیا تھا۔ سابق مالک نے یہاں کچھ پودے لگائے تھے جو دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے
مرجھا گئے تھے۔ ایک نارنگی اور ایک عدد لوکاٹ کا درخت لگا ہوا تھا۔ دونوں پانی کی کمی سے سوکھے کا شکار ہو رہے
تھے۔ کیونکہ ڈھلان ہونے کی وجہ سے بارشوں کا پانی بھی تیزی سے بہہ جاتا تھا اور ان کو بہت کم پانی ملتا تھا۔
میں نے صحن میں لگے نلکے اور پائپ کی مدد سے انہیں پانی دیا۔



ممکن ہے مجھے پھر موقع نہیں ملتا اور ممکن ہے میں دوبارہ یہاں نہیں آتا لیکن آج مجھے موقع مل رہا تھا تو میں
ان کو کیوں پانی نہ دیتا۔ آپ یقین کریں جب میں نے ان درختوں کو پانی دیا تو میرے اندر موجود بوجھ ہلکا ہونے
لگا اور کچھ دیر میں، مَیں اس بوجھ سے آزاد ہو گیا تھا۔ پانی پڑنے سے مٹی اور درختوں سے انوکھی خوشبو آئی تھی جیسے
وہ خوشبو کے ذریعے میرا شکریہ ادا کر رہے ہوں۔ اچانک موبائل کی بیل بجی تو میں چونک گیا۔ وسیم کال کر رہا تھا۔
میں نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو۔''

''شہباز صاحب۔'' وسیم نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ ''خوشخبری ہے شبانہ ہاتھ آ گئی ہے۔ وہ دوپہر میں باہر
نکلی تھی ایک جگہ ہمارے آدمیوں نے اسے روک لیا اور اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے آئے ہیں۔ فی الحال اسے آنکھ،
منہ اور ہاتھ بند کر کے رکھا ہے۔ رات کو آپ کی طرف منتقل کریں گے۔''

''یہ اچھا ہوا کوشش کرنا وہ کسی کو دیکھنے نہ پائے اور ہم رات میں ہی اس سے پوچھ گچھ کر کے اسے صبح سے
پہلے واپس چھوڑ دیں گے۔''

وسیم فکرمند ہو گیا۔ ''کیا اسے واپس چھوڑنا مناسب ہوگا؟''

''میرے خیال میں یہی بہتر ہے کیونکہ اس کے مستقل غائب ہونے کی صورت میں فاضلی چونک جائے
گا اور وہ بہت شاطر آدمی ہے۔ ہم اسے سمجھا سکتے ہیں کہ منہ بند رکھنے میں اس کی عافیت ہے۔ امکان یہی ہے کہ
وہ زبان بند رکھے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' وسیم نے آمادگی ظاہر کی۔ ''میں نے مرشد کے آدمی کے اعترافی بیان کی ویڈیو دیکھی ہے۔
اسے دیکھ کر یقیناً مرشد کی ہوا خراب ہو جائے گی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ ویسے وہ کتے کی دم ہے اور مشکل سے ہی سیدھا ہوگا لیکن اسے جھٹکا ضرور
لگے گا۔ اسے یہ ویڈیو کسی طریقے سے پہنچا دی جائے بلکہ آج ہی پہنچا دی جائے۔''

''میں کسی کی ذمے داری لگاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''لیکن کوئی کچا طریقہ اختیار مت کرنا جس سے ہمارے کسی آدمی پر آنچ آئے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔

''آپ فکر نہ کریں میں کسی اور سے کام لوں گا۔'' وسیم نے کہا۔''میں اور ایاز ایک وین پسند کر آئے ہیں۔ یہ فورڈ کا کوئی دس سال پہلے کا ماڈل ہے ہمارے ہاں یہ زیادہ نظر نہیں آتا ہے لیکن بہت اچھی اور مضبوط قسم کی گاڑی ہے اس کا انجن بہت طاقتور ہے اور مالک نے بہت سنبھال کر رکھی تھی۔ اصل میں وہ سیاحت کا شوقین ہے اور اس نے گھومنے پھرنے کے لیے وین لی تھی۔ اسی میں رہائش بھی رکھتا تھا۔ مگر آج کل حالات گھومنے پھرنے والے نہیں ہیں اس لیے وہ باہر شفٹ ہو رہا ہے اور گاڑی سیل کر رہا ہے۔''

میں نے سرد آہ بھری۔''ہاں یار جو بھی یہاں سے جانے کی استعداد رکھتا ہے وہ جا رہا ہے اور بس وہی رہ رہا ہے جو استعداد نہیں رکھتا ہے۔''

وسیم نے کہا۔''صرف چھ لاکھ میں مل گئی ہے۔ انجن اے ون ہے بس اپنی مرضی کے لحاظ سے کچھ تبدیلیاں کرانی ہیں اور اس پر کوئی دو لاکھ کا خرچ آئے گا۔ میں نے مشینیں بھی چن لی ہیں جو وین میں نصب کرنی ہیں اس کی مکمل تیاری میں کوئی ایک ہفتہ لگے گا۔''

''ٹھیک ہے تب تک ہم شہلا والا معاملہ نمٹا لیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔''اس نے پلان بتایا ہے اور مجھے اچھا بھی لگا ہے لیکن تم آ جاؤ تو اس پر ڈسکس کرتے ہیں۔''

''میں رات میں شبانہ کو لے کر آؤں گا۔'' وسیم نے کہا۔''شاید نو یا دس بجے تک آؤں گا۔''

وسیم سعدیہ کے ساتھ تھا اور یقیناً اس بہانے اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا اس لیے میں نے جلد آنے پر اصرار نہیں کیا۔ سعدیہ کا اس پر زیادہ حق تھا۔ وسیم سے بات کر کے میں اندر آیا تو سفیر جاگ گیا تھا اس نے مجھے دیکھتے ہی معنی خیز انداز میں کہا۔''خاتون سے کیا راز و نیاز ہو رہے تھے بڑی دیر تک اندر رہے؟''

''لگتا ہے تم سونے کے بجائے نگرانی کرتے رہے تھے۔'' میں صوفے پر دراز ہو گیا۔''خاتون نے اپنا پلان اُگل دیا ہے۔ مجھے اچھا لگا ہے رات کو وسیم اس کال گرل کو لا رہا ہے جسے فاضلی ساتھ لے گیا تھا۔''

''اچھا۔'' سفیر نے دلچسپی سے کہا۔''ویسے یار اس قسم کی خواتین کچھ زیادہ ہی ہمارے پلے پڑنے لگی ہیں۔''

''بس یار قسمت کی بات ہے۔''

سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔''مزے کی بات ہے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔''

میں نے اسے گھورا۔''بیٹے تم مونا کی غیر موجودگی میں کچھ زیادہ ہی آپے سے باہر نہیں ہو جاتے ہو۔''

''تو بھی یار بن کر رہ سالا نہ بن۔'' سفیر نے ڈھٹائی سے کہا۔''یہ بتا کوئی چائے کافی ملے گی؟''

''کیوں نہیں، کچن میں دونوں کو ایجاد کرنے کا سامان موجود ہے ہمت کر اور میرے لیے بھی بنا لا۔''

سفیر نے سرد آہ بھری۔''بیوی نے نکما کر دیا غالب ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔''

میں ہنسا۔''ہاں اب نہ آدمی رہے ہو اور نہ کام کے۔''

سفیر نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا۔''بکواس نہ کر کچھ عرصے بعد تو بھی شوہر ہو گا۔''

''یہ تو ہے پر شوہر شوہر میں بھی فرق ہوتا ہے بھائی۔''

سفیر چائے بنانے کے لیے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد بیتو جماہیاں لیتا ہوا اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔''شو

آج کل ہم کو اتنا نیند کیوں آنے لگا ہے۔''

''برخوردار اس عمر میں سب کام زیادہ ہوتے ہیں۔ بھوک زیادہ لگتی ہے، نیند زیادہ آتی ہے اور لڑکیاں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔''

''اس کے بعد آدمی کی شادی ہو جاتی ہے۔'' سفیر چائے لے کر لاؤنج میں آیا۔ ''بھوک مر جاتی ہے، نیند اڑ جاتی ہے اور آدمی صرف اپنی بیوی کو دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔''

''تمہارے کیس میں تو ایسا نہیں ہوا ہے۔'' میں نے اپنا کپ اٹھالیا۔ ''تمہیں بھوک بھی خوب لگتی ہے اور نیند بھی خوب آتی ہے اور جہاں تک لڑکیوں کے اچھا لگنے کا تعلق ہے تو تمہارے شوق میں آج بھی کمی نہیں آئی۔''

چائے اسی قسم کی خوش گپیوں میں ختم ہوئی۔ بیتو برتن اٹھا کر لے گیا اور میں نے سفیر سے کہا۔ ''تُو نے اپنی سابقہ گرل فرینڈ سے رابطہ کیا؟''

''کیا خوب یاد دلایا۔'' اس نے موبائل اٹھایا۔ ''اس کا نمبر مل گیا ہے لیکن بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔'' اس نے کال ملائی۔ ''یاسمین میں سفیر بات کر رہا ہوں۔'' سفیر نے کہہ کر موبائل کی طرف دیکھا اور خفت سے بولا۔ ''اُلو کی پٹھی نے لائن کاٹ دی۔''

''لگا رہ یار کب تک لائن کاٹے گی آخر کبھی تو لائن دینے پر مجبور ہو گی۔'' میں نے اسے حوصلہ دیا اور اس نے دوبارہ نمبر ملایا۔

''یاسمین پلیز لائن مت کاٹنا میری بات تو سنو...... ٹھیک ہے...... مجھے تسلیم ہے...... اچھا کب مبارک ہو...... میں نے بھی کر لی ہے...... ہاں اسی مونا سے......'' سفیر کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ یاسمین کی شادی ہو گئی تھی اور شاید اسی لیے وہ سفیر سے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر سفیر کم نہیں ہے اس نے کسی طرح اسے باتوں میں پھنسالیا۔ کوئی دس منٹ کی گپ شپ کے بعد وہ مطلب کی بات پر آ گیا۔ ''یاسمین تمہارا تعلق اخبار کی دنیا سے ہے مجھے ایک صحافی خاتون کے مرڈر کے بارے میں معلوم کرنا ہے...... ہاں میں راحیلہ کی بات کر رہا ہوں...... اچھا تم نے اس پر آرٹیکل لکھا ہے۔''

میں نے اشارے سے سفیر سے کہا کہ وہ اس سے ملاقات کا کہے۔ سفیر نے سر ہلایا اور کچھ دیر بعد ملاقات کی بات کی۔ ''ہاں مجھے اس سلسلے میں ضروری معلومات درکار ہیں اگر تم کہیں باہر مل سکو تو......''

کچھ دیر بعد سفیر نے موبائل بند کر دیا اور میری طرف دیکھا۔ ''یار وہ تو خود اس معاملے میں تحقیق کرتی رہی ہے اور اس نے راحیلہ کے مرڈر پر کئی کالم لکھے ہیں۔''

''کوئی کام کی بات بتائی ہے؟''

''بہت ہی کام کی بات ہے۔ راحیلہ اپنے آخری دنوں میں مرشد کی وزارت کی کرپشن پر کئی پروگرام کر چکی تھی اور اسے اس سلسلے میں باقاعدہ دھمکیاں مل رہی تھیں۔''

''کیا پولیس کو ان دھمکیوں کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا؟''

''پولیس۔'' سفیر طنزیہ انداز میں ہنسا۔ ''وہ مرشد کی غلام بنی ہوئی ہے پہلے بھی تھی لیکن جب سے وہ حکومت میں آیا ہے بندہ بے دام بنی ہوئی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کیس کی تفتیش جان کر غلط رخ پر کی جا رہی ہے۔ راحیلہ کے شوہر اختر ملک پر فردِ جرم عائد کی گئی ہے؟''

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں ابھی تک پولیس نے اس کے خلاف چالان پیش نہیں کیا ہے۔''

''میرا خیال ہے وہ صرف مرشد کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اختر ملک کے خلاف کمزور کیس پیش کیا جائے گا اور اگر اختر کھل کر مرشد پر الزام نہیں لگا رہا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ بک گیا ہے یا ڈر گیا ہے۔''

''اس کا اندازہ چالان سے ہو جائے گا اگر پولیس نے مضبوط کیس بنایا تو اس کا مطلب ہوگا کہ اختر بکا نہیں ہے اور پولیس اسے لٹکانے یا لمبی مدت کے لیے جیل بھیجنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔''

''تیری ملاقات والی بات پر اس نے کیا کہا؟''

''راضی تو ہو گئی ہے لیکن کوئی وقت نہیں دیا ہے۔ ان دنوں وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنی ماں کے گھر گئی ہوئی ہے۔ ایک ہفتے بعد واپسی ہوگی۔''

''اس میں تو ابھی وقت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہمیں گزشتہ کچھ عرصے کے اخبارات مل سکیں۔''

''کہیں اور سے تو مشکل ہے لیکن کسی لائبریری میں مل جائیں گے۔'' سفیر نے کہا۔ ''یار راولپنڈی میں کسی ایجنسی کے پاس سے مل سکتے ہیں۔''

میں نے ایاز کو کال کی وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ''یار ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی ایجنسی سے گزشتہ دو مہینے کے پرانے اخبار مل جائیں۔ کسی اچھے اخبار کا پنڈی ایڈیشن ہو؟''

''کوشش کرتا ہوں راجا بازار میں ایک ایجنسی والا ہے سنا ہے اس کے پاس مل جاتے ہیں۔ میں آتے ہوئے لیتا آؤں گا۔'' اس نے کہا۔

''ابھی تم کہاں ہو؟''

''پنڈی میں ایک کزن ہے اس سے ملنے آیا ہوں۔''

ایاز سے بات کر کے میں نے فون بند کیا تو سفیر نے کہا۔ ''یار یہ ایاز کچھ عرصے سے ہمارے ساتھ ہے اور اس کے خلوص میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے لیکن ہم اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے ہیں۔''

''ہاں اس نے کبھی اپنے حالات اور پس منظر کے بارے میں بات نہیں کی۔''

''کسی نے پوچھا بھی نہیں؟''

میں نے سر کھجایا۔ ''نہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا۔''

''وہ بے چارہ بھی کیا سوچتا ہوگا کہ ہمیں صرف اس کے کام سے غرض ہے اور اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔''

بیتو کچن سے آ گیا۔ ''کس کا خیال رکھنا چاہیے۔''

''ایاز کا ہم اس کے ماضی کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔'' میں نے کہا تو بیتو بولا۔

''ہم جانتا ہے۔ ایاز بھائی بہت اچھا آدمی ہے۔ وہ اپنی ایک کزن کو پسند کرتا تھا پر اس کا باپ دولت مند تھا۔ ایاز بھائی دولت مند نہیں تھا اس لیے اس نے ایاز بھائی کو رشتہ نہیں دیا اپنا بیٹی کا شادی کہیں اور کر دیا۔''

''تم اس کے بارے میں جانتے ہو۔ اس کے گھر والوں کے بارے میں......؟''

''ایاز بھائی کا ماں اس کے بچپن میں مر گیا تھا۔ باپ کا کچھ عرصے پہلے انتقال ہوا ہے۔ ایک بہن ہے اس کا، اس کا شادی ہو گیا ہے اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ سعودی عرب میں ہوتا ہے۔'' بیتو نے ایاز کے پس منظر کا خلاصہ پیش کیا۔

''یہ بے چارہ دل پر چوٹ کھائے ہوئے ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''لیکن بہادر آدمی ہے اس نے اسے دل کا روگ نہیں بنایا۔''

''یہ تو ہے۔'' سفیر نے تائید کی۔ ''ورنہ ہمارا ساتھ کیوں دیتا اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے دشمن کتنے خطرناک اور سفاک ہیں۔''

بیتو نے کہا۔ ''شوبی ویڈیو کا کیا ہوا جو بنایا تھا؟''

''اسے مرشد کو بھیجنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ وسیم اسے کسی طریقے سے مرشد ہاؤس تک پہنچائے گا۔''

''ہمیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس پر کیا اثر ہوا ہے؟'' سفیر نے نکتہ اٹھایا۔

''میرے پاس مرشد ہاؤس کے نمبر ہیں کہیں باہر سے اسے کال کریں گے۔''

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''فتح خان کو کال کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا ہے مرشد کو کہیں سے کال کرنا بہت خطرناک ہوگا۔''

''پی سی او سے کال کریں گے۔''

''اس کا سراغ تو اور آسانی سے لگ جاتا ہے۔''

''تب خود ملاقات کے لیے چلے جاتے ہیں۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

بیتو نے مداخلت کی۔ ''شوبی آپ کے پاس اتنا سارا سم ہے جیسے آپ فتح خان سے ایک سم سے بات کرتا ہے اور اسے کہیں استعمال نہیں کرتے ہو اسی طرح مرشد کے لیے بھی ایک سم رکھ لو اس سے بس اسی سے کال کرو۔''

میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''بات تو اس نے ٹھیک کی ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن کال یہاں سے نہیں کرنی ہے بلکہ کسی اور جگہ جا کر کال کرنی چاہیے ورنہ ایک ہی علاقے سے کال کی جائے تو مرشد اور اس کے گرگے سمجھ جائیں گے کہ ہم یہیں کہیں موجود ہیں اور ایک ہی علاقے میں ہمیں تلاش کرنا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے ہمیں ہر ہفتے اپنی سمز تبدیل کر لینی چاہئیں تا کہ اگر بے خبری میں بھی سراغ لگا رہا ہو تو وہ ہم تک نہ آ سکے۔''

بیتو ہنسا۔ ''تو آپ اور کیا کر رہا ہے جب سے پاکستان آیا ہے کوئی درجن سمز بدل چکا ہے۔ یہ تو ہفتے سے زیادہ ہے آپ نے۔''

"وہ تو مجبوری میں تبدیل کیں لیکن اب اسے معمول بنالینا چاہیے۔"

باہر تاریکی چھارہی تھی۔ سردی کے دنوں میں بھوک زیادہ لگتی ہے اور دوپہر میں کھایا پیا ہضم ہو چکا تھا اس لیے بیتو کھانا گرم کرنے چلا گیا۔ سفیر نے شہلا کے پلان کے بارے میں پوچھا میں نے اسے مختصراً بتایا۔ سفیر کو اچھا لگا تھا۔ اس نے کہا۔

"بس اس میں ایک قباحت ہے کہیں اندر جا کر اس کا ارادہ نہ بدل جائے؟"

میں چونکا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ ڈبل کراس کر جائے۔ شاہد منظور کو قابو کرنے کے بجائے اسے ہمارے بارے میں گائیڈ کر دے کہ ہم ڈاکو وغیرہ ہیں اور اسے یرغمال بنا کر بینک لوٹنے آئے ہیں۔"

سفیر کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ واقعی شہلا ایسا کر سکتی تھی اور اپنے بچاؤ کے لیے وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہوتی۔ اس نے ہم سے وفاداری کا حلف نہیں اٹھایا تھا۔ اگر وہ اندر پہنچ کر الٹا شاہد منظور کو ہمارے خلاف استعمال کر لیتی تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ گارڈز سے مقابلہ کرنا ہمارا مقصد نہیں تھا۔ شہلا سیف روم میں پہنچ کر سیف ہو جاتی اور ہم وہاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے۔ میں صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "یار تُو نے تو عقل کی بتی کھول دی ہے۔"

سفیر مسکرایا۔ "بس یار شادی کے بعد مرد کی عقل ایسی ہی ہو جاتی ہے کبھی گدھے کی طرح کام کرتی ہے اور کبھی لومڑ بن جاتی ہے یہ خیال مجھے ایسے ہی آیا ہے۔"

"لیکن خوب آیا ہے، مجھے سو فیصد یقین ہے شہلا کے ذہن میں یہی پلان ہو گا۔ ہم سے چھٹکارا پانے کا بھلا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"تب اس کا کوئی حل سوچیں کہ وہ اپنی مرضی نہ کر سکے۔"

"ابھی وسیم آتا ہے تو سب مل کر سوچتے ہیں۔" میں نے کہا۔ بیتو کھانا گرم کر کے لے آیا تھا سب نے کھانا کھایا۔ پھر میرے کہنے پر بیتو نے دونوں قیدیوں کو فی کس ایک ایک گلاس پانی اور آدھی خشک روٹی دی تھی۔ اس نے واپس آ کر اطلاع دی۔ "شوبی جمیل کے ہاتھ کا زخم خراب ہو رہا ہے اس میں پس پڑ گیا ہے اور بُو بھی آ رہی ہے۔"

میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ "یار اس کا علاج کرنا پڑے گا۔ ورنہ اس کا ہاتھ نہ ضائع ہو جائے۔"

"ویسے تو ضائع ہو جائے تو اچھا ہے اس نے کون سے اس ہاتھ سے اچھے کام لینے ہیں لیکن اس صورت میں یہاں گندگی ہو گی۔" سفیر نے سر ہلایا۔ "میں اسے دیکھتا ہوں۔"

سفیر طبی امداد کا کورس کر چکا تھا اور اسے مرہم پٹی، انجکشن لگانا اور دوسرے چھوٹے موٹے کام آتے تھے بلکہ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ گولی بھی نکال سکتا ہے بشرطیکہ وہ کسی اعضا یا ہڈی میں نہ لگی ہو۔ بیتو اس کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے سفیر سے کہا کہ ان سے کچھ اگلوانے کی کوشش بھی کرے۔ مجھے یقین تھا وہ بہت کچھ جانتے تھے۔ فی الحال انہوں نے جو بتایا تھا اس پر کام کر رہے تھے۔ وسیم جس کال گرل کو لا رہا تھا اسے سب سے نچلے فلور کے واحد بیڈ روم میں رکھنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اوپر صرف دو کمرے ایسے تھے جن میں کسی کو قید کیا جا سکتا تھا اور یہ دونوں کمرے

... تھے۔ وسیم نو بجے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ صابر بھی تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وسیم کی گاڑی اندر آئی ... لینڈ کروزر لے آیا تھا۔ اب صحن میں گاڑیاں کھڑی کرنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ ایاز کی جیپ مشکل ... بہر حال گاڑیوں سے یہ فائدہ تھا کہ ہمیں کسی وقت کہیں جانے میں مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ورنہ ... کے ہوتے ہوئے یہ مشکل رہتی تھی کہ تین افراد کہیں الگ الگ نہیں جا سکتے تھے۔

''فاطمی کی منظور نظر کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اندر ہے۔'' وسیم نے اشارہ کیا اور آہستہ سے پوچھا۔''ایاز ابھی تک نہیں آیا؟''

''نہیں وہ پنڈی میں اپنے کسی کزن کے گھر گیا ہے اور اسے اخبار بھی لانے ہیں۔''

''اخبار کس لیے؟''

''گزشتہ دو مہینے کے حالات حاضرہ سے باخبر ہونے کے لیے۔'' میں نے جواب دیا۔ اس دوران میں ... لینڈ کروزر کا عقبی دروازہ کھولا اور اس میں سے شبانہ نامی اس خاتون کو اس طرح برآمد کیا کہ اس کے سر پر ... کا غلاف چڑھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ عقب میں پلاسٹک کی ہتھکڑی سے بندھے ہوئے تھے۔ وسیم نے ... اترنے کو کہا اور ہم اسے نیچے لے آئے۔ سیڑھیوں سے وسیم اسے پکڑ کر اتارتا رہا تھا۔ وہ سہمی ہوئی تھی ... چرا اس کے حکم پر عمل کر رہی تھی۔ اسے بیڈ روم میں لا کر وسیم نے اس کے ہاتھ کھول دیئے لیکن اسے کہا ... تک ہم کمرے سے باہر نہ جائیں وہ چہرے سے غلاف نہیں اتارے گی۔ ہم باہر آ گئے۔ وسیم نے کہا۔

''اس نے ابھی تک ہم میں سے کسی کا چہرہ نہیں دیکھا ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے کہا۔'' اس سے کچھ پوچھا ہے؟''

''ابھی تک نہیں اصل میں، مَیں وین والے کام میں لگا رہا تھا اور اسے لا کر عبداللہ والی کوٹھی کے تہہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ یہ اب تک وہیں بند رہی تھی۔ وسیم کھانا کھا کر آیا تھا اور کچھ چیزیں ہمارے لیے بھی لایا تھا۔ ان میں گاجر کا حلوہ اور سعدیہ کا بنایا ہوا پزا تھا۔ ہم کھا چکے تھے لیکن گاجر کا حلوہ اور پزا اپنی جگہ خود بنا لیتے ہیں۔ موسم کی مناسبت سے دونوں چیزوں نے مزہ دیا۔ اس دوران میں، مَیں وسیم کو اس کی غیر موجودگی کی مکمل رپورٹ دی اور اس نے ہمیں بتایا کہ وہ آج سارا دن کیا کرتا رہا۔

''عبداللہ کے آدمی محنتی اور مضبوط ہیں لیکن ان کے پاس تربیت نہیں ہے۔ میں نے ان کی تربیت کے لیے ایک پروگرام مرتب دیا ہے اور منیر کو ان کا سپر وائزر بنا دیا ہے وہ پڑھا لکھا ہے اور میرے دیئے ہوئے پروگرام کو آسانی سے سمجھ گیا تھا۔ ان میں سے اکثر کی تعلیمی قابلیت بھی کم ہے اسے بھی بڑھانے کی ضرورت ہے میں نے عبداللہ سے کہا کہ وہ کچھ ٹیوٹرز کا بندوبست کرے۔ جو ان کو تعلیم دیں۔ کچھ نیا اسلحہ اور نئے آلات منگوائے ہیں۔ ان کو اس کی تربیت بھی دی جائے گی۔''

''یہ کچھ زیادہ لمبا پروگرام نہیں ہے؟''

''تعلیمی پروگرام تو لمبا ہو سکتا ہے باقی آلات اور اسلحے کا استعمال تو ایک دو ہفتے میں سیکھا جا سکتا ہے۔ ان میں دست بدست لڑنے کی استعداد بھی کم ہے۔ اس کے لیے بھی ایک استاد کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔''

''کتنے افراد ہیں؟''

''ایک درجن ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''یہ سب عبداللہ والی کوٹھی میں ہوتے ہیں۔''
''مشکوک کوٹھی کی نگرانی پر کتنے لوگ ہیں؟''
''مستقل دو افراد وہاں ہوتے ہیں وہ الگ الگ دور سے نگرانی کر رہے ہیں اور ریڈیو کی مدد سے آپس میں رابطہ رکھا ہوا ہے لیکن ابھی تک کوئی پروگریس سامنے نہیں آئی ہے۔''
''ویڈیو کا کیا بنا اسے مرشد تک کیسے پہنچایا جائے گا؟''
''صبح جو ہاکر اخبار دینے مرشد ہاؤس جاتا ہے اسے راستے میں یہ سی ڈی دے دی جائے گی اور وہ اخبار کے ساتھ اسے بھی مرشد ہاؤس کے گیٹ کیپرز کے سپرد کر دے گا۔''
''مناسب طریقہ ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔
سفیر اور بیتو بھی اس میٹنگ میں شامل تھے۔ اس دوران میں اخبارات سے لدا پھندا ایاز بھی آ گیا۔ اس نے بیتو اور وسیم کی مدد سے یہ بے شمار اخبارات نیچے پہنچائے۔ علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔ ''جناب اس میں کچھ اخبارات کم ہیں لیکن میرا خیال ہے جس مقصد کے لیے آپ نے منگوائے ہیں وہ پورا ہو جائے گا۔''
اخبارات لاؤنج میں رکھ دیئے گئے اور ایاز بھی میٹنگ میں شامل ہو گیا جس کا ایجنڈہ بینک لاکر تک رسائی کا شہلا کا پلان تھا۔ میں نے تمام تفصیلات ان لوگوں کے سامنے رکھیں اور پھر سفیر کے خدشے کا ذکر کیا کہ شہلا ڈبل کراس کر سکتی ہے۔ ایاز نے تائید کی۔ ''وہ کر نہیں سکتی ہے جناب ڈبل کراس کرے گی۔''
''اسے استعمال کرنے سے پہلے اس کا کوئی سدِباب کرنا ہوگا۔'' وسیم نے کہا۔
ہم اس پر بحث کرنے لگے کہ کیا سدِباب کیا جا سکتا ہے لیکن کوئی ایسا حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جس سے شہلا کو یقینی طور پر کوئی غلط قدم اٹھانے سے روکا جا سکے۔ جیسے سفیر کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ شہلا ڈبل کراس کر سکتی ہے اسی طرح اس کے ذہن میں ممکنہ سدِباب بھی آیا۔
''یار ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اس کے جسم سے کوئی ڈیوائس باندھ دیں جو اسے کسی غلط حرکت سے روکے۔''
وسیم نے اسے گھورا۔ ''کیا ریموٹ کنٹرول کی مدد سے اسے کنٹرول کرنا ہے؟''
''ایک منٹ۔'' میں نے ان کی بحث شروع ہونے سے پہلے کہا۔ ''میرا خیال ہے سفیر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم کوئی آلہ نہیں بلکہ اس کے جسم سے ایک ایسا بم منسلک کریں گے جو ریموٹ کنٹرول سے بلاسٹ کیا جا سکتا ہو اور اگر اسے اتارنے کی کوشش کی جائے تب بھی وہ بلاسٹ ہو جائے۔''
بیتو نے غور کیا۔ ''جیسا کہ فلموں میں دکھایا جاتا ہے۔''
''بالکل وہی......'' میں نے کہا۔
''ایسا بم آئے گا کہاں سے؟'' سفیر نے پوچھا۔ ''فلموں کی بات اور ہے۔''
میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''تمہاری معلومات اس بارے میں زیادہ ہیں۔''
اس نے سر ہلایا۔ ''ایسا بم بنانا بالکل ممکن ہے لیکن بم کی کیا ضرورت ہے ہم بم جیسی کوئی چیز شہلا کے جسم سے باندھ دیں گے تو وہ اسے بم تسلیم کرے گی۔''
بیتو پُرجوش ہو گیا۔ ''اس کا باپ بھی کرے گا۔''

''نہیں منے باپ تک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وسیم نے اسے پچکار کر کہا۔ ''شہلا تسلیم کرلے ہمارے لیے یہی کافی ہے۔''

''چلو ایک نقلی بم سہی لیکن آئے گا کہاں سے؟''

''میں تیار کرلوں گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''تھوڑا بہت سامان درکار ہوگا وہ بازار سے لے آئیں گے۔ ایک سرکٹ چاہیے ہوگا وہ میں کسی الیکٹرانکس والے سے بنوالوں گا۔ ریموٹ ٹی وی کا چلے گا۔''

''ٹھیک ہے تب یہ کام جلد از جلد کرلو۔'' میں نے کہا۔ ''اب ذرا اس خاتون سے بات ہوجائے۔''

''اس کے سامنے نقاب میں جانا ہوگا۔'' وسیم نے کہا اور اپنی جیکٹ سے تین عدد سیاہ ٹوپیاں نکالیں جو موڑ کر پہنی جاتی ہیں اور انہیں پورا کھول لیا جائے تو یہ پورا منہ چھپا لیتی ہیں۔ ''ان میں آنکھوں کی جگہ سوراخ کرنا ہے۔''

بیتو قینچی لے آیا اور ہم نے ٹوپیوں میں آنکھوں والی جگہ کاٹ کر سوراخ بنا دیئے۔ پھر پہن کر دیکھا تو اس میں ہمارے خدوخال مکمل طور پر چھپ گئے تھے۔ میں، سفیر اور وسیم شبانہ والے کمرے میں آئے۔ میں نے پہلے اسے نہیں دیکھا تھا کیونکہ اس کے منہ پر غلاف تھا۔ میرا خیال تھا وہ مخصوص پھٹکار برسی کوئی صورت ہوگی۔ جیسا کہ اس پیشے والیوں کے چہروں پر پائی جاتی ہے لیکن وہ ایک عام سی گھریلو عورت نظر آئی۔ بے شک وہ خوب صورت تھی لیکن اس کے چہرے پر نہ تو واہیات تاثرات تھے اور نہ وہ میک اَپ سے لدی ہوئی تھی۔ اس کی جسامت بھی موزوں تھی۔ چھریرہ جسم کہیں کہیں سے کسی قدر بھاری تھا۔ وہ بستر پر بیٹھی تھی اور ہمیں دیکھ کر مزید سہم کر بیڈ کے ساتھ دبک گئی۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''کون ہو تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

اس کی آواز بھی عام سی تھی۔ اس میں سیکس اپیل یا کوئی خاص کیفیت نہیں پائی جاتی تھی۔ سفیر اور وسیم چاقو لے آئے تھے۔ کسی عورت کو آتشیں اسلحہ اتنا خوف زدہ نہیں کرتا ہے جتنا کہ دھار والے آلات کرتے ہیں۔ چاقو دیکھ کر اس کی حالت مزید خراب ہوگئی تھی اور اس نے بلبلا کر کہا۔ ''خدا کے لیے تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

میں باس کی طرح کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور غرا کر بولا۔ ''اگر میں کہوں تمہاری جان لینا چاہتے ہیں تو؟''

''مگر کیوں؟'' وہ رو دی تھی۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟''

''تم کل رات کہاں گئی تھیں؟''

اس کی آنکھیں اس سوال پر پھیل گئیں وہ ہکلا کر بولی۔ ''میں...... میں کچھ گاہکوں کے ساتھ گئی تھی۔''

''وہ تمہیں کہاں لے گئے تھے؟''

''میں نہیں جانتی کار کے شیشے تاریک تھے۔ میں نے صرف ایک کوٹھی دیکھی لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں تھی؟''

''تمہیں کس شخص کے لیے وہاں لے جایا گیا تھا؟'' میں اس کے الفاظ کا تجزیہ کر رہا تھا۔

''میں اس کا نام نہیں جانتی۔'' اس نے جھجک کر جواب دیا۔

''کیا تم لے جانے والوں میں سے کسی کو جانتی ہو؟''

''نہیں......''

''جھوٹ مت بولو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم اس طرح انجان لوگوں کے ساتھ کس طرح جا سکتی ہو؟''

وہ سہم گئی۔ ''میرا کام ہی ایسا ہے مجھے لوگوں کے ساتھ جانا پڑتا ہے۔''

''تم نے لے جانے والوں سے پیشگی معاوضے کا مطالبہ کیا تھا؟''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''ہاں لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''سوال مت کرو میرے سوال کا جواب دو۔''

''میں پہلی بار ان کے ساتھ جا رہی تھی اور مجھے خدشہ تھا کہ صبح وہ مجھے معاوضہ دینے سے انکار نہ کر دیں۔''

''تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں وہ چاہتے تو تمہیں معاوضہ ایک گولی کی صورت میں دے سکتے تھے اور تمہیں کسی نامعلوم قبر میں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا جاتا۔''

اس نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''ہمیں اس شخص سے دلچسپی ہے جس کے لیے تمہیں وہاں لے جایا گیا تھا۔''

اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات آ گئے۔ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ ''وہ بہت عجیب آدمی تھا میں اس کے بارے میں نہیں بتا سکتی میں نے کبھی یہ سب نہیں کیا جو کل رات مجھے اس شخص کے لیے کرنا پڑا تھا۔''

اس کی بات قابلِ غور تھی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ ''وہ شخص معذور تھا بستر پر تھا؟''

شبانہ اچھل پڑی تھی۔ ''تت......تم یہ سب جانتے ہو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''میں نے کہا نا سوال نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم جتنی جلدی سوالوں کے جواب دو گی اتنی جلدی تمہیں یہاں سے چھٹکارا مل جائے گا۔''

اس کے چہرے پر امید نظر آئی۔ ''میں...... میں ہر سوال کا جواب دوں گی۔ تم جو کہو گے میں مانوں گی بس مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا۔''

''اس شخص نے تم سے کیا کروایا؟''

اس نے بے بسی سے دیکھا۔ ''مجھ سے مت پوچھو، بے شک میں بری عورت ہوں لیکن مجھے بتاتے ہوئے گھن آ رہی ہے۔ میں نے بہت گندے لوگوں کو دیکھا اور سہا ہے لیکن اتنا غلیظ آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کی حرکتوں پر شیطان بھی شرما جائے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ مجھے اس شخص کے پاس لے جایا جا رہا ہے تو میں کسی بھی معاوضے کے بدلے اس کے پاس جانے کو تیار نہ ہوتی۔''

''تم وہاں جا کر بھی تو انکار کر سکتی تھیں؟''

''میں نے انکار کیا تھا۔ اس پر لمبے بالوں والے نے مجھے مارا اور قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔''

''لمبے بالوں والا شخص جو تمہیں لے کر گیا تھا؟''

''ہاں وہی، مجھے اس سے بہت ڈر لگا تھا۔''

''صبح اس نے تمہیں واپس چھوڑا تھا؟''

''نہیں وہ کوئی اور شخص تھا۔ یقین کرو جب تک میں وہاں سے نکلی نہیں تھی میرا دم اٹکا رہا تھا۔ وہ سب بہت خوفناک لگ رہے تھے۔ گھر آ کر بھی مجھے بہت دیر یقین نہیں آیا۔''

شبانہ نے سب کچھ سادگی سے بیان کر دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس نے ہم سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ان میں سے کسی نے تمہیں دوبارہ بلانے کو کہا؟''

''اسی ذلیل شخص نے کہا جس کے ساتھ میں نے رات گزاری تھی لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ اب دوبارہ مر کر بھی اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔''

''تب تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ عارضی طور پر اپنے گھر سے کہیں اور چلی جاؤ۔''

اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ ''کیا مطلب؟''

''معذور شخص بہت خطرناک آدمی ہے اور اس کا تعلق ایک دولت مند سیاسی خاندان سے ہے۔ اس کے پاس بدمعاشوں کی پوری فوج ہے اور وہ جسے چاہے اٹھوا سکتا ہے یا ہمیشہ کے لیے غائب کرا سکتا ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں...... اگر میں نے جانے سے انکار کیا تو وہ مجھے اٹھوا لے گا۔''

''بالکل وہ نفسیاتی مریض ہے اور ایک بار اس نے تمہیں اٹھوا لیا تو امکان ہے پھر تمہیں رہائی نصیب نہیں ہوگی۔''

''بلکہ زندگی سے رہائی مل جائے گی۔'' وسیم نے کہا۔

''میں...... کہیں اور چلی جاؤں گی۔''

''اسی میں تمہاری بہتری ہے اور اگر کسی وجہ سے ان کے ہاتھ آ جاؤ تو ہمارے بارے میں کسی صورت مت بتانا۔ ورنہ تمہاری بچت کا ایک فیصد امکان بھی باقی نہیں رہے گا۔'' میں نے اسے ڈرایا۔ ''بالکل انجان اور معصوم بن جانا۔ تم ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو اس لیے ان کو کچھ نہیں بتا سکو گی لیکن وہ آدمی کی زبان پر یقین کرنے والے لوگ نہیں ہیں وہ تم پر تشدد کریں گے۔''

''تشدد بھی ایسا ویسا نہیں کریں گے۔'' سفیر نے بھی اسے ڈرانے میں اپنا حصہ ڈالا۔ ''وہ تمہیں جلائیں گے، کاٹیں گے، تمہارے ناخن کھینچیں گے اور تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گے۔''

''بالآخر تم ان کے تشدد سے جان ہار جاؤ گی اور وہ بغیر کسی احساس کے تمہاری کچلی اور ٹوٹی پھوٹی لاش کسی نامعلوم قبر میں دفنا دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اپنی زبان بند رکھو۔'' وسیم نے کہا اور میں کھڑا ہو گیا۔ ہم باہر آئے اور چہروں سے ٹوپیاں اتاریں۔ سفیر نے اپنا شانہ تھپکا۔

''کیا پرفارمنس دی ہے آج۔''

''یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ اس کوٹھی میں نادر علی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ مکمل طور پر معذور ہونے کی وجہ سے عورت کے قابل نہیں رہا ہے لیکن اس کی ہوس کم نہیں ہوئی ہے۔ وہ دولت اور طاقت کے بل بُوتے پر اپنی تسکین

کا سامان کر رہا ہے۔"

"یہی سامان اس کی موت کا سامان ثابت ہوگا۔" وسیم نے کہا۔ "شہباز صاحب ہمارے ہاتھ زبردست مہرہ آیا ہے۔ اگر ہم نادر کو وہاں سے اٹھالیں تو مرشد گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم مرشد کو غلط پیمانے پر تول رہے ہو۔ وہ اس قسم کا شخص ہے کہ اس کے نزدیک انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہے چاہے وہ اس کا کوئی خونی رشتے دار کیوں نہ ہو۔ نادر اب اس کے لیے بھائی نہیں بلکہ ایک بوجھ اور ذمے داری ہے اور اگر اسے اس سے چھٹکارا مل جائے تو میرا خیال ہے وہ خوش ہوگا۔"

"تب وہ اس سے چھٹکارا کیوں نہیں حاصل کر لیتا۔" سفیر نے اعتراض کیا۔ "اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام تو نہیں ہے۔"

"تم نے ٹھیک کہا ہے لیکن اس کی خاندانی مجبوریاں ہوں گی اور یقیناً نادر نے اپنی حفاظت کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر رکھا ہوگا۔ وہ احمق نہیں ہے یہ سب بھیڑیا فطرت لوگ ہیں جو ذرا سا کمزور ہوا اسے مل کر پھاڑ کھاتے ہوں گے اس لیے کوئی کمزور ہونا نہیں چاہے گا۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ہماری ایک بڑی کامیابی ہے۔" وسیم نے کہا۔

"اس سے انکار نہیں ہے دشمن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا بہترین حکمتِ عملی ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن ہمارا اصل ہدف مرشد ہے۔"

سفیر نے بحث سمیٹتے ہوئے کہا۔ "اب اس کا کیا کرنا؟"

اس کا اشارہ شبانہ کی طرف تھا۔ میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے اسے آج ہی اس کے فلیٹ تک چھوڑ آتے ہیں۔"

"کون جائے گا؟" سفیر نے پوچھا۔

"میں اور تم۔" میں نے کہا۔ "ہم نے آج سارا دن آرام کے سوا کچھ نہیں کیا ہے اس لیے اچھا ہے ذرا جسم کھل جائے گا۔"



سفیر تیار نہیں تھا وہ آرام کے موڈ میں تھا مگر میں نے اسے انکار کا موقع نہیں دیا۔ شبانہ کو پہلے کی طرح منہ پر تکیے کا غلاف چڑھا کر اوپر لائے۔ اسے لے جانے کے لیے بھی لینڈ کروزر منتخب کی کیونکہ ایک تو اس کے عقبی حصے میں وہ کسی کو نظر نہیں آتی دوسرے یہ رفتار کے معاملے میں بھی باقی گاڑیوں سے بہتر تھی۔ وسیم نے اس کے سامنے والے حصے میں ایک عدد شاٹ گن اور ایک خودکار رائفل رکھی تھی۔ ڈیش بورڈ میں ایک سائلنسر لگا پستول تھا اور باقی پستول وغیرہ ہمارے پاس موجود تھے۔ شبانہ خوف زدہ تھی اور ہماری منتیں کر رہی تھی کہ اسے نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کا خیال تھا کہ ہم اسے کہیں ٹھکانے لگانے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ میں نے اسے تسلی دی۔

"اگر نقصان پہنچانا ہوتا تو اتنی زحمت کیوں کرتے جہاں ہیں وہیں تمہیں گولی مار کر کہیں دفن کر دیتے۔"

وہ بہت بزدل تھی اور اپنی نہ ہونے والی وفات کا سن کر بھی اس کی ہوا خراب ہوگئی تھی۔ اس لیے جب اسے گاڑی کے پچھلے حصے میں بٹھایا تو وہ خاموشی سے دبک گئی۔ اسے خبردار کر دیا تھا کہ راستے میں کسی قسم کا شور

شرابا اس کی رہائی کے امکانات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ خاموش بیٹھے۔ ہم کوئی گیارہ بجے کوٹھی سے نکلے اور اسلام آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ سردی یقیناً شدت کی تھی لیکن دھند نہیں تھی اور سڑک صاف تھی اس لیے ہم بیس منٹ بعد اسلام آباد میں تھے۔ وسیم نے مجھے شبانہ کے فلیٹ کا پتا سمجھا دیا تھا۔ اس کی وجہ سے میں نے اور سفیر نے راستے میں غیر ضروری گفتگو سے گریز کیا لیکن جب اس کے فلیٹ کے سامنے اسے اتار کر وہاں سے روانہ ہوئے تو سفیر نے سرد آہ بھری۔

''وہ بھی کیا زمانہ تھا جب ہم رات رات بھر اسلام آباد اور پنڈی کی سڑکوں پر مٹر گشت کیا کرتے تھے۔''

''میرے دوست وہ زمانہ پھر آئے گا لیکن کیا خیال ہے اُس وقت کی کچھ یاد نہ تازہ کر لی جائے۔''

''کیا مطلب کہیں چلنا ہے۔'' سفیر نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہاں یاد ہے صدر میں ایک چھوٹا سا کیفے ہے جو رات بھر کھلا رہتا ہے اور اس کی کافی لاجواب ہوتی تھی۔''

''ہاں یاد آ گیا شاید دو سال پہلے آخری بار ہم گئے تھے۔'' سفیر نے یاد کیا۔ ''کیا اب بھی کھلا ہوگا؟''

''امکان تو یہی ہے کیفے اتنی جلدی بند نہیں ہوتے ہیں۔'' میں نے گاڑی کا رخ اس طرف موڑ دیا۔

''لیکن یار ایسی تفریح پر جاتے ہوئے اب ڈر لگتا ہے کہیں نہ کہیں کوئی بد بخت دشمن ٹکرا جاتا ہے۔''

''خدا پر بھروسہ رکھو یار آج سارے دشمن اپنے کمبلوں اور رضائیوں میں دبکے ہوں گے۔''

''کہاں بھائی انہیں بھی ہماری طرح چین نہیں ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''وہ بھی سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہیں۔''

''بس آج کوئی نہ ملے، آج میرا موڈ اچھا ہے۔'' میں نے کیفے کے سامنے گاڑی روکی۔ کیفے کھلا ہوا تھا اور اس کی بیرونی آرائش سے لگ رہا تھا کہ اس نے ترقی کی ہے۔ ہم اندر آئے، ایک کونے والی میز منتخب کی، یہاں روشنی کم تھی اور اگر کوئی بد بخت دشمن آ بھی جاتا تو اس کا امکان کم تھا کہ اس کی بد نظر ہم پر پڑے۔ سفیر نے کافی کا کہا اور سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔

''تُو نے پھر شروع کر دی؟''

''ختم کب کی تھی یار، مونا سے چھپ کر پیتا ہوں۔'' سفیر نے سگریٹ سلگائی۔ ''اس نے سگریٹ کے پیچھے دماغ کی دہی کر دی تھی۔ مجبوراً اس کے سامنے چھوڑنا پڑی تھی۔''

''اور پیٹھ پیچھے پی رہا ہے۔''

''بھائی اسی کا نام ازدواجی زندگی ہے۔'' سفیر نے آہ بھری تو اس کے منہ سے دھواں نکلا تھا۔ ''میاں بیوی کی زندگی کی گاڑی میں جھوٹ اور چھوٹے موٹے دھوکوں کا آئل نہ ہو تو گاڑی اٹک اٹک کر چلتی ہے اور انجن سیز ہونے کا خطرہ بھی رہتا ہے۔''

''تو نے بہت جلد ترقی کر لی ہے۔'' میں نے اسے خراج تحسین پیش کیا۔ ''خیر تیرے ازدواجی معاملات تو چلتے رہیں گے۔ یہ بتا کہ میری مرشد کے خلاف حکمتِ عملی کیسی ہے؟''

''مناسب ہی ہے لیکن ابھی تک ہم نے کوئی واضح قدم نہیں اٹھایا ہے صرف مرشد کے اقدامات کا جواب

دیتے رہے ہیں۔"

"دیکھو یار مرشد اور ہمارے وسائل اور اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس کے پاس جاہل مریدوں اور کرائے کے بدمعاشوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہمارے پاس گنے چنے ساتھی ہیں اور سب قیمتی ہیں۔ مالی وسائل بھی لامحدود نہیں ہیں۔ اوپر سے پولیس بھی میرے پیچھے ہے۔ اس صورت میں ہماری پوزیشن دفاعی بنتی ہے لیکن رفتہ رفتہ ہم اس کے خلاف اپنی پوزیشن بھی مضبوط کر رہے ہیں۔"

"ہم مرشد کو قانونی میدان میں شکست نہیں دے سکتے، اول تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے دوسرے اگر کوئی الزام لگ بھی جائے تو اس کے وکیل اسے چھڑا سکتے ہیں۔ وہ کرپٹ عدالتی نظام کو خرید سکتا ہے اپنے اثر ورسوخ سے فیصلے تبدیل کرا سکتا ہے۔"

"یار ابھی وہ طاقتور ہے لیکن وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا ہے۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم صبر سے کھڑے رہیں اور اچھے وقت کا انتظار کریں۔ جب مرشد کا برا وقت آئے گا تو وہ خود ہم سے تصفیہ چاہے گا۔"

"اور جب برے وقت سے نکل جائے گا تو دوبارہ فرعون بن جائے گا۔" سفیر نے تلخی سے کہا۔ "یہ مرشد کا مستقل حل نہیں ہے۔"

"تب تیرے خیال میں مستقل حل کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "مرشد سے صلح کر لی جائے؟ تُو جانتا ہے یہ ممکن نہیں ہے۔ دوسرا حل یہ ہے کہ سب چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں اور پیچھے ہمارے جو لواحقین رہ جائیں انہیں مرشد کے رحم وکرم پر چھوڑ جائیں۔" میرا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔

سفیر خاموش ہو گیا تھا وہ سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔ ویٹر کافی لے آیا اور اس نے سلیقے سے کافی سرو کی۔ ویٹر کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ "سفیر میری ایک بات مان......"

"بکواس نہ کر۔" اس نے میری بات کاٹی۔ "تُو کیا سمجھ رہا ہے میں اس جنگ سے جان چھڑانا چاہتا ہوں۔ مونا کے ساتھ کہیں جا کر سکون سے رہنا چاہتا ہوں۔"

"اب تُو بکواس کر رہا ہے، کیا میں تجھے جانتا نہیں ہوں؟ میں بالکل بھی ایسا نہیں سمجھ رہا ہوں میں تیرے سامنے متبادل آپشن رکھ رہا ہوں۔ تو یہاں نہیں تھا تو میں دشمن کے خلاف اکیلا تھا لیکن مجھے یہ اطمینان بھی تھا کہ تُو اور مونا دشمن کی پہنچ سے باہر ہو اور یہ چیز مجھے طاقتور بناتی تھی۔ اب میں تیرے ساتھ کے باوجود خود کو اتنا مضبوط محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ تُو اور مونا ایک بار مرشد کی قید میں رہ چکے ہو۔ تو نہیں جانتا وہ وقت مجھ پر کتنا بھاری گزرا تھا۔"

"وہ وقت دوسرا تھا اس وقت ہم کمزور تھے، آج ہم اس کے مقابلے میں کہیں بہتر پوزیشن میں ہیں۔" سفیر نے کہا۔

"پھر بھی تُو مایوس ہے۔" میں نے جواب دیا تو سفیر شرمندہ نظر آنے لگا۔

"تو ٹھیک کہہ رہا ہے شاید میرے اعصاب اب اتنے مضبوط نہیں رہے ہیں۔"

"دیکھ یار حالات میں نرمی گرمی آتی رہتی ہے، اصل بات یہ ہے کہ انسان ہمت نہ ہارے۔" میں نے کافی اُٹھائی جو ٹھنڈی ہونے جا رہی تھی۔

''تُو ٹھیک کہہ رہا ہے اب تو رقم کی کمی بھی نہیں ہے۔ بیرون ملک بینک میں ہمارے کروڑوں روپے موجود ہیں۔''

''پھر راجا عمر دراز کا مکمل تعاون بھی حاصل ہے۔''

''لیکن اس کا یہ تعاون بے سبب نہیں ہے۔''سفیر نے نکتہ اٹھایا۔

میں نے سر ہلایا۔''تُو ٹھیک کہہ رہا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ ہمالیائی وادی تک کا سفر کروں۔ مگر اس کی اپنی حالت اچھی نہیں ہے ڈاکٹر نے اسے جواب دے دیا ہے۔''

''بڑی بھرپور شخصیت ہے راجا عمر دراز کی۔''

''اتنی ہی بھرپور زندگی بھی گزاری ہے اُس نے۔''

''ڈیوڈ شا کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے؟''

''میری اس سے بات ہوئی ہے اور میں نے اسے بتا دیا ہے کہ اس کے آدمی نے بدعہدی کی اور مجھے مرشد کے حوالے کرنا چاہا تھا۔''

''اس کا کیا ردِعمل تھا؟''

''ایسا لگا جیسے اسے میری بات کا یقین نہیں آیا مگر مجھے اس کی پروا نہیں ہے میری بلا سے وہ جہنم میں جائے۔ اگر یقین نہیں کرتا ہے۔''

''لیکن اسے یقین آ گیا کہ اس کے آدمی نے مرشد کے ساتھ مل کر اسے ڈبل کراس کیا ہے تو اس کا کیا ردِعمل ہوگا۔''

''کچھ بھی نہیں ابھی وہ مرشد کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہے اور جب اس کا کام نکل جائے گا تو مرشد کا جھٹکا کر دے گا وہ کسی کو معاف کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔''

''وہ بھی مجھے مرشد کی نسل کا لگتا ہے۔''

''کچھ اسی قسم کا شخص ہے، لیکن اس کے عزائم مرشد سے بہت زیادہ بلند ہیں۔''

''تیرا کیا خیال ہے وہ وادی تک کیوں جانا چاہتا ہے۔''

''مجھے اس کے پس پشت گوروں کی مخصوص نفسیات نظر آتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں دنیا کی ہر چیز اور ہر دریافت پر اصل میں ان کا حق ہے اور اگر کوئی اور یہ کام کر جاتا ہے تو وہ اُن کی حق تلفی کرتا ہے اور ان کا مجرم ہے۔ وادی تک ولیم شا، اس کا آسٹریلین ساتھی اور راجا عمر دراز پہنچے تھے اس طرح وادی کی دریافت میں وہ تینوں شریک تھے لیکن شاید ولیم شا نے صرف اسی لیے وادی کے بارے میں لب کشائی سے گریز کیا کہ وہ اس میں عمر دراز یا اپنے ساتھی کو حصے دار بنانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر موت اور حالات نے اسے مہلت نہیں دی۔ اس کے بیٹے برٹ شا کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر ڈیوڈ شا وہاں کے لیے پاگل ہو رہا ہے۔''

''شہباز تم نے بتایا کہ وہ تمہاری مدد کے بدلے مرشد سے تمہارا تصفیہ کرانے کے لیے تیار تھا؟''سفیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم نے دیکھ لیا مرشد نے اس کے تصفیے کو اس کے منہ پر مارنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔''میں نے

اسے یاد دلایا۔

''وہ ٹھیک ہے یار پر ہم ڈیوڈ شا کو استعمال تو کر سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''تُو ڈیوڈ شا سے بات کر اور اسے بول کہ تو اب بھی اس کے ساتھ معاہدے میں مخلص ہے اگر وہ مرشد سے ہماری جان چھڑا دے تو تُو اس کے ساتھ وادی جائے گا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''میرا پہلے بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔''

''بے شک ارادہ نہ ہو لیکن بات کرنے میں کیا حرج ہے وہ کون سا جن ہے جس سے کیا عہد نبھانا ضروری ہو گا۔''

''بھائی تم جانتے نہیں ہو وہ کتنا شاطر آدمی ہے اس نے مجھ سے قرآن کریم پر عہد لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں قرآن پر کیا ہوا عہد نہیں توڑ سکوں گا وہ تو خدا نے احسان کیا اور میری خود ہی جان چھوٹ گئی اور مجھے اس کے ساتھ کیا ہوا عہد نبھانا نہیں پڑا۔ اب میں نے اس سے بات کی تو وہ مجھے اسی طرح پھانس لے گا۔''

''فی الحال وہ برطانیہ میں یا کہیں اور ہے اور تم اس کے قبضے میں بھی نہیں ہو اس لیے بات کرو اور اس سے تعاون پر آمادگی ظاہر کرو۔''

''اس کا فائدہ؟''

''سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہو گا کہ ڈیوڈ شا مرشد کی کلیں دبائے گا اور وہ اسے صاف انکار بھی نہیں کر سکتا ہے۔ وہ ہمارے خلاف کارروائیاں روکنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔''لیکن اگر تُو کہتا ہے تو میں اس سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔''

ڈیوڈ شا کا فون نمبر میں نے اپنے ای میل اکاؤنٹ میں محفوظ رکھا تھا۔ آئی فون سے اکاؤنٹ کھولا۔ اس میں انٹرنیٹ ہمہ وقت آن رہتا ہے۔ ڈیوڈ شا کے پیلس کا نمبر نوٹ کیا اور اس سم سے اسے کال ملائی جو میں نے صرف دشمنوں سے رابطے کے لیے مخصوص رکھی تھی۔ فون ڈیوڈ شا کے مہذب بٹلر نے اٹھایا اور نہایت شائستگی سے مجھے بتایا کہ مسٹر ڈیوڈ شا شام کی چائے پینے میں مصروف ہیں اس لیے میں کچھ دیر بعد کال کروں۔ میں نے کہا۔

''میں پاکستان سے کال کر رہا ہوں اور یہ کال مسٹر ڈیوڈ شا کے لیے بہت اہم ہے۔ تم ان سے بات کرو اور اگر وہ انکار کرتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا لیکن میں دوبارہ کال نہیں کروں گا۔''

بٹلر نے چند لمحے میرے الفاظ تولے اور بولا۔''آپ ایک منٹ کے لیے ہولڈ کریں۔''

ایک منٹ بعد ڈیوڈ شا کی سرد آواز ابھری۔''ہیلو۔''

''شہباز ملک بات کر رہا ہوں۔''

''شہباز۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔''تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے تم میرے آدمی کو دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔''

''کس قسم کا دھوکا جب کہ تم مجھے ویسے ہی رہا کرنے والے تھے؟'' میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔''یا تمہارا

ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اور دھوکا تم مجھے دے رہے تھے۔''

''مارشل کا بیان بالکل الگ ہے، اس کی موبائل کال کا ریکارڈ نہیں ملا ہے۔''

''مارشل اس وقت کہاں ہے؟''

''میں نے اسے واپس بلا لیا ہے۔''

''کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟''

''وہ یہاں نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔

''تمہارے پاس اس کا نمبر ہوگا، تم اسے کال کر سکتے ہو اور مجھے کانفرنس میں لے لو۔''

''اس سے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

''میں ابھی اس کے جھوٹ کا پول کھول دیتا ہوں تم سنتے رہنا۔''

ڈیوڈ شا نے سوچا اور پھر مارشل کو کال کی اس دوران میں میری کال ہولڈ پر چلی گئی تھی۔ اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ ڈیوڈ شا نے اس سے کیا کہا لیکن ایک منٹ بعد وہ بھی اس کال میں شامل تھا۔ اس نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔ ''شہباز تم بچو گے نہیں۔''

''تم نے کوشش تو پہلے بھی کی تھی اور مجھے مرشد کے حوالے کرنا چاہا تھا لیکن بازی الٹ گئی۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''جب میں تمہیں رہا کرنے گیا تو تمہارے ساتھیوں نے حملہ کر دیا اور میرے آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکا تھا۔''

''یہ غلط ہے تم مجھے فیصل مسجد لے کر نہیں لے گئے تھے جہاں تم نے میرے ساتھیوں کو مجھے حوالے کرنے کو کہا بلکہ تم مجھے راول ڈیم لے گئے تھے اور وہاں مرشد کے آدمیوں کے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی، میری خوش قسمتی کہ میں جان بچانے میں کامیاب رہا۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم میں تمہیں فیصل مسجد کی طرف ہی لے گیا تھا۔''

''مسٹر ڈیوڈ شا تم سن رہے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''مارشل نے اپنے منہ سے اقرارِ جرم کر لیا ہے۔''

مارشل غرایا۔ ''بکواس کرتے ہو تم میں نے کوئی اقرارِ جرم نہیں کیا ہے۔''

''ڈیوڈ شا تم نے سنا یہ مجھے میرے ساتھیوں کے حوالے کرنے کے لیے فیصل مسجد کی طرف لے گیا تھا لیکن اگلے دن کے اخبارات تمہیں بتائیں گے کہ اس روز فیصل مسجد یا اس کے آس پاس ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا جس میں کم سے کم دو افراد کی ہلاکت ہوئی ہو لیکن راول ڈیم کے پاس ایسا واقعہ ضرور ہوا تھا جس میں فائرنگ اور جانی نقصان ہوا تھا۔ اگر میرے ساتھیوں نے اس پر فیصل مسجد کے پاس حملہ کیا تھا تو یہ واقعات راول ڈیم کے پاس کیوں ریکارڈ کیے گئے۔ اخبارات چیک کرنے کے لیے تمہیں زیادہ زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔ انٹرنیٹ پر اب تمام اہم پاکستانی اخبارات دستیاب ہیں اور ان کے پرانے شمارے بھی مل جاتے ہیں۔''

میرے الفاظ نے مارشل کو گنگ کر دیا تھا غالباً اس نے سوچا نہیں تھا کہ یہ سب اخبار میں آیا ہوگا۔ اس کی خاموشی کے ڈیوڈ شا کو مشکوک کر دیا اس نے یخ بستہ لہجے میں کہا۔ ''مارشل اب تم کیا کہتے ہو؟''

''یہ...... یہ بھوٹ کہہ رہا ہے۔'' مارشل جو پہلے بلڈاگ کی طرح غرا رہا تھا اب کسی نازک مزاج پلے کی

طرح چپاؤں چپاؤں کرنے لگا۔

''اگر یہ جھوٹ کہہ رہا ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر اخبارات نے کوئی اور کہانی سنائی تو......''

''پلیز......پلیز ڈیوڈ شا مجھے معاف کر دو۔'' مارشل گڑگڑانے لگا۔''مجھ سے غلطی ہوئی میں مرشد کی باتوں میں آ گیا تھا۔''

''باتوں میں یا لالچ میں؟'' میں نے ہنس کر کہا۔''ڈیوڈ شا تم خود کو بہت توپ چیز سمجھتے ہو، تمہارے خیال میں تمہاری ضمانت اس ملک کے حکمران بھی نہیں ٹھکرا سکتے لیکن تمہارا ایک معمولی اور ایک قدموں میں لوٹنے والا غلام کس طرح تمہارے الفاظ کو تمہارے منہ پر مار گیا۔''

''شہباز ملک۔'' وہ غرایا۔

''پہلے ان لوگوں سے حساب لے لو پھر مجھ سے بات کرنا۔'' میں نے کہا۔''میں اب بھی تم سے تعاون کرنے کو تیار ہوں لیکن اس بار کسی معاہدے کی بات کرتے ہوئے اپنی ضمانت مضبوط کر لینا۔''

میں نے کال کاٹ دی اور سم نکال لی۔ سفیر نے سکون کا سانس لیا وہ مجھے مستقل اشارے کیے جا رہا تھا کہ میں نے کچھ زیادہ ہی دیر بات کر لی ہے اور ڈیوڈ شا کا کوئی بھروسہ نہیں ہے وہ باہر سے بیٹھے بیٹھے یہاں میرے خلاف ڈوریاں ہلا سکتا تھا۔''اتنی دیر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' سفیر نے برہمی سے کہا۔''ان کے بارے میں جانتے نہیں ہو۔''

''بس یار بات ہی ایسی ہو رہی تھی۔ مارشل کا پتا تو صاف سمجھو اور مرشد بھی مشکل میں پڑنے والا ہے۔'' میں نے میز پر ایک نوٹ رکھا اور کھڑا ہو گیا۔''لیکن تُو بھی ٹھیک کہہ رہا ہے ہمیں احتیاط کرنی چاہیے اور یہاں سے فوری روانہ ہو جانا چاہیے۔''

میں اور سفیر باہر آئے اور بروقت آئے جیسے ہی ہم لینڈ کروزر میں بیٹھے ایک سفید کار وہاں آ کر رکی اور اس سے چار آدمی نکل کر کیفے کی طرف لپکے تھے۔ تاریک شیشوں کے پیچھے وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں مشین گن تھی اور باقی بھی یقیناً مسلح تھے۔ اندر جانے سے پہلے ان میں سے ایک بولا۔ ''سگنل یہیں سے آ رہے تھے ہوشیاری سے وہ بہت خطرناک ہیں لیکن گولی نہیں چلانی ہے ان کو زندہ قابو کرنا ہے۔''

آنے والے چاروں افراد مقامی تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ جن کے لیے آئے وہ ان سے صرف چند قدم کی دوری پر اس لینڈ کروزر کے سیاہ شیشوں کے پیچھے موجود تھے۔ جیسے ہی وہ اندر گئے میں نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور اسے پارکنگ سے نکالتے ہوئے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا۔ سفیر نے اضطراب سے کہا۔''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''دیکھتے جاؤ۔'' میں نے کہا اور اپنا پستول نکال کر سفید کار کے اگلے دونوں پہیوں پر ایک ایک فائر کیا اور دونوں دھماکے سے برسٹ ہو گئے۔ فائرز کی آواز بھی یقیناً اندر گئی ہو گی لیکن جب تک وہ چاروں اندر سے برآمد ہوتے ہماری گاڑی کوئی دو سو گز دور جا چکی تھی۔ سفیر پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے فرار ہوتے ہوئے حد رفتار کا خیال رکھا تھا کیونکہ صدر کے علاقے میں ٹریفک پولیس ہوتی تھی اور وہ پیچھے آنے میں زیادہ دیر بھی نہیں

لگاتی۔ سفیر نے ان کو باہر آتے اور اپنی کار کا معائنہ کرتے دیکھ کر قہقہہ مارا۔

''اب مزہ آئے گا سالوں کو ہمیں پکڑنے آئے تھے۔''

میں ڈرائیونگ کے ساتھ آس پاس نظر بھی رکھے ہوئے تھا کیونکہ مجھے شک تھا کہ وہ صرف ایک گاڑی کے ساتھ نہیں آئے ہوں گے۔ ابھی ہم نصف کلومیٹر دور گئے ہوں گے کہ ایک ذیلی سڑک سے ایسی ہی ایک سفید کار نکل کر ہمارے پیچھے آنے لگی۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''بیٹے ہوشیار ہو جا اب مزہ لینے کی باری ہماری ہے۔''

''کیا ہوا؟''

میں نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے رفتار بڑھائی۔ ''مجھے شک ہے یہ سفید کار ہمارے پیچھے آرہی ہے۔''

سفیر نے پلٹ کر دیکھا، لینڈ کروزر کی رفتار بڑھتے ہی عقب میں آنے والی گاڑی کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی۔

میں نے گاڑی دائیں طرف ایک آبادی کی طرف گھما دی۔ فوراً ہی سفید کار بھی اسی طرف گھوم گئی۔ سفیر نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ ''وہ ہماری پیچھے آرہی ہے۔''

''یار اس سے بھی نمٹنا پڑے گا۔'' میں نے گاڑی کو گلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔

سفیر نے کہا۔ ''تو بس دیر مت کرو ورنہ یہ کال کر کے مزید مصیبتوں کو نہ بلا لیں۔''

''تیرا نشانہ اچھا ہے۔ اوپر والے خانے سے نکل کر سائلنسر والے پستول سے کار کے ٹائروں اور ونڈ اسکرین کو نشانہ بنانے کی کوشش کر۔''

سفیر نے ڈیش بورڈ کے خانے سے سائلنسر لگا ہوا پستول نکالا اور چھت والا خانہ کھولتے ہوئے اس سے باہر نکلا۔ اسے باہر آتے دیکھ کر عقبی کار کی رفتار کم ہوئی اور اسی مناسبت سے میں نے بھی رفتار کم کی۔ وہ کوئی پچاس گز کی دوری پر تھی۔ سفیر نے نشانہ لے کر آدھے منٹ سے کم وقت میں کار پر پورا میگزین خالی کر دیا۔ سائلنسر کی وجہ سے آواز نہیں آئی تھی لیکن سفید کار کا ایک ٹائر ضرور دھماکے سے پھٹا تھا اور اس کی ونڈ شیلڈ پر بھی کئی سوراخ نمودار ہو گئے تھے۔ اب وہ تعاقب کے قابل نہیں رہی تھی۔ پتا نہیں اندر موجود افراد میں سے کسی کو گولی لگی تھی یا نہیں لیکن گاڑی ضرور رک گئی تھی۔ سفیر کے واپس بیٹھتے ہی میں نے رفتار بڑھا دی۔ سفیر خوش تھا۔

''کیسا رہا نشانہ؟''

''شاندار رہا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اتنی ترقی کر لی ہے۔''

''دبئی میں ایک شوٹنگ کلب جوائن کیا ہوا تھا وہاں میں نے دو ٹرافیاں بھی جیتی تھیں۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''عجلت میں بھاگتے ہوئے دونوں ٹرافیاں وہیں رہ گئیں۔''

''کوئی بات نہیں یار ایسی ٹرافیاں یہاں بھی بہت مل جاتی ہیں جتنی کہو اور ان پر جو چاہے لکھوا لو۔''

سفیر نے مجھے گھورا۔ ''تیرا مطلب ہے وہ نقلی ٹرافیاں تھیں جیسا کہ ہمارے ہاں کھلاڑی اور دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بنواتے ہیں؟''

''نہیں مجھے پورا یقین ہے وہ ٹرافیاں تجھے شوٹنگ کلب والوں نے ہی دی ہوں گی لیکن کیا مونا کو اس کا یقین تھا؟''

''نہیں بھائی اسے ایک لمحے کو بھی یقین نہیں آیا تھا اس کے خیال میں، مَیں بازار سے بنوا کر لایا

ہوں۔'' سفیر نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یار یہ بیویاں شوہروں کو اتنا چھوٹا کیوں سمجھتی ہیں۔ ویسے لگتا ہے ان سے پیچھا چھوٹ گیا ہے۔''

''یعنی کوئی اور پیچھے نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اس دوران میں گاڑی دوبارہ مین روڈ پر نکال لی تھی۔ ''تیرا منحوس اندیشہ درست ثابت ہوا ڈیوڈ شا برطانیہ میں بیٹھ کر یہاں اپنے اثر ورسوخ سے ہمیں ڈھونڈ نکالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔''

''منحوس کے بجائے آپ اسے پیش بینی بھی کہہ سکتے تھے۔'' سفیر نے ملائمت سے کہا۔ ''اس نے اپنا قاتل دستہ بھی فوراً روانہ کر دیا۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''ان کا انداز قاتلانہ نہیں تھا کیونکہ صرف ایک نے مشین گن اٹھائی ہوئی تھی اور وہ شاید ڈرانے دھمکانے کے لیے تھی۔ وہ ہمیں اٹھانے آئے تھے۔''

''شکر ہے مجھے بروقت عقل آ گئی اور ان کے اٹھانے سے پہلے ہم خود اٹھ گئے۔ ورنہ ابھی بندھے ہوئے جا رہے ہوتے۔'' سفیر نے اپنی پیٹھ خود تھپکی۔ ''تیرا اندیشہ درست ثابت ہوا ہم کہیں جائیں اور دشمن سے ٹکراؤ نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں ہے۔''

''لیکن اس بار ہم نے خود بیل کو دعوت دی تھی۔'' میں نے فیول گیج کی طرف دیکھا۔ گاڑی میں ڈیزل کم ہو رہا تھا۔ اگرچہ ایاز نے ایسا بندوبست رکھا تھا کہ عقبی حصے میں پانچ پانچ گیلن کے چار کین بھرے رکھے تھے لیکن یہ صرف ہنگامی حالات کے لیے تھے۔ میں نے نظر آنے والے پہلے پیٹرول پمپ کی طرف گاڑی موڑی اور ڈیزل پمپ کے سامنے روکتے ہوئے لڑکے کو ٹنکی فل کرنے کو کہا۔ اس نے مجھ سے چابی لے کر نوزل ٹینک میں لگا دی۔ میں اور سفیر نیچے اتر آئے۔ سردی کی وجہ سے پیٹرول پمپ اور آس پاس ویرانی تھی، اسٹیشن میں واحد گاڑی ہماری تھی۔ سفیر کو کچھ فطری مسئلہ درپیش ہوا اور وہ واش روم کی طرف چلا گیا۔ لڑکا دیکھنے میں کم عمر لگ رہا تھا لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو مجھے اپنے خیال کی تردید کرنا پڑی۔ وہ پچیس سے اوپر کا تھا اور اس کے سوا وہاں کوئی اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے میٹر پر تیزی سے بدلتے ہندسوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ادائیگی کہاں کرنی ہے؟''

عام طور سے اتنے بڑے پمپس پر دو تین آدمی ہوتے ہیں اور کیش ہینڈلنگ کا کام ایک ہی آدمی کرتا ہے لیکن یہاں بس یہی لڑکا تھا اس نے جواب دیا۔ ''مجھے دو صاحب۔ میں اندر دے آتا ہوں۔''

ٹینکی فل ہو گئی تھی اس نے نوزل نکالی۔ میں نے میٹر دیکھا اور اسے ایک بڑا نوٹ دیا اس نے کہا۔ ''آپ کو چینج لا کر دیتا ہوں۔''

وہ نوٹ لے کر آفس کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں ٹہلتا ہوا ری فریش منٹ شاپ کی طرف گیا۔ حیرت انگیز طور پر وہاں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ ممکن ہے میں عام آدمی ہوتا تو اس چیز کو نظر انداز کر دیتا اور میرا ذہن کسی شک کی طرف نہیں جاتا لیکن میرے تو دن رات غیر معمولی حالات میں گزرتے تھے اور معمول سے ہٹی کوئی چیز بھی مجھے فوراً متوجہ کرتی تھی۔ سفیر ابھی واپس نہیں آیا تھا میں شاپ میں داخل ہوا۔ مکمل گلاس وال کی وجہ سے باہر سے اندر کا منظر نظر آتا تھا لیکن بہت ساری چیزیں ڈسپلے میں رکھی تھیں اس لیے سب کچھ بھی نظر نہیں

آتا تھا۔ کاؤنٹر خالی تھا۔

''کوئی ہے؟'' میں نے آواز دی اور پھر موبائل نکال کر سفیر کو کال کی۔ اس نے کئی بیل جانے کے بعد کال ریسیو کی۔ ''اوہ بھائی کہاں ہے کیا کوئی بڑا مسئلہ ہو گیا ہے؟''

''ہاں نہیں کوئی مسئلہ نہیں سب ٹھیک ہے۔'' سفیر نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو بس آجاؤ'' میں نے کہا اور پستول نکال لیا۔

''میں آرہا ہوں تم گاڑی اسٹارٹ رکھو۔'' سفیر بولا اور میں تیزی سے باہر آیا۔ لڑکا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ میں گاڑی میں آ گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کوئی ایک منٹ بعد نمودار ہوا اور میری طرف آنے لگا۔ میں نے دیکھا اس کا ایک ہاتھ پیچھے کی طرف تھا۔ اس نے کھڑکی کے پاس آکر رقم والا ہاتھ سامنے کیا۔

''یہ لو صاحب بقیہ۔''

میں نے رقم لیتے ہوئے اس کے دائیں شانے پر نظر رکھی تھی اور جیسے ہی وہ حرکت میں آیا میں نے دروازہ کھولتے ہوئے اس کو مارا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے جا گرا اور اس سے پہلے اٹھتا میں نے باہر نکل کر اس کے ہاتھ میں دبا ہوا پستول چھین لیا۔ ساتھ ہی اس کا بازو مروڑتے ہوئے اسے اپنے سامنے ڈھال بنا لیا۔ لڑکا تلملایا لیکن میری گرفت سے نہیں نکل سکا۔ میں نے اس کی گردن بازو میں لے لی اور اسے دباتے ہوئے پوچھا۔

''اندر کیا ہو رہا ہے کون ہو تم لوگ؟''

''چھوڑ مجھے۔'' اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ ''ورنہ تیرا ساتھی نہیں بچے گا۔''

میرا شک درست نکلا ان لوگوں نے سفیر کو یرغمال بنا لیا تھا۔ میں نے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔ ''تم لوگ ڈاکا مارنے آئے ہو؟ کتنے ساتھی ہیں تمہارے؟''

اس نے جواب نہیں دیا تو میں نے گرفت سخت کر دی۔ اس کی سانس رک رہی تھی اور وہ ہوا کے لیے مچل رہا تھا۔ میں اسے کھینچ کر گاڑی کے پیچھے لے آیا۔ یہاں میں اندر موجود افراد کے نشانے سے محفوظ تھا۔ جب اس کا دم تقریباً نکلنے والا ہو گیا تو میں نے گرفت ڈھیلی کی اور اپنا سوال دہرایا۔ اس بار اس نے جواب دیا۔ ''اندر میرے......تین ساتھی......اور ہیں۔''

''پیٹرول پمپ والے کہاں ہیں؟''

''انہیں باتھ روم میں بند کر دیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

تو یہ وجہ تھی انہیں سفیر کو بھی ہینڈز اَپ کرنا پڑا تھا کیونکہ وہ واش روم کی طرف گیا تھا اور اس نے یقیناً قیدیوں کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اپنے ساتھیوں سے کہو شرافت سے ہتھیار پھینک کر باہر آجائیں میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں فرار کا موقع دوں گا۔''

''وہ نہیں مانیں گے۔'' اس کا سانس بہتر ہو گیا تھا۔ ''وہ تمہارے ساتھی کو مار دیں گے۔''

اسی لمحے آفس کا دروازہ کھلا اور دو افراد سفیر کو ڈھال بنا کر باہر آئے اور انہوں نے للکار کر مجھ سے کہا۔ ''خبردار چھوڑ دے اسے ورنہ تیرے ساتھی کو مار دوں گا۔''

''یہ میرا ساتھی نہیں ملازم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تم شرافت سے یہاں سے فرار نہ ہوئے تو میں اسے

ماردوں گا۔ یہاں ایک فائر ہوا تو پولیس آجائے گی۔"

"اندر دو تلے بھی بند ہیں۔" ان میں سے ایک استہزائیہ انداز میں بولا۔ اس نے سفیر کی گردن سے شاٹ گن لگا رکھی تھی۔ "چھوڑ اسے ورنہ اس کا جھٹکا کردوں گا۔"

وہ سکہ بند اور چھٹے ہوئے مجرم لگ رہے تھے اور بولنے کے انداز سے لگتا تھا مرنا مارنا اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اپنا پستول میں پہلے ہی جیکٹ میں رکھ چکا تھا اور میرے ہاتھ میں لڑکے کا پستول تھا میں نے گہری سانس لی اور پستول پھینک دیا۔ شاٹ گن والے نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ "اسے بھی چھوڑ دے۔"

میں نے لڑکے کو دھکا دیا۔ "مجھے اس کا کیا کرنا ہے۔"

جیسے ہی میں سامنے آیا دوسرے نے مجھ پر ایک رائفل تان لی۔ "چل اندر۔"

میں آگے بڑھا، وہ مجھے اور سفیر کو اندر لے آئے۔ اندر ایک آدمی اور تھا اور اس نے دو نسبتاً معقول نظر آنے والے افراد پر گن تان رکھی تھی۔ لڑکا اب سنبھل گیا تھا اور سخت مشتعل تھا۔ وہ گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے شاٹ گن والے سے کہا۔ "اسے چپ کراؤ۔"

"اوئے چپ کر جا۔" شاٹ گن والے نے لڑکے سے کہا۔ "پہلے ان سے نمٹ لیں پھر اسے بھی دیکھ لیں گے۔"

"چاند جی۔" وہاں پہلے سے موجود مسلح فرد نے دونوں میں سے ایک آدمی سے کہا۔ "شرافت سے تجوری کھول دے ورنہ تیرا سر کھول دوں گا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "اس تجوری کو صرف مالک کھول سکتا ہے میں منیجر ہوں یہاں پر۔"

"بکواس نہ کر ہمیں پتا ہے تو منیجر بنتا ہے لیکن اس پٹرول پمپ کا اصل مالک تُو ہی ہے۔" مسلح آدمی نے کہتے ہوئے اچانک منیجر کے پاؤں پر گولی ماری۔ اس کی دھاڑ فائر کی آواز میں دب گئی تھی۔ وہ پاؤں پکڑ کر دوہرا ہو گیا تھا۔ مسلح آدمی منیجر کی طرف جھکا۔ "پتا چلا ایک گولی کی تکلیف کیسی ہوتی ہے جلدی بول ورنہ دوسرے پاؤں میں بھی گولی مارتا ہوں۔"

دوسرے آدمی کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ اس نے گھگھیائے انداز میں منیجر سے کہا۔ "سر خدا کے لیے بتا دیں یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔"

"لیکن منیجر حوصلے والا آدمی تھا اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔" جب مجھے معلوم ہی نہیں ہے تو بتاؤں کیا؟"

"یہ اس طرح نہیں مانے گا۔" مسلح آدمی نے پیچھے ہٹ کر رائفل سیدھی کی، میں سمجھا کہ وہ منیجر کے دوسرے پاؤں میں گولی مارنے جا رہا تھا لیکن اس نے اچانک ہی دوسرے آدمی کو گولی ماردی۔ گولی اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر لگی تھی اور وہ تڑپ کر چند لمحے میں مر گیا۔ میں اور سفیر دم بخود رہ گئے تھے۔ ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ ڈاکو اتنے سفاک ثابت ہوں گے۔ منیجر تڑپ گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی پر جھکتے ہوئے چلایا۔

"کریم...... یہ کیا کیا ظالموں؟" وہ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ دم توڑ چکا تھا اور جب منیجر نے یہ بات محسوس کی وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ "یہ چار چھوٹے بچوں کا باپ تھا۔"

گولی مارنے والے نے منیجر کو لات ماری۔ ''بکواس نہ کر بچوں کی اولاد، اگر تُو بھی اس کی طرح مرنا نہیں چاہتا ہے تو تجوری کھول دے۔''

لڑکے کے پاس اسلحہ نہیں تھا اس کا پستول بھی دوسرے آدمی نے لے لیا تھا لیکن باقی تین افراد رائفلوں سے مسلح تھے۔ ایک کے پاس شاٹ گن تھی اور باقی دو کے پاس بارہ بور کی رائفلیں تھیں اور وہ ہماری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ اس آدمی کو مرتے دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا تھا لیکن فی الحال میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ منیجر نے گولی مارنے والے کی طرف دیکھا۔ ''تم بے شک مجھے مار دو لیکن میں تجوری نہیں کھول سکتا۔''

یہ چاروں ڈاکو خاصی دیر سے اس پیٹرول پمپ پر موجود تھے اور وہ خوف زدہ بھی لگ رہے تھے۔ وہ اب جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ گولی مارنے والے نے اب رائفل کا رخ سفیر کی طرف کر دیا۔ ''اگر نہیں بتائے گا تو میں اسے ماردوں گا۔ اس کے بعد اس کی باری آئے گی۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اور پھر تیرے پیٹرول پمپ کے ایک ایک آدمی کو ماردوں گا۔ بول تجوری میں رکھا مال بچائے گا یا ان لوگوں کو؟''

''تم پاگل ہو۔'' منیجر نے خوف زدہ ہو کر کہا۔ ''ایک آدمی کو مار چکے ہو اور سب کو مار دو گے۔''

سفیر کی طرف رائفل کا رخ دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا تھا۔ رائفل بردار درندہ صفت آدمی تھا اور اس نے اچانک ایک آدمی کو مار کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی کو سکون سے قتل کر سکتا ہے۔ ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔ میرا ہاتھ اپنی جیکٹ میں رکھے پستول کی طرف جا رہا تھا لیکن یہ کام میں اتنی آہستگی سے کر رہا تھا کہ کسی کو احساس نہ ہو۔ سفیر نے اس سے کہا۔ ''اوہ بھائی میرا کیا قصور ہے۔''

''تیرا قصور ہے۔'' رائفل والے نے دانت نکوس کر کہا۔ ''اس کے پیٹرول پمپ پر پیٹرول بھروانے آیا ہے یہ قصور تو ہوا نا۔''

''تم پاگل ہو۔'' سفیر نے اس سے کہا اور منیجر کو مشورہ دیا۔ ''اسے تجوری کھول دو ورنہ یہ واقعی سب کو مار دے گا۔''

''میرے پاس واقعی تجوری کا نمبر نہیں ہے ورنہ میں ان کو دے دیتا۔''

''لگتا ہے تُو یوں نہیں مانے گا۔'' رائفل والے نے منیجر سے کہا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سفیر کو گولی مارنے والا ہے۔ اس کے دونوں ساتھی بھی اس کی اور سفیر کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اب مجھے حرکت میں آجانا چاہیے۔ ذرا سی تاخیر ناقابلِ تلافی نقصان کا سبب بن جائے گی۔ میرا ہاتھ جیکٹ کی جیب سے چند انچ دور تھا اور انہوں نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ میں مسلح ہو سکتا ہوں۔ میں نے شاید ہی کبھی اتنی تیزی سے حرکت کی ہو جتنی اس وقت کی تھی۔ میں سلپ ہوا اور زمین پر گرنے سے پہلے پستول نکال کر رائفل والے پر گولی چلا چکا تھا گولی اس کے سینے پر لگی اور وہ پلٹ کر پیچھے گرا میری حرکت کی وجہ سے رائفل والے کی توجہ میری طرف ہو گئی تھی اور اس نے سفیر پر گولی نہیں چلائی تھی۔

اس کے دونوں مسلح ساتھی ایک لمحے کے لیے حیرت سے مفلوج ہو گئے تھے اور اسی مہلت کا فائدہ اٹھا کر میں نے انہیں شوٹ کر دیا۔ انہیں رعایت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ میرے اور سفیر کے بالکل پاس تھے اور انہیں گولی چلانے کا موقع مل جاتا۔ اتنے قریب سے نشانہ خطا جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان

میں سے ایک کو گولی سر میں لگی اور وہ فوراً مر گیا جب کہ دوسرا اپنے گردن میں ہونے والے سوراخ سے خون روکنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔ سفیر نے بھی اپنا پستول نکال لیا تھا اور رائفل والے کو ایک گولی اور ماری۔ وہ زندہ تھا اور رائفل اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈاکوؤں کا ساتھی لڑکا دہشت کے عالم میں ساکت کھڑا تھا پھر اس نے اچانک حرکت کی اور تیزی سے آفس سے باہر نکل گیا۔ سفیر اس کے پیچھے لپکا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔

"اسے چھوڑ یہاں سے نکلنے کی فکر کر پولیس آنے والی ہوگی۔"

"منیجر یا مالک اپنی ٹانگ پکڑے ہمیں الجھن سے دیکھ رہا تھا میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو ہم پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتے اس لیے تم پولیس کو کہانی سناؤ گے کہ ڈاکوؤں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا تھا اور انہوں نے ایک دوسرے پر گولیاں چلائیں۔ یہ مر گئے اور باقی بچنے والے بھاگ گئے۔ میری بات سمجھ رہے ہو؟"

اس نے سر ہلایا۔ "تم ہمارے محسن ہو، میں پولیس سے یہی کہوں گا۔"

"تمہارے پاس موبائل ہے؟"

"اس نے چھین لیا تھا۔" منیجر نے رائفل والے کی طرف اشارہ کیا تو میں نے اس کے لباس کی تلاشی اور موبائل برآمد کر کے منیجر کی طرف بڑھا دیا۔

"پولیس اور ایمبولینس کے لیے کال کرو۔"

سفیر پہلے ہی باہر نکل گیا تھا۔ میں باہر جانے لگا تو منیجر نے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔ ڈاکوؤں کا ساتھی لڑکا فرار ہو گیا تھا۔ میں باہر نکلا تو سفیر نے گاڑی اسٹارٹ کر رکھی تھی اور میرا انتظار کر رہا تھا میرے بیٹھتے ہی چلا دی۔

"کیا اُسے تسلی دینے لگا تھا؟"

"نہیں اسے موبائل دے رہا تھا تا کہ وہ پولیس کو کال کر سکے۔"

"کیا قسمت ہے اپنی جہاں جاؤ کوئی دشمن جاں یا جان کا دشمن مل جاتا ہے۔"

"بس یار کیا کہہ سکتے ہیں یہ بھی خدا کا احسان ہے کہ وہ ہمیں محفوظ رکھتا ہے۔" میں نے کہا۔ "رفتار ذرا کم کر دو یہ اسلام آباد کا علاقہ ہے کہیں پولیس نہ پیچھے آ جائے۔"

سفیر اعصاب زدہ ہو رہا تھا اس نے گہری سانس لی اور رفتار کم کر دی۔ یہ انسانی خون دیکھنے کا فطری ردِعمل تھا۔ خود میرے اعصاب پر بھی بوجھ آ رہا تھا۔ حالانکہ جن کو مارا تھا وہ انسانی صورت میں درندے تھے۔ انہوں نے ایک عام بے گناہ شخص کو بلا وجہ گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ایک کو زخمی کیا تھا اور باقی لوگوں کے لیے بھی ان کے عزائم قاتلانہ تھے۔ اس کے باوجود ہمیں اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ "کسی سے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنی بار ذکر کریں گے ہمارے اعصاب پر اتنا ہی بوجھ آئے گا۔"

سفیر نے سر ہلایا۔ "میں نیند کی دوا لے کر سوؤں گا مجھے اس طرح سے نیند نہیں آئے گی۔"

"یہ بہتر رہے گا۔"

کچھ دیر بعد ہم ہائی وے پر آ گئے تھے۔ اسی اثنا میں وسیم کی کال آ گئی۔ "کہاں ہیں آپ لوگ؟"

''اسے ڈراپ کر کے ذرا پرانی یادیں تازہ کرنے چلے گئے تھے۔'' میں نے لہجے کو شگفتہ بنانے کی کوشش کی۔''راستے میں ہیں دس منٹ میں پہنچ جائیں گے۔''

''اوہ شکر ہے یہاں ٹی وی پر دکھا رہے ہیں کسی پیٹرول پمپ پر زبردست فائرنگ ہوئی ہے اور چار پانچ بندے مرے ہیں۔ ابھی پولیس اور ایمبولینس آ رہی ہے۔''

میں نے وسیم کو تسلی دے کر فون بند کیا اور سفیر سے کہا۔''بھائی میڈیا بہت تیز ہو گیا ہے۔ ہم سے پہلے ہماری خبر گھر پہنچ جاتی ہے۔''

''دیکھتے ہیں مینیجر ہمارے مطلب کا بیان دیتا ہے یا نہیں۔''

جب ہم گھر پہنچے تو ٹی وی پر لائیو کوریج آ رہی تھی۔ زخمی مینیجر کو ایمبولینس میں منتقل کیا جا رہا تھا اور رپورٹرز نے ایک پولیس افسر کو گھیر رکھا تھا وہ بیان دے رہا تھا۔ وسیم اور بیتو دیکھ رہے تھے۔ بیتو ہمیں دیکھ کر چہکا۔''شوبی شکر ہے آپ ادھر نہیں تھا ورنہ ہم سمجھا کہ آپ بھی اس مارا ماری میں شامل ہے۔''

''یار ہوا کیا ہے؟'' میں نے بھی ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔

وسیم نے بتایا۔''ایک پیٹرول پمپ پر چھ ڈاکو آئے تھے۔ انہوں نے سارے عملے کو یرغمال بنا کر بند کر دیا اور لوٹ مار کرنے لگے اس دوران میں انہوں نے گولی مار کر پیٹرول پمپ کے کیشیئر کو ہلاک کر دیا اور مینیجر کو زخمی کر دیا۔ بعد میں ڈاکوؤں میں لوٹ کے مال پر آپس میں لڑائی ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کر دی تین ہلاک ہو گئے اور تین فرار ہونے میں کامیاب رہے۔''

''ڈاکو اسی قابل تھے، بے چارہ کیشیئر مفت میں مارا گیا۔'' میں نے افسوس کیا۔ خبر ختم ہوئی تو وسیم اور بیتو ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے ان کو شبانہ کے بارے میں بتایا۔''وسیم اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کوٹھی میں نادر ہے اس لیے اس کی زیادہ نگرانی کی ضرورت ہے۔''

''میں نے مزید دو آدمی لگا دیئے ہیں، وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس کوٹھی کے آس پاس کوئی ٹھکانہ مل جائے۔ جہاں سے اس کوٹھی پر مستقل نظر رکھی جا سکے۔'' وسیم نے کہا۔

''ایک اہم خبر یہ ہے کہ میری ڈیوڈ شا سے بات ہوئی ہے۔'' میں نے کہا تو وسیم اور بیتو میری طرف متوجہ ہو گئے۔ وسیم نے پوچھا۔

''کیا بات ہوئی؟''

میں نے اسے مارشل اور مرشد کے گٹھ جوڑ کے بارے میں بتایا۔''مجھے خاصی حد تک یقین ہے ڈیوڈ شا اصل بات جان گیا ہے۔''

''اس کا فائدہ؟'' وسیم نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔''میرا نہیں خیال کہ وہ مرشد جیسے کام کے مہرے سے اپنے تعلقات خراب کرے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو شاید وہ ابھی تعلقات خراب نہ کرے لیکن مجھے یقین ہے مستقبل میں ڈیوڈ شا اسے کوئی نہ کوئی سزا ضرور دے گا۔ میں نے اسے اپنے تعاون کا چارہ بھی ڈال دیا ہے۔''

''وسیم ٹھیک کہہ رہا ہے یار ڈیوڈ شا اور مرشد ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔'' سفیر نے وسیم کی تائید کی۔

''اگر ایسا ہوتا تو وہ کال پر اپنے شکاری کتے کیوں بھیجتا؟''

اس بار وسیم اور بیتو چونک گئے اور ان کو بتانا پڑا کہ ہمارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ وسیم تشویش زدہ ہو گیا۔''شہباز صاحب یہ بات ثابت کرتی ہے کہ ہمارے دشمن ہمارا سراغ لگانے کے لیے جدید ترین ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ اس صورت میں بہتر ہے کہ ہم رابطے کے لیے موبائل کا استعمال بہت محدود کر دیں۔ صرف انتہائی ناگزیر صورت میں استعمال کیا جائے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا۔''لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح بالکل درست جگہ پہنچ گئے۔''

''آپ کو پہلے بھی تجربہ ہو چکا ہے جب فتح خان ڈیوڈ شا کے ساتھ تھا اور اس نے آپ کو موبائل کی مدد سے تلاش کر لیا تھا پھر ابھی مرشد کے آدمیوں نے یہی کام کیا اور اب ڈیوڈ شا بھی کر رہا ہے۔ آج کل ایسی پورٹیبل ڈیوائسس عام ہوگئی ہیں جو ایک مخصوص فریکوئنسی پکڑ کر اس کی سمت اور فاصلہ بتا سکتی ہیں۔ پہلے یہ کام صرف موبائل کمپنیاں کر سکتی تھیں اب ہر وہ فرد کر سکتا ہے جس کے پاس ایسی کوئی ڈیوائس ہو۔ یہ فریکوئنسی بھی خود پکڑ لیتی ہے بس اسے موبائل کا ایم آئی نمبر دینا ہوتا ہے۔'' وسیم نے تفصیل سے بتایا۔''یہی وجہ ہے کہ اب وہ لوگ جو ملکوں اور حکومتوں سے چھپتے ہیں وہ موبائل استعمال کرنے سے قطعی گریز کرتے ہیں۔''

''ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔'' سفیر نے کہا۔''ویسے آج کل وائرلیس فون عام ہو گئے ہیں۔''

''یہ بھی نیٹ ورک کے تحت کام کرتے ہیں اور ان کا سراغ لگانا بھی آسان ہے۔'' وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔''میں نے کہا نا اس خطرے سے بچنے کا واحد طریقہ موبائل کے استعمال سے پرہیز ہے۔''

''جیسے بچے پیدا نہ کرنے کا واحد طریقہ شادی سے گریز ہے۔'' سفیر نے مثال پیش کی۔ وسیم ہنسا۔

''اب شادی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمارے آقا امریکہ میں چالیس فیصد بچے بغیر شادی کے پیدا ہو جاتے ہیں اور عین ممکن ہے کوئی ایسا ہی بچہ مستقبل میں امریکہ کا صدر بن جائے۔''

''بھائی ہمارے ہاں بھی اب ایسے بچوں کی کمی نہیں ہے۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔''ہائی سوسائٹی میں اب کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا ہے کہ وہ جسے باپ کہہ رہا ہے وہی اس کا باپ بھی ہے یا نہیں۔''

ہم معاشرے کی خرابیوں پر بات کرنے لگے اور یہ گفتگو اس وقت تک جاری رہی جب تک سب نے جماہیاں لینا نہیں شروع کر دیں۔ ایاز پہلے ہی سونے جا چکا تھا۔ بیتو حسبِ معمول سب سے پہلے سونے کے لیے اٹھ گیا میں نے رات کے پہرے کے بارے میں پوچھا تو وسیم نے کہا۔''صابر دن بھر آرام کرتا رہا ہے اب وہ رات بھر پہرہ دے گا۔''

''یعنی ہم سب سوئیں گے۔'' سفیر نے خوش ہو کر کہا۔

بیتو کے جانے کے وسیم نے اچانک کہا۔''شہباز صاحب کوئی مسئلہ ہوا ہے اور آپ دونوں نے بتایا نہیں۔''

میں نے سفیر کی طرف دیکھا اور سر ہلایا۔''لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''آپ اور سفیر کا انداز دیکھ کر، دونوں کچھ پریشان اور معمول سے ہٹے ہوئے لگ رہے تھے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے۔ پیٹرول پمپ پر ہونے والی واردات میں ہم بھی شامل ہو گئے تھے۔ تین ڈاکو ہمارے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔'' میں نے کہا اور وسیم کو تفصیل سے اس واقعے کے بارے میں بتایا۔ اس نے شکوہ کیا۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''یار اس واقعے کے بعد ہم دونوں کی حالت عجیب سی ہوگئی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس بارے میں بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اب تمہیں یا کسی کو بتاتے تو بار بار سب دہرانا پڑتا اور میں اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ اس طرح کسی انسان کی جان لینا دوسرے انسان کے لیے آسان نہیں ہوتا ہے درندوں کی بات اور ہے۔ وہ قتلِ عام کر کے بھی پُرسکون اور معمول کے مطابق رہتے ہیں۔''

''یہی تو مسئلہ ہے ہم درندے نہیں ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ورنہ مرشد یا اس جیسے لوگوں سے نمٹنا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ بس ہمیں ان کی سطح پر آنا پڑے گا۔''

''یہ کام ہم سے ہو نہیں سکتا۔'' سفیر کھڑا ہو گیا۔ ''اچھا یاروں میں تو چلا سونے اب صبح ملاقات ہوگی۔''

سفیر کے جانے کے بعد کچھ دیر میں اور وسیم اپنے آئندہ کے لائحہ عمل پر بات کرتے رہے خاص طور سے شہلا کی مدد سے بینک لاکر تک رسائی کے بارے میں غور کرتے رہے۔ ہم جلد از جلد اس کام کو نمٹا لینا چاہتے تھے۔ اگرچہ اس کا ہماری اصل جدوجہد سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن یہ ہماری ایک ذمے داری تھی جسے بہر صورت پورا کرنا تھا۔ رات بہت ہو چکی تھی اور شہلا یقیناً سو چکی تھی لیکن اصل بات یہ تھی کہ وہ جس طرح سوتی تھی ہم میں سے کوئی اس کے کمرے میں جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے شہلا سے بات کرنے کا معاملہ صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ ہم سونے کے لیے اٹھ گئے۔ سفیر تو نیند کی دوا لے کر مزے سے سو گیا تھا لیکن مجھے بہت مشکل سے اور بہت دیر سے نیند آئی تھی۔ خواب میں بھی مجھے وہی ڈکیت اور پیٹرول پمپ کا کیشیئر دکھائی دیا تھا۔ چٹتی ہوئی نیند تھی اس لیے جب صبح جاگا تو سر بھاری ہو رہا تھا اور جسم یوں ٹوٹ رہا تھا جیسے ہلکا سا بخار ہو۔ بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بیتو ناشتہ بنا رہا تھا یعنی انڈے ابال رہا تھا اور ڈبل روٹی سینک لی تھی۔ اس کے ساتھ چائے تھی۔ وہ کمرے میں آیا۔

''کیا بات ہے شوبی آپ ابھی تک اٹھا نہیں۔'' اس نے پردے ہٹاتے ہوئے کہا۔ فوراً ہی کمرہ سورج کی روشنی سے بھر گیا تھا۔

''نہیں یار شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا تو بیتو نے فوراً میرا ماتھا چیک کیا اور تشویش سے بولا۔

''آپ کو تو بخار ہو رہا ہے۔''

''کوئی نہیں یار ہلکی سی حرارت ہے۔'' میں اٹھ بیٹھا۔ ''ابھی ناشتہ کر کے کوئی دوا لوں گا تو ٹھیک ہو جائے گی۔''

''آپ جلدی سے آجاؤ ناشتہ تیار ہے، ہم سفیر بھائی کو اٹھاتا ہے۔'' بیتو نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ جب تک میں واش روم سے فارغ ہو کر آیا اس نے سفیر کو کسی نہ کسی طرح اٹھا دیا تھا مجھے دیکھ کر وہ بیتو پر چڑھ دوڑا۔

''یہ ٹھیک ٹھاک پھر رہا ہے اور تم نے کہا کہ اس کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' وہ یوں اٹھائے جانے پر سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔

''ہاں طبیعت خراب ہے۔'' بیتو نے اصرار کیا۔ ''دیکھو نا بخار ہے۔''

''اوہ بھائی معمولی بخار ہے۔'' میں نے کہا۔ ''رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔''

''آپ ناشتہ کرکے اور دوا لے کر سو جاؤ۔''

''میں بھی سونے جا رہا ہوں۔'' سفیر غرایا۔ ''اب مجھے بارہ بجے سے پہلے مت اٹھانا۔''

''ہم بارہ بجے بھی نہیں اٹھائے گا۔'' بیتو خفا ہو گیا۔ ''ناشتہ بھی خود بنانا اپنے لیے۔''

''چلو چھوڑو۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''مجھے ناشتہ دو اور وسیم کہاں ہے؟''

''وہ تو صبح سویرے چلا گیا۔'' بیتو نے بتایا۔ ''ایاز بھائی بھی ان کے ساتھ ہے انہوں نے گاڑی کا کچھ کام کرنا ہے۔''



وسیم اور ایاز یقیناً وین کے سلسلے میں گئے تھے۔ میں نے ناشتہ کیا میرا ڈبل روٹی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اس لیے بیتو کے اصرار پر دو ابلے انڈے لے کر میں نے دو عدد پین کلر لے لیں۔ بیتو نے شہلا کا ناشتہ بھی بنا دیا تھا لیکن اس کے کمرے میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ ''ہم اس بے ہودہ عورت کے کمرے میں نہیں جائے گا۔ شرم اس کے پاس سے بھی نہیں گزرا ہے۔''

''لاؤ یار میں لے جاتا ہوں۔'' میں نے کہا تو بیتو نے ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے شہلا کا ناشتہ اٹھایا اور اپنی چائے لے کر اس کے کمرے میں آیا تو خلاف توقع وہ جاگ کر ایکسرسائز میں مصروف نظر آئی۔ اس نے سردی کی پروا کیے بغیر صرف ٹی شرٹ اور اونی لیگن پہن رکھا تھا اور یقیناً خاصی دیر سے ایکسرسائز کر رہی تھی کیونکہ اس کا چہرہ سرخ اور ہلکا سے پسینے سے نم تھا۔ میں نے ٹرے بستر پر رکھ دی۔

''تو یہ ہے تمہاری فٹنس کا راز۔''

اس نے شوخی سے دیکھا۔ ''صرف یہی نہیں میں باقاعدگی سے سوئمنگ بھی کرتی ہوں۔ سچی بات ہے تمہاری قید میں سوئمنگ کو مس کر رہی ہوں ورنہ ہفتے میں چار دن دو گھنٹے کے لیے پول جاتی ہوں۔''

''کوئی کلب جوائن کیا ہوا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے منہ بنایا۔ ''وہاں صرف بور خواتین ہوتی ہیں جو پانی میں اتر کر بھی دوسروں کی غیبتیں ہی کر رہی ہوتی ہیں میرے پاس ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی پول ممبر شپ ہے۔''

''جہاں مرد زیادہ ہوں گے تمہیں دیکھنے کے لیے۔'' میں نے طنز کیا۔

''ہاں تو اس میں کیا برائی ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''کسی کے دیکھنے سے میں گھس تھوڑی جاؤں گی۔''

ایکسر سائز کر کے اس نے بیگ سے کپڑے نکالے۔ ''میں بس دس منٹ میں شاور لے کر آتی ہوں۔''
''ٹھیک ہے میں پھر آجاؤں گا۔'' میں نے باہر کا رخ کرتے ہوئے کہا اور شہلا کے کمرے سے نکل کر مرشد کے آدمیوں والے کمرے میں آیا۔ تین دن میں فاقے، زخموں اور مار نے ان کے سارے کس بل نکال دیئے تھے اور مجھے دیکھتے ہی وہ گڑگڑانے لگے تھے۔ جمیل نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔
''خدا کے لیے ہمیں چھوڑ دو ہم سب بتا چکے ہیں۔''
''اب ہم اور کچھ نہیں جانتے۔'' خرم بولا۔
''تم لوگ بہت کچھ جانتے ہو۔'' میں نے انہیں گھورا۔ ''مجھے معلوم ہے تم جیسے چھٹے ہوئے لوگ اتنی آسانی سے اقرار نہیں کریں گے لیکن ہمیں بھی کوئی جلدی نہیں ہے ابھی تو صرف تین دن ہوئے ہیں۔ ایک ہفتہ یونہی گزرے گا اور بھوک صحیح معنوں میں تمہارے وجود کو کھرچے گی تب تم زبان کھولو گے۔''
''میرا زخم خراب ہو رہا ہے۔'' خرم نے اپنی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اگر یہ زیادہ خراب ہو گیا تو میں اسی طرح مر جاؤں گا۔''
''تو کیا ہوگا، اگر تم مر جاؤ گے تو مرشد کے پاس آدمیوں کی کوئی کمی نہیں ہے اسے دوسرے مل جائیں گے اور رہے تمہارے گھر والے تو ماں باپ، بہن بھائی چند دن رو کر صبر کر لیں گے۔ اگر بیوی بچے ہیں تو بیوی دوسری شادی کر لے گی یا محنت مزدوری کر کے بچوں کو پال لے گی۔ بہ شرط اسے حرام کھانے کی عادت نہ پڑ گئی ہو اس صورت میں وہ آسانی سے رقم کمانے کا سوچے گی اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عورت اگر جوان اور خوب صورت ہو تو کس طرح آسانی سے رقم کما سکتی ہے۔'' میں نے اسے ذہنی اذیت دینے کے لیے کہا اور نتیجہ میری توقع کے عین مطابق نکلا تھا وہ چلانے اور مجھے گالیاں دینے لگا۔ ''بھونکتا ہے تُو کتے۔''
''چلو تم دل کو تسلی دے لو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ذرا اپنے جیسے ان لوگوں کے بارے میں سوچو جو کبھی مرشد کے لیے وہی سب کرتے تھے جو تم کر رہے ہو اور وہ بھی تمہاری طرح مارے گئے تھے۔ آج ان کے گھر والے کس حال میں ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے؟ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرشد کے حکم پر تم نے ان گھروں کو مزید عذاب میں دھکیل دیا ہو۔ ان کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا ہو۔ اپنے جیسے مرنے والے مرشد کے غلاموں کی بیوی، بیٹی یا بہن کو اٹھا کر مرشد کے عشرت کدے تک پہنچا دیا ہو۔ مرشد ہی تم بھیڑیوں کا سردار ہے اور بھیڑیوں کا ایک ہی اصول ہوتا ہے اگر تمہارا ساتھی کمزور پڑے تو اسے بھی پھاڑ کھاؤ۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ خرم سسک سسک کر روتے ہوئے دیوار سے سر ٹکرا رہا تھا۔ میں نے جمیل کی طرف دیکھا۔ ''کیا اس کی بیوی بہت حسین ہے یا کوئی بہن بھی ہے۔''
جمیل نے ایک نظر خرم کو دیکھا اور بولا۔ ''اس کی بیٹی ہے بیوی تو مر چکی ہے۔ بیٹی پندرہ سال کی ہے۔''
خرم کی کیفیت سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''بیوی کیسے مری، ظاہر ہے ابھی اس کی مرنے کی عمر تو نہیں ہوگی؟''
''اس نے خودکشی کر لی تھی۔'' جمیل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''کیوں؟''

''یہ بات کوئی نہیں جانتا،ممکن ہے یہ جانتا ہو۔''اس نے خرم کی طرف اشارہ کیا،خرم نے نفی میں سر ہلایا۔
''میں بھی نہیں جانتا۔ اس نیک بخت نے کیوں خودکشی کی تھی۔ میں کام سے دو دن کے لیے پاک پتن شریف گیا ہوا تھا۔''
''تمہیں وہاں مرشد نے بھیجا تھا؟''
اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔''تت...... تمہیں کیسے پتا چلا؟''
میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔''اس نے جس کام سے بھیجا ہوگا بہ ظاہر اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔''
خرم کھڑا ہو گیا۔''کیا...... کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟''اس کے انداز میں وحشت آ گئی۔ میں نے اس دھکا دے کر دوبارہ بٹھا دیا۔
''میری بات کا جواب دو، پیچھے گھر میں تمہاری بیوی اکیلی تھی۔''
''ہاں۔''اس نے بادلِ ناخواستہ اقرار کیا۔''میری بیٹی اپنے چاچے کے گھر رہنے گئی تھی۔ زیبا گھر میں اکیلی تھی۔''
میں خرم کے پاس بیٹھ گیا۔''خرم کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہاری عدم موجودگی میں کوئی تمہارے گھر آیا ہو اور تمہاری بیوی کے ساتھ زیادتی کی ہو؟''
''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔''اس نے کانپ کر کہا۔
''کیوں ممکن ہے نہیں ہے۔''میں نے طنز کیا۔''جب تم اور تمہارے جیسے غلام مرشد یا اس کے کسی منظور نظر کے لیے کسی کی بہو بیٹی یا بہن کو اٹھا لا سکتے ہیں تو کوئی تمہارے ساتھ یہی کام کیوں نہیں کر سکتا ہے۔ آخر تمہیں کس لیے دو دن کے لیے گھر سے دور بھیجا گیا تھا۔''
خرم کا چہرہ رفتہ رفتہ سرخ ہو رہا تھا۔ جمیل اسے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔''خرم اس کی باتوں میں نہ آ یہ تجھے بہکا رہا ہے۔''
''کیونکہ ایسا تمہارے ساتھ نہیں ہوا اس لیے تم کہہ سکتے ہو۔''میں نے اس کی طرف دیکھا اور خرم سے کہا۔''اگر یہاں سے زندہ بچ جاؤ تو اس بارے میں جاننے کی کوشش ضرور کرنا کہ تمہاری عدم موجودگی میں زیبا کے ساتھ کیا ہوا تھا اور ممکن ہے تم واپس جاؤ تو تمہاری بیٹی......''
''نہیں...... نہیں۔''خرم چلانے اور پھر رونے لگا تھا۔ میں نے افسوس سے اسے دیکھا۔ مرشد جیسے درندوں کا ساتھ دینے والے یہ چھوٹے درندے یہ نہیں سوچتے کہ جب بڑے درندے کو کہیں اور سے شکار نہیں ملے گا تو وہ ان کو ہی پھاڑ کھائے گا۔ میں ان کے کمرے سے نکل آیا۔ اس شور شرابے میں سفیر اٹھ گیا تھا اور مجبوراً ٹھنڈا ناشتہ کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔
''یہ اندر واویلا کیوں ہو رہا ہے؟''
میں نے اسے مختصراً خرم کے بارے میں بتایا۔''مجھے شبہ ہے مرشد یا اس کا کوئی آدمی اس کی بیوی پر بھی ہاتھ صاف کر گیا تھا اور اس عورت نے خودکشی کر لی۔''

سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''یار مرشد کے اندر کسی انسان کا دل نہیں ہے؟ وہ اتنے زیادہ ظلم کس طرح کر لیتا ہے؟''

''تم اس کے بارے میں اپنے پیمانے سے سوچ رہے ہو۔ وہ اس طرح سوچتا ہی نہیں ہے۔ اس کے خیال میں وہ جو کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے اور اس کا ہر کام جائز اور درست ہوتا ہے۔'' میں نے کہا اور شہلا کے کمرے کی طرف آیا وہ شاور لے کر آ چکی تھی اور اس وقت ناشتہ کر رہی تھی۔ بلکہ ناشتہ بھی ختم کر چکی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

''خاصی دیر لگا دی تم نے۔''

''اور اب تم مزید دیر مت کرو۔'' میں نے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں ایک دو دن میں لاکر کا معاملہ نمٹا لیا جائے تاکہ میں سکون سے دوسرے معاملات پر توجہ دے سکوں۔''

''میں خود بھی یہی چاہتی ہوں۔''

''تب شاہد منظور سے بات کرو۔''

''مجھے موبائل دو۔'' اس نے کہا تو میں نے اپنا موبائل ایک نئی سم کے ساتھ ڈال کر اس کے حوالے کر دیا۔

''کوئی غلط حرکت مت کرنا اور اسپیکر آن کر لو میں بھی تمہاری اور شاہد منظور کی گفتگو سنوں گا۔'' اس نے ناگواری کے تاثر کے ساتھ اسپیکر آن کر لیا اور پھر ایک نمبر ملایا۔ بیل جانے لگی اور خاصی دیر بعد کسی نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو۔''

''شاہد؟'' شہلا نے کہا۔

''رخسانہ؟'' اس نے کچھ دیر بعد بے یقینی سے کہا۔

''ہاں میں ہوں۔''

شاہد منظور کھل اٹھا تھا کم سے کم اس کی آواز سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ''اوہ مائی ڈیئر تم کہاں غائب ہو گئی تھیں میں مستقل تمہارے موبائل پر ٹرائی کرتا رہا۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے تاب رہا ہوں۔''

''مجھ سے ملنے کے لیے یا میرے لیے بے تاب رہے ہو۔'' شہلا نے معنی خیز اور لوچ دار لہجے میں کہا۔

شاہد منظور جیسے پاگل ہو گیا تھا اس نے جذبات میں ڈوبی آواز میں کہا۔ ''یہی کہہ لو جان تمہارے لیے بے تاب ہوں لیکن سنو تم مجھے شام کو کال کرنا ابھی میری بیوی گھر میں ہے۔''

میں دنگ رہ گیا تھا وہ شادی شدہ تھا اور اس کی دیدہ دلیری کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک عورت سے اپنی ڈیوٹی کے دوران ملتا تھا۔ اس سے پہلے وہ فون بند کرتا شہلا نے اس سے کام کی بات پوچھ لی۔ ''آج کل تمہاری کون سی شفٹ چل رہی ہے؟''

''رات کی۔'' اس نے بتایا۔

''تب شاید میں رات کو آؤں۔'' شہلا نے کہا۔

''سچ۔'' وہ بے قابو ہونے لگا۔ ''میں تو سوچ رہا تھا تم اب نہیں آؤ گی اور میں تمہاری قربت سے ہمیشہ کے

لیے محروم......''

''پکا نہیں ہے شام کو کال کر کے بتاؤں گی۔'' شہلا نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور کال کاٹ دی۔ میں نے اس سے موبائل لے لیا۔

''تو تم اس سے رخسانہ کے نام سے ملتی رہی ہو؟''

''ظاہر ہے میں اپنے اصل نام سے نہیں مل سکتی۔'' اس نے کہا۔ ''میں اپنا حلیہ بھی بدلتی ہوں۔''

''یعنی وہ تمہیں اس حلیے میں دیکھے تو پہچان نہیں سکے گا۔''

''آسانی سے نہیں پہچان سکے گا۔'' اس نے تصحیح کی۔ ''میں میک اَپ مختلف انداز میں کرتی ہوں اور بالوں کا اسٹائل چینج کر لیتی ہوں۔''

''تم اس سے کتنی بار مل چکی ہو؟''

''تین بار۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ تینوں ملاقاتیں بینک میں ہوئی ہیں؟''

''نہیں ایک بار تو میں اس سے ریستوران میں ملی تھی اور وہ مجھے ہوٹل لے گیا۔ پھر اس ملاقات میں، مَیں نے اس سے تمام تفصیلات لے لیں اور اسے تجویز دی کہ وہ مجھ سے اپنی نائٹ ڈیوٹی میں کیوں ملاقات نہیں کر لیتا اس کا ہوٹل کا خرچ بچ جائے گا اور اسے بیوی کو جواب بھی نہیں دینا پڑے گا کہ وہ کہاں رہا تھا۔ اسے یہ تجویز اچھی لگی اس کے بعد ہماری دو ملاقاتیں بینک میں ہوئیں۔''

''کیا گارڈز کو اندازہ نہیں ہے کہ تم کیوں وہاں جاتی تھیں؟''

''کیوں نہیں ہے لیکن ان میں سے کسی نے مجھے نہیں دیکھا ہے میں عبایا میں جاتی ہوں اور میرا چہرہ تک چھپا ہوتا ہے۔ صرف شاہد نے مجھے چہرے سے دیکھا ہے۔ ویسے اس نے گارڈز سے بنا کر رکھی ہے۔ وہ ان کا سپروائزر ہے اور ان کو کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا رہتا ہوگا جس کے بدلے وہ اپنی زبان بند رکھتے ہوں گے۔''

میں اگلا سوال کرتے ہوئے ہچکچایا۔ ''شہلا کیا تمہیں یہ سب عجیب نہیں لگا۔ کوئی عورت خود کو رقم کے لیے بیچے تو طوائف کہلاتی ہے۔ تم خود کو کس درجے پر رکھتی ہو؟''

''جو تم چاہو سمجھ لو۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''مجھے ایسی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ یہ بتاؤ اب کیا پروگرام ہے وہ اس ہفتے نائٹ شفٹ میں ہے اور کل ہفتہ ہے اس لیے اس کی آخری نائٹ شفٹ ہوگی پھر اتوار سے اس کی جگہ کوئی اور آجائے گا۔''

''میرا خیال ہے آج ہی کام نمٹا لیا جائے۔'' میں نے کہا اور باہر آیا۔ عبداللہ کو کال کی۔ ''عبداللہ مجھے چار افراد اور کچھ سامان چاہیے۔ ایک چھوٹی لیکن طاقتور ڈرل جو دھات میں سوراخ کر سکے اور ایک سخت فولاد کاٹنے والی برقی آری اور اسے استعمال کرنے کا ماہر بھی چاہیے۔''

عبداللہ چونکا۔ ''کیا آپ نے بینک میں گھسنے کا پلان بنا لیا ہے؟''

''پلان طے ہو گیا ہے۔''

''شہباز صاحب میں بھی اس میں شامل ہونا چاہ رہا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''میرے پاس ایک تجویز

ہے۔"

"تب تجویز اور آدمیوں سمیت آجاؤ۔" میں نے کہا۔ پھر کال کاٹ کر وسیم کو فون کیا۔ اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ وہ فکر مند ہو گیا۔

"شہباز صاحب یہ کچھ جلد بازی نہیں ہو گی۔ ابھی ہم نے بینک کے حفاظتی انتظامات کا خود سروے نہیں کیا ہے۔ صرف شہلا کی دی ہوئی معلومات پر اتنا بڑا قدم اٹھانا مناسب ہو گا۔"

"ہاں......! کیونکہ ہم تمام انتظامات کے ساتھ جائیں گے۔ عبداللہ آ رہا ہے آدمی وہ لائے گا اور یقیناً کوئی نہ کوئی بیک بھی رکھیں گے۔ تم نے کہا تھا کہ ایسی ڈیوائس تیار کر سکتے ہو جو بہ ظاہر بم جیسی لگے گی؟"

"بالکل میں نے سامان بھی لے لیا ہے۔" اس نے کہا۔ "صرف ایک گھنٹہ لگے گا اسے جوڑنے میں۔"

"واپسی کب تک ہو گی؟"

"دو پہر تک آجاؤں گا۔"

بیتو میرے لیے فکر مند تھا۔ اس نے نہ جانے کس سے چکن کارن سوپ بنانا سیکھ لیا تھا اور اس وقت میرے لیے وہی بنا رہا تھا۔ فون پر بات کرنے کے لیے میں نیچے والے فلور پر آ گیا تھا تاکہ شہلا کے کانوں تک اتفاقیہ بھی کچھ نہ پہنچ سکے۔ بیتو نے کہا۔ "شوبی آج یہ کام مت کرو، آپ کا طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے یار دوائی لے کر بالکل سیٹ ہو گیا ہوں۔" میں نے کہا۔ "یہ کیا بنا رہے ہو؟"

"چکن کارن سوپ۔" اس نے کہا۔ "کل صابر بہت سارا سامان لے کر آیا تھا اس میں چکن اور گوشت بھی ہے۔"

"تمہیں چکن کارن سوپ بنانا آتا ہے؟"

"دیدی سے ایک بار سیکھا تھا۔" اس نے سوپ میں کارن فلور ڈال کر چمچ گھماتے ہوئے کہا۔ "دعا کرنا اچھا بنے، آپ کے واسطے بنا رہا ہوں۔"

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اتنے اچھے دوست دیئے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اس سے مرشد جیسے دشمن کی شکایت کرنا ناشکری لگ رہا ہے۔ کچھ دیر میں بیتو نے سوپ پیالے میں نکال کر میرے سامنے رکھا اور ساتھ میں ساسز کا سیٹ بھی رکھا۔ "اپنی مرضی سے ساسز ملا لو۔ پھر بتاؤ ہم کیسا سوپ بناتا ہے؟"

"میں نے سرکا کم رکھا اور چلی اور سویا ساس زیادہ ڈالا تھا جب پہلا چمچ لیا تو اسی سے اندازہ ہو گیا کہ سوپ بہترین ہے۔ "شاندار بیتو تم نے کمال کر دیا ہے۔" میں نے تعریف کی تو وہ خوش ہو گیا۔

"ہمارا کیا کمال ہے شوبی۔"

"نہیں یار کمال ہے تم نے پہلی بار بنایا اور اتنا اچھا بنایا ہے۔"

"ٹھیک ہے تب ہم بھی پیئے گا۔" بیتو نے کہا اور اپنے لیے نکالنے لگا۔

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ "تو تمہارا پہلے سوپ پینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا؟"

اس نے اپنا پیالا میز پر رکھا اور اس میں ساسز ملاتے ہوئے سادگی سے کہا۔ "آپ جانتا ہے ہم صرف مزے کا چیز کھاتا پیتا ہے۔ کم مزے کا چیز صرف مجبوری میں کھاتا پیتا ہے۔"

میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ سیانا بیتو سوپ مجھ پر ٹیسٹ کرنے کے بعد خود پینے پر آمادہ ہوا تھا لیکن اس سے اس کے خلوص میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ سوپ پیتے ہوئے میں بینک میں گھسنے کے پلان کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ اس کے کچھ منفی پہلو بھی ہوں گے جو فی الحال ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔ جیسے سفیر نے شہلا کی طرف سے ڈبل کراس کے امکان کی نشاندہی کی تھی اور ہم نے اس کا سدِباب سوچ لیا تھا۔ مگر کچھ پہلو اور بھی ہو سکتے تھے۔ عمل سے پہلے پلان پر اچھی طرح غور کر لینا مناسب تھا کیونکہ اس سے پہلے ہم میں سے کسی نے اس قسم کا کوئی کام نہیں کیا تھا۔

عبداللہ کی بات سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی بیک اَپ پلان رکھنا چاہتا تھا تاکہ اگر بینک کے اندر جانے والے کسی مشکل میں پڑ جائیں تو دوسری ٹیم ان کی مدد کر سکے اور ان کو بحفاظت وہاں سے نکال سکے۔ اگر عبداللہ ایسا کوئی منصوبہ لا رہا تھا تو میں نے یہ ذمے داری اسے ہی سونپنے کا فیصلہ لیا۔ میں خود کو بینک کے اندر کے معاملات تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ میں وہ نقشہ لے آیا جو شہلا نے تیار کیا تھا اور اس میں بینک کے اندر کی مکمل وضاحت موجود تھی۔ یہ آرکیٹیکٹ ڈیزائن تھا جو شہلا نے نہ جانے کیسے حاصل کر لیا تھا۔ اس میں سیف روم اور لاکر روم کی مکمل وضاحت موجود تھی۔ اندر جانے کے راستوں کے بارے میں بتایا گیا تھا لیکن حفاظتی انتظامات کی تفصیل نہیں تھی۔ میں نقشہ لے کر شہلا کے پاس آیا۔

''تم نے بینک کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں مکمل بریف نہیں کیا ہے۔ صرف گارڈز کے بارے میں بتایا ہے وہ بھی ادھورا۔''

''پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

میں نے نقشہ اس کے سامنے رکھا۔ ''اس میں بتاؤ اندر گارڈز کہاں ہوتے ہیں؟''

''مرکزی ہال میں۔'' اس نے نقشے پر وضاحت کی۔ ''وہ کہیں بھی حرکت کر سکتے ہیں۔ واش روم بھی اس حصے میں ہیں اور صرف سیف روم اور لاکر والا حصہ بند ہوتا ہے۔''

''لاکر اور سیف روم یہ ہیں۔'' میں نے نقشے پر انگلی رکھ کر وضاحت کی۔ ''اس میں داخلے کا راستہ صرف ایک ہے اس کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''بس یہی ایک دروازہ ہے جس پر نمبر لاک ہوتا ہے اور میرے پاس اس نمبر بھی ہے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''یعنی تم اسے باہر سے بھی کھول سکتی ہو؟''

''ہاں لیکن اس کی ضرورت کیا ہے۔ میں اندر جاؤں گی تو شاہد خود دروازہ کھول دے گا۔''

''کیمرے کہاں کہاں ہیں؟''

دو تو کیش کاؤنٹر پر لگے ہیں۔'' اس نے انگلی رکھ کر جگہوں کی وضاحت کی۔ ''ایک بینک کے داخلی دروازے پر ہے اور ایک اے ٹی ایم کو کور کرتا ہے۔ ایک ریسپشن کے اوپر لگا ہے۔ یہ پانچ کیمرے بینک کو تقریباً کور کر لیتے ہیں۔''

سیف روم یا لاکر روم میں کیمرے نہیں تھے۔ ان کیمروں کا ریکارڈنگ اور مانیٹرنگ سسٹم سیف روم میں

ہی تھا۔ میں نے شہلا سے کہا۔ ''تم کئی بار وہاں جا چکی ہو تو کیا کیمروں نے تمہاری تصویر محفوظ نہیں کی ہو گی؟''

''بالکل کی ہو گی لیکن ایک ہفتے بعد کیمروں کی کیسٹیں صاف کر دی جاتی ہیں۔ میرا اب کوئی ریکارڈ ان کیمروں میں موجود نہیں ہے۔''

''ہم وہاں سے نکلتے ہوئے یہ کیسٹیں بھی نکال لیں گے۔'' میں نے فیصلہ کیا۔

''یہ تو لازمی ہے ورنہ واردات کے بعد یہ ساری کیسٹیں لازمی چیک کی جائیں گی۔''

میں شہلا سے حفاظتی انتظامات کے بارے میں مزید پوچھتا رہا حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ اب اس کے پاس بتانے کو کچھ نہیں ہے۔ میں اس کے کمرے سے نکلا اور اوپر لاؤنج اور صحن والے حصے میں آیا۔ صابر اوپر ہی ہوتا تھا۔ وہ گیٹ پر نظر رکھتا تھا اور کسی آئے گئے کو وہی ریسیو اور سی آف کرتا تھا۔ وہ بے چارہ اکیلا ہی ہوتا تھا اور کوئی اسے کمپنی نہیں دیتا تھا۔ میں اس سے گپ شپ کرنے لگا تو وہ خوش ہو گیا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد عبداللہ آ گیا۔ اس کے ساتھ چار افراد تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ عبداللہ ان کے لیے وہ مخصوص وردیاں بھی لایا تھا جو اس بینک کے گارڈز پہنتے تھے یہ بالکل ویسی وردیاں تو نہیں تھیں لیکن ان سے ملتی جلتی تھیں اور رات کے وقت کوئی دیکھتا تو اسے محسوس بھی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹی لیکن جدید ترین ڈرل مشین اور ایک ایسی برقی آری لایا تھا جو سخت ترین دھات کو بھی کاٹ سکتی تھی۔ اس کا ایک آدمی یہ دونوں آلات استعمال کرنا جانتا تھا اور اس نے موقع پر اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایا۔ برقی آری نے پانچ ملی میٹر موٹی فولادی ٹکڑے کو ایک منٹ میں دس انچ تک کاٹ دیا۔ عبداللہ نے بتایا کہ عام طور سے لاکر اتنی موٹی دھات سے بنائے جاتے ہیں دھات کی موٹائی اس سے کم ہو سکتی ہے اس سے زیادہ نہیں۔

اگر ہم سیف روم میں داخل ہو جاتے تو اس کے بعد صرف دس منٹ کی کارروائی تھی۔ دس منٹ میں اپنا کام مکمل کر کے ہم وہاں سے روانہ ہو جاتے۔ عبداللہ کے ساتھ آئے آدمی اوپر رہ گئے تھے اور میں اس کے ساتھ نیچے آیا۔ عبداللہ کو پلان کا بتایا تو وہ غور سے سنتا رہا تھا۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ٹھیک ہے لیکن جہاں تک شہلا کا تعلق ہے اس پر بہت ہوشیاری سے دباؤ رکھنا ہو گا۔ میں نے محسوس کیا ہے یہ اس سے کہیں زیادہ چالاک عورت ہے جتنی نظر آتی ہے۔ اگر اسے ذرا بھی محسوس ہوا کہ بم نقلی ہے تو یہ اپنا کام کر جائے گی۔''

''وسیم کا کہنا ہے بم بالکل اصلی لگے گا۔ وہ اس میں بارودی اسٹک اصلی لگائے گا لیکن باقی سرکٹ سے اس کا تعلق نہیں ہو گا۔''

عبداللہ نے کہا۔ ''اگر آپ کچھ وقت دیتے تو میں اس قسم کا اصلی بم بنوا لیتا۔''

''میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے بھی ہم خاصے لوگ ہوں گے اور شہلا دھوکا دینے کی ہمت نہیں کرے گی۔''

''ٹھیک ہے اب میری تجویز سنیں۔''

''ایک منٹ پہلے وسیم اور ایاز کو آنے دو پھر بتانا۔ دوپہر کا وقت ہو چلا تھا لیکن کسی نے کھانے کا بندوبست نہیں کیا تھا بیتو نے بتایا کہ ایاز آج کہیں سے اسپیشل پائے اور نان لے کر آئے گا۔ اس لیے سب ہی بے تابی سے

اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وسیم اور ایاز ایک بجے آئے تھے۔ انہوں نے وین کے کچھ کام کروانا تھا اور وسیم نقلی بم کا سامان بھی لے آیا تھا۔ پائے کھانے کے بعد اس نے بم کو جوڑنے کا مظاہرہ کیا۔ اس میں ایک سرکٹ سے بے شمار تار نکل رہے تھے اور ان کے رنگ خوفناک قسم کے ہرے نیلے پیلے اور سرخ تھے۔ ٹی وی کا ریموٹ استعمال کرنے سے سرکٹ پر ایل ای ڈی جلتے بجھتے جس سے ایسا تاثر ملتا کہ سرکٹ ایکٹو ہو گیا ہے۔ وسیم نے چمڑے کی ایک پٹی سے سارے تاروں کو اس طرح گزارا کہ اب انہیں کاٹے بغیر الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر اس پٹی میں ایک چھوٹی سے بارودی اسٹک لگائی جس میں تار لگا دیئے تھے۔ سفیر نے کہا۔

''بھائی ایسا نہ ہو کہ ریموٹ کا بٹن دبانے سے سچ مچ بم بلاسٹ ہو جائے۔''

وسیم مسکرایا۔ ''ایسا نہیں ہوگا اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو یہ لو پکڑو۔'' اس نے بم سفیر کو پکڑا دیا۔

''باپ رے۔'' اس نے بوکھلا کر اسے بیتو کو تھما دیا اور اس نے صوفے پر پھینک دیا اور بگڑ کر بولا۔

''سفیر بھائی آپ کو ہم قربانی کا بکرا نظر آتا ہے۔''

کاش کے تم ہوتے۔'' سفیر نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''قربانی پاس ہے اور میرے پاس کوئی بکرا نہیں ہے۔''

''یہ ابھی دودانت کا نہیں ہوا ہے۔'' وسیم نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

''غلط ہمارا اتنا سارا دانت ہے۔'' بیتو نے فوراً اپنی بتیسی کی نمائش کی۔ ''ہمارا تو سامنے کا دانت بھی دو سے زیادہ ہے۔''

''منے بکرے کے کل چار دانت ہوتے ہیں اور انسان کے بتیس۔'' وسیم نے اسے حسابی انداز میں سمجھایا۔

''یعنی بکرے کا ایک دانت انسان کے آٹھ دانت کے برابر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر تمہارے سولہ دانت ہوئے تو تم دودانت کے شمار کیے جاؤ گے۔''

''تو کیا ہمارا دانت سولہ سے کم ہے؟'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''یہ تو چیک کرنا پڑے گا، ذرا منہ کھولنا۔''

بیتو کی سمجھ میں ذرا دیر سے آیا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے تھے اور اس نے خفگی کے اعلان کے طور پر واک آؤٹ کیا۔ پیٹ بھر کر پائے کھانے کے بعد سب ریلیکس موڈ میں تھے تمام امور طے پا چکے تھے۔ عبداللہ نے حفاظتی پلان کا اضافہ کیا تھا۔ وہ اپنے مزید سات ساتھیوں اور تین گاڑیوں سمیت بینک کے آس پاس الرٹ پوزیشن میں موجود ہوتا۔ ہم سب ایک دوسرے سے شارٹ رینج ریڈیو کی مدد سے رابطے میں ہوتے اور جیسے ہی کوئی غیر معمولی بات ہوتی سب کو پتا چل جاتا۔ وسیم کے تجویز کردہ آلات آ گئے تھے۔ یہ ایک جیسی فریکوئنسی پر کام کرنے والے درجن بھر مختصر سے ریڈیو تھے جن کو کلپ کی مدد سے کالر میں لگا لیا جا سکتا تھا اور چھوٹا سا ائیرفون اور مائیک کان میں فٹ آ جاتا۔ اس کے کان والے حصے پر انگلی رکھنے سے مائیک کام کرتا اور نارمل میں سب ایک دوسرے کی آواز اس پر سن سکتے تھے۔

ہم نے اپنا اسلحہ نکال کر چیک کیا اس کی صفائی کی۔ سفیر اور بیتو کا اس مہم میں حصہ نہیں تھا اس لیے وہ سونے کے لیے چلے گئے۔ سفیر نے بہانہ کیا کہ اسے اور بیتو کو رات کو جاگ کر پہرہ دینا ہوگا اس لیے ابھی وہ سو رہے ہیں۔ شام کو میں نے طبیعت بہتر محسوس کر کے غسل کیا اور دوسرے کپڑے پہنے۔ یہاں کپڑے دھونے کا

کوئی سسٹم نہیں تھا صابر میلے کپڑے نیچے وادی میں ایک لانڈری میں دے آتا تھا۔ میں شہلا کے کمرے میں آیا تو وہ بستر پر متفکر بیٹھی تھی۔ ''کیا سوچ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''شہباز اگر ہم ناکام رہے اور پکڑے گئے تو میری کتنی بدنامی ہو گی۔''

''تو کیا ہوا تمہیں تو اس سے بھی نام ملے گا۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''بائی دی وے تمہیں یہ خیال کہاں سے آ گیا میں نے دیکھا ہے تم عزت جیسی چیز کو ہمیشہ جوتے کی نوک پر رکھتی ہو۔''

''میری ذاتی زندگی الگ چیز ہے لیکن سوسائٹی میں میری ساکھ اور مقام ہے۔''

''جیسی سوسائٹی میں ہو گا اس میں سب تمہارے جیسے ہوں گے اس لیے تم فکر مت کرو۔'' میں نے کہا۔

''ہم نے آج ہی بینک میں کارروائی کا فیصلہ کر لیا ہے اس لیے تم شاہد منظور کو کال کرو۔''

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''ابھی تو پانچ بجے ہیں اس کی ڈیوٹی رات آٹھ بجے شروع ہوتی ہے۔''

''تم سے ملاقات کے لیے اسے کچھ خاص انتظامات کرنے پڑتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی تمہیں بلاتا ہو گا؟''

''ہاں یہ تو ہے لیکن میں اسے آٹھ بجے سے پہلے کال کر کے کیا کہوں جب کہ وہ خود آٹھ بجے بینک پہنچے گا اور اسے معلوم ہو گا کہ آج کی ملاقات کے لیے حالات سازگار ہیں یا نہیں۔''

''ٹھیک ہے تم آٹھ بجے کال کرنا۔''

''کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں، مَیں یہاں واپس نہیں آؤں گی اس لیے میرے سامان کا کیا ہو گا؟''

''یہ یہیں رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''کامیابی کی صورت میں یہ تمہیں جہاں کہو گی پہنچا دیا جائے گا لیکن اگر ناکامی ہوئی تو تم یہیں واپس آؤ گی اس لیے سامان کہیں اور پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''یہ طے نہیں ہوا تھا۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر تمہاری وجہ سے ناکامی ہوئی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔''

''درست ہے لیکن ایک ناکامی کے بعد ہمیں دوسری کوشش کرنا ہو گی اور اس کوشش میں تم برابر کی شریک ہو گی۔''

''مجھے کسی دوسری کوشش میں شریک نہیں ہونا ہے۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''ٹھیک ہے اس صورت میں لاکر میں موجود چیزوں سے بھی تمہارا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔'' میں نے کہا تو اس کے چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات نظر آئے تھے۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''کیوں اگر تم شریک نہیں ہوئیں تو پھر تم چیزوں کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتی ہو اس صورت میں ہم جو مناسب سمجھیں گے وہ کریں گے۔''

وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے شکستِ خوردہ انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔''

میں باہر آیا تو وسیم نقلی بم کو مکمل کر کے چیک کر رہا تھا۔ اسے شہلا کے پاؤں سے گزار کر اس کے تاروں کو کسنے کے بعد سرکٹ سے جوڑ کر اسے آن کرنا تھا اور بہ ظاہر ایسا لگتا کہ ان میں سے کوئی بھی تار الگ کرنے یا اسے پاؤں سے اتارنے کی صورت میں بم بلاسٹ ہو جائے گا۔ دیکھنے میں ہی خوفناک نظر آ رہا تھا۔ ایاز بھی آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''کیا شہلا خوشی سے اسے پاؤں سے بندھوالے گی؟''

''خوشی سے تو نہیں لیکن مجبوراً بندھوالے گی۔'' وسیم نے جواب دیا۔

رات کی تاریکی چھاتے ہی سب اٹھ گئے تھے۔ وہ کچن میں جمع تھے۔ آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ اس وقت مجھے سویرا کا خیال آیا اور میں چپکے سے صحن میں نکل آیا۔ موبائل سے اس کا نمبر ملایا۔ بیل جانے لگی لیکن وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ شاید کہیں اور تھی۔ میں کوشش ترک کر کے اندر آ گیا۔ وسیم نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''ہمیں کتنے بجے نکلنا ہے؟''

''یہاں سے ہم نو بجے روانہ ہو جائیں گے لیکن بینک میں تقریباً بارہ کے آس پاس میں داخل ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ اپنے آدمیوں کو بلا لو جو ساتھ جائیں گے۔''

عبداللہ نے انہیں بلا لیا اور میں نے ان کو بریف کیا کہ بینک میں داخل ہونے کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے۔ چاروں گارڈز کو واش روم میں بند کرنا تھا اور پھر ان کی جگہ دو باہر پوزیشن سنبھال لیتے اور باقی دو اندر میرے ساتھ لاکر کھولنے کی کارروائی میں حصہ لیتے۔ ان کو اچھی طرح سمجھا کر میں نے ان سے پوچھا۔ ڈرل مشین اور برقی آری استعمال کرنے کا ماہر میرے ساتھ اندر ہوتا۔ یہ ضروری تھا کہ شاہد منظور ہماری صورت نہ دیکھنے پائے۔ سفیر نے بیتو کو دوا مہیا کر دی تھی جسے کافی میں شامل کرنا تھا اور کافی کا یہ تھرماس شہلا لے کر جاتی۔

اب آخری مرحلہ رہ گیا تھا جس میں شہلا شاہد منظور کو کال کر کے اپنے آنے کی اطلاع دیتی اور ہم روانہ ہو جاتے۔ آٹھ بجے میں اور وسیم شہلا کے کمرے میں آئے۔ وہ پینٹ شرٹ اور سوئیٹر پہن کر تیار ہو گئی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔ ''ایک بات تو بتانا بھول گئی تھی، یہاں عبایا کہاں سے آئے گا۔''

''کسی دکان سے لے لیں گے۔'' وسیم نے کہا۔ میں نے موبائل شہلا کی طرف بڑھایا۔

''شاہد کو کال کرو۔''

اس نے موبائل لے کر نمبر ملایا۔ شاہد نے فوراً کال ریسیو کی۔ اسپیکر فون میں نے آن کر دیا تھا اس کی آواز آئی۔ ''رخسانہ یہ تم ہو؟''

''ہاں تم دفتر آ گئے ہو؟''

''ہاں کیا تم ملنے آ رہی ہو؟''

''ہاں میں آج رات کسی وقت آؤں گی اپنے گارڈز کو بتا دینا۔''

''اب میں ایک ایک پل گن گن کر گزاروں گا۔'' شاہد منظور نے سخت جذباتی لہجے میں کہا اور شہلا نے فون بند کر دیا۔ میں نے اس سے موبائل لے کر جیب میں رکھا اور کہا۔

''اب ایک کام اور کر لیا جائے۔''

شہلا چونکنا ہوئی۔ ''کیسا کام؟''

وسیم نے اسے نقلی بم نکال کر دکھایا۔ ''اسے تمہارے پاؤں پر باندھا جائے گا۔''

''یہ کیا ہے......؟ لیکن کیوں؟''

''یہ ایک عدد ریموٹ کنٹرول بم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور اگر اسے بلاسٹ کر دیا جائے تو تمہارے جسم کے پرخچے اُڑ جائیں گے، اپنی پینٹ کا پائنچہ اوپر کرو۔''

شہلا کھڑی ہو گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھمایا اور اوندھے منہ بستر پر گرا کر اس کی کمر پر گھٹنا رکھ دیا۔ اس کا بازو میرے قابو میں تھا اور اس کے لیے ہلنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ دبی زبان میں گالیاں دینے لگی لیکن ہم نے اس کی پروا کیے بغیر بم اس کے پاؤں سے باندھ دیا تھا اور جب وسیم نے اسے باندھ دیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ تڑپ کر سیدھی ہوئی تھی لیکن اس سے پہلے بم کو کھولنے کی کوشش کرتی وسیم نے ریموٹ کا بٹن دبایا اور بم کے سرکٹ سے ٹون کی آواز کے ساتھ روشنیاں جلنے بجھنے لگی تھیں۔ شہلا دہشت زدہ ہو کر ساکت ہو گئی۔

''شہباز کمینے یہ کیا کیا ہے؟''

''اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ ریموٹ کنٹرول بم ہے جسے پانچ سو گز کی دوری سے بھی اُڑایا جا سکتا ہے اور اگر تم نے اس کا کوئی تار کھینچا یا اسے اتارنے کی کوشش کی تو یہ فوراً پھٹ جائے گا۔''

''لیکن کیوں؟'' وہ چلائی۔

''تاکہ تم بینک کے اندر جانے کے بعد ہمیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بم تمہیں ایسی کسی کوشش سے روکے گا۔''

شہلا نے شرربار نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر اس نے وہ حرکت کی جس کے بارے میں ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ یک دم گھوم کر بستر سے نیچے آئی اور اپنی بم والی ٹانگ میرے پیروں کے درمیان کر دی۔ اس نے بم کی دو تاروں کو چٹکی سے پکڑ لیا تھا اور زہریلے لہجے میں بولی۔ ''بس شہباز ملک اب تم نے حرکت کی تو میرے ساتھ تمہارے ٹکڑے بھی اڑیں گے۔''



صورتِ حال کو سنگین تو نہیں لیکن ستم ظریفانہ ضرور کہا جا سکتا تھا۔ بم نقلی تھا اور اس کے بلاسٹ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن جو حربہ ہم نے شہلا کے لیے تیار کیا تھا وہ اسے ہم پر ہی آزمانے کو تیار ہو گئی تھی۔ اس کا پاؤں میرے دونوں پیروں کے درمیان تھا اور اگر بم سچ مچ کا ہوتا یقیناً اس کے ساتھ میرے پرخچے بھی اُڑ جاتے۔ مگر سوال یہ تھا کہ میں اس کی دھمکی کے جواب میں کیا ردِعمل ظاہر کرتا۔ اگر میں بے خوف رہتا تو شک میں پڑ جاتی کہ بم نقلی ہے اور ہمارا مقصد ہی فوت ہو جاتا اور نہ ڈرتا تو وہ اپنی بات منواتی۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''کیا خیال ہے تار کھینچ لوں؟''

''اگر تم مرنا چاہتی ہو تو شوق سے ایسا کرو۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیوں تم نہیں مرو گے کیا تم بم پروف ہو؟'' اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''ظاہر ہے میں بھی مروں گا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن سوال یہ ہے کہ یہ خودکش حملہ تمہارے لیے اتنا

ناگزیر کیوں ہے ... ملنے کا لالچ تو ہوگا نہیں۔ تمہارے جیسے لوگوں کے لیے دنیا ہی جنت ہے۔''

''مجھے ... کہ میرے ساتھ تم بھی مرو گے۔''

''... میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم کیا سمجھتی ہو بی بی ہم لوگ اس کھیل میں صرف مارنے کے قائل ہیں۔ نہیں ہم مرنا بھی جانتے ہیں۔ کم آن تار کھینچو۔''

شہلا کے پُراعتماد چہرے پر تذبذب نمودار ہوا۔ میرے سرد ردِعمل نے اسے ہلا دیا تھا۔ وسیم ذرا پیچھے کھڑا ہو گیا لیکن اس کے انداز سے بھی کوئی خوف و دہشت ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ شہلا نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر وہ ہذیانی انداز میں ہنسی۔ ''تم لوگ مجھے بےوقوف بنا رہے ہو اندر سے تم سب ڈرے ہوئے ہو۔''

''حالانکہ ڈر تم رہی ہو ہمت ہوتی تو دھمکی نہ دیتیں بلکہ تاریں کھینچ لیتیں۔'' وسیم بولا۔ ''ویسے تم بلاوجہ اتنا جذباتی ہو رہی ہو اتنے دن ہمارے ساتھ رہ کر تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم جو زبان دیتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔ بے کردار تو تم ہو اس لیے تم سے کسی وقت بھی دھوکے کی توقع کی جا سکتی ہے اور اسی لیے تمہارے پاؤں کے ساتھ یہ بم باندھا ہے کہ تم بینک کے اندر جانے کے بعد ہمیں دھوکا نہ دے سکو۔''

میں نے نامحسوس انداز میں اسے سمجھایا۔ ''شہلا یہ صرف ایک دفاعی حربہ ہے تمہارے خلاف کوئی سازش نہیں ہے لیکن تمہارا ردِعمل بتا رہا ہے کہ تمہارے اندر کوئی گڑبڑ ہے اور تم کچھ اور سوچے ہوئے ہو۔''

''یہ غلط ہے۔'' اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ پوری طرح مخلص ہوں اور مجھے غصہ بھی اسی بات پر آیا ہے کہ تم جواب میں میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔''

''تم مخلص ہو؟'' میں ہنسا۔ ''شاید تم بھول رہی ہو ابھی چند دن پہلے تم نے اپنے ٹھکانے پر مجھے کس طرح دھوکا دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت بھی تم زبان دے چکی تھیں۔''

''وہ...... میں......'' وہ ہکلا کر رہ گئی اور اس کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے گلابی لب کاٹنے لگی۔ میں نے نرمی سے کہا۔

''یا تو تاریں کھینچ لو یا پھر مہربانی کر کے پاؤں ہٹا لو اور چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نے گہری سانس لے کر پاؤں پیچھے کر لیا اور کھڑی ہو گئی۔ ''شہباز تم بہت مضبوط اعصاب کے آدمی ہو تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو......''

''مہربانی کر کے بم کی تاریں درست کرو اور اس پر پائنچہ درست کرو ایسا نہ ہو تاریں کسی چیز سے الجھ کر کھینچ جائیں اور ہم بلاوجہ ہی اللہ کو پیارے ہو جائیں۔''

اس کا شگفتہ موڈ بحال ہو گیا۔ وہ ہنسی اور بستر پر بیٹھ کر اس نے پینٹ کا پائنچہ بم کے اوپر کر دیا۔ یہ اگرچہ کسی قدر نمایاں ہو رہا تھا لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ دیکھنے والا چونک جائے۔ غور سے دیکھنے پر ہی پتا چلتا تھا کہ پینٹ کے پائنچے تلے کچھ ہے۔ ویسے بھی شہلا نے عبایا پہننا تھا۔ اس نے ڈنر کر لیا تھا۔ میں نے دوپہر میں ڈٹ کر پائے کھائے تھے اس لیے رات کا کھانا گول کر دیا تھا۔ وسیم نے بھی کچھ ہلکا پھلکا لیا تھا تاکہ ہم پوری طرح چاک و چوبند رہیں۔ اب پروگرام یہ تھا کہ میں، وسیم، شہلا اور عبداللہ کے چار آدمی ایاز کے ساتھ اس کی جیپ میں جاتے

اس کا پچھلا حصہ اتنا کھلا تھا کہ سب آرام سے آ جاتے۔ عبداللہ اپنے سات آدمیوں اور تین عدد گاڑیوں کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا اور اس کا کام ہماری بینک آمد سے پہلے اس علاقے کی ریکی کر کے اوکے کی رپورٹ دینا تھا اس کے بعد وہ لوگ پوزیشن سنبھال لیتے اور صرف کسی ہنگامی صورت حال میں ہماری مدد کے لیے آتے۔ عبداللہ کے چاروں آدمیوں نے گارڈز سے ملتی جلتی وردیاں پہن لی تھیں۔ جب بینک گارڈز دوا ملی کافی پی کر ٹن ہو جاتے تو یہ چاروں ان کی جگہ سنبھال لیتے۔



روانگی سے پہلے میں نے سوچا کہ اتنے لوگ ایک جیپ میں سوار ہوں گے اور پھر شہلا جیپ سے بینک کے سامنے اترے گی تو ممکن ہے گارڈز اور اس سے زیادہ شاہد منظور کو یہ بات عجیب لگے اور وہ کھٹک جائے۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ ہم کار بھی لے لیں۔ شہلا اور میں کار میں جاتے۔ باقی پارٹی جیپ میں ہوتی۔ راستے میں عبایا لیتے اور بینک کے پاس پہنچ کر میں ڈرائیونگ شہلا کے حوالے کر دیتا اور وہ یوں بینک کے سامنے اترتی جیسے اکیلی آئی ہو۔ میں نے وسیم سے مشورہ کیا تو اس نے بھی تائید کی۔ ''مجھے بھی جیپ مناسب نہیں لگ رہی تھی۔''

اب تبدیل شدہ پلان یہ تھا کہ شہلا میرے ساتھ کار میں ہوتی۔ شہلا کو پتا چلا تو وہ بھی خوش ہوگئی۔ ''مجھے بھی اس منحوس جیپ میں جانے کے لیے کپکپی آ رہی تھی اس میں ہوا چاروں طرف سے گھستی ہے اور پچھلا حصہ تو فریزر بن جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے اس میں تمہارا فریز رہنا تھا لیکن میرے ساتھ کار میں تمہیں مرغا بننا پڑے گا۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے پوچھا۔

''مطلب تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

ہم باہر آئے جہاں بیتو نے کافی کا تھرماس تیار کر دیا تھا۔ سفیر کا اس میں شامل دوا کے بارے میں دعویٰ تھا کہ وہ کسی بھی ہوش مند آدمی کو صرف دو منٹ میں ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ اس نے مزید ارشاد فرمایا۔

''اس سے زیادہ تیزی سے یہ کام صرف ایک حسین عورت کر سکتی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے شہلا کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ ''میرا خیال ہے شاہد منظور کو کافی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

وہ غرور سے مسکرائی۔ ''جو ہم کرنے جا رہے ہیں اگر وہ نہ کرنا ہوتا تو یقیناً ضرورت نہیں پڑتی۔''

شہلا کا غرور جائز تھا وہ بلاشبہ بہت دلکش عورت تھی اور کوئی بھی شخص اس کے حسن کے اثر سے بچ نہیں سکتا تھا۔ سفیر اور بیتو مضطرب تھے کیونکہ انہیں پیچھے گھر میں رکنا تھا۔ سفیر نے کہا۔ ''یار ہمیں بھی لے چل۔''

''شوبی ہم بھی چلے گا۔'' بیتو نے منمنا کر کہا۔

''ہم تفریح کرنے نہیں جا رہے ہیں۔'' میں نے انہیں سمجھایا۔ ''یہاں بھی کسی کا رہنا ضروری ہے۔ ان دو نمونوں کی دیکھ بھال کے لیے۔''

شہلا کو اوپر لانے سے پہلے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی لیکن اس حالت میں اسے کار میں نہیں لے جایا سکتا تھا کوئی بھی دیکھ کر مشکوک ہو سکتا تھا کہ کار میں ایک آنکھوں پر پٹی بندھی عورت ہے اور اسے ایاز کی جیپ میں بھی بٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ نازک عورت تھی اور اپنے کردار سے قطع نظر اس کی مستحق تھی کہ اسے مشکلوں سے

محفوظ رکھا جائے۔ طے پایا تھا کہ میری کار آگے ہوگی اور ایاز کی جیپ پیچھے آئے گی۔ شہلا کو فرنٹ سیٹ پر بٹھانے کے بعد میں نے اس سے کہا۔ ''گھٹنوں پر جھک جاؤ۔''

''وہ کیوں؟''

''سوال مت کرو۔'' میرا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''اگر ایسا نہیں کرسکتیں تو جیپ میں سفر کرنا ہوگا۔''

وہ فوراً گھٹنوں پر جھک گئی۔ اپنے لچکدار جسم کی وجہ سے اسے آسانی ہوئی۔ اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو اس کے لیے یہ کام خاصا دشوار ہوتا۔ پھر بھی اسے کچھ نہ کچھ مشکل ہو رہی تھی۔ اس نے شکایت کی۔ ''اس طرح میری کمر میں تکلیف ہو رہی ہے۔''

''کچھ دیر کی تکلیف ہے برداشت کرلو۔'' میں نے کار اسٹارٹ کرکے احاطے سے باہر لاتے ہوئے کہا۔ پیچھے ایاز کی جیپ آئی اور ہم اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔

''کتنی دیر؟''

''بس دس منٹ۔'' میں نے کار کی رفتار بڑھائی۔ سوا آٹھ بجے ہی سڑک پوری طرح ویران ہو گئی تھی۔ مگر دھند نہیں تھی۔ شہلا کو اب اپنے سامان اور خاص طور سے چرمی بیگ کی فکر لگ گئی تھی جس میں اس کی دولت تھی۔

''شہباز اس کا کیا ہوگا کامیابی کی صورت میں؟''

''میری بات پر اعتبار کرو تم جہاں کہو گی میں پہنچا دوں گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میرے ساتھ رہ کر تم اتنا تو جان گئی ہوگی کہ میں وعدہ نبھانے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔''

''اس بریف کیس میں کیا ہے؟'' شہلا نے چینی حکومت کے اس خفیہ بریف کیس کے بارے میں پوچھا۔ ظاہر ہے میں اسے نہیں بتا سکتا تھا۔

''یہ میرے پاس کسی کی امانت ہے اور میں اسے واپس اس کے مالک کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں۔''

اسے غالباً میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ اس نے شک سے کہا۔ ''تم صرف بریف کیس کو اس کے مالک تک پہنچانے کے لیے یہ سب کر رہے ہو اور تمہارا اس میں کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے؟''

''ہاں ایسی ہی بات ہے۔''

''مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''آج کے دور میں کون ایسا کرتا ہے۔''

''تم اپنے ذہن کے لحاظ سے سوچ رہی ہو اس لیے تمہیں یقین نہیں آرہا ہے حالانکہ تمہیں چاہیے میری شخصیت کو سامنے رکھ کر اس پر سوچو۔ ویسے تمہارے یقین کرنے یا نہ کرنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔''

''ہر انسان اپنے لحاظ سے ہی سوچتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''مرضی تمہاری۔'' میں نے کہا۔ ''اب پٹی اتار کر سیدھی ہو جاؤ۔''

اس نے جلدی سے سیدھے ہو کر پٹی اتار دی۔ ٹول پلازہ آنے والا تھا اس نے میری طرف دیکھا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا تم لوگوں نے مری جانے والے راستے پر کہیں ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔''

میں نے شانے اچکائے۔ ''تم اندازے لگانے کے لیے آزاد ہو۔''

بھارہ کہو کی مارکیٹ بند ہو گئی تھی اور اِکا دُکا ہوٹلز اور دکانیں کھلی تھیں۔ کچھ دیر بعد ہم اسلام آباد میں داخل

ہو رہے تھے۔ ایک دیر تک کھلی رہنے والی مارکیٹ سے میں نے شہلا کے لیے عبایا لیا۔ عبایا اس نے وہیں پہن لیا۔ اس میں نقاب بھی تھا اور نقاب کرنے کے بعد اسے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ اب ہماری مہم کا اصل مرحلہ شروع ہو گیا تھا۔ ساڑھے نو بجے ہم بینک کے علاقے میں داخل ہوئے۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ویسے ہمارے پاس ریڈیو بھی تھے لیکن ان کے بارے میں طے تھا کہ انہیں صرف بینک میں گھسنے کے وقت استعمال کیا جائے گا۔ یہ شارٹ رینج ریڈیو ایف ایم بینڈ پر کام کرتے تھے اور کوئی بھی شخص جس کے پاس ایف ایم ریڈیو ہوتا ٹیون کرنے پر ہماری باتیں سن سکتا تھا۔ اس لیے ریڈیو کا کم سے کم استعمال ہی بہتر تھا اس کے مقابلے میں موبائل بہتر مواصلاتی آلہ تھا۔

''عبداللہ، ہم پہنچ گئے ہیں۔'' میں نے اسے اطلاع دی۔

''میں نے دیکھ لیا ہے آپ کی گاڑیوں کو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہاں سب او کے ہے۔ رات والی شفٹ تبدیل ہو چکی ہے۔''

''ماحول کیسا ہے؟''

''سنسان ہے اتنی سردی کی وجہ سے لوگ گھروں سے نکلنے سے گریز کر رہے ہیں اور جو اِکا دُکا آ جا رہے ہیں وہ بھی گاڑیوں پر ہیں۔''

''چوکیدار اور پولیس کی کیا پوزیشن ہے؟''

''چوکیدار یہاں گھروں میں ہوتے ہیں۔ پولیس کی یہ پوزیشن ہے کہ ان کی گاڑی آدھے گھنٹے میں ایک بار نظر آئی ہے۔ ہم نے اپنی گاڑیاں اس طرح کھڑی کی ہیں کہ وہ بہ ظاہر علاقے کے مکینوں کی گاڑیاں لگ رہی ہیں۔''

''گڈ۔'' میں نے کہا۔ ''ہم پارک کی طرف جا رہے ہیں۔''

''ایاز سے کہیں وہ جیپ روکے نہیں ورنہ وہ یہاں مس فٹ نظر آئے گی اور ممکن ہے پولیس اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ وہ سرکل کرتا رہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر ایاز کو کال کی۔ ''ایاز عبداللہ کا خیال ہے کہ تم کہیں رکنے کے بجائے علاقے میں گھومتے رہو۔ ممکن ہے جیپ پولیس والوں کو مشکوک لگے کیونکہ یہاں لوگ اس قسم کی گاڑی نہیں رکھتے ہیں۔''

''جیسا آپ کہیں جناب۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ویسے ابھی خاصا وقت ہے آپ کہیں تو ہم اس جگہ سے ذرا دور چلے جائیں یہاں سے دو کلومیٹر دور ایک عام سی بستی ہے وہاں ساری رات کھلے رہنے والے ہوٹل ہیں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''

''کسی کال کی صورت میں پانچ منٹ میں یہاں ہوں گے۔''

''ایسا کر لو۔'' میں نے اسے اجازت دے دی تو ایاز دوسروں کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے اپنی کار بینک سے ذرا دور ایک چھوٹے سے پارک کے ساتھ پارک کر دی۔ یہاں اور بھی کئی گاڑیاں پارک تھیں اس لیے کسی کے خصوصی طور پر متوجہ ہونے کا امکان کم تھا۔ شہلا خاموشی سے میری گفتگو سن رہی تھی۔ جب میں نے موبائل رکھا

تو اس نے کہا۔ ''شہباز ساتھیوں کے معاملے میں تم بہت خوش نصیب ہو میں نے ایسے جاں نثار ساتھی کسی کے نہیں دیکھے۔ آج کل کوئی کسی کا ساتھ بھی دیتا ہے تو اس میں اس کا کوئی نہ کوئی مفاد ہوتا ہے۔ بے غرض کوئی ساتھ نہیں دیتا ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے مجھے اتنے اچھے دوستوں سے نوازا ہے لیکن یہ تعلق یک طرفہ نہیں ہے اگر وہ میرے لیے جان دے سکتے ہیں تو وقت پڑنے پر میں بھی اپنی جان بلا جھجک ان پر قربان کر سکتا ہوں۔ تم اسے دوستی، خلوص اور محبت کا تعلق سمجھ سکتی ہو۔''

''مرشد بہت خطرناک آدمی ہے وہ بہت طاقتور ہے لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں اس کے پاس ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہوگا۔''

''مرشد ایک خودغرض اور سفاک آدمی ہے جسے سوائے اپنی ذات کے اور کسی سے پیار نہیں ہے۔ اس لیے قدرتی بات ہے اسے ساتھی بھی ایسے ہی ملے ہیں جو اس کی دولت اور طاقت کے غلام ہیں۔ اگر مرشد کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ رہیں تو وہ اسے پلٹ کر بھی نہ پوچھیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' شہلا پارک میں جلتی لائٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''لیکن یہ حقیقت ہے تم لوگ مرشد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے اصل نقصان اس کی جان کا ہے۔ تم اس کے آدمی مارو گے تو اس کے پاس حرام موت مرنے والوں کی کمی نہیں ہے تم اس کا مالی نقصان کرو گے تو اس کے پاس حرام دولت کی کمی نہیں ہے۔ تم کہہ چکے ہو کہ اسے سوائے اپنی ذات کے اور کسی سے پیار نہیں ہے۔ اس لیے اگر تم اس کے کسی رشتے دار کا نقصان کرو گے تو اسے اس سے بھی خاص فرق نہیں پڑے گا۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا اور تسلیم کیا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن تمہارے کہنے کا مقصد کیا ہے؟''

''یہی کہ تم بے کار میں اتنی کوشش کر رہے ہو۔ مرشد کو نشانہ بناؤ اس کے مرتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''تمہاری دشمنی مرشد سے ہے نا، کسی اور سے تو نہیں ہے؟''

''یہ تم نے کیسے جانا مس شہلا؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''تمہارے خیال میں کیا مرشد کسی ایک آدمی کا نام ہے؟''

''پھر کیا ہے وہ کوئی مافیا ہے جو ایک باس مر جائے تو دوسرا اس کی جگہ سنبھال کر کام وہیں سے شروع کر دیتا ہے؟''

''اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پیری مریدی مرشد کا خاندانی بزنس ہے۔ اگر وہ نہیں رہے گا تو جو بھی اس کی جگہ آئے گا اس کے لیے مجھ سے بدلہ لینا لازمی ہوگا کیونکہ اسی طرح وہ اپنے لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار برقرار رکھ سکے گا۔ صرف مرشد کو ختم کرنے سے میرا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔''

''تب تمہارا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''مس شہلا یہ تمہارا خیال ہے۔ اس دنیا میں جو مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کا حل بھی لازمی ہوتا ہے۔ ویسے

تم میرے مسئلے کے بجائے اگر اپنے ممکنہ مسائل پر توجہ دو تو بہتر ہو گا۔"
"کون سے مسائل؟"
"تم شاہد منظور سے حلیہ بدل کر ملتی رہی ہو لیکن اس وقت تم اپنے اصل حلیے میں ہو اور کیا وہ تمہیں دیکھ کر چونکے گا نہیں۔"
"ہاں چونکے گا۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اندر جانے کے بعد نقاب نہیں رکھ سکوں گی ورنہ وہ مشکوک ہو سکتا ہے۔"
"اس کا ایک حل ہو سکتا ہے تم اندر جاتے ہی سب کے لیے کافی نکال لینا اور کیونکہ تم گارڈز کے سامنے نہیں آتی ہو اس لیے نقاب میں رہنے کا ایک بہانہ مل جائے گا۔"
وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ شاید اس نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا اور کیونکہ یہ میرا مسئلہ نہیں تھا اس لیے مجھے فکر نہیں تھی کہ بعد میں شاہد منظور اسے پہچانتا ہے یا نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھے یہی کرنا پڑے گا میرا خیال ہے وہ بھی جلدی ان سارے معاملات کو نمٹانا چاہے گا تاکہ پھر گارڈز کے آنے جانے کا امکان نہ رہے۔"
میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خاموش رہا۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا گیا۔ دس بجے اور پھر گیارہ بج گئے۔ اگر چہ بہت مشکل سے بجے تھے اس طرح وقت گزارنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ اس طرح انتظار کرنے والے ہی جانتے ہیں۔ اس دوران میں خوش قسمتی سے کسی نے ہم پر غور نہیں کیا تھا۔ چند ایک گاڑیاں اور پیدل افراد وہاں سے گزرے تھے وہ بھی اپنے دھیان میں تھے۔ یہ رہائشی علاقہ تھا اس لیے پولیس کا گزر بھی یہاں سے کم تھا اور اب تک مجھے ایک بھی پولیس کار نظر نہیں آئی تھی۔ شہلا نے کہا۔ "مجھے شاہد منظور کو اپنے آنے کے بارے میں بتانا ہو گا۔"
میں نے اسے موبائل دیا اور اس نے شاہد کا نمبر ملایا۔ "میں بات کر رہی ہوں۔" اس نے اپنا نام لیے بغیر کہا۔ "کچھ دیر میں آ رہی ہوں...... ہاں آج تمہارے لیے کافی بنا کر لا رہی ہوں...... ہشت۔" شہلا نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اس نے موبائل مجھے واپس کیا تو اس کا چہرہ کسی قدر سرخ ہو رہا تھا شاید شاہد نے کوئی رومانی بات کی تھی۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔
"شہلا ممکن ہے آج ہماری آخری ملاقات ہو۔ میں بہت دنوں سے ایک بات سوچ رہا ہوں۔"
"کیا سوچ رہے ہو؟"
"یہی کہ تمہارا تعلق ایک اچھے خاندان سے ہے۔ پھر تم ایک اعلیٰ سرکاری افسر کی بیوی رہی ہو۔ پھر تم اس لائن میں کہاں سے آ گئیں۔ دولت کی تمہاری پاس کمی نہیں ہے۔"
اس نے گہری سانس لی۔ "جرم میری لائن نہیں ہے۔ مجھے اس ذلیل اور نام نہاد پروفیسر نے مجبور کیا۔ مجھے اعتراف ہے اور تم جانتے ہو میں کوئی اچھے کردار کی عورت نہیں ہوں۔ میں لگی بندھی زندگی کی قائل نہیں ہوں۔ پروفیسر نے اسی چیز کا فائدہ اٹھایا اور اس نے اپنے ایک آدمی کے ذریعے میری تصاویر حاصل کر لیں۔ پھر اس نے مجھے بلیک میل کیا اور مجھ سے بہت سارے کام ایسے لیے جو عملاً جرم ہوتے ہیں۔"
"اب اگر تمہیں اپنی تصاویر اور ان کے نیگیٹو مل جاتے ہیں تو تم اپنی نارمل زندگی کی طرف واپس لوٹ جاؤ

گی؟"

اس نے سر ہلایا۔"یقیناً میرا یہی ارادہ ہے۔"

وہ جھوٹ بول رہی تھی اگر اس کا ارادہ یہی ہوتا تو اسے لاکر کی دوسری چیزوں سے کیا مطلب ہو سکتا تھا اور اسے ان کو حاصل کرنے کا سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا لیکن وہ مجھ سے اسی شرط پر تعاون کر رہی تھی کہ ایک بار لاکر تک رسائی حاصل کرنے کے بعد میں اس میں سے صرف بریف کیس لوں گا اور باقی چیزیں اس کے حوالے کر دوں گا اور میں اس کی بات مان گیا تھا۔ مگر میرا ایسا کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ میں اس گھٹیا سلسلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا تھا تاکہ پروفیسر کے چنگل میں پھنسے دوسرے لوگ سکون کا سانس لے سکیں۔ خطاؤں اور گناہوں سے کوئی انسان خالی نہیں ہے اس لیے کسی غلطی کو ثبوت بنا کر اسے بلیک میل کرنا میرے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔ میں شہلا کو اس جرم کی اجازت نہیں دے سکتا تھا لیکن فی الحال میں اسے یہ بات کہہ نہیں سکتا تھا پہلا مرحلہ لاکر تک رسائی کا تھا۔ اس کے بعد ہی ہم کچھ کر سکتے تھے۔ ساڑھے گیارہ بجے مجھے ایاز کی کال آئی۔

"جناب وقت کم رہ گیا ہے اب کیا حکم ہے؟"

"تم آجاؤ اور بینک کے ساتھ والی گلی میں رک کر اگلے قدم کا انتظار کرو لیکن کوشش کرنا کسی کی نظروں میں نہ آؤ۔"

"آپ بے فکر رہیں جناب۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے عبداللہ کا نمبر ملایا۔"وقت آ گیا ہے۔"

"ہم پوری طرح مستعد ہیں۔"

میں نے موبائل رکھ کر اپنی ٹوپی کے ساتھ کان سے ہیڈ سیٹ لگا لیا۔ ایسا ہی ایک ہیڈ سیٹ شہلا کو نقاب تلے اس کے کان میں لگایا اور اسے خبردار کیا۔"یہ آن پوزیشن میں ہے اور اسے آن رہنا چاہیے اگر تمہاری آواز آنا بند ہوئی تو اس کا مطلب ہو گا کوئی گڑبڑ ہے اور تم اچھی طرح جانتی ہو کسی گڑبڑ کی صورت میں ہم کیا کریں گے؟"

"دھمکی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ میں ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر کار کی پچھلی نشست پر آیا اور شہلا کی طرف چابی بڑھا دی۔"اب ڈرائیو تم کرو گی اور میں پچھلی نشست پر موجود ہوں گا لیکن باہر سے کسی کو نظر نہیں آؤں گا تم گاڑی بینک کے سامنے لیکن اتنی دور روکو گی کہ کوئی گارڈ اس تک آنے کی زحمت نہ کرے۔"

"میں سمجھ گئی۔" اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے ہیڈ سیٹ پر سب کو خبردار کیا۔

"ہم منزل کی طرف جا رہے ہیں۔" میں نے احتیاطاً بینک کا نام لینے سے گریز کیا۔ باری باری ایاز، وسیم اور عبداللہ نے مجھے بتایا کہ وہ بھی تیار ہیں۔ دو منٹ بعد شہلا نے کار بینک کے سامنے لیکن سڑک کے دوسرے کنارے روکی۔ میں پچھلی نشست پر دراز تھا اور جب تک کوئی بالکل پاس آ کر کار میں نہ جھانکتا میری موجودگی کے بارے میں جاننا مشکل تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔"چابی کار میں لگی رہنے دو۔"

شہلا نے ایسا ہی کیا اور ڈیش بورڈ پر رکھا درمیانے سائز کا تھرماس اٹھایا اور نیچے اتر گئی۔ عبایا میں بھی اس کا سراپا نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ دھیمی لیکن متوالی چال کے ساتھ بینک کی طرف بڑھی۔ اس نے جہاں کار کھڑی کی تھی وہاں تاریکی تھی اس لیے میں نے ذرا سا سر اوپر کر کے دیکھ لینے میں حرج نہیں سمجھا۔ شہلا گارڈز کے پاس پہنچی اور

اس نے کسی قدر بدلی آواز میں کہا۔ ''میں شاہد منظور سے ملنے آئی ہوں۔''

''جی جی ضرور ملو۔'' گارڈ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''انہوں نے بتا دیا ہے، جی آپ اندر جا سکتی ہو۔''

گارڈ نے دروازہ کھول دیا اور شہلا اندر چلی گئی۔ اب وہ نظر نہیں آ رہی تھی لیکن چند لمحے بعد مجھے شاہد منظور کی آواز سنائی دی۔ وہ اس سے شکوہ کر رہا تھا۔ ''تم تو انتظار میں جان لے لیتی ہو۔''

''جان دینے کی اتنی جلدی کیا ہے۔'' شہلا نے معنی خیزی سے کہا۔ ''آرام سے دینا۔''

''آرام سے تو نہیں دے سکتا۔'' شاہد نے فحش لہجے میں کہا۔ وہ جس قسم کا آدمی تھا اس سے اسی قسم کے جملوں کی توقع کی جا سکتی تھی۔ خاص طور پر شہلا اس سے تنہائی میں ملنے آئی تھی تو وہ انسانیت کا لبادہ اتار کر بالکل حیوان بن رہا تھا اس نے چند نا قابلِ بیان جملوں کے بعد پیش قدمی کرنی چاہی تو شہلا نے اسے روک دیا۔

''اتنی جلدی کیا ہے ابھی تو ساری رات پڑی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ تمہارے لیے کافی لاؤں گی۔ پہلے یہ تو پی لیں۔''

''میں نے تو کچھ اور بندوبست بھی کر رکھا ہے۔'' شاہد بولا۔ ''لیکن تمہارے ہاتھوں کی کافی بھی کم نشیلی نہیں ہو گی لیکن چہرے سے یہ نقاب تو ہٹا دو۔'' وہ بالکل ریشہ خطمی ہو رہا تھا۔

''ابھی نہیں۔'' شہلا بولی۔ ''کافی خاصی ہے۔ میں سوچ رہی ہوں ان بے چارے گارڈز کو بھی دے دوں۔ سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں۔''

شاہد کو یہ بات پسند نہیں آئی لیکن اس نے منع نہیں کیا۔ شہلا نے اسے ایک گارڈ کو بلانے کو کہا۔ اس نے انٹرکام پر کسی جبار کو بلایا۔ اس دوران میں شہلا یقیناً کپوں میں کافی نکال رہی تھی۔ جبار کے آنے پر اس نے کپ اسے تھما دیئے اور بولی۔ ''ٹھنڈی ہو رہی ہے جلدی پی لو ورنہ مزہ نہیں آئے گا۔''

میں نے کہا۔ ''سب ہوشیار ہو جائیں، تم لوگ آ جاؤ مگر سامنے مت آنا۔'' میں نے وسیم اور باز سے کہا یہ طے تھا ہم نے کسی کا نام نہیں لینا۔

''ہم آ رہے ہیں۔'' وسیم بولا۔

میں نے اپنا پستول نکال کر چیک کیا اور حرکت میں آنے کے لیے تیار ہو گیا۔ عین ممکن تھا کہ گارڈز میں سے کوئی کافی نہ پیتا یا اتنی تاخیر کر دیتا کہ اس کے دوسرے ساتھی بے ہوش ہو جاتے اور وہ ہوشیار ہو جاتا تو اس صورت میں ہمیں اسے قابو کرنا پڑتا۔ میرے کان شہلا اور شاہد کی باتوں پر مرکوز تھے۔ شہلا نے اس کے لیے کافی نکال دی تھی اور ابھی شراب اس نے چکھی بھی نہیں تھی لیکن وہ بہکنا شروع ہو گیا تھا۔ شہلا بڑی ہوشیاری سے اسے ہینڈل کر رہی تھی۔ اس نے پھر شہلا سے تقاضہ کیا کہ وہ رخ سے نقاب ہٹا دے۔ جواب میں شہلا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

''فکر مت کرو سارے نقاب ایک ساتھ ہی ہٹاؤں گی تم خوش ہو جاؤ گے۔''

شہلا کی اس بات پر شاہد منظور مارے جذبات کے لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ اس کے ہنہنانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ شہلا نے اسے کافی پینے پر مجبور کیا۔ اسی دوران میں اندر موجود گارڈ باہر دونوں گارڈز کے لیے کافی لایا اور انہیں دے کر فوراً اندر چلا گیا۔ موسم سرد تھا اور کافی تیزی سے ٹھنڈی ہو جاتی اس لیے باہر

والے فوراً ہی پینے لگے تھے میں نے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ ''باہر والے کافی پی رہے ہیں ان کے لڑھکتے ہی تم حرکت میں آجانا۔''

''اے...... یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔'' اچانک شاہد منظور کی گھبرائی آواز آئی۔ ''میرا سر کیوں چکرا رہا ہے۔''

''شاید مجھے دیکھ کر۔'' شہلا ہنسی۔ ''کافی ختم کرو اس سے سارے چکر رک جائیں گے۔''

شاہد نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور فوراً ہی اس کے لڑھکنے اور کراہنے کی آواز آئی۔ شہلا دبی زبان میں بولی۔ ''یہ گر گیا ہے۔''

''اندر والے گارڈز کا کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم وہ مجھے یہاں سے نظر نہیں آ رہے ہیں۔'' شہلا بولی۔ اسی لمحے باہر موجود گارڈز پر کافی میں موجود دوا کا اثر ہونے لگا اور وہ لڑکھڑانے لگے۔ میں نے کہا۔

''ہری اَپ وہ گرنے والے ہیں۔''

وسیم اور ایاز کے ساتھ گارڈز کی وردیوں میں ملبوس عبداللہ کے چاروں ساتھی تیزی سے گلی سے نکل کر بینک کی طرف آئے اس دوران میں دونوں گارڈز لمبے ہو چکے تھے۔ عبداللہ کے ساتھیوں میں سے دو نے ان بے ہوش گارڈز کو اٹھایا اور ان کو لے کر بینک کی عمارت میں گھس گئے۔ دو باہر رہ گئے تھے۔ وسیم ان کے پیچھے تھا۔ فوراً ہی مجھے عبداللہ کے ایک ساتھی کے چلانے کی آواز آئی۔ ''خبردار گن رکھ دو ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''تم...... ڈاکو...... ہو۔'' بینک گارڈ لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ شاید اس نے تاخیر سے کافی پی تھی اس لیے اب تک بے ہوش نہیں ہوا تھا لیکن اس سے ہتھیار رکھوانے کی نوبت نہیں آئی وہ اس سے پہلے ہی بے ہوش ہو کر لڑھک گیا۔ وسیم نے کہا۔ ''راستہ صاف ہے جناب۔''

یہ اشارہ تھا کہ میں بینک میں تشریف لے آؤں۔ میں نے کہا۔ ''عبداللہ میں اندر جا رہا ہوں۔''

''میں پوری طرح ہوشیار ہوں جناب۔'' عبداللہ نے کہا۔

میں کار سے اتر کر اندر بینک کی طرف بڑھا۔ عبداللہ کے دونوں آدمی باہر آ کر اپنی جگہ سنبھال چکے تھے اب کسی بھی دیکھنے والے کو بینک میں سب معمول کے مطابق نظر آتا۔ جب میں اندر پہنچا تو وسیم بے ہوش گارڈز کے ہاتھ پاؤں، منہ اور آنکھیں ٹیپ سے بند کر رہا تھا۔ میں سیدھا سیف ایریا کی طرف بڑھا اور فولادی دروازے پر دستک دی۔ شہلا اندر سے بولی۔ ''کون ہے؟''

''میں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تم سب ٹی وی پر دیکھ رہی ہو گی۔''

وہ ہنسی اور دروازہ کھول دیا۔ میں اندر آیا۔ شاہد منظور کرسی پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ وہ تقریباً چالیس برس کا عام سی صورت و شکل کا مرد تھا۔ بلکہ جسم کسی قدر بے ڈول تھا۔ عام حالات میں شہلا شاید اس پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہ کرتی لیکن اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ اس کی داشتہ تک بن چکی تھی۔ میرے اشارے پر عبداللہ کا ایک آدمی اسے بھی کھینچ کر لے گیا۔ دوسرا آدمی جسے ڈرل اور برقی آری استعمال کرنا تھی اپنے اوزاروں سمیت اندر آ گیا۔ شہلا نے کوڈ لگا کر لاکر روم کا دروازہ کھولا۔ اندر دیوار کے ساتھ کوئی دو درجن لاکرز تھے۔ شہلا نے دائیں طرف سے نیچے سے اوپر دوسری قطار میں چوتھے لاکر کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ہے؟''

''کیا تمہیں یقین ہے؟''

''بالکل۔'' اس نے کہا۔ ''میں بینک کے ریکارڈ میں دیکھ چکی ہوں۔ یہ پروفیسر نفیس کے نام پر ہے۔''

''نجی بینک کی کارکردگی کا یہ عالم ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''پروفیسر کو مرے کئی مہینے ہونے کو آئے ہیں اور ان کو پتا ہی نہیں ہے۔''

''کیونکہ پولیس یا کسی اور کی طرف سے بینک کو کوئی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔'' شہلا نے وضاحت کی۔ ''بینک کے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اس کا کلائنٹ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔''

عبداللہ کا آدمی لاکر کا معائنہ کر رہا تھا اس نے ڈرل سے آغاز کرنے کا فیصلہ کیا اس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ لاکر کی فولادی چادر کتنی موٹی ہے۔ اس نے ڈرل کی تار ساکٹ بورڈ میں لگائی اور اپنا کام شروع کر دیا۔ وسیم شاہد اور بینک کے چاروں گارڈز کو واش روم میں منتقل کر کے ہمارے پاس آ گیا۔ اس محدود سی جگہ میں ڈرل کا بے پناہ شور گونجنے لگا اور فی الحال ہم کوئی بات کرنے کے قابل نہیں رہے تھے ویسے ہمیں لاکر کھولنے کی جلدی تھی۔ ڈرل کے برمے نے ایک منٹ سے بھی کم وقت میں چادر میں سوراخ کر دیا۔ اس میں دھاتی ریزے بھر گئے تھے۔ عبداللہ کے آدمی نے سوراخ کو صاف کیا فولادی چادر کا معائنہ کیا۔

''یہ زیادہ موٹی نہیں ہے۔''

''لاکر کتنی دیر میں کھل جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے اب برقی آری نکالی۔ ''شاید بیس منٹ یا آدھا گھنٹہ لگے۔ آپ باہر چلے جائیں اس کا شور بہت زیادہ ہوگا لاکر روم کا دروازہ بند کر دیں ورنہ آواز بینک کے باہر تک جائے گی۔''

''تم فکر مت کرو۔'' وسیم نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''ہمیں شور کی عادت ہے تم اپنا کام کرو۔''

میں نے لاکر روم کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ عبداللہ کے آدمی نے برقی آری آن کر کے اس کا کٹر لاکر کے تالے والے حصے پر رکھا فوراً ہی مشین کے شور میں دھات کٹنے کی کریہہ آواز شامل ہوگئی اور اس بند جگہ پر یہ واقعی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ ڈرل کے مقابلے میں آری سُست روی سے کام کر رہی تھی۔ کیونکہ اس کا استعمال بہت احتیاط سے کرنا پڑتا ہے اگر کٹر کہیں پھنسے تو یہ پلٹ کر بہت قوت سے چلانے والے کی طرف آتا ہے اور اسے نقصان ہو سکتا ہے۔ اس لیے عبداللہ کا آدمی آرام سے کام کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شہلا کے لیے یہ شور ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''شہباز پلیز میں باہر جا رہی ہوں۔''

''میں بھی چل رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور شہلا کے ساتھ باہر آ گیا۔ اس نے عبایا کا نقاب ہٹا دیا تھا اور اس کے خدوخال تیکھے ہو رہے تھے۔ اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔ ''تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔''

''کیا ہونا چاہیے؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔ وہ خاموش رہی اور اس کی خاموشی ہی میرے سوال کا جواب تھی۔ لاکر روم کا دروازہ بند ہونے سے باہر آنے والا شور بہت کم رہ گیا تھا۔ اس شور کا بینک کے باہر تک جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے سیف ایریا کا معائنہ کیا۔ دن میں اس جگہ کیش ہینڈلنگ کرنے والے بیٹھتے

تھے اور یہاں سے ایک چھوٹی سی درز کیشئر کاؤنٹر کی طرف کھل رہی تھی جس سے کیش لیا اور دیا جاتا ہوگا۔ عقبی حصے میں لاکر روم اور اسٹرنگ روم تھا۔ جہاں نقد رقم رکھی جاتی تھی۔ رات میں یہ سیکورٹی سپروائزر کا دفتر بن جاتا تھا۔ شاہد منظور نے اپنی سہولت کے لیے ایک چرمی کوچ حاصل کر لی تھی اور وہ اسے شہلا سے ملاقاتوں میں استعمال کرتا تھا۔ شہلا خاموش اور کچھ فکر مند تھی۔

''تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' میں نے کہا۔

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''کیونکہ مجھے معلوم ہے تم مجھے لاکر کی دوسری چیزیں نہیں دو گے۔''

میں چونکا۔ ''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

اس نے سرد آہ بھری۔ ''اتنے دن تمہارے ساتھ رہ کر میں تمہیں اچھی طرح جان گئی ہوں۔ تم میری تصویریں اور نیگٹو مجھے دے دو گے لیکن دوسروں سے متعلق اسٹف مجھے نہیں دو گے وہ تم ضائع کر دو گے۔''

شہلا میرے اندازے سے زیادہ چالاک ثابت ہوئی تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''تم نے درست اندازہ لگایا ہے لیکن میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔''

وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''وعدہ تم نے کیا تھا۔ تمہارے کسی ساتھی نے تو نہیں کیا تھا وہ ان چیزوں پر قابض ہو جائے گا اور میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔''

''تم سچ مچ ذہین عورت ہو۔ میں واقعی اس بلیک میلنگ اسٹف کو تباہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس کے علاوہ لاکر سے جو رقم یا دوسری قیمتی اشیا نکلیں گی وہ تمہاری ہوں گی۔''

''مجھے رقم یا قیمتی اشیا کی پروا نہیں ہے۔''

''تم بلیک میلنگ اسٹف کے چکر میں ہو۔ کیا تمہارا ارادہ پروفیسر کا دھندہ جاری رکھنے کا ہے۔''

''اس چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔ ''جب کہ تم مجھے یہ چیزیں نہیں دے رہے ہو۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ اتنی پریشان نہیں تھی جتنا کہ ظاہر کر رہی تھی۔ ممکن ہے وہ صورتِ حال سے سمجھوتہ کر چکی ہو۔ بہرحال اس وقت میں نے اس بات پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ میں نے ریڈیو پر عبداللہ سے باہر کی رپورٹ لی۔ اس نے جواب دیا۔ ''یہاں سب ٹھیک ہے میں نے پوزیشن بدل لی ہے اور اب میں براہِ راست نگرانی کر رہا ہوں۔''

میں سمجھ گیا وہ بینک کے کہیں آس پاس آ گیا تھا اور اب براہِ راست بینک کی نگرانی کر رہا تھا۔ ایاز اپنی جیپ کی طرف واپس چلا گیا تھا اور کام مکمل ہونے کا منتظر تھا۔ یہاں ایک طرف واٹر ڈسپنسر لگا ہوا تھا جس سے حسبِ ضرورت ٹھنڈا اور گرم پانی حاصل کیا جا سکتا تھا میں نے اس سے پانی نکال کر پیا اور گھڑی دیکھی۔ لاکر کی کھولنے کی کوشش کو دس منٹ ہو چکے تھے۔ اب میں نے سیف ایریا میں موجود کیمروں کے ریکارڈنگ بکس کو کھولا اور اس میں چار عدد ویڈیو کیسٹس تھیں۔ ان میں بینک میں موجود پانچوں کیمروں کی ریکارڈنگ محفوظ ہو رہی تھی۔ شہلا نے کہا۔

''ان کیسٹوں کو نکال لو۔''

میں نے وہاں موجود واحد مانیٹر کی طرف دیکھا پانچوں کیمروں کو اسی سے دیکھا جاتا تھا اس کی اسکرین چار حصوں میں بٹی ہوئی تھی اور چار کیمروں کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ان میں ایک منظر بینک کے باہر کا بھی تھا۔ یہ وائیڈ لینس کیمرا تھا جو خاصے بڑے رقبے کو کور کر رہا تھا اور اس سے سڑک کے پار تک کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''اتنی عجلت کی ضرورت نہیں ہے ہم جاتے ہوئے یہ کیسٹس لے جائیں گے۔''

شہلا کسی قدر مضطرب ہوگئی۔ ''نہیں ان کو ابھی ضائع کر دینا مناسب ہوگا اگر کسی وجہ سے یہ رہ گئیں تو ہم سب پھنسیں گے۔''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کس وجہ سے رہ جائیں گی؟''

اس نے لاپروائی سے امریکن انداز میں شانے اچکائے۔ ''حالات کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ کب کیا رخ اختیار کر جائیں؟''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ حالات واقعی کب کیا رخ اختیار کر جائیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس لیے فی الحال کیمروں کو اپنا کام کرنے دو۔''

اس نے اچٹتے انداز میں دیوار پر لگی ڈیجیٹل کلاک کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے لاکر کھلنے والا ہوگا؟''

''تم فکر مت کرو وہ جیسے ہی کھلا ہمیں پتا چل جائے گا۔''

پندرہ منٹ ہو چکے تھے اور میرا بھی یہی خیال تھا کہ شاید کچھ ہی وقت باقی رہ گیا ہے۔ میں وسیم سے معلوم کرنے جا رہا تھا کہ اب کتنی دیر کا کام باقی ہے کہ عبداللہ کی مضطرب آواز آئی۔ ''شہباز صاحب باہر گڑبڑ ہے۔''

''کیا ہوا؟'' میں نے تیزی سے ریڈیو پر انگلی رکھ کر کہا۔

''میری ایک گاڑی کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ ایک مشکوک گاڑی گزر کر بینک کی طرف آرہی ہے اور اس میں مسلح افراد موجود ہیں۔''

''چیک کرو اور کسی بھی صورتِ حال میں آسرا مت کرنا ممکن ہے آنے والے قاتلانہ عزائم کے ساتھ آ رہے ہوں۔''

شہلا میری سن رہی تھی اس کے کان سے ریڈیو لگا ہوا تھا۔ اس ریڈیو کا مائیک مستقل آن کر دیا گیا تھا اسی وجہ سے ہمیں شہلا اور شاہد منظور کی گفتگو مستقل سنائی دے رہی تھی۔ اس کا چہرہ سفید ہو گیا۔ ''شہباز یہ کون لوگ ہیں؟''

''کیا کہہ سکتے ہیں کہ انہیں کس نے یہاں کے بارے میں بتایا ہے۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔ لاکر روم میں ریڈیو کام نہیں کر رہا تھا اور دوسرے وہاں شور بہت تھا اگر ریڈیو کام کر رہا ہوتا تب بھی وسیم کو اطلاع نہ ملتی۔ میں نے دروازہ کھولا اور وسیم سے پوچھا۔ ''کتنا کام رہ گیا ہے؟''

''تقریباً پانچ منٹ کا۔'' اس نے کہا اور میری صورت سے بھانپ گیا۔ ''باہر سب ٹھیک ہے نا؟''

''نہیں عبداللہ نے بتایا مسلح افراد سے بھری ایک گاڑی بینک کی طرف آرہی ہے۔''

اسی لمحے باہر سے ایک فائر کی آواز سنائی دی۔ یہ رائفل کا فائر تھا۔ میں نے عبداللہ سے پوچھا۔ ''فائر کس نے کیا ہے؟''

''میرے ایک ساتھی نے...... گاڑی والے ہماری طرف آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک گاڑی اور آ رہی ہے اور اس میں بھی مسلح افراد ہیں۔''

''اپنے تمام آدمیوں کو بینک کی طرف بلا لو اور انہیں ہر قیمت پر اس طرف آنے سے روکو۔ یہ ہمارے فرار کا راستہ نہ رد کنے پائیں۔''

''میں یہی کر رہا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا اور اس کا آخری لفظ ایک تیز برسٹ کے شور میں گم گیا۔ اس کے فوراً بعد قیامت خیز فائرنگ شروع ہو گئی۔ آنے والے بھی پوری طرح مسلح تھے اور ان کے عزائم خطرناک تھے۔ بینک کے باہر موجود عبداللہ کے ساتھی اندر آ گئے تھے اور انہوں نے یہاں مورچہ سنبھال لیا تھا۔ اسی لمحے بینک کا بیرونی شیشے کا دروازہ گولیوں کی زد میں آ کر کرچی کرچی ہو گیا۔ میں نے چلا کر عبداللہ سے کہا۔

''وہ لوگ یہاں تک آ گئے ہیں۔''

''نہیں وہ سڑک کے پار ایک گلی میں ہیں اور وہاں سے نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''دوسری گاڑی کہاں ہے؟''

''وہ بائیں طرف ایک گلی میں رکی ہے اور اس میں آنے والے کونے سے فائرنگ کر رہے ہیں۔''

''اپنے آدمیوں کو سمیٹ لو اور انہیں روکنے اور اپنا راستہ صاف رکھنے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا۔ وسیم میرے پاس آ گیا تھا اس نے کہا۔

''یہ مصیبت کہاں سے آ گئی یقیناً اس نے کوئی چکر چلایا ہے۔'' اس نے شہلا کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ بکواس ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔''

''شہلا اگر بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ تم نے یہ کام کیا ہے تو مجھ سے کسی رحم کی توقع مت رکھنا۔'' میں نے اسے خبردار کیا اور وسیم کو اس پر نظر رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بینک کے ہال میں آیا۔ جہاں عبداللہ کے تینوں آدمیوں نے مورچہ سنبھال رکھا تھا لیکن وہ فائرنگ سے گریز کر رہے تھے کیونکہ درمیان میں ہمارے لوگ بھی تھے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ دشمن کس پوزیشن پر ہے اور جب ہم یہاں سے نکلنے والے ہوں گے تو وہ ہمیں روکنے کے لیے کیا کر سکتا ہے۔

تاریکی میں واضح پتا نہیں چل رہا تھا لیکن سڑک کے پار کوئی سو گز کی دوری پر ایک بڑی گاڑی کے ساتھ چند افراد حرکت کر رہے تھے اور ان کی طرف سے شعلے سے چمک رہے تھے وہ عبداللہ کی گاڑی کی طرف فائر کر رہے تھے اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت جواب دے رہا تھا لیکن منظر واضح نہیں تھا۔ مجھے بینک کے باہر لگے کیمرے کا خیال آیا اور میں سیف ایریا کی طرف پلٹ آیا۔ مانیٹر پر باہر والے کیمرے کو زوم کیا تو سڑک کے پاس کا منظر زیادہ واضح نظر آنے لگا۔ یہ ایک بڑی گاڑی تھی اور اس کے عقب میں کم سے چار افراد موجود تھے۔ ان کے پاس خودکار ہتھیار تھے۔ میں نے عبداللہ سے کسی نقصان کا پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''اب تک سب ٹھیک ہے میرا خیال ہے دشمن کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔''

مجھے تشویش ہونے لگی۔ ''ان کا انداز گھیرنے والا ہے جیسے یہ ہمیں یہاں روکنا چاہ رہے ہوں۔''

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے جناب۔'' عبداللہ بولا۔ ''اس لیے میں نے اپنے ساتھیوں کو پھیلا دیا ہے تاکہ

فرار کی صورت میں زیادہ سے زیادہ جگہ مل سکے۔''

''پولیس پندرہ بیس منٹ میں پہنچ جائے گی ہمیں اس سے پہلے یہاں سے نکلنا ہوگا۔'' میں نے کہا اور ایاز کو مخاطب کیا۔''تمہاری کیا پوزیشن ہے؟''

''میری طرف کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔''وہ یہاں سے دور ہیں۔''

''گڈ اس صورت میں تم نکلنے والوں کو کور دو گے۔'' میں نے کہا اور لاکر روم میں جھانکا۔ عبداللہ کے آدمی نے مجھے دیکھ کر کہا۔

''شہباز صاحب کام ہو گیا ہے۔'' اس نے برقی آری کو آخری بار چلایا اور لاکر کا بچ جانے والا حصہ بھی کاٹ دیا۔ لاکر کھل گیا تھا میں نے آگے آ کر دیکھا۔ اس میں دو چیزیں تھیں ایک تو وہی چاندی جیسی دھات کا بنا ہوا بریف کیس تھا جو میں چین سے ساتھ لایا تھا اور یہ میرے پاس چینی حکومت کی امانت تھا۔ دوسرا ایک لیدر بریف کیس تھا اور یہ خاصا بڑا تھا میں نے دونوں کو باہر نکالا۔ ان کے علاوہ لاکر خالی تھا۔ میں نے باہر آتے ہوئے چرمی بریف کیس وسیم کی طرف اچھال دیا اور دھات والا اپنے پاس رکھا تھا۔

''اب نکلنے کی کرو۔'' میں نے کہا اور عبداللہ سے کہا۔''ہم باہر آ رہے ہیں ہمیں کور دو۔''

''آپ میری طرف آئے گا۔'' اس نے کہا۔

''وسیم اور تمہارے آدمی ایاز کی طرف جائیں گے۔'' میں نے پلان بتایا۔''میں بریف کیس تمہارے پاس لا رہا ہوں تم اسے کوٹھی لے جاؤ گے۔''

''او کے۔'' عبداللہ بولا اور اس کے فوراً بعد باہر فائرنگ کا ایک تیز مرحلہ شروع ہوا۔ عبداللہ اور اس کے ساتھی بیک وقت فائرنگ کر کے آنے والوں کو دفاعی پوزیشن لینے پر مجبور کر رہے تھے تاکہ ہم با حفاظت بینک سے نکل سکیں۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''ہمیں بہت تیزی سے نکلنا ہوگا۔ تم اور عبداللہ کے آدمی ایاز کی جیپ کی طرف جاؤ گے۔''

''اور آپ؟'' اس نے پوچھا۔

''میں اور شہلا عبداللہ کی طرف جائیں گے وہ سڑک کے درمیان والے حصے میں ہے وہیں میری گاڑی ہے ہم اسی میں نکلیں گے۔''

لیکن اس سے پہلے ہم اپنے پلان پر عمل کرتے اچانک وہ ہوا جو ہم نے سوچا نہیں تھا۔ شہلا نے عبایا سے ایک عدد پستول نکال کر وسیم کے سر پر اس کی نال رکھ دی۔ وسیم نے اپنا پستول جیب میں رکھ لیا تھا اس نے ضرورت محسوس نہیں کی کہ اسے ہاتھ میں رکھے۔ ہم دونوں بلکہ تینوں ساکت اور ششدر رہ گئے تھے۔ شہلا کے پاس پستول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر یہ اس نے کہاں سے حاصل کیا۔ اس نے وسیم کی جیب سے اس کا پستول نکال لیا اور آہستہ سے بولی۔''شہباز...... بریف کیس میرے ساتھ جائیں گے۔ اپنا پستول پھینک دو جلدی۔''

اس نے کہتے ہوئے وسیم کا پستول اس کی کمر سے لگا دیا۔ میں ہچکچایا تو اس نے پستول سختی سے لگاتے ہوئے کہا۔''شہباز اپنے ساتھی کی زندگی سے مت کھیلو میں اسے شوٹ کر دوں گی۔''

شہلا کے لہجے سے لگ رہا تھا وہ اپنے کہے پر عمل کرے گی۔ اس وقت وہ بالکل بدلی ہوئی اور بہت ہوشیار نظر آ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے پستول میز کی طرف اچھال دیا۔ ''یہ لو......لیکن تمہارا کیا خیال ہے تم نے باہر جو جال پھیلایا ہے اس سے خود بھی بچ کر نکل جاؤ گی۔''

''ہاں۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''میں نے داؤ کھیلا ہے اور مجھے یقین ہے اس بار بازی میرے ہاتھ میں رہے گی۔''

''باہر کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''فتح خان کے آدمی ہیں۔'' اس نے بلا جھجک کہا۔ ''میں نے اسے اطلاع دی ہے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اب واضح تھا۔ شاہد منظور کے بے ہوش ہونے کے بعد شہلا نے فائدہ اٹھایا۔ ''تم نے اس کے موبائل سے کال کی ہے؟''

شہلا نے سر ہلایا۔ ''ہاں اور یہ پستول بھی اس کا ہے۔''

میرا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لوں۔ مجھے ایک لمحے کو بھی خیال نہیں آیا کہ شاہد منظور سیکورٹی سپر وائزر تھا اور اس کے پاس کوئی نہ کوئی ہتھیار رہنا لازمی تھا۔ اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا جب کہ شہلا میدان مار چکی تھی میں وسیم کی زندگی کا ذرا سا رسک بھی نہیں لے سکتا تھا۔ ''تمہارا فتح خان سے رابطہ تھا؟''

''ہاں ہم دشمن ہیں لیکن ایک مشترکہ مفاد کے لیے ایک ساتھ ہو گئے۔ مجھے یہ چیزیں درکار ہیں'' اس نے وسیم کے پاس موجود بریف کیس کی طرف اشارہ کیا۔ ''فتح خان تمہیں چاہتا ہے۔''

''لیکن یہاں سے کیسے نکلو گی؟''

''یہاں سے تم مجھے نکالو گے۔'' اس نے کہا اور وسیم سے بولی۔ ''میرے پاؤں سے یہ لعنتی چیز نکالو۔''

''ہرگز نہیں۔'' وسیم نے انکار کر دیا۔ ''اب تمہیں شاید ساری عمر اس کے ساتھ رہنا پڑے گا۔''

''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔'' وہ غرا کر بولی۔ ''کھلواسے۔''

''وسیم کھول دو اسے۔'' میں نے وسیم سے کہا۔ مجبوراً اس نے نیچے بیٹھ کر شہلا کی پینٹ کا پائنچہ اوپر کیا اور بم کو کھولنے لگا۔ شہلا مضطرب ہو گئی۔

''یہ کیسے کھول رہے ہو؟''

''تو کیسے کھولو؟''

''تم نے کہا تھا کسی نے بم ایسے ہی اتارنے کی کوشش کی تو یہ پھٹ جائے گا۔''

''میں نے اسے ڈی ایکٹی ویٹ کر دیا ہے۔'' وسیم نے اسے یقین دلایا اور اسے بم کا نقلی ریموٹ دکھایا۔ ''دیکھو اب اس کی روشنیاں جل بجھ نہیں رہی ہیں۔''

شہلا کو یقین آ گیا ویسے بھی وسیم بم کے بالکل پاس بیٹھا اسے کھول رہا تھا اگر اس کے پھٹنے کا خطرہ ہوتا تو اس کے خیال میں وسیم کبھی اس کے اتنے نزدیک نہ آتا۔ وسیم نے تاروں کی پروا کیے بغیر بم کھول کر اتار دیا۔ وہ شہلا کے پاؤں سے نکلا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ ہماری طرف سے پوری طرح ہوشیار تھی۔ اس دوران میں عبداللہ نے پوچھا۔ ''جناب آپ باہر کیوں نہیں آ رہے ہیں ہم زیادہ دیر تک ان کو نہیں روک سکتے ہیں۔''

''یار مسئلہ ہو گیا ہے شہلا نے ہم پر قابو پا لیا ہے اور باہر اسی کے بلائے فتح خان کے آدمی موجود ہیں۔'' میں نے کہا تو عبداللہ بھی ششدر رہ گیا تھا۔

''یہ کیسے ہوا؟''

''بس یار اپنی زندگی میں اس قسم کے اَپ ڈاؤن آتے رہتے ہیں ابھی کچھ دیر پہلے تک یہ ہمارے قابو میں تھی اور میری ذراسی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس نے پانسا پلٹ دیا ہے اب ہم اس کے قابو میں ہیں۔''

شہلا سب سن رہی تھی اس نے مجھ سے کہا۔ ''کوئی گاڑی منگواؤ، تم میرے ساتھ جاؤ گے۔''

میں نے عبداللہ سے گاڑی کا کہا اس نے جواب دیا۔ ''میں اپنی ایک گاڑی بھیج رہا ہوں۔ آپ اس میں نکلیں اس کے بعد ہم بھی یہاں سے نکلیں گے۔''

وسیم نے کیمرے والے کیسٹس نکالیں اور عبداللہ کے آدمی کو تھما دیں یہ ہمارے ساتھ جاتیں۔ ہم سب نے دستانے پہن رکھے تھے اس لیے انگلیوں کے نشانات نہیں چھوڑے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ شہلا کی دلچسپی صرف پروفیسر نفیس والے چرمی بریف کیس سے تھی اس نے دھاتی بریف کیس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ہم باہر آئے جہاں عبداللہ کے ساتھی بھی فتح خان کے آدمیوں کو دفاعی پوزیشن میں رکھنے کے لیے کارروائی میں حصہ لے رہے تھے۔ ریڈیو کی وجہ سے ان کو بھی پتا چل گیا۔ شہلا وسیم کی اوٹ میں تھی۔ یہ اس کے لیے آخری موقع والی بات تھی اس لیے وہ پوری طرح چوکنا تھی۔ اس نے پستول عین وسیم کی پشت پر رکھا تھا اور دوسرا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ایک لمحے میں گولی چلانے کے لیے تیار تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''تم باہر اس طرح آرام سے نہیں جا سکو گی۔ تمہارے بلائے لوگ اندھا دھند فائرنگ کر رہے ہیں اور میرا خیال ہے انہیں تمہاری پروا بھی نہیں ہوگی۔''

شہلا چالاک تھی میری بات سمجھ گئی۔ ''تم فکر مت کرو بس یہ سوچو کہ اگر مجھ پر قابو پانے کی کوشش کی تو میں وسیم کو لازمی شوٹ کر دوں گی۔''

''وسیم نہیں جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارے ساتھ صرف میں جاؤں گا۔''

''نہیں یہ مجھے لے جائے۔'' وسیم تیزی سے بولا۔

''سوری میرے ساتھ شہباز ہی جائے گا۔'' شہلا نے انکار کیا ''ہاں لیکن گاڑی تک میں اسے ہی ڈھال بنا کر لے جاؤں گی۔''

''جناب گاڑی بینک کے سامنے آ گئی ہے۔'' عبداللہ نے کہا میں نے ذرا جھانک کر دیکھا۔ اے ٹی ایم والے حصے کے بالکل سامنے گاڑی موجود تھی ڈرائیور اسے فٹ پاتھ سے اوپر چڑھا لایا تھا۔ میں نے گارڈز کی وردیوں میں موجود ساتھیوں سے کہا۔ ''تم لوگ یہاں سے نکلو۔''

وہ ایک ایک کر کے نکلے اور دوڑتے ہوئے بینک کے ساتھ والی گلی میں چلے گئے یہ حصہ کسی قدر محفوظ تھا۔ اب ہال میں میرے ساتھ صرف وسیم اور شہلا رہ گئے تھے۔ میں نے شہلا سے کہا۔ ''یہاں سے نکلنا ہے گاڑی آ گئی ہے۔''

''شاہد منظور کو کہاں قید کیا ہے؟''

وسیم نے ہال کے کونے میں موجود واش روم کی طرف اشارہ کیا تو وہ وسیم کو آڑ بنائے ہوئے بینک میں واش روم تک گئی اس کا دروازہ کھولا۔ شاہد منظور اور دوسرے گارڈز بے ہوش پڑے تھے۔ شہلا کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی شاہد منظور کو شوٹ کر دیا۔ گولی اس کے سر میں لگی تھی اور وہ بے ہوشی میں ذرا سا تڑپ کر ساکت ہو گیا۔ میں اور وسیم دم بخود رہ گئے۔ میں چلایا۔ ”یہ کیا کیا تم ؟“

”میں نے وہ کیا جو میری مرضی ہے۔“ وہ سکون سے بولی۔ ”میں اسے زندہ چھوڑنے کا خطرہ نہیں لے سکتی تھی اس نے مجھے بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔“ اس نے دروازہ بند کر دیا۔

اس وقت ہم شہلا کے سامنے مجبور تھے۔ میں نے سوچا نہیں تھا کہ وہ عین موقع پر ترپ کا پتا پھینک کر بازی اپنے نام کر لے گی۔ پہلے میں نکلا اور دوڑ کر گاڑی میں گھس گیا۔ عبداللہ کا آدمی اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یہ پرانے ماڈل کی لگژری کار تھی لیکن بہت اچھی حالت میں تھی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور شہلا سے کہا۔ ”آجاؤ تم دونوں۔“

شہلا وسیم کی آڑ میں باہر نکلی۔ عبداللہ اور اس کے آدمیوں نے نہایت مہارت سے حملہ آوروں کو الجھا رکھا تھا اور وہ اب اس طرف فائرنگ نہیں کر پا رہے تھے اس وجہ سے ہمیں اور دوسرے لوگوں کو بینک سے آسانی سے نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ کار کے پاس آتے ہی شہلا وسیم سے الگ ہوئی اور تیزی سے فرنٹ سیٹ پر آ گئی۔ چرمی بیگ اس نے وسیم سے فرنٹ سیٹ کے سامنے رکھوا دیا تھا۔ میں نے دھاتی بریف کیس وسیم کے حوالے کرنا چاہا کہ شہلا نے کہا۔ ”نہیں یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔“

”شہلا یہ تمہارے کام کی چیز نہیں ہے۔“ میں نے کہنا چاہا تو اس نے پستول میری پسلی سے لگا دیا۔

”یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔ ناؤ گو۔“

شہلا کا انداز بتا رہا تھا وہ اس وقت ہماری کوئی بات نہیں سنے گی اور اگر ہم نے اس کی بات نہ مانی تو وہ سچ مچ گولی چلا دے گی۔ مجبوراً میں نے وسیم سے کہا۔ ”تم جاؤ۔“

”گاڑی چلاؤ اور اپنے آدمیوں سے کہنا ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہ کریں۔“ شہلا نے اگلا حکم دیا۔ اس نے سیٹ بیلٹ باندھ لی تھی اور فی الحال پوری طرح مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ حد یہ کہ اس نے دونوں بریف کیس بھی لاپروائی سے اپنے قدموں میں ڈال دیئے تھے۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے ریورس کر کے سڑک پر لایا۔ جیسے ہی گاڑی سڑک پر آئی دوسری طرف سے فائرنگ ہوئی تھی۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا لیکن وہ عبداللہ والی گاڑی تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے اسٹیئرنگ کاٹتے ہوئے گاڑی کو گھمایا اور پھر ایکسلریٹر دبا دیا۔ گاڑی کا پک اپ بہت اچھا تھا اور وہ گولی کی طرح نکلی۔ جیسے ہی ہم خطرے کی حد سے ذرا باہر آئے شہلا نے میرے اور اپنے کان سے ہیڈ سیٹ کھینچا اور اسے گاڑی سے باہر پھینک دیا۔ پھر اس نے میری تلاشی لی اور موبائل نکال لیا۔ آخر میں اس نے ہاتھ پھیر کر اطمینان کیا کہ میرے پاس اور کوئی ہتھیار تو نہیں ہے۔

”شہباز رفتار تیز کرو اور آگے آنے والے راؤنڈ اباؤٹ سے دائیں طرف مڑ جانا۔“

”اور کوئی حکم۔“ میں نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

شہلا عقبی آئینے پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ ”میرا خیال ہے تمہارے آدمی ہمارے پیچھے ہیں۔“

''ظاہر ہے وہ اتنی آسانی سے تو تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تم نے واقعی ذہانت کا ثبوت دیا۔ تمہیں معلوم تھا کہ شاہد منظور مسلح ہوتا ہے لیکن تم نے اس بارے میں بھاپ بھی نہیں نکالی اور اس کے موبائل فون کا ہمیں خیال نہیں آیا۔ تم نے اس سے فائدہ اٹھالیا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کون سی بات؟''

''یہی کہ فتح خان سے یہ تمہارا اچانک تعلق کہاں سے نکل آیا؟''

''اچانک تو نہیں نکلا پرانا ہے۔''

''میرا مطلب ہے کہ جب تم میرے قبضے میں آئیں تو تمہاری اور اس کی دشمنی تھی۔''

''وہ بلف تھا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''فتح خان اور میرے درمیان دشمنی والا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔''

''تب ہی اس نے تمہیں اتنی آسانی چارے کی طرح میرے سامنے ڈال دیا۔'' میں نے طنز کیا۔ ''مس شہلا اگر تم مجھے اصل بات نہیں بتانا چاہتی ہو تو میں اس وقت تمہیں مجبور کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن مجھے بے وقوف مت بناؤ۔''

''تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''یہی کہ تم نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی ہے۔ ادھر تم مجھے اور ان بریف کیسوں کو فتح خان کے حوالے کرو گی اور ادھر تمہاری اور میری حیثیت میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔''

''تمہارے خیال میں، مَیں اتنی بے وقوف ہوں کہ یہ معمولی سی بات میری سمجھ میں نہیں آئے گی میں نے کب کہا کہ میں فتح خان پر بھروسہ کرتی ہوں۔ میں اس پر ایک روپے کا بھروسہ نہیں کر سکتی۔''

''پھر تم مجھے اور اس سامان کو اس کے پاس کیوں لے جا رہی ہو؟''

وہ بولی تو اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ''کیونکہ مجھے یقین ہے وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا ہے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ فتح خان کسی لحاظ سے تمہارے سامنے مجبور ہے۔''

''مجبور نہیں ہے اب ہم دونوں برابر ہیں۔''

''کیا تم بھول گئی ہو کہ اس نے اور اس کے آدمیوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟'' میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔

''وہ ماضی کی بات ہو گئی ہے اور فتح خان کے جس آدمی نے میرے ساتھ بدسلوکی کی تھی اسے میں نے اپنے ہاتھ سے مار دیا۔''

''فتح خان کا حساب کتاب؟''

''وہ میں بعد میں کبھی لوں گی۔'' اس نے مبہم انداز میں کہتے ہوئے عقبی آئینے میں دیکھا۔ میں نے اس کی بتائی چورنگی سے کار دائیں طرف گھمالی۔ کار کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ یہ چوری کی ہو گی۔ عبداللہ اپنی کوئی کار اس طرح شہلا کے حوالے نہیں کر سکتا اس منصوبے کے لیے اس نے یقیناً گاڑیاں اٹھائی ہوں گی۔ یا اپنی گاڑیوں پر جعلی نمبر پلیٹ لگائی ہوں گی۔ میں گھوما تو ایک گاڑی بدستور پیچھے لگی رہی۔ یہ کوئی بڑی گاڑی تھی کیونکہ

اس کی ہیڈ لائٹس اونچی تھیں۔ ممکنہ طور پر کوئی ہائی ایس تھی یا اسٹیشن ویگن تھی۔ پہلے واکس ہال کی اس قسم کی وین نظر آتی تھیں اور یہ بڑی زبردست وین ہوتی تھی لیکن پھر یہ ماڈل آنا بند ہو گیا۔ مگر اب بھی راولپنڈی اور آس پاس کے دیہاتی علاقوں میں یہ نظر آتی ہے۔

''یہ میرا کوئی آدمی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے پاس اس قسم کی کوئی گاڑی نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''اس میں فتح خان کے آدمی ہیں۔''

فتح خان کا نام سن کر میں کسی قدر بے چین ہو گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''شہلا تم اور فتح خان دونوں کو میں نے کبھی دشمن نہیں سمجھا ہاں تمہاری طرف سے محتاط ضرور رہا لیکن تمہارے خلاف از خود کوئی کارروائی نہیں کی ہمیشہ اپنا دفاع کیا۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ مجھے اس دعاتی بریف کیس سمیت جانے دو۔ اس کے بعد میرا اور تمہارا کبھی سامنا نہیں ہو گا اور یہی ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ ''سچ کہوں تو یہی خیال میرا بھی ہے تم سے الجھنا کسی صورت ہمارے مفاد میں نہیں ہے لیکن فتح خان کا خیال کچھ اور ہے۔''

''تم مجھے جانے کی اجازت دے سکتی ہو اور بعد میں فتح خان سے کہہ سکتی ہو کہ میں فرار ہو گیا۔''

''میں کہہ سکتی ہوں لیکن اب اس کا فائدہ نہیں ہے۔'' اس نے عقب میں آتی گاڑی کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔ ''فتح خان یا اس کے آدمی پوری طرح ہمیں نظر میں رکھے ہوئے ہیں۔''

''اگر تم موقع دو تو......''

''نہیں شہباز، اب وقت نہیں ہے اور میں کامیابی کے اتنے قریب آ کر ناکامی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی ہوں۔'' اس نے پستول میری طرف سیدھا کر لیا۔ ''کار روک دو۔''

میں نے کار کی رفتار سست نہیں کی تھی۔ ''اگر میں نہ روکوں تو؟''

''تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گی اس سے حادثے کا امکان ہو گا لیکن میں اسٹیئرنگ فوراً قابو میں کر کے حادثے کو جان لیوا ہونے سے بچا سکتی ہوں لیکن تم یقینی طور پر اپنی جان سے جاؤ گے۔ میں کہہ چکی ہوں کامیابی کے اتنے پاس آ کر میں ناکامی کا ذرا سا بھی خطرہ مول نہیں لوں گی۔ اس کے لیے میں اتنے دن تمہاری قید میں صبر سے رہی ہوں۔ مجھے امید ہے تم بھی صبر سے کام لو گے۔ ناؤ اسٹاپ دی کار'' اس کا لہجہ فیصلہ کن ہو گیا۔ مجبوراً مجھے کار کی بریک پر دباؤ ڈالنا پڑا۔

شہلا اتنے دنوں سے ہماری قید میں تھی اور میں نے اس کا بغور مشاہدہ کیا تھا۔ وہ مجھے ذہین اور چالاک لگی تھی لیکن بس ایک حد تک، میرا خیال تھا کہ اس میں کمانڈ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ حالات کو اپنے قابو میں نہیں لے سکتی تھی لیکن گزشتہ آدھے گھنٹہ میں اس نے میرے خیال کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ وہ اس وقت بالکل بدلی ہوئی شہلا لگ رہی تھی جس کے انداز میں ایک فیصد ہچکچاہٹ بھی نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا کہ کس صورتِ حال میں اس کا ردِعمل کیا ہو گا۔ کار رکتے ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر اگنیشن سے چابی نکال لی اور مجھے حکم دیا۔

''دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھو۔''

میں نے ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ لیے۔ اس دوران میں عقب سے آنے والی گاڑی آکر ہمارے پیچھے رک گئی اور اس میں سے دو افراد اتر کر آگے آئے۔ سردی کی مناسبت سے انہوں نے جیکٹیں اور اونی ٹوپے پہن رکھے تھے اور نیم تاریکی میں ان کی صورتیں واضح نظر نہیں آرہی تھیں لیکن ایک شخص کے بارے میں مجھے شبہ ہوا کہ وہ فتح خان تھا۔ میرا شبہ درست ثابت ہوا اور جلد ہی اس کی منحوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''شہباز خانا۔'' اس نے کھڑکی کے پاس جھکتے ہوئے کہا۔ ''تم کو دیکھ کر کتنا خوشی ہورہی ہے۔ یارا نیچے تو آؤ۔''

میں نیچے اتر آیا اور سکون سے کہا۔ ''خدا نہ کرے جو میں تمہارا یار ہوں اس کے بجائے میں کسی کتے کا یار بننا پسند کروں گا۔''

فتح خان کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور وہ کسی قدر مختلف لگ رہا تھا لیکن میری بات پر اس کی صورت کے بگڑتے زاویے صاف محسوس ہوئے تھے۔ اس نے جھکنا موقوف کیا اور سرد لہجے میں بولا۔ ''شہباز خان اب تمہارا مہلت ختم ہوگیا ہے۔''

''اچھا۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''کیا تم نے ملک الموت کا کام سنبھال لیا ہے اور دوسروں کی مہلت طے کرنے لگے ہو۔''

''تم بہت بولنے لگا ہے۔'' اس بار فتح خان جھنجھلا گیا۔

''یہ تو میری شروع سے عادت رہی ہے۔'' میں ہنسا۔ اس دوران میں شہلا دونوں بریف کیس سنبھالے نیچے اتر آئی اور اس نے فتح خان سے کہا۔

''تم وقت ضائع کررہے ہو اس کے ساتھی اس علاقے میں موجود ہیں۔''

''فکر مت کرو۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ ''وہ پیچھے آنے کے قابل نہیں رہا ہے۔''

میرا دل دھڑک اٹھا۔ ''فتح خان تم نے کیا کیا ہے؟''

میری پریشانی پر وہ مسکرایا۔ ''اچھا کیا ہے پروا مت کرو کوئی مرا نہیں ہے۔ میرے آدمیوں نے راستے میں گوکھرو ڈال دیئے تھے گوکھرو سمجھتے ہو نا؟''

''وہ گولی جس پر چاروں طرف کانٹے نکلے ہوتے ہیں؟'' میں نے کہا تو اس نے سر ہلایا۔

''وہی وہی۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تمام گاڑی فلیٹ ہوگیا اور ایک الٹ بھی گیا لیکن امید ہے کسی کو نقصان نہیں ہوگا۔''

''فتح خان۔'' اس بار شہلا تیز لہجے میں بولی۔ ''چلو یہاں سے باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔''

''چلو شہباز خانا۔'' فتح خان نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا میرا اندازہ درست نکلا تھا یہ ایک وین تھی جو کسی کو چھپا کر لے جانے کے لیے نہایت موزوں گاڑی ہے۔ گاڑی میں ایک ڈرائیور بھی تھا۔ فتح خان کے ساتھ اترنے والا دوسرا آدمی آگے ڈرائیور کے ساتھ جا بیٹھا۔ جب کہ فتح خان، میں اور شہلا پچھلے حصے میں آئے تھے۔ یہاں بڑی شاہانہ قسم کی صوفہ نما سیٹیں تھیں۔ شہلا اور فتح خان ایک سیٹ پر بیٹھ گئے اور مجھے ان کے سامنے بیٹھنا پڑا تھا۔ اس وقت شہلا اور فتح خان دونوں برابر ہی لگ رہے تھے اگرچہ انہوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

ہمارے بیٹھتے ہی ا ہلا ، ، ا ۔ ہو گئی تھی۔ میں نے گہری سانس لی۔
"فتح خان یہ سب کیا ہے؟"
"تمہارے سامنے ہے۔" وہ بولا۔
"میرے اور تمہارے درمیان طے ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے کاموں میں مداخلت نہیں کریں گے
"ہوا تو تھا۔" اس نے داڑھی کھجائی۔ "لیکن ادھر یہ بینک والا معاملہ درمیان میں آ گیا اس لیے ہ
مداخلت کرنا پڑا۔"
"اس میں سے ایک بریف کیس پروفیسر نفیس نے مجھ سے حاصل کیا تھا اور یہ میرے پاس کسی کی امان
ہے۔ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔"
"یہ دیکھنا ہمارا کام ہے۔" شہلا اب بہت نپا تلا بول رہی تھی اس نے پستول بدستور ہاتھ میں لے رک
تھا۔ پھر اس نے میرا موبائل نکال کر اس پر عبداللہ کا نمبر ملایا اور موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ "اپنے آدمی کو بتا
کہ تم ٹھیک ہو اور چند دن میں واپس آ جاؤ گے اس لیے تمہیں تلاش کرنے میں بلا وجہ اپنی توانائیاں ضائع ن
کریں۔"
"ہاں اپنا توانائی مرشد کے لیے بچا کر رکھے۔" شہباز خان نے دانت نکالے۔ "تم ہمارے پاس آرا
سے رہے گا۔"
اس دوران میں رابطہ ہو گیا تھا اور میرا نمبر دیکھ کر عبداللہ بے تابی سے ہیلو ہیلو کر رہا تھا۔ "عبداللہ میں بات
کر رہا ہوں۔"
"شہباز صاحب آپ کہاں ہیں ہم سب آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"
"میں ٹھیک ہوں لیکن فی الحال تمہارے پاس نہیں آ سکتا۔" میں نے کہا۔ "تم سب ٹھیک ہو کسی کو نقصان تو
نہیں ہوا؟"
"ان حرامزدوں نے کیلیں بچھائی تھیں ہماری تمام گاڑیوں کے ٹائر فلیٹ ہو گئے اور یہ نکل جانے میں
کامیاب رہے۔ پولیس آ گئی تھی اس لیے ہم پیدل منتشر ہو کر آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"
"بے کار ہے میں تم سے دور فتح خان کی قید میں ہوں اب تم لوگ گھر جاؤ اور کوئی جذباتی حرکت م
کرنا۔"
شہلا نے ہاتھ بڑھا کر موبائل چھین لیا۔ اسے آف کر کے اپنے لباس میں رکھ لیا اور بولی۔ "تم نے بالک
ٹھیک طرح سے بات کی ہے۔"
"تم دونوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے اب مجھے اس طرح قید کر کے لے جانے کا جواز کیا ہے؟"
"جواز ہے۔" فتح خان پُر خیال انداز میں بولا۔ "ابھی نہیں لیکن جلد تم کو پتا چل جائے گا۔"
میں نے غور سے اسے دیکھا۔ "فتح خان ممکن ہے تمہارے دماغ میں وہی ہیروں والا کیڑا کلبلا رہا ہو لیکن
میں بتا دوں میرا اس حماقت میں حصہ لینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"
"بات تمہارے ارادے کا نہیں ہے۔"

''تمہارا مطلب ہے کہ میں اس وقت تمہارے قبضے میں ہوں اس لیے تم جو چاہو گے مجھ سے منوا لو گے؟''

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔'' شہلا بولی۔ ''فی الحال تم اتنا سمجھ لو کہ تم ہماری قید میں ہو اور تمہیں اس وقت کوئی نقصان نہیں ہوگا جب تک تم خود کچھ غلط نہ کرو۔''

''مثلاً میں کیا غلط کر سکتا ہوں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''اگر میں تم پر عاشق ہو جاؤں تو کیا تم اسے بھی غلطی شمار کرو گی؟''

شہلا مسکرائی۔ ''اسے میں غلطی نہیں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم فرار کی کوئی کوشش نہیں کرو گے۔''

شہلا کی بات پر فتح خان کا رنگ بدلا تھا۔ شاید اسے شہلا کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ میں شہلا سے کہنے جا رہا تھا کہ وہ جس بات کو اپنی خوش قسمتی سمجھ رہی ہے میں اسے اپنی بدترین بدنصیبی سمجھوں گا لیکن فتح خان کے تاثرات دیکھنے کے بعد میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ وین کے عقبی حصے سے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ ہم کہاں جا رہے تھے اور کس علاقے میں تھے۔ ذرا سی دیر کے سفر میں وین نے کئی موڑ کاٹے تھے اور دائیں بائیں گھومتی رہی تھی۔ ایک گھنٹے میں حالات بدل گئے تھے۔ شہلا جو میری قیدی تھی اب وہ آزاد تھی اور میں اس کا قیدی تھا یہی نہیں میں اس کے سامان پر قبضے کی فکر میں تھا اور اب میرا بریف کیس بھی اس کے پاس جا چکا تھا۔

''شہلا جب تمہارے پاس مکمل پلان تھا تو تم نے فتح خان کی مدد سے اپنا کام کیوں نہیں کر لیا؟''

''اس نے مجھ سے کہا تھا لیکن میں نے سوچا جو کام تم سے لیا جا سکتا ہے اس کے لیے خود کچھ کرنے کا کیا ضرورت ہے؟'' فتح خان نے سیٹ پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا سارا کام تم نے کیا اور چیزیں ہمارا قبضے میں آ گیا۔''

''تمہیں ان چیزوں سے کیا دلچسپی ہے۔'' میں نے حیرت سے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''میں نے تمہیں بلیک میلر نہیں پایا۔''

''مجھ کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''یہ سارا مال شہلا کا ہے۔''

اس کا مطلب تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی معاہدہ ہوا تھا اور اب میری سمجھ میں آیا کہ فتح خان شہلا کو کیوں تلاش کروا رہا تھا اور میری قید سے نکالنے کے بو سونگھنے والے کتے تک کی خدمات حاصل کی تھیں۔ فتح خان کے بارے میں مجھے سو فیصد یقین تھا اس کا مطمع نظر وہ کروڑوں ڈالرز مالیت کے ہیرے تھے جو برٹ شا نے کہیں چھپائے تھے۔ یہ معمولی چیزیں اس کا مقصد نہیں ہو سکتی تھیں۔ اسی مقصد کے لیے وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میرے چکر میں اس کا کزن مارا گیا تھا اور وہ مرشد سے انتقام لینے پر اتر آیا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''مرشد سے تمہارا انتقام کہاں تک پہنچا۔ تم نے اس کی ایک کیمیکل فیکٹری برباد کر دی تھی؟''

وہ خفیف سا مسکرایا۔ ''اس کے بعد مرشد کو اپنے ایک کیٹل فارم کا نقصان بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ نہ معلوم افراد نے وہاں موجود ملازموں کو باندھ کر تمام جانوروں کو زہر کے انجکشن لگا دیئے اور جاتے جاتے فارم کو بھی آگ لگا گئے۔ فارم میں کئی سو اعلیٰ درجے کی بھینسیں اور گائیں تھیں۔ ان کی مالیت بھی کروڑوں میں تھی۔''

میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''فتح خان کی اس حرکت کو تم کیا کہو گی یہ بھی مرشد کو براہِ راست کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا ہے۔''

''فتح خان بھی پتوں اور شاخوں پر وار کر رہا ہے۔'' اس نے اپنے بڑے ہوئے ناخنوں کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب معمولی اور عارضی نقصان ہیں مرشد انہیں آرام سے پورا کر سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے ایسا نقصان دیا جائے جس کی وہ تلافی نہ کر سکے۔''

''یعنی اس کی ذات کو نقصان؟''

''بالکل میں نے کہا نا مرشد کے نزدیک اس کی ذات کے علاوہ اور کسی چیز کی اہمیت نہیں ہے۔''

شہلا ٹھیک کہتا ہے۔'' فتح خان بولا۔ ''ہم بھی اسے صرف جھٹکا دے رہا ہے۔ ابھی اس سے براہِ راست بدلہ لینے کا وقت نہیں آیا ہے۔ جب آئے گا تو یقین کرو مرشد کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

''یہ تو تم نے وہی بات کی کہ جب کسی شخص کے مرنے کا وقت آئے گا تو کوئی اسے بچا نہیں سکے گا۔'' میں ہنسا۔

فتح خان دھاتی بریف کیس کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے غالباً ایسی چیز پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ نمبروں سے کھلنے والا یہ بریف کیس بہت جدید ساخت کا تھا۔ فتح خان اس کے لاک کا نمبر چھیڑنے جا رہا تھا کہ میں نے جلدی سے کہا۔ ''کوئی بٹن دبانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ غلط نمبر ملانے کی صورت میں بریف کیس دھماکے سے پھٹ سکتا ہے۔''

فتح خان کا ہاتھ رک گیا اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تم فتح خان کو ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے؟''

''نہیں میں تمہیں بلا وجہ فوت ہونے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے خلوص سے کہا۔ ''میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ بریف کیس کس کا ہے لیکن جس کا بھی ہے اس کے لیے ایسا انتظام کرنا بالکل ممکن اور ضروری ہے کہ کوئی غلط طریقے سے اس بریف کیس کو کھولنے کی کوشش کرے تو یہ دھماکے سے تباہ ہو جائے اور ظاہر ہے جو اس کے آس پاس ہوگا وہ بھی مارا جائے گا۔''

خلاف توقع شہلا نے میری تائید کی۔ ''فتح خان یہ ٹھیک کہہ رہا ہے ہمیں کوئی اندھا قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔''

فتح خان نے برا سا منہ بنایا۔ ''یہ تم کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ بریف کیس اسی کا ہے اور یہ اس کے نمبر جانتا ہے۔''

''یہ اس کا نہیں ہے۔'' شہلا بولی۔ ''اس نے مجھے اس وقت بتایا تھا جب میں اس کی قید میں تھی اور اس وقت اسے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔''

فتح خان نے شانے ہلائے اور بریف کیس واپس سیٹ پر رکھ دیا۔ ''جیسا تمہارا مرضی۔''

''ہم بعد میں آرام سے اسے چیک کر کے کھول سکتے ہیں۔'' شہلا نے کہا۔ ''میں ایک شخص کو جانتی ہوں جو اس قسم کی چیزوں کا ماہر ہے اور معاوضے پر کام کرتا ہے مجھے یقین ہے وہ اس بریف کیس کو کھول لے گا اس لیے عجلت دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

فتح خان کا موڈ مزید خراب ہوگیا اور اس نے پشتو میں چلا کر اپنے آدمیوں کو گالی دی۔ ''تیز چلاؤ...... کیا مردار کی طرح ٹہلتا ہے۔''

حالانکہ وین ٹھیک رفتار سے جارہی تھی مجھے نہیں معلوم تھا کہ فتح خان مجھے کہاں لے جارہا تھا لیکن اس کا ٹھکانہ یقیناً کسی باقاعدہ آبادی میں ممکن نہیں تھا اس کا راول ڈیم سے آگے والا ٹھکانہ میں نے دیکھا تھا۔ جہاں سے اس نے مجھے بے ہوش کر کے حویلی پہنچا دیا تھا۔ اب وہ ٹھکانہ یقیناً فتح خان چھوڑ چکا تھا۔ وہ ان دنوں مرشد سے بھی بچتا پھر رہا تھا جو اسے اپنے قابو میں لینے کے لیے بے تاب تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد وین کو یوں جھٹکے لگنے لگے جیسے وہ کچے راستے پر آگئی ہو اور یہ جھٹکے دار سفر تقریباً بیس منٹ جاری رہا تھا۔ پھر وین رک گئی۔ فتح خان کے دونوں آدمی نیچے اترے اور انہوں نے پیچھے کا سائیڈنگ ڈور کھولا۔ پہلے فتح خان نیچے اترا اور پھر اس نے مجھے نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے نیچے آیا۔ رات گہری تھی اور چاند بھی نہیں تھا لیکن آسمان بہت صاف تھا اور تاروں کی روشنی کسی حد تک تاریکی دور کر رہی تھی۔

یہ کسی جنگل کا ایک حصہ تھا۔ چاروں طرف سفیدے کے دیو قامت اور گھنے درخت تھے۔ عام طور سے سفیدے کے درخت اونچے تو بہت ہو جاتے ہیں لیکن یہ ایک خاص حد سے زیادہ گھنے نہیں ہوتے ہیں لیکن یہاں موجود درخت خاصے گھنے تھے۔ انہوں نے اس خالی جگہ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا جس کے درمیان میں پتھر اور لکڑی سے بنی یہ چھوٹی سی عمارت تھی۔ اس کی بنیادیں اور دیواریں پتھروں کی بنی تھیں جب کہ چھت لکڑی کی تھی۔ چاروں طرف خالی زمین تھی اور پھر پتھر سے بنایا ہوا ایک پانچ فٹ اونچا احاطہ تھا جس میں گیٹ نہیں تھا اور آنے جانے کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ عمارت بہ ظاہر ویران نظر آرہا تھا۔

فتح خان کے ایک آدمی نے عمارت کے واحد دروازے پر لگا ہوا تالا کھولا اور اندر چلا گیا فوراً ہی اندر روشنی نظر آنے لگی۔ یہاں بجلی نہیں تھی اور یہ روشنی آگ کی تھی۔ فتح خان نے پستول نکال لیا اور مجھے اشارہ کیا تو میں بادلِ ناخواستہ اندر کی طرف بڑھا۔ پہلا کمرہ ایک نشست گاہ تھی جس میں پرانا مگر قابلِ استعمال صوفہ سیٹ پڑا تھا۔ فرش پر پرانا لیکن بہت دبیز قالین تھا۔ فتح خان کے آدمی نے دیوار پر لگا کیروسین لیمپ جلایا تھا اور وہ کمرے اور عمارت میں موجود دوسرے لیمپ بھی جلانے لگا۔ دوسرا آدمی باہر ہی رک گیا تھا۔ کچھ دیر میں شہلا بھی دونوں بریف کیس سنبھالے اندر آگئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا تو سردی کا احساس کم ہوا تھا۔ فتح خان ایک صوفے پر براجمان ہوگیا۔ اس بڑی سی نشست گاہ سے آگے ایک گیلری نظر آرہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس جگہ دو تین کمرے اور ہوں گے۔ کیونکہ باہر سے یہ عمارت بہت بڑی نہیں لگ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے یہ تمہارا کوئی عارضی ٹھکانہ ہے؟'' میں نے کہا۔

''تم نے ٹھیک پہچانا۔'' فتح خان بولا۔ ''آج کل میں ان تمام جگہوں سے دور ہوں جن کے بارے میں مجھے ذرا سا شبہ ہے کہ مرشد ان کے بارے میں جانتا ہے۔''

''تمہارے خیال میں یہ جگہ محفوظ ہے؟''

''سو فیصد تو نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے جواب دیا۔ اس دوران میں شہلا دونوں بریف کیس لے کر اندر چلی گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ فتح خان کو ان دونوں بریف کیسوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ راستے میں اس

نے دھاتی بریف کیس کھولنے کی کوشش بھی اس لیے کی تھی کہ وہ اسے ذرا مختلف لگا تھا۔ یہ معاملہ اس نے کلی طور پر شہلا کے سپرد کر رکھا تھا۔ اس کا رویہ حیرت انگیز طور پر میری توقع کے بالکل خلاف اور شہلا کے کہے کے عین مطابق تھا۔ فتح خان کے آدمی نے مکان میں موجود آتش دان جلا دیئے تھے اور ان کی حرارت رفتہ رفتہ سردی کے احساس کو کم کر رہی تھی۔ فتح خان سکون سے بیٹھا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے فی الحال مجھے بھی فراموش کر دیا ہے۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

شہلا اور فتح خان کے اس غیر متوقع گٹھ جوڑ سے مجھے دھچکا لگا تھا۔ دشمن کے بارے میں میری ناقص معلومات اور اندازوں کا نتیجہ تھا کہ میں اس وقت اس کی قید میں تھا۔ مرشد اور ڈیوڈ شا کے مقابلے میں فتح خان اور اب شہلا کو میں ہمیشہ کمتر درجے کا حریف سمجھا تھا۔ یہی وجہ تھی ان سے میں اکثر مات کھا جاتا تھا۔ فتح خان ہر گزرتے دن زیادہ چالاک اور زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا تھا۔ اگرچہ اس سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو جان کا خطرہ نہیں تھا لیکن اپنے مخصوص مفادات کی خاطر وہ ہمارے پیچھے ضرور تھا۔ پہلے اس نے میرے کسی ساتھی کو اٹھانے کی کوشش کی اور بالآخر مجھے اپنے قبضے میں لینے میں کامیاب رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھیوں کا کیا ردِعمل ہوگا۔ وہ بے چارے ایک بار پھر مجھے تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ میں نے ان کو منع کیا تھا لیکن مجھے معلوم تھا وہ اپنی کوشش سے باز نہیں آئیں گے۔ مجھے تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

''شہباز خان۔'' فتح خان نے اچانک کہا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ تم ایمن شا کو پاکستان بلاؤ گے۔''

''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ تم مجھ سے یہ کام کرا لو گے تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ مجھے ایمن شا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں میں عورتوں کے سہارے آگے بڑھنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''میں تو ہے۔'' اس نے گرامر کا بیڑا غرق کرتے ہوئے کہا۔ وہ اچھی خاصی اردو بولتے بولتے اچانک اس کی ٹانگ توڑ دیا کرتا تھا۔

''وہ تو شہلا سے اشتراک سے پتا چل رہا ہے لیکن فتح خان یاد رکھو دوسروں اور خاص طور سے عورتوں کے سہارے آگے بڑھنے والے کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ تمہیں اپنے زورِ بازو پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

''میں اپنے اوپر ہی بھروسہ کرتا ہے۔''

''غلط...... تم اصل میں کسی پر اعتماد نہیں کرتے ہو۔ اعتماد کرنا الگ بات ہے اور اپنے بازو پر بھروسہ کرنا الگ بات ہے۔'' میں نے تردید کی۔ ''ویسے کیا یہاں تمہارے صرف یہی دو ساتھی ہیں؟''

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن تم یہ مت سمجھنا کہ اس طرح تمہیں بھاگنے کا کوئی موقع ملے گا۔''

''میں ایسا کچھ نہیں سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن جب مجھے موقع ملے گا تو تم یا تمہارا پورا دستہ بھی مجھے نہیں روک سکے گا۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔'' عقب سے شہلا کی آواز آئی۔ ''لیکن مجھے امید ہے تم ایسی کوشش نہیں کرو گے شہباز۔ میرے ساتھ آؤ۔''

شہلا نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور وہ اس وقت سیاہ رنگ کی پینٹ اور اسی رنگ کی ہائی نیک اور پوری آستین کی گرم جرسی میں تھی لیکن یہ جرسی کھال کی طرح اس کے جسم پر فٹ تھی اور اس کے خدوخال کی پوری

وضاحت کر رہی تھی۔ فتح خان کی نظر اس پر جم کر رہ گئی تھی اور اس کا ساتھی بھی چور نظروں سے شہلا کا معائنہ کر رہا تھا مگر وہ ان کی نظروں سے بے نیاز لگ رہی تھی۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''کہاں جانا ہے؟''

''آؤ میرے ساتھ۔'' شہلا بولی اور مڑ کر اندر کی طرف جانے لگی۔

فتح خان شاید اس پر کوئی اعتراض کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے کیا نہیں۔ میں شہلا کے پیچھے اس چھوٹے سے لیکن فرنیچر سے آراستہ کمرے میں پہنچا۔ یہ سارا فرنیچر نیا اور بہترین قسم کا تھا۔ بیڈ روم سیٹ کے ساتھ اسی کے لیے ڈیزائن کردہ ایک چھوٹا ٹو سیٹر صوفہ بھی وہاں موجود تھا۔ شہلا نے پستول کہیں رکھ دیئے تھے اور اس وقت وہ خالی ہاتھ تھی اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔ ''شہباز میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔''

میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کمرے کے آتش دان میں آگ جل رہی تھی اور باہر کے مقابلے میں یہاں گرمی خوشگوار تھی۔ میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ''تم پورے اعتماد سے یہاں میرے ساتھ اکیلی ہو۔''

''ہاں کیونکہ اگر تم میرے خلاف کچھ کرو گے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور تم بلا فائدہ کوئی کام کرنے والے شخص نہیں ہو۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''فائدہ کیوں نہیں ہوگا؟''

''تم مجھے قابو کر لو تب بھی فتح خان تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے گا بے شک تم مجھے اس کے سامنے قتل کر دو۔ فتح خان تمہیں ہر صورت اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا ہے۔''

شہلا نے ڈرائی فروٹ کی ایک چھوٹی سی ٹرے نکالی جس میں مختلف قسم کا ڈرائی فروٹ موجود تھا وہ اس نے میرے سامنے چھوٹی تپائی پر رکھ دی۔ میں اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور میں نے ڈرائی فروٹ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ شہلا بستر پر بیٹھ گئی تھی اور کچھ سوچ رہی تھی پھر اس نے کہا۔ ''تم جانتے ہو فتح خان تم سے کیا چاہتا ہے؟''

''ہاں یہ بات پہلے بھی کئی بار ڈسکس ہو چکی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ برٹ شا کے چھپائے ہیرے چاہتا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ میں اس احمقانہ کام میں شامل ہو جاؤں۔''

''تم نے ٹھیک کہا لیکن یہ کام احمقانہ کیسے ہوا؟'' شہلا بولی۔ ''کئی کروڑ ڈالرز مالیت کے وہ ہیرے ایک حقیقت ہیں۔''

''میں کب اس سے انکار کر رہا ہوں لیکن وہ ہیرے ایک ایسی وادی میں کہیں چھپائے گئے ہیں جو ایک مربع میل سے زیادہ رقبے پر پھیلی ہے۔ اس میں پہاڑ بھی ہیں اور جنگل بھی، چشمے بھی ہیں اور غار بھی ہیں۔ تم سوچ سکتی ہو اتنی بڑی جگہ میں مٹھی بھر ہیرے تلاش کرنا تقریباً ناممکن ہے اور اگر کوئی پھر بھی انہیں تلاش کرنے کی کوشش کرے تو میرے نزدیک وہ حماقت کرے گا۔''

''تم نے تقریباً کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی امکان ہے کہ وہ ہیرے تلاش کیے جا سکیں۔''

''اتنا ہی امکان ہے جتنا بھوسا بھرے ٹرک میں ایک سوئی تلاش کرنا۔ کیا تم اس کام کو ہوش مندی کہو گی۔''

شہلا کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ مجھ سے کسی قدر متفق ہے لیکن شاید فتح خان سے اس کی ڈیل ان

ہیروں کے بارے میں تھی۔اس نے گہری سانس لی اور سر ہلایا۔"شہباز فتح خان سے میرا معاہدہ ہے میں ہیروں کی تلاش اور ان کی فروخت میں اس کی مدد کروں گی۔"

"تلاش تو سمجھ میں آتی ہے لیکن تم فروخت میں مدد کس طرح کروگی؟" میں نے پوچھا۔

"میرے مڈل ایسٹ میں کونیکٹس ہیں۔ میں بہت آسانی سے ان ہیروں کو اچھی قیمت پر بکوا سکتی ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ اگر فتح خان خود کوشش کرے تو اسے جو قیمت ملے گی میں اس سے دوگنی قیمت پر سودا کرا سکتی ہوں۔"

تو یہ وجہ تھی کہ فتح خان شہلا سے گٹھ جوڑ کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ فتح خان پڑھا لکھا نہیں تھا وہ چالاک تھا لیکن اسے بزنس نہیں آتا تھا۔ شہلا یقیناً اس کام میں ماہر تھی۔ وہ تعلیم یافتہ اور ایلیٹ کلاس کی پروردہ تھی۔ ملک میں اور بیرون ملک اس کے تعلقات وسیع تھے اور وہ ان سے فائدہ اٹھانے کا ہنر جانتی تھی۔ سب سے بڑھ کر وہ ایک خوب صورت عورت تھی اس لیے کسی بھی ڈیل میں اس کی کامیابی کے امکانات فتح خان کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو سکتے تھے۔ میں نے کہا۔"فتح خان کا دعویٰ ہے کہ ہیروں کی قیمت ڈھائی سو ملین ڈالرز سے زیادہ ہے۔"

"یہ اس کا اندازہ ہے میرے خیال میں ان کی قیمت اور زیادہ ہو چکی ہے۔ کیونکہ پچھلے پانچ برسوں میں سونے اور دوسری قیمتی چیزوں کی مالیت دوگنی ہوگئی ہے۔"

"چلو اسے بھی ڈبل کر لو لیکن سوال تو یہی ہے کہ نو من تیل کہاں سے آئے گا جس کے لیے رادھا ناچے گی۔"

شہلا مسکرائی۔"شہباز ہم اسی کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ دراصل میں اور فتح خان ایک بات پر متفق ہیں اور وہ بات یہ ہے کہ تم خوش قسمت شخص ہو۔"

میں بے ساختہ ہنسا اور طنزیہ انداز میں بولا۔"اچھا......؟"

"طنز مت کرو غور کرو۔ بے شک تم مشکلات میں ہو لیکن دنیا میں لاکھوں لوگ اس سے زیادہ مشکل میں ہوتے ہیں اور ان کی کوئی مدد نہیں کرتا ہے اور نہ قدرت ان کی مدد کو آتی ہے۔ وہ بے بسی سے اس مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن تمہاری مدد قدرت بھی کرتی ہے اور تمہیں دوسروں کی مدد بھی بہت آسانی سے مل جاتی ہے۔"

"یہ میری قسمت نہیں صرف اللہ کا فضل ہے۔"

"وہی کہہ رہی ہوں یعنی تمہارا کام رکتا نہیں ہے کسی نہ کسی طرح پورا ہو جاتا ہے۔" اس نے اصرار کیا۔

"ٹھیک ہے تمہاری بات تسلیم ہے۔" میں نے بحث ختم کرنے کے لیے کہا تاکہ بات آگے بڑھے۔

"اگر تم کسی کام میں شامل ہو تو اس کے ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے......" وہ بولی تو میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔

"لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ہر ناممکن کام اس امید پر کرنے لگوں۔"

وہ مسکرائی۔"مجھے معلوم ہے تم وہی کام کرتے ہو جس کی کامیابی کی تمہیں امید ہو اور ہم اسی لیے تمہیں اپنے ساتھ لائے ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ شہلا کی باتوں میں کہیں دور ایک معنی چھپا ہوا ہے لیکن فی الحال میں اس معنی تک پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ میں نے اکتا کر کہا۔"شہلا تم جو کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔"

''چھوڑو اس موضوع کو۔'' اچانک اس نے بات بدل دی۔ ''شہباز ایک سوال ہے۔''

''پوچھو بی بی۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''تمہارے ہاتھ میں ہوں تم جو چاہے پوچھ سکتی ہو۔''

''جب میں تمہیں اپنے ٹھکانے پر لے گئی تھی اور وہاں تم سے بھرا ہوا پستول حاصل کر لیا تھا لیکن تم نے اس وقت چانس لیا اور مجھ پر دوبارہ قابو پا لیا لیکن ابھی جب میں نے تمہیں قابو کیا تو تم نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور خاموشی سے میرے ساتھ چلے آئے۔ میں اس کی وجہ نہیں سمجھی۔''

''اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے۔ اس وقت رسک میری زندگی کا تھا اور اپنی زندگی پر میں ننانوے فیصد چانس لیتا ہوں لیکن یہاں تم نے میرے ساتھی کو یرغمال بنا لیا تھا اور میں اپنے کسی ساتھی کے لیے ایک فیصد چانس بھی نہیں لے سکتا ہوں۔''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''صرف یہی وجہ ہے؟''

''اور کیا وجہ ہو سکتی ہے شہلا یقین کرو ان میں سے ہر ایک میرے لیے دنیا جہاں کی دولت سے بڑھ کر ہے۔''

اس نے رشک سے مجھے دیکھا۔ ''شہباز تم اور تمہارے ساتھی خوش قسمت ہو۔ میرے پاس بے شمار دولت ہے لیکن مخلص ساتھی ایک بھی نہیں ہے۔''

''اگر تم قدرت سے شکوہ کر رہی ہو تو یہ بیکار ہے تم نے قدرت سے جو چیز چاہی وہ تمہیں مل گئی ہے۔ اگر تم مخلص ساتھی چاہتیں تو وہ مل جاتے لیکن تم نے صرف دولت چاہی۔''

''تو تم نے مخلص ساتھی چاہے تھے؟''

''ظاہر ہے ورنہ مجھے ایسے اچھے دوست کیوں ملتے۔''

میں شہلا سے بات کر رہا تھا اور اس کے سوالوں کا جواب بھی دے رہا تھا لیکن میرے اندر کہیں ایک خلش سی پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے شہلا مجھ سے جو کر رہی تھی اس کا ایک تو ظاہری مفہوم تھا لیکن اس کے پیچھے بھی ایک مفہوم تھا اور وہ میرے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ آخر وہ کیا کہنا یا مجھے سمجھانا چاہ رہی تھی۔ شہلا نے گہری سانس لی۔

''تم خوش قسمت ہو اور شاید تمہاری خوش قسمتی ہمارے کام بھی آ سکے۔ تم نے ڈرائی فروٹ تو لیا ہی نہیں۔''

اس کے توجہ دلانے پر میں نے کچھ کاجو لیے اور انہیں ٹونگنے لگا۔ اس نے اخروٹ کی ایک گری اٹھائی۔

''میری خوش قسمتی تمہارے کام کیسے آئے گی؟''

''آ سکتی ہے اگر تم دل و جان سے ہمارے لیے کام کرنے پر راضی ہو جاؤ۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے چند بادام لیے۔

''دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن جو تم چاہتی ہو وہ ممکن نہیں ہے۔''

''یہ تو تم ابھی کہہ رہے ہو۔'' وہ بستر پر یوں نیم دراز ہو گئی کہ اس کی جسمانی دل کشی واضح ہونے لگی۔ ایک لمحے کو میری نظر بہکی اور میں نے دل میں لاحول پڑھی۔ ''ممکن ہے کل تمہارا خیال بدل جائے۔''

''جب خیال بدلے گا تو دیکھا جائے گا۔'' میں نے جماہی لی۔ میں تھکن محسوس کر رہا تھا۔

''شہباز تم نے غور کیا کہ جب میں اور فتح خان بینک لاکر تک خود رسائی حاصل کر سکتے تھے تو ہم نے تمہیں کیوں استعمال کیا؟''

''میں اب تک یہ بات نہیں سمجھ سکا۔'' میں نے جواب دیا۔

''حالانکہ سامنے کی بات ہے اس طرح تم اپنی ساری قوت ایک سمت میں استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے اور تم نے کسی دوسری طرف سوچا ہی نہیں۔''

اس کی بات نے مجھے الجھا دیا تھا لیکن میری ذہنی کیفیت ایسی نہیں تھی کہ میں زیادہ سوچ سکتا۔ ''شہلا تم کیا کہنا چاہ رہی ہو کھل کر بات کرو۔''

''تم نے سوچا نہیں کہ ہم تمہاری توجہ اس طرف لگا کر اپنا کوئی اور مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔'' شہلا بولی تو یک لخت میرے اندر اندیشے سے سرسرانے لگے تھے۔

''شہلا تم کیا کہہ رہی ہو؟''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''شہباز ممکن ہے کل تک تم اپنے سامنے کسی ایسی ہستی کو دیکھو جو تمہیں بہت پیاری ہو۔''

''شہلا۔'' میں نے کھڑا ہونا چاہا تو بہت مشکل سے اور سستی سے کھڑا ہوا تھا۔ جسم و جان پر طاری ہوتی تھکن میں اچانک ہی بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ''یہ...... یہ مجھے...... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے مشکل سے کہا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ بولی۔ ''تم نے کاجو کھائے ہیں۔ اب تم آرام سے سو جاؤ گے۔''

میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا اور بہت مشکل سے بڑھایا میرے حواس پر دھند طاری ہونے لگی تھی۔ شہلا اطمینان سے مسکرا رہی تھی اس نے اٹھنے یا کسی کو بلانے کی کوشش نہیں کی اسے اعتماد تھا میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گا۔ اس کا اعتماد درست تھا کیونکہ دوسرا قدم اٹھانے سے پہلے میں لڑھک کر بیڈ پر گرا اور پھر مزید لڑھک کر نیچے آ گیا۔ میرا سر بیڈ پر ہی تھا اور شہلا میری نظروں کے عین سامنے قاتلانہ پوز میں مسکرا رہی تھی پھر اس کی مسکراہٹ اس منظر پر حاوی ہو گئی اور اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہیں رہی تھی۔ شہلا اور فتح خان نے میرے ساتھ صحیح بلی چوہے والا کھیل کھیلا تھا۔ بلکہ چوہا بھی بلی کے مقابلے میں کم سے کم اس کے عزائم سے تو واقف ہوتا ہے۔ میں اس معاملے میں چوہے سے بھی گیا گزرا ہو گیا تھا۔ شہلا اتنے دن میری قید میں رہی اور میں اس کے عزائم کے بارے میں کچھ نہیں جا سکا۔ اب انکشاف ہوا تھا کہ میں ان کے ہاتھوں کس طرح بے وقوف بنا تھا اور شہلا کی آخری بات نے مجھے تشویش زدہ کر دیا تھا کل وہ میرے کسی ساتھی کو بھی یہاں لانے والے تھے اور اس سے توجہ ہٹانے کے لیے انہوں نے بینک والا کام میرے حوالے کر دیا تھا۔ گویا انہوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ اگر شہلا کا دعویٰ درست تھا تو میں یقیناً شہلا اور فتح خان کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو جاتا۔

مجھے بے ہوشی کی دوا کاجو میں دی گئی تھی۔ شہلا نے کاجو نہیں لیے تھے اس نے صرف اخروٹ لیے تھے۔ ان میں دوا نہیں تھی۔ دوا نہ صرف بے بو اور بے ذائقہ تھی بلکہ بہت پُر اثر بھی ثابت ہوئی تھی اس نے چند منٹ سے بھی پہلے میرے ہوش چھین لیے تھے۔ میں نہ جانے کتنی دیر بے ہوش رہا کیونکہ جب مجھے ہوش آیا تو میرے ہاتھ سے گھڑی اتار لی گئی تھی یہی نہیں بلکہ میرا پرس اور چند دوسری چیزیں جو جیب میں تھیں وہ بھی غائب تھیں

میرے جسم پر صرف لباس اور پاؤں میں جوتے چھوڑ دیئے تھے۔ مجھے جہاں ہوش آیا وہ جگہ تاریک اور سرد تھی۔ اگر میرے نیچے نرم بستر اور اوپر ایک موٹا کمبل نہ ہوتا تو میں بے ہوشی میں ٹھٹھر کر رہ جاتا۔



ہوش میں آنے کے بعد بھی دوا کے اثر سے ذہن کچھ دیر سن رہا تھا۔ پھر میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ تاریکی میں جگہ کا اندازہ کرنا دشوار تھا میں نے کمبل ہٹاتے ہوئے پاؤں زمین پر رکھا۔ میرے جوتوں تلے پختہ فرش تھا۔ پھر میں نے آس پاس کسی چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور ہاتھ پھیلا کر اور پاؤں گھسیٹ کر چلنے لگا۔ جلد میرے ہاتھ سیمنٹ کی دیوار سے ٹکرائے اور اس کے ساتھ گھومتے ہوئے مجھے لکڑی کی ایک سیڑھی ملی جو اوپر جا رہی تھی اس سیڑھی کے ساتھ اوپر جاتے ہوئے میرا سر ایک تختے سے ٹکرایا۔ یہ چوبی تختہ تھا اور اس کی درزوں سے بہت ہی معمولی سی روشنی جھلک رہی تھی۔ گویا میں کسی تہہ خانے میں قید تھا اور امکان تھا کہ یہ اسی مکان کے نیچے تھا جہاں رات کو مجھے لایا گیا تھا۔ میں واپس نیچے آیا اور بقیہ تہہ خانے کا جائزہ لیا۔ یہ چھوٹا سا تھا مشکل سے بارہ بائی بارہ فٹ کا اور اس میں سوائے ایک چار پائی کے اور کچھ نہیں تھا۔ چار پائی تلے پانی کی ایک بوتل ملی اور اس میں پانی بھی تھا۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر میں نے پہلے پانی چکھا اور پھر چند گھونٹ لیے پانی صاف ہی محسوس ہو رہا تھا اور اگر انہیں مجھے بے ہوش ہی کرنا تھا تو اس کے لیے دوسرے طریقے بھی تھے۔ پیاس شدت کی تھی پھر بھی میں نے اتنا پانی پیا جتنا کہ مسئلہ نہ بنے۔ یہاں رفع حاجت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

پہلے مجھے خیال آیا کہ میں شور مچاؤں اور ان لوگوں کو متوجہ کروں لیکن پھر میں نے خود پر قابو رکھا۔ یہ اعصاب کا کھیل تھا اور اس میں وہ فریق زیادہ کامیاب ہوتا جو خود پر قابو رکھتا۔ اگر ان لوگوں نے مجھے اسی طرح رکھنا تھا تو میرے شور کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے میں کیوں نہ خاموش رہتا ممکن ہے اس سے مجھے فائدہ ہوتا۔ جلد یا بدیر انہیں میری طرف آنا تھا۔ میں دوبارہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ یہ صاف ستھرا تھا لیکن اس سے ہلکی سی بو بھی آ رہی تھی جیسے اسے بہت دنوں سے دھوپ نہ دکھائی گئی ہو۔ میں نے لیٹتے ہوئے خود سے کہا۔

''لو شہباز میاں تم ایک بار پھر دشمن کے جال میں آ گئے۔''

میرے لیے یہ پہلا اور آخری موقع نہیں تھا جب دشمن نے مجھ پر قابو پایا ہو اس لیے میں پُر سکون تھا۔ البتہ پیٹ میں بھوک اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھی میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ بھوک بتا رہی تھی کہ میں کم سے کم آٹھ گھنٹے بے ہوش رہا تھا اس کا مطلب ہے دوا نہایت زود اثر تھی۔ دنیا کی کوئی دوا انسان کو آٹھ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش نہیں رکھ سکتی ہے۔ جسم آٹھ گھنٹے بعد اس کے اثر سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ مسلسل بے ہوش رکھنے کے لیے دوبارہ دوا دینا لازمی ہوتا ہے۔ میں شاید رات دو بجے کے قریب بے ہوش ہوا تھا۔ یعنی اس وقت صبح دس تو بج چکے تھے۔ ممکن ہے دن نکل آیا ہو۔ اس لحاظ سے اوپر موجود افراد کو بھی جاگ جانا چاہیے تھا۔ مگر اوپر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

جیسے جیسے میرے حواس زیادہ بحال ہو رہے تھے۔ میری تشویش بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ شہلا اور فتح خان نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ میرے اندازوں سے کہیں آگے تھے اور اس صورت میں شہلا کا دعویٰ تقریباً درست لگ رہا تھا۔ انہوں نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو بینک کی طرف لگا کر دوسرے معاملات سے غافل کر دیا تھا۔ سوچتے

ہوئے اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں فتح خان نے عبداللہ کی کوٹھی کا سراغ تو نہیں لگا لیا تھا۔ یہ ناممکن نہیں تھا۔ عبداللہ والی کوٹھی میں آمد و رفت بہت زیادہ ہوگئی تھی اور اس کا نظروں میں آنے کا خطرہ بھی بڑھ گیا تھا۔ دشمن کو کمزور یا بے خبر سمجھنا حماقت ہوتی ہے اور شاید ہم بہت خود اعتماد ہو گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں ہمارا اہم ترین پلان ناکام ہوا۔ دھاتی بریف کیس اور پروفیسر کے بلیک میلنگ اسٹف سمیت میں فتح خان اور شہلا کی قید میں تھا اور ابھی میرا کوئی ساتھی بھی ان کی قید میں آنے والا تھا۔

تاریکی اور سردی میں کمبل میں دبکے ہوئے مجھے خاصی دیر ہوگئی تھی لیکن ابھی تک اوپر سے کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا تھا۔ میں ایک بار اٹھ کر سیڑھیوں سے اوپر گیا اور سن گن لیتا رہا لیکن اوپر سناٹا تھا۔ کچھ دیر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ میں اس جگہ بالکل اکیلا ہوں۔ فتح خان اور شہلا مجھے یہاں بند کر کے کہیں چلے گئے تھے۔ میں نے تختے پر زور لگا کر اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اتنی مضبوطی سے بند تھا کہ اس میں خفیف سی لرزش بھی نہیں ہوئی تھی۔ تہہ خانے کی دیواریں ٹھوس تھیں اور ان میں کہیں کوئی رخنہ نہیں تھا۔ تھک ہار کر میں واپس نیچے آیا اور چارپائی پر دراز ہوگیا۔ نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ میں آٹھ گھنٹے سے زیادہ آرام کر چکا تھا۔ اس لیے لیٹا رہا اور انتظار کرتا رہا۔ پھر وقت گزاری اور اپنی توانائی بحال کرنے کے لیے سانس کی ایک مشق کرنے لگا۔ اس سے میرے منتشر ہوتے اعصاب کو سکون ملا تھا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد جا کر اوپر آہٹیں شروع ہوئیں اور پھر چند افراد کے قدموں کی دھمک اوپر لکڑی کے تختوں پر سنائی دی۔ تہہ خانے کی ساری چھت لکڑی سے بنی ہوئی تھی۔ ایک غیر واضح مردانہ آواز آئی اور پھر اوپر کا تختہ کھلا۔ فتح خان کے آدمی نے نیچے جھانکا اور بولا۔ ''اٹھ کر باہر آؤ۔''

تختہ کھلنے سے معمولی سی روشنی اندر آئی تھی لیکن مجھے مسلسل تاریکی میں رہنے کی وجہ سے یہ بھی بہت زیادہ لگ رہی تھی۔ میں اوپر آیا تو فتح خان کے دونوں آدمی مسلح حالت میں موجود تھے اور میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ ایک کے ہاتھ میں شاٹ گن تھی اور دوسرا پستول سے مسلح تھا۔ تہہ خانہ اس راہداری کے آخری حصے میں واقع ایک چھوٹی سی کمرہ نما جگہ پر تھا۔ اس راہداری کے ایک طرف گھر کی نشست گاہ تھی اور دوسری طرف شہلا والا کمرہ اور ایک اور کمرہ تھا۔ وہ مجھے اسی کمرے میں لائے یہاں فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں کچھ نہیں تھا۔ راہداری کے آخر میں ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آ رہا تھا اور یہ شہلا والے کمرے کے برابر میں تھا اور بائیں جانب کھلا حصہ تھا یہ شاید کچن تھا۔ چھوٹے دروازے کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ باتھ روم ہوگا۔ ایسا ہی ایک چھوٹا دروازہ میں نے شہلا والے کمرے میں دیکھا تھا۔ یعنی ایک باتھ روم کمرے کے ساتھ اٹیچ تھا اور دوسرا باہر راہداری میں تھا۔ ویسے دونوں برابر ہی تھے۔

فتح خان کے آدمی مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے اور انہوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ نہ انہوں نے مجھے کچھ بتایا اور نہ میں نے پوچھا کہ وہ مجھے یہاں کیوں لائے تھے۔ جو ہونا تھا وہ کچھ دیر میں سامنے آ جاتا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور شہلا ہاتھ میں ایک ٹرے لیے اندر آئی۔ اس میں ناشتہ تھا۔ توس تھے اور تلے ہوئے انڈے تھے ساتھ میں بھاپ اُڑاتا چائے کا مگ تھا۔ وہ بدستور رات والے لباس میں تھی اور دن کی روشنی میں مزید نمایاں لگ رہی تھی۔ پتا نہیں اسے اپنی اتنی زیادہ نمائش کر کے کیا تسکین ملتی تھی

حالانکہ وہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں زک بھی اٹھا چکی تھی۔ اس کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی تھی۔ اس نے ٹرے میرے سامنے رکھی تو میں نے کہا۔

''بندے کو کھانے پینے کے علاوہ بھی کچھ حاجات ہیں۔''

''حاجات؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کال آف نیچر۔'' میں نے اسے اس زبان میں سمجھایا جو وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز یہاں نہیں آئے تھے تب طبقات کی زبان الگ الگ ہوتی تھی۔ شاہ خاندان اور ان کے مصاحب و امرا فارسی بولتے تھے۔ شہروں میں بسنے والا درمیانہ طبقہ اردو بولتا تھا اور دیہاتوں میں رہنے والے اپنی اپنی مقامی زبان بولتے تھے۔ اب بھی وہی تقسیم ہے۔ ہمارے حکمران اور ان کا مصاحب طبقہ عرف ایلیٹ کلاس انگریزی بولتا ہے۔ شہروں میں بسنے والے درمیانی طبقے کی زبان اردو ہے اور دیہاتوں میں لوگ اپنی زبان بولتے ہیں۔ یعنی زمانے میں نہ پنپنے کی وہی باتیں ہیں۔ یقین کریں جس دن ہماری حکمران کلاس اور مڈل کلاس کی زبان ایک ہوگئی اس دن ہمیں ترقی کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ کسی ملک اور قوم کی ترقی کے لیے یہ بنیادی شرط ہے۔

شہلا نے سر ہلایا۔ ''او کے میں سمجھ گئی، ایک منٹ رکو۔''

شہلا نے ایک آدمی کو بلایا اور وہ مجھے راہداری کے آخری حصے میں بنے باتھ روم میں لے گیا۔ یہ چھوٹا لیکن صاف ستھرا پرانے طرز کا باتھ روم تھا۔ بدبو بھی نہیں تھی۔ مگر پانی......نہایت سرد تھا۔ میں نے دل کڑا کر کے جسم کے کچھ خاص حصے اور منہ ہاتھ دھویا تھا۔ پانی برف کی پگھلی ہوئی شکل میں تھا۔ یہاں تولیہ بھی نہیں تھا جس سے منہ ہاتھ صاف کر لیتا اور رومال تھا نہیں۔ اس لیے مجبوراً ایسے ہی واپس آنا پڑا۔ جس کمرے میں ناشتہ رکھا تھا وہاں آتش دان نہیں تھا اور مجھے تہہ خانے سے نکل کر اندازہ ہوا کہ وہاں اتنی ٹھنڈ نہیں تھی جتنی کہ باہر تھی۔ چائے تقریباً ٹھنڈی ہو چکی تھی اور میں نے پہلے اسے پی لینا مناسب سمجھا ورنہ چند منٹ بعد مجھے شاید آئس ٹی پینا پڑتی۔ پھر میں ناشتے کی طرف متوجہ ہوا تو شہلا نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''اس جگہ اس سے زیادہ ملنا دشوار ہے اس لیے تمہیں اسی ناشتے پر گزارا کرنا پڑے گا۔''

''کوئی بات نہیں مس شہلا میں نخرے کرنے والا آدمی نہیں ہوں گزارا کرنا جانتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم جب تک ناشتہ کرو میں تمہارے لیے دوبارہ چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' اس نے مہربان لہجے میں کہا اور مگ اٹھا کر چلی گئی۔ رات کے مقابلے میں اس وقت اس کا رویہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ توس اچھی خاصی مقدار میں تھے اور انڈے بھی کئی عدد تلے گئے تھے اس لیے میرا پیٹ بھر گیا۔ ہاتھ کی چکناہٹ میں نے بلا تکلف قالین سے صاف کی اور ایک طرف رکھے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ شہلا کچھ دیر بعد آئی اور اس نے جرسی کے اوپر ایک ڈھیلا سا بیگی سوئٹر لے لیا تھا۔ میں نے اس سے چائے لی۔

''شکر ہے تم نے کچھ تو پہنا۔ فتح خان کے آدمی تمہیں کس بری طرح گھور رہے تھے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تمہیں تو نہیں لیکن مجھے اس سے بہت کوفت ہوتی ہے۔''

اس نے ناگواری سے کہا۔ ''ان کم بختوں کی وجہ سے تو پہنا ہے ایسا لگتا ہے انہوں نے زندگی میں کبھی کوئی

عورت نہیں دیکھی۔"

"تم جیسی شاید ہی دیکھی ہو پھر وہ جس قسم کے لوگ ہیں عورت کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اپنی ماں بہنوں کے علاوہ ان کے لیے ہر عورت بس عورت ہوتی ہے۔ خیر چھوڑو یہ الگ موضوع ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ابھی تک مجھے سرپرائز نہیں دیا ہے۔"

وہ بولی۔ "اتنی جلدی کیا ہے اور پھر تمہیں پسند نہیں آئے گا اس لیے جتنی دیر سرپرائز کے بغیر رہو تمہارے لیے بہتر ہے۔"

"شہلا فتح خان ایک دیوانہ قسم کا شخص ہے اور جو بات اس کے ذہن میں بیٹھ جائے اس پر ایمان کی حد تک یقین کر لیتا ہے لیکن تم ایک ذہین اور معقول عورت ہو تم اس کی دیوانگی میں کیوں شامل ہو؟"

"تمہارے نزدیک یہ دیوانگی ہے؟"

"ہاں مجھے یقین ہے وہ ہیرے تمہیں یا فتح خان کو نہیں ملیں گے ان کو تلاش کرنا فضول ہے۔"

"دنیا میں لاکھوں لوگ کروڑوں فضول کام کرتے ہیں دوسروں کے نزدیک وہ وقت کا نقصان کرتے ہیں لیکن جب ان میں سے کچھ کامیاب ہو جاتے ہیں تو دنیا انہیں لیجنڈ تسلیم کر لیتی ہے۔"

"ٹھیک ہے تم لوگ لیجنڈ بنو۔" میں نے فریادی لہجے میں کہا۔ "لیکن میری اور میرے ساتھیوں کی شامت کیوں آئی ہوئی ہے؟"

شہلا ہنسی۔ "آدمی اتنی آسانی سے لیجنڈ نہیں بنتا ہے۔ اسے بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔"

"دوسروں کی۔" میں نے سادگی سے کہا تو اس کی ہنسی رک گئی۔ پھر اس نے سرد آہ بھری۔

"کاش کہ تم پہلے مان جاتے۔"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا وہ کہہ رہی تھی کہ میں آسانی سے مان جاتا تو انہیں میرے کسی پیارے کو اٹھانے کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔ میں نے فکرمندی سے کہا۔ "شہلا تم نے کس پر ہاتھ ڈالا ہے؟"

"تم دیکھ لو گے۔" وہ نرمی سے بولی۔ "فتح خان اسے لینے گیا ہے۔"

"فتح خان۔" میں نے گہری سانس لی۔ "میں آج تک اس شخص کو سمجھ نہیں سکا ہوں۔ کبھی یہ مجھے انتہائی خطرناک لگتا ہے اور کبھی مجھے اس سے ذرا بھی خطرہ محسوس نہیں ہوتا ہے۔ کبھی یہ ڈیوڈ شا سے بھی زیادہ ہوشیار لگتا ہے اور کبھی مرشد سے بھی زیادہ احمق۔"

"مرشد احمق نہیں ہے۔"

"وہ احمق ہے لیکن ایسا احمق جو خود کو بہت عقل مند بلکہ عقل کل سمجھتا ہو۔ اس کے مقابلے میں فتح خان ایسا عقل مند ہے جو خود کو زیادہ عقل مند نہیں سمجھتا ہے۔ مگر عورت کے معاملے میں وہ بہت چالاک ہے۔ اسے عورتوں کو قابو میں کرنے کے گر آتے ہیں۔"

شہلا کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ سمجھی کہ میں اس پر رکھ کر بات کر رہا ہوں اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اسے قابو کرنے کے گر نہیں آتے ہیں اس معاملے میں وہ اور اس کے ساتھی درندے ہیں۔ صرف پھاڑ کھانا جانتے ہیں۔"

"اور آفرین ہے تم پر، ان درندوں کے درمیان اتنے کھلے ڈلے انداز میں رہ رہی ہو۔" میں نے اسے

فراج تحسین پیش کیا۔

''میں کیسے رہ رہی ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں میری حیثیت ایک ہے۔ اگر میرا فتح خان سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں یہاں شٹل کاک برقع میں بھی محفوظ نہیں ہوتی لیکن اب میں بے ملک کپڑے اتار کر پھروں یہ مجھے دیکھ تو سکتے ہیں لیکن کوئی ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کرسکتا ہے۔''

''یہ تمہاری خام خیالی ہے اگر ان میں سے کسی کا اشتیاق حد سے بڑھ گیا تو وہ اس بات کی پروا نہیں کرے گا کہ فتح خان سے تمہارا کس نوعیت کا معاہدہ ہے۔ بہتر ہے ان کے جذبات سے کھیلنے سے گریز کرو اور یہاں ذرا ڈھک چھپ کر رہا کرو۔'' میں نے چائے ختم کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

''مشورے کا شکریہ۔'' اس نے کہا اور کپ اٹھا کر چلی گئی۔ یہ کمرہ پتھروں سے بنا تھا باہر کی طرف والی دیوار کو چھوڑ کر اندر کی تین دیواروں پر پلاسٹر تھا اور اس پر اعلیٰ قسم کا ڈسٹمپر کیا گیا تھا۔ کمرے میں صرف ایک دروازہ اور باہر کی سمت کھلنے والا ایک بڑا روشن دان تھا لیکن اس کے شیشے کے پٹوں سے فولادی گرل صاف نظر آ رہی تھی۔ دروازہ بھی مضبوط قسم کا تھا یعنی میں اس کمرے سے آسانی سے فرار نہیں ہوسکتا تھا۔ میرے لیے یہ اطلاع اہم تھی کہ فتح خان میرے اس ساتھی کو لینے گیا ہے جسے ان لوگوں نے اغوا کرلیا تھا۔ اب یہاں پر شہلا کے ساتھ اس کے دو آدمی تھے۔ میں نے سوچا کیا یہ میرے لیے موقع ہے۔ اگر میں فرار کی کوشش کرتا تو اس کے کامیاب ہونے کے کتنے امکانات تھے۔ میرے ذہن نے جواب دیا کہ فتح خان کی غیر موجودگی میں امکانات بڑھ گئے تھے لیکن کتنے بڑھے تھے اس کا اندازہ اسی وقت ہوتا جب میں فرار کی کوشش کرتا۔ فتح خان کے دونوں ساتھی دیکھنے میں قبائلی لگتے تھے لیکن وہ اپنے کام میں ماہر تھے۔ پھر شہلا بھی آتشیں ہتھیاروں کے استعمال میں کسی سے کم نہیں تھی اس لیے مجھے فرار کے لیے ان تینوں سے نمٹنا پڑتا۔

روشن دان سے آنے والی روشنی بتا رہی تھی کہ دن مکمل ہوکر اب زوال کی طرف گامزن تھا۔ روشنی میں کمی واقع ہو رہی تھی یعنی کم سے کم دو بج گئے تھے۔ سردیوں میں سورج پانچ بجے کے آس پاس غروب ہو جاتا۔ میں قالین پر دراز ہوکر فرار کے امکانات پر غور کرنے لگا اور غور کرتا کرتا سو گیا۔ شہلا نے نہایت چالاکی سے مجھے پھر خواب آور دوا دے دی تھی لیکن اس کے لیے اس نے پہلے میرا اعتماد بحال کیا تھا مجھے تہہ خانے سے نکالا اور اس کمرے میں رکھا پھر مجھے ناشتہ مہیا کیا اور باتھ روم جانے کا موقع دیا۔ اس کے مہربان رویے سے میرے ذہن کا لرٹ ختم ہوگیا تھا۔ اس نے دوسری بار چائے میں دوا شامل کی اور اسے ہلکا رکھا تھا تاکہ مجھے فوری احساس نہ ہو ور میں چونکے بغیر آرام سے سو جاؤں اور ایسا ہی ہوا تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کب میں سوچتے سوچتے خوابوں کی وادی میں کھو گیا۔

میری آنکھ کھلی تو روشن دان کے باہر تاریکی تھی البتہ کمرے میں دیوار پر ایک کیروسین لیمپ روشن تھا۔ سونے کے دوران مجھ پر کمبل ڈال دیا گیا تھا تاکہ مجھے سردی نہ لگے۔ میں کمبل ایک طرف کرکے اٹھ بیٹھا۔ میں نے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور خود سے کہا۔ ''شہباز ملک اچھے مسلمان ہو ایک سوراخ سے دوسری بار ڈس لیے گئے۔'' پھر مجھے یاد آیا کہ یہ بات ایک مومن کے لیے کہی گئی ہے اور میں نے کبھی خود کو ایمان کے اس درجے پر نہیں سمجھا تھا۔

دروازہ باہر سے بند تھا لیکن باہر سے چلنے پھرنے کی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ شہلا مجھے دوا دے کر اور کمرے میں بند کر کے مطمئن نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے ایک آدمی کو باہر مستقل پہرے پر لگایا ہوا تھا۔ میں نے کان لگا کر سنا لیکن ایسی کوئی آواز نہیں آئی جس سے پتا چلتا کہ فتح خان واپس آ گیا ہے اور اس کے ساتھ کوئی ہے۔ سن گن لینے کے دوران مجھے ایسی خوشبو محسوس ہوئی جیسے کہیں گوشت کے پارچے بھنے جا رہے ہوں۔ شاید ڈنر کی تیاری کی جا رہی تھی۔ میرے پیٹ میں ہلچل مچ گئی کیونکہ ناشتہ سونے کے دوران میں ہی ہضم ہو چکا تھا۔ میں واپس آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ کرنے کا وقت تو سو کر گزار دیا تھا اب آگے نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔

میرے ساتھ رہ کر شہلا مجھے بہت اچھی طرح جان گئی تھی اور مجھ سے اسی طرح پیش آ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا اور میرے پاس دشمن کی قید سے فرار کا ایک قابلِ رشک ریکارڈ موجود تھا۔ اس نے پہلے سے پیش بندی کر لی تھی اور مجھے فرار سے باز رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ اگر فتح خان ابھی تک نہیں آیا تھا تو وہ کہاں اور کتنی دور گیا تھا جو اس کی ابھی تک واپسی نہیں ہوئی تھی۔ یہ سوچ کر ایک بار پھر میری تشویش بڑھنے لگی تھی۔ ابھی میں اس ادھیڑ بن میں تھا کہ دروازہ کھلا اور شہلا کھانے کی ٹرے اٹھائے اندر آئی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اور چبھتے لہجے میں کہا۔ ''تم بہت زحمت کر رہی ہو، کھلا بھی رہی ہو اور سلا بھی رہی ہو۔ حالانکہ مجھے نیند کا کوئی مسئلہ نہیں ہے میں جب چاہتا ہوں سو جاتا ہوں۔''

وہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔ ''بعض اوقات دشمن کی قید میں نیند نہیں آتی ہے۔ تم بلا وجہ جاگتے اور سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہو گے۔ اس لیے مجھے اس کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔''

ٹرے میں گوشت کے بھنے ہوئے ٹکڑے تھے جن پر ہلکا سا نمک اور کالی مرچ چھڑکی ہوئی تھی اس کے ساتھ تندوری نان تھے جو اگرچہ باسی تھے لیکن ان کو گرم کر کے قابلِ استعمال بنا لیا گیا تھا۔ میں نے اشارہ کیا۔ ''اسے کھا کر میں یقیناً صبح تک کے لیے سو جاؤں گا؟''

''نہیں۔'' وہ سکون سے بولی۔ ''اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ تم نے غور نہیں کیا یہ دو افراد کا کھانا ہے اور میں بھی تمہارے ساتھ کھاؤں گی۔''

''فتح خان نہیں آیا ہے؟''

''نہیں...... اسے ذرا دیر ہو گئی ہے امید ہے کل صبح تک آ جائے گا۔''

شہلا کی بات سے مجھے امید ہوئی کہ شاید فتح خان جس کام کے لیے گیا تھا وہ نہیں ہو سکا تھا۔ ظاہر ہے میرے ساتھی تر نوالہ نہیں تھے جو اتنی آسانی سے فتح خان کے ہاتھ آ جاتے۔ شہلا ٹرے رکھ کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔ پھر اسے یاد آیا۔ ''پانی تو لائی نہیں ایک منٹ ابھی لاتی ہوں۔''

وہ جلدی پانی کی بوتل اور گلاس سمیت واپس آئی۔ میں اس کا رویہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ بہ ظاہر وہ میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آ رہی تھی اور میرا پورا خیال بھی رکھ رہی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بڑی ہوشیاری سے مجھ پر اپنی گرفت رکھتے ہوئے کسی حرکت سے بھی باز رکھے ہوئے تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اب میں یہاں کچھ کھانے سے گریز کروں گا لیکن اس بار اس نے یہ حربہ استعمال کیا کہ مجھے یقین دلانے کے لیے خود کھانے میں شامل ہو گئی تھی۔ گوشت ایک ڈونگے میں تھا اور اس میں دوا ملانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا تندوری نان میں

حرکت کی جا سکتی تھی لیکن میں نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالنے کے بعد ایک نان آدھا کیا اور ایک حصہ شہلا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہنسی۔

''تمہارے خیال میں نان میں دوا ہو سکتی ہے؟''

''جب واسطہ تم جیسے دشمنوں سے ہو تو انسان کسی چیز کی بھی توقع کر سکتا ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''سچ کہہ رہا ہوں کل سے تم نے مجھے حیران کر دیا ہے میں تمہیں اس کیلیبر کی نہیں سمجھ رہا تھا۔''

''میرا کوئی کیلیبر نہیں ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا اور کھانا شروع کر دیا۔ میں بھی شامل ہو گیا۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا تھا اور پھر وہ ٹرے اٹھا کر لے گئی۔ میرا دل چائے یا کافی پینے کو چاہ رہا تھا لیکن مجھے گوارا نہیں ہوا کہ اس سے کہوں۔ کھانے کی طرح پانی بھی ایک ہی بوتل اور گلاس سے پیا تھا اس لیے میں مطمئن تھا۔ وہ پانی کی بوتل اور گلاس یہیں چھوڑ گئی تھی۔ اس وقت مجھے حیرت ہوئی جب وہ آدھے گھنٹے بعد دو کپ چائے لے آئی۔ یعنی ایک کپ اس کا تھا اور دوسرا میرا تھا۔ اس نے ٹرے نیچے رکھے اور معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

''سوری مجھے معلوم ہے تم کافی زیادہ شوق سے پیتے ہو لیکن یہاں صرف چائے کا سامان ہے۔''

''شکر ہے چائے تو ہے۔'' میں نے خلوص سے کہا۔

''اس میں سے جو مرضی کپ لے لو۔'' اس نے پیش کش کی۔ اس بار بھی مجھے شبہ نہیں ہوا کہ چائے میں کچھ ملایا جا سکتا ہے۔ میں نے ایک کپ اٹھالیا اور سپ لے کر اس سے پوچھا۔

''یہ ویرانہ ہے یہاں سامان وغیرہ کہاں سے لاتے ہو؟''

''یہ جگہ ویرانہ ہے لیکن آبادی یہاں سے بہت دور نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ہمیں سامان کی پریشانی نہیں ہے لیکن گاڑی ایک ہی ہے اس لیے کم سے کم یہاں سے نکلتے ہیں۔''

ہم یہاں ایک ہی گاڑی پر پہنچے تھے لیکن فتح خان یہاں سے کسی نہ کسی گاڑی پر تو گیا ہوگا۔ اس کا مطلب تھا اس کے مزید آدمی آئے تھے اور اپنے ساتھ کوئی دوسری گاڑی لائے تھے۔ فتح خان اس میں یا یہاں پہلے سے موجود وین میں گیا تھا اور ایک گاڑی کو یہاں چھوڑ گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''تمہیں خطرہ نہیں ہے کہ میرے ساتھی مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ سکتے ہیں؟''

''یہاں تک ان کی سوچ بھی نہیں آ سکتی ہے۔'' وہ بولی۔

''ایسا مت کہو جو تم نے کیا وہ بھی ہماری سوچ میں نہیں آیا تھا۔'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''ممکن ہے تم بعد میں حیران ہو کہ یہ ہوا کس طرح؟''

''جب ایسا وقت آئے تو دیکھ لیں گے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''ابھی تو ہمیں اطمینان ہے۔''

وہ اٹھنے لگی تو میں نے اس سے کہا۔ ''ایک بات اور ہے۔''

وہ رک گئی۔ ''کون سی بات؟''

''کیا تمہیں فتح خان کے آدمیوں پر بھروسہ ہے کہ وہ فتح خان کی غیر موجودگی کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے؟''

''کس طرح کا فائدہ؟''

''میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔'' میں نے ذرا گول مول انداز میں کہا تو وہ مسکرائی۔

"تم اس فکر میں دبلے مت ہوا ول تو میں کوئی تر نوالہ نہیں ہوں جسے یہ آرام سے کھا جائیں اور دوسرے وہ اس کی جرأت نہیں کریں گے انہیں معلوم ہے فتح خان سے پہلے میں خود انہیں سزا دے سکتی ہوں۔ ان کے ایک ساتھی کا انجام ان سے چھپا نہیں ہے۔"

وہ اس معاملے میں خوش فہم لگ رہی تھی۔ گناہ میں ایسی کشش ہے کہ انسان سب جانتے ہوئے بھی بے بس ہو جاتا ہے۔ جو گناہ کرتے ہوئے اللہ سے نہ ڈرے وہ کسی انسان سے کیوں ڈرنے لگا۔ بہرحال یہ اس کا مسئلہ تھا۔ شہلا چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ کچھ دیر بعد مجھے جماہیاں آنے لگیں اور جسم میں ویسی ہی تھکن آمیز سُستی محسوس ہونے لگی تو مجھے پتا چلا شہلا ایک بار پھر میرے ساتھ ہاتھ کر گئی ہے۔ کھانے میں تو نہیں لیکن چائے میں کچھ شامل تھا اور شاید وہ دونوں کپوں میں کچھ ڈال کر لائی تھی۔ سونے سے پہلے میرا ذہن اس میں الجھتا رہا کہ اس نے خود بھی تو چائے پی تھی تو کیا اس پر اثر نہیں ہوا ہوگا؟ اس سوال کا جواب میرے ذہن نے سونے سے پہلے دیا۔ وہ میری طرح مجبور نہیں تھی اور اس دوا کا توڑ کر سکتی تھی جس طرح انسان کو سلانے والی دائیں ہیں اسی طرح انسان کی نیند اُڑانے والی دوائیں بھی ہیں۔ جن دنوں بزنس پیک پر ہوتا تھا اور میرے دفتر پر دن رات سیاحوں کی یلغار جاری رہتی تھی تو میں رات کو دیر تک کام کرنے کے لیے نیند بھگانے والی گولی استعمال کرتا تھا۔ یقیناً شہلا نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ مجھے سلا کر وہ خود جاگتی رہی ہوگی۔



میری آنکھ کھلی تو حسبِ توقع صبح ہو چکی تھی اور روشن دان سے دن کی روشنی جھلک رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر پہلی بار روشن دان سے باہر دیکھا۔ اس کا نچلا سرا بھی کوئی آٹھ فٹ اونچا تھا اور مجھے اس کا کنارہ تھامنے کے لیے اچھلنا پڑا تھا۔ پھر ہاتھوں کے بل پر خود کو اوپر اٹھایا اور باہر جھانکا۔ یہ مکان کا پچھلا حصہ تھا اور یہاں احاطہ نسبتاً چھوٹا تھا۔ اندر گھانس پھوس اور چھوٹی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں جب کہ باہر سفیدے کا گھنا اور اونچا جنگل تھا۔ اس عمارت کو یہ جنگل بھی تحفظ دیتا ہوگا اور بہت کم لوگ اس جگہ سے واقف ہوں گے۔ گھنے درختوں کی وجہ سے عمارت بالکل قریب آئے بغیر ظاہر نہیں ہوتی ہوگی۔ اسی وجہ سے شہلا اس جگہ کے محفوظ ہونے کے بارے پُریقین تھی۔ جب میرا ہاتھ دکھنے لگا تو میں نیچے اتر آیا اس دوران میں، مَیں نے دیکھ لیا تھا کہ فولادی گرل روشن دان کے باہر سے دیوار میں فکس کی گئی تھی یعنی اگر میں کوشش کرتا تب بھی اسے نہیں اکھاڑ سکتا تھا۔ یہ انتظام عمارت کی پرانی تعمیر سے ہٹ کر تھا۔ گرل جدید ساخت کی تھی اگر یہ عمارت کی تعمیر کے ساتھ ہی لگی ہوتی تو پرانے انداز کی روایتی گول سلاخوں سے بنی ہوتی۔

رات کو یقیناً سردی ہو جاتی ہوگی لیکن کمبل اور پھر بے ہوشی کی دوا کی وجہ سے مجھے اس کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ دن نکلنے کے بعد جب دھوپ پھیلی تو سردی کی شدت میں کسی قدر کمی آئی تھی۔ میں شہلا کا کھیل سمجھ گیا تھا۔ میری طرف سے فرار کے خطرے کو کم سے کم رکھنے کے لیے مجھے نہایت ہوشیاری سے خواب آور دوا دے رہی تھی۔ پہلی بار اس نے مجھے کا جو میں دوا دی تھی اس کے بعد وہ مقدار کے معاملے میں محتاط ہو گئی تھی اور بس اتنی دیتی تھی کہ میں شک نہ کروں۔ دوا کے لینے کے کوئی بیس منٹ بعد مجھے نیند آنا شروع ہو جاتی تھی جیسا کہ عام طور سے پُرخوری کی صورت میں بھی ہوتا ہے اور وہ مجھے کھانا بھی مرغن اور زیادہ مقدار میں دے رہی تھی۔ اب اگر یہ

سوجاتا تو میں اسے الزام نہیں دے سکتا تھا۔ دوسرے وہ چوبیس گھنٹے میں مجھے صرف دو بار کھانا دے رہی تھی۔ یعنی جب میری بھوک چمک اٹھتی اور کھانا نہ کھانے کے بارے میں میری قوتِ مزاحمت کمزور ہو جاتی۔ اس طرح اسے موقع ملتا رہتا کہ وہ مجھے دوا دے کر سلاتی رہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا جب تک فتح خان واپس نہ آ جاتا۔

جاگنے کے کئی گھنٹے بعد تک اس نے میری کوئی خیر خبر نہیں لی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی کہ میری بھوک چمک اٹھے۔ میرا اندازہ درست نکلا جب گیارہ بجے کے قریب دروازہ کھلا اور شہلا کی صورت دکھائی۔ وہ تر و تازہ دکھائی دے رہی تھی اور خلافِ معمول اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ مشرقی ملبوسات میں اسے صرف ساڑھی پسند تھی جس میں اسے اپنے جسم کی نمائش کرنے کا بھرپور موقع ملتا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے اسے زیادہ تر مغربی ملبوسات میں دیکھا تھا۔ مگر آج اس نے شلوار قمیص لی تھی۔ سوٹ ویلوٹ کا تھا اور حسبِ معمول قمیص اس کے وجود پر چسپاں تھی ساتھ ہی گریبان نظر نواز حد تک کشادہ تھا۔ مجھے جاگتے دیکھ کر وہ دل کش انداز میں مسکرائی اور سادہ سے انداز میں بولی۔

''اٹھ گئے بڑی گہری نیند میں سوتے ہو۔''

وہ چالاکی سے میری توجہ دوا والے معاملے سے ہٹا رہی تھی اس لیے میں نے بھی توجہ نہیں دی اور انگڑائی لی۔ ''ہاں آج کل نیند بہت آ رہی ہے شاید گزشتہ دنوں کی نیند کی کمی پوری ہو رہی ہے۔''

''تم واش روم سے ہو آؤ پھر میں ناشتہ لاتی ہوں۔'' وہ بولی تو میں باہر آ گیا جہاں فتح خان کا آدمی عقب سے شہلا کا بغور معائنہ کر رہا تھا۔ اس میں اس بے چارے کا قصور نہیں تھا۔ چست قمیص میں شہلا کی کمر اور اس کے آس پاس کے بھاری متعلقات کچھ زیادہ ہی واضح تھے۔ میرے باہر آنے پر وہ گڑبڑا کر میری طرف متوجہ ہوا اور اپنی شاٹ گن کا رخ میری طرف کر لیا۔

''چلو۔''

میں مسکرایا۔ ''مجھے باتھ روم جانا ہے اس دنیا سے نہیں جانا اس بندوق کا رخ دوسری طرف رکھو۔''

لیکن فتح خان کا آدمی حسِ مزاح سے عاری تھا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''چلو خدائی خوار۔''

میں واش روم سے فارغ ہو کر آیا تو شہلا ناشتہ لے آئی تھی۔ وہ کمرے کے باہر میری منتظر تھی اندر آنے سے پہلے اس نے فتح خان کے آدمی سے پوچھا۔ ''امیر مقام کہاں ہے...... صبح سے نظر نہیں آیا ہے۔''

''پتا نہیں باہر ہوگا۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''تم لوگوں کی ڈیوٹی یہاں ہے۔'' شہلا دبی زبان میں بولی۔ شاید وہ میری وجہ سے اسے زیادہ لتھاڑ نہیں سکی تھی لیکن وہ اندر آئی تو اس کا موڈ خراب تھا۔ ناشتہ صرف میرا تھا۔ مگر اس بار میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جب وہ مجھے بے وقوف بنا رہی تھی تو میں اسے کیوں نہ بے وقوف بناتا۔ ٹرے میں انڈوں کے خاگینے کے ساتھ پراٹھے تھے۔ مکھن اور اس کے ساتھ شہد تھا۔ خاگینے میں ملانے کے لیے نمک دانی بھی موجود تھی۔ یہ خاصا لگژری قسم کا ناشتہ تھا جو عام طور سے قیدیوں کو فراہم نہیں کیا جاتا ہے۔ میں نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا اور ڈٹ کر کھایا۔ اس بار وہ چائے نہیں لائی تھی۔ چائے ناشتے کے بعد لائی تاکہ مجھے ٹھنڈی چائے پینے کی کوفت نہ برداشت کرنی پڑے اور میں چائے پی کر راضی خوشی سو جاؤں۔ چائے کے بعد میں نے شہلا سے کہا۔

''مجھے واش روم جانا ہے۔''

وہ ہچکچائی پھر سر ہلایا۔''ٹھیک ہے لیکن زیادہ دیر مت لگانا۔ان لوگوں کو اور بھی کام ہوتے ہیں۔''

''چھوٹا سا کام ہے۔''میں نے کہا۔فتح خان کا آدمی بادلِ ناخواستہ مجھے لے کر واش روم تک آیا کیونکہ یہاں اسے شہلا کو گھورنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔میں نے محسوس کیا کہ وہ شہلا کے حکم پر عمل ضرور کر رہے تھے مگر ان کے انداز میں شہلا کے لیے کوئی وقعت نہیں تھی۔میں چند منٹ بعد ہی واپس آ گیا۔شہلا کمرے کے باہر میری منتظر تھی۔اس نے غور سے مجھے دیکھا تو میں نے جماہی لے کر کہا۔''لگتا ہے رات کو نیند صحیح سے پوری نہیں ہوئی تھی پھر سستی چھا رہی ہے۔''

''تم آرام کرو۔''اس نے خلوص سے کہا۔''چاہو تو سو جاؤ کیونکہ فتح خان کے اتنی جلدی آنے کا امکان نہیں ہے۔''

میں اس کے مشورے کے پیچھے چھپا اصل مقصد اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور کمرے میں آ کر میں نے اپنا بایاں ہاتھ سامنے کیا۔اس ہتھیلی پر کٹ لگا ہوا تھا اور خون نکل رہا تھا۔خون کو گرنے سے روکنے کے لیے میں نے مٹھی کس کر بھینچی ہوئی تھی۔کٹ واش روم میں لگے شیشے کے کنارے سے لگایا تھا۔خوش قسمتی سے شیشے کا کنارہ نکلا ہوا تھا اس لیے مجھے شیشہ نہیں توڑنا پڑا۔اگر میں شیشہ توڑتا تو شہلا اس کے بارے میں جان کر مشکوک ہو جاتی۔قالین کے ایک طرف تھوڑا سا نمک پڑا ہوا تھا۔قالین کا یہ حصہ سفیدی مائل تھا اس لیے شہلا کو پڑا ہوا نمک بھی نظر نہیں آیا اور نمک بھی میں نے یہاں ڈالا تھا۔زخم زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن کٹ چوڑا تھا۔

اب مجھے انتظار تھا کہ کب دوا اثر کرنا شروع کرتی ہے۔تقریباً بیس منٹ بعد ہلکی سی غنودگی میرے حواسوں پر طاری ہونے لگی تھی۔میں نے نمک کے چند ذرے اٹھا کر زخم پر ڈالے۔خون رک گیا تھا لیکن زخم ابھی تازہ ہی تھا۔نمک کی تیزی نے مجھے چند لمحے کے لیے تڑپا دیا تھا۔مگر اس کا اثر یہ ہوا کہ غنودگی غائب ہو گئی اور میرا ذہن پہلے کی طرح چاک و چوبند ہو گیا تھا۔اس کامیاب تجربے کے بعد میں کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔اب شہلا یا فتح خان کا آدمی کسی طرح سے اندر جھانکتے تو میں ان کو خوابِ خرگوش میں مگن دکھائی دیتا۔پندرہ بیس منٹ بعد پھر غنودگی نے حملہ کیا جسے میں نے زخم پر نمک چھڑک کر پسپا کر دیا۔اس کے بعد کھیل شروع ہو گیا۔دوا اتنی آسانی سے ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھی غنودگی رہ رہ کر پلٹ رہی تھی اور بعض دفعہ تو یہ اتنی خاموشی سے آتی تھی کہ اگر میں شعوری طور پر ہوشیار نہ ہوتا تو مجھے پتا ہی نہیں چلتا کہ میں کب سو گیا ہوں۔

دو گھنٹے بہت سخت گزرے تھے۔نمک پاشی سے زخم میں تکلیف بڑھ گئی تھی اسی تناسب سے غنودگی کی کیفیت بھی بڑھی تھی لیکن دو گھنٹے بعد غنودگی کا حملہ کم اور کمزور ہونے لگا لیکن میں اب بھی اس کی طرف سے ہوشیار تھا ذرا سی نیند کی کیفیت محسوس کرتے ہی زخم پر نمک لگاتا تھا۔یہ تجربہ کرنے سے پہلے میں سمجھ رہا تھا کہ اپنے زخم پر خود نمک چھڑکنا مشکل کام ثابت ہوگا لیکن پتا چلا کہ اس سے زیادہ مشکل کام پیٹ بھر کر کھانے کے بعد گرم کمبل میں لیٹ کر اور نیند آنے کے باوجود جاگتے رہنے کی کوشش کرنا ہے۔عام حالات میں اگر میں پیٹ بھر کر اس طرح لیٹوں تو نیند آنا ایک فطری بات ہو گی۔دوا کے ساتھ تو اثر دوگنا ہو گیا تھا اور میں اس وقت کس طرح خود کو نیند سے بچائے رہا یہ میں ہی جانتا ہوں۔آدمی ساری دنیا سے لڑ سکتا ہے لیکن سب سے مشکل جنگ خود سے

ہوتی ہے۔شاید اسی وجہ سے ہمارے دین میں نفس سے جنگ کو افضل جہاد قرار دیا گیا ہے۔افسوس کہ اس جہاد کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں ہے۔

میں نے گیارہ بجے ناشتہ کیا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ اس بات کو تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ نیند کا حملہ اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ دوا کا اثر زائل ہو رہا تھا۔ ابھی تک شہلا یا کسی اور نے کمرے میں نہیں جھانکا تھا۔شاید وہ میری طرف سے بے فکر تھے یا انہوں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس وقت تک خاموشی تھی۔اچانک مجھے لگا جیسے کہیں کوئی عجیب سی آواز نکال رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی کا منہ بند ہو اور وہ بولنے کی کوشش کر رہا ہو۔ نہ جانے مجھے کیوں لگا کہ آواز عورت کی ہے۔ پہلے میں سمجھا کہ یہ شہلا ہے اور اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے لیکن جلد شہلا کی آواز الگ سے سنائی دی وہ برس پڑنے والے انداز میں امیر مقام سے کہہ رہی تھی۔

''امیر مقام یہ کون ہے اسے یہاں کیوں لائے ہو۔''

کمرے کا اکلوتا دروازہ پرانی طرز کا تھا اور اس میں پٹ کے اوپر نیم دائرے میں شیشے لگے تھے۔ میں اٹھ کر دبے قدموں دروازے تک آیا اور چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر اوپر ہوا۔ یہاں سے نشست گاہ کا منظر کسی قدر واضح تھا مجھے بالکل سامنے ایک نوجوان اور خوب صورت عورت اس حال میں نظر آئی کہ اس کے ہاتھ پشت سے بندھے اور کپڑے سے اس کا منہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ وہ آواز نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں اسی کی آواز سن کر چونکا تھا۔ پھر اسے دیکھ کر چونکا اس کا لباس جا بہ جا پھٹا ہوا تھا۔ خاص طور سے گریبان پیٹ تک پھاڑ دیا گیا تھا اور اس کا دودھیا جسم اور اس پر خراشوں کے نشانات صاف جھلک رہے تھے۔ اس کے پیچھے امیر مقام کھڑا تھا۔ وہ چڑھی ہوئی داڑھی مونچھوں والا تنومند شخص تھا جس کی آنکھوں میں ہمہ وقت سرخی رہتی تھی۔ اس کا ساتھی لڑکی کے سامنے تھا اور اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھ رہا تھا۔

''یہ ہم کو جنگل میں ملا تھا۔'' امیر مقام نے سکون سے کہا۔

''اور تم اسے یہاں لے آئے۔'' شہلا چلائی۔ ''تمہارا دماغ درست ہے تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

یہ بتانے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں تھی کہ امیر مقام نے اس اٹھارہ انیس سال کی لڑکی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اس کا پھٹا ہوا لباس اور خراش زدہ جسم بتانے کے لیے کافی تھا۔لڑکی کی آنکھوں میں جیسے شرارے لپک رہے تھے۔شہلا نے اس کے منہ کپڑا نکال دیا۔فوراً ہی اس کے منہ سے گالیاں ابل پڑی تھیں۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ خانہ بدوش تھی لیکن اس وقت پنجابی بول رہی تھی۔ اس نے امیر مقام کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ ''اس حرامی نے مجھے لوٹ لیا ہے...... میں اپنے مرد کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ میرا بچہ ہے...... اس کے پاس کیسے جاؤں گی۔''

مجھے افسوس ہونے لگا۔ فتح خان کا ساتھی ایک درندہ نکلا تھا۔شہلا چلائی۔ ''تم بولتے کیوں نہیں ہو؟''

''یہ بدزبان عورت ادھر جنگل میں لکڑیاں لینے آیا تھا۔'' امیر مقام نے مشتعل لہجے میں کہا۔ یقیناً اسے لڑکی یا عورت کی گالیاں گراں گزر رہی تھیں حالانکہ وہ اس سے کہیں زیادہ کا مستحق تھا۔ عورت مسلسل بول رہی تھی۔

شہلا، عورت اور امیر مقام کی دس پندرہ منٹ کی گفتگو سے صورتِ حال سامنے آئی وہ یوں تھی کہ فتح خان کے اس منہ زور ساتھی نے جب جنگل میں اس اکیلی اور جوان عورت کو دیکھا تو اس کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے اسے پکڑ لیا۔ اس ویران جگہ اس عورت کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اپنی من مانی کر لینے کے بعد امیر مقام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بلکہ نہیں اسے غلطی کا احساس نہیں ہوا۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہوگیا کہ ابھی عورت واپس جا کر اپنے گھر والوں اور قبیلے کو اپنے اوپر گزرنے والی سنائے گی تو وہ اس جگہ چڑھ دوڑیں گے۔ اس لیے امیر گن پوائنٹ پر عورت کو یہاں لے آیا تھا۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا لڑکی کا تعلق ایک خانہ بدوش قبیلے تھا۔ یہ خانہ بدوش جو اپنے مویشی چرانے کے لیے مسلسل سفر میں رہتے ہیں۔ گرمیوں میں یہ اوپر کشمیر کے پہاڑوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور سردیوں میں یہاں نیچے پوٹھوہار کی طرف آ جاتے ہیں۔ نسلاً یہ کشمیری ہی ہوتے ہیں اس کی تصدیق اس لڑکی کے خوب صورت خدوخال اور دمکتی رنگت بھی کر رہی تھی۔ بے آبرو ہونے کے باوجود وہ عام لڑکیوں کی طرح غم سے نڈھال ہونے کے بجائے غصے سے بے تاب تھی اور اگر اس کے ہاتھ نہ بندھے ہوتے تو وہ فتح خان کے ساتھی پر چڑھ دوڑتی۔ میں نے خانہ بدوشوں کو بے باک اور جذبات کا تیز دیکھا ہے یہ لڑکی بھی ویسی ہی تھی۔

سب جاننے کے بعد شہلا اس پر برس پڑی تھی اور اسے بے نقط سنائی تھیں لیکن اس سے نہ تو اس لڑکی کی لٹی عزت واپس آ سکتی تھی اور نہ ہی وہ اس مسئلے کا کوئی حل نکال سکتی تھی۔ امیر مقام اور اس کے ساتھی ایک نمبر کے ڈھیٹ اور بے حیا تھے۔ لڑکی کی گالیوں کے بعد شہلا کی باتیں بھی ان پر بے اثر رہی تھیں۔ اب وہ چپ ہو کر سوچ میں پڑ گئی تھی۔ غالباً وہ سوچ رہی تھی کہ اس لڑکی کا کیا کیا جائے۔ اس کے ذہن میں بھی وہی خدشہ ہوگا جس کی وجہ سے امیر مقام اس عورت کو پکڑ کر لے آیا تھا۔ اگر اسے آزاد کر دیا گیا تو وہ کچھ دیر میں اپنے سارے قبیلے کو یہاں لے آئے گی۔

خانہ بدوش امن پسند ہوتے ہیں اور عام طور سے کسی سے جھگڑا کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ اپنی عورتوں کے معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں اور کوئی ان کے ساتھ زیادتی کرے تو وہ اسے کسی صورت معاف نہیں کرتے ہیں۔ امن پسند ہونے کے باوجود وہ ہتھیار رکھتے ہیں اور انہیں استعمال کرنا بھی جانتے ہیں۔ ان کا قافلہ یہاں سے کچھ ہی دور کسی چشمے کے ساتھ رکا ہوا تھا۔ خانہ بدوش وہیں پڑاؤ ڈالتے ہیں جہاں انہیں پانی آسانی کے ساتھ مل جائے۔ لڑکی شادی شدہ تھی اور چولہا جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کرنے آئی تھی کہ امیر مقام کے ہتھے چڑھ گئی۔ مجھے لگا کہ شہلا اس عورت کو واپس جانے نہیں دے گی اور ایسا ہی ہوا۔ اس نے فتح خان کے آدمیوں سے کہا۔ ''ابھی اسے لے جا کر تہہ خانے میں بند کر دو۔ اس کا فیصلہ فتح خان آ کر کرے گا۔''

یہ سن کر فتح خان کے آدمیوں کی باچھیں کھل گئی تھیں کیونکہ انہیں ایک تفریح ہاتھ آ گئی تھی۔ لڑکی یہاں رہتی تو وہ موقع بہ موقع اس کے ساتھ من مانی کر سکتے تھے۔ امیر مقام کے ساتھی نے لڑکی کا بازو پکڑا تو وہ بپھر گئی اور انہیں دوبارہ گالیاں دینے لگی۔ امیر مقام نے دوبارہ اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا اور وہ دونوں اسے کھینچ کر تہہ خانے کی طرف لے گئے۔ وہ بری طرح مچل رہی تھی اور پچھاڑیں کھا رہی تھی لیکن دو ہٹے کٹے مردوں کے سامنے اس کا زور نہیں چلا تھا وہ اسے آرام سے کھینچ کر لے گئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ابھی موقع سے فائدہ اٹھانے کی فکر

ئیں تھے۔ یہ بات شہلا نے بھی محسوس کر لی تھی وہ ان کے پیچھے گئی۔ کچھ دیر بعد اس کی اور فتح خان کے آدمیوں کی تیز تیز بولنے کی آواز آئی تھی۔ پھر وہ نشست گاہ کی طرف آئے۔

امیر مقام کا مشتعل ساتھی اس کے پیچھے آیا اور چلا کر بولا۔ ''تم نے تالا کیوں لگایا ہے؟''

''تا کہ تم اس بے چاری کے ساتھ مزید ظلم نہ کر سکو۔'' شہلا چیخ کر بولی۔ ''میرے خدا تم لوگ انسانیت سے بالکل عاری ہو۔ درندوں کی طرح کمزوروں پر ٹوٹ پڑتے ہو۔''

''ہم کسی سے نہیں ڈرتا ہے۔'' امیر مقام نے ڈھٹائی سے کہا۔

''بڑے سورما ہو تم؟'' شہلا کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ ''اب اگر اس کے گھر یا قبیلے والے اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے تو ان سے نمٹنا، تم کسی سے ڈرتے نہیں ہو نا؟''

شہلا ان کو سناتی ہوئی وہاں سے لے گئی تھی۔ فتح خان کے آدمی واقعی انسانیت سے عاری درندے تھے۔ ایسے درندے جنہیں صرف گوشت کھانے سے دلچسپی تھی لیکن شہلا کے لیے یہ پریشانی کی بات تھی۔ اس نے فتح خان کے ساتھ مل کر مجھے اس جگہ قید کیا تھا تا کہ کوئی مجھ تک نہ پہنچ سکے لیکن اب اس بات کا خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ اس عورت کی تلاش میں اس کے لوگ جلد یا بدیر اس جگہ کا رخ کریں گے۔ عورت یہیں جنگل سے لکڑیاں چننے آئی تھی اور یہ ناممکن تھا کہ اسے تلاش کرنے والے اس عمارت تک نہ آئیں۔ وہ لوگ آتے اور یقیناً زیادہ تعداد میں آتے اور انہیں شبہ ہو جاتا تو شہلا اور یہ دو مسلح افراد انہیں نہیں روک سکتے تھے۔

میں جیسے جیسے اس معاملے پر غور کر رہا تھا میرے اندر سے شدید خواہش ابھر رہی تھی کہ کاش ایسا ہی ہو۔ مجھے اس عورت پر ہونے والا ظلم کا افسوس تھا لیکن اس کی وجہ سے یہاں سے میری رہائی کی سبیل پیدا ہوئی تھی۔ اگر اس عورت کے قبیلے والے اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ جاتے اور شہلا اور اس کے ساتھیوں پر قابو پا لیتے تو میری رہائی کا امکان تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ ایسا ہی ہوتا۔ یہ امکان بھی تھا کہ عورت کا شوہر بدنامی کے ڈر سے بات کو چھپا جاتا یا اگر وہ اسے غائب پاتا تو اسے کسی اور معنوں میں لیتا اور عین ممکن ہے یہ فرض کر لیا جاتا کہ عورت اپنے کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی ہے۔ ہمارے خانہ بدوش قبیلوں میں ایسی باتیں عام ہیں۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ان کی نئی نسل بھی اب شہروں میں آباد ہونا چاہتی ہے اور وہ در بدر مارے مارے پھرنے سے اکتاتے جا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ خانہ بدوش قبیلے مسلسل کم ہوتے جا رہے ہیں۔

فتح خان کے ساتھی باہر چلے گئے تھے اور ان دونوں کا موڈ واضح طور پر خراب تھا۔ شہلا اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں واپس کمبل میں آ گیا۔ ایک چانس یہ بھی ہو سکتا تھا کہ شہلا یا اس کا ساتھی مجھے دیکھنے آئیں کہ میں سو رہا ہوں اور میں ان کو قابو کر لوں۔ ایک بار میرے ہاتھ میں کوئی ہتھیار آ جاتا تو مجھے یہاں روکنا مشکل تھا۔ تہہ خانے میں بند عورت اگر شور کر بھی رہی تھی تب بھی اس کی آواز باہر تک نہیں آ رہی تھی۔ تہہ خانے کا دروازہ اس کمرے کے پاس ہی تھا۔ مجھے کمبل میں دبکے ہوئے خاصی دیر ہونے کو آئی تھی لیکن میری توقعات پوری نہیں ہوئی تھیں۔ نہ تو اس عورت کے لیے کوئی آیا اور نہ ہی شہلا یا فتح خان کے کسی آدمی نے آ کر مجھے دیکھنے کی زحمت کی۔ شاید وہ مطمئن تھے کہ میں بے ہوش پڑا ہوں اور ان کے لیے کسی قسم کی مشکل نہیں کھڑی کر سکتا تھا۔ وہ اس مشکل پر غور کر رہے تھے جو ممکنہ طور پر آ سکتی تھی۔ شام قریب تھی اور دن ڈھل رہا تھا۔ فتح خان ابھی تک نہیں آیا

تھا۔ ابھی تک خاموشی تھی۔ پھر پہلے ہلکا سا شور سنائی دیا جو رفتہ رفتہ بڑھنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کئی افراد بول رہے ہوں۔ پھر آوازیں قریب آنے لگیں۔ مجھے شہلا کی آواز سنائی دی۔

''تم لوگ اندر نہیں آسکتے یہ میرا گھر ہے۔ کسی کے گھر میں زبردستی گھسنا جرم ہے۔''

''ہمارے قبیلے کی ایک عورت غائب ہے۔'' کوئی آدمی چلایا۔ ''وہ ادھر ہی آئی تھی۔ ہمیں شبہ ہے وہ اس مکان میں موجود ہے۔''

''یہاں کوئی عورت نہیں ہے۔'' امیر مقام کا ساتھی بولا لیکن اس کے لہجے سے خوف جھلک رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عورت یہاں سے نکل آئی تو ان کا کیا انجام ہوگا کیونکہ بولنے والوں کی آوازوں سے لگ رہا تھا کہ آنے والے تعداد میں خاصے زیادہ تھے اور وہ مکان کی نشست گاہ تک آ گئے تھے۔ میں نے دروازے کے اوپر سے جھانکا۔ آنے والے واقعی خانہ بدوش تھے۔ ان کے رنگ برنگ لباس اور منفرد حلیہ اس کی گواہی دے رہا تھا۔ ان میں سے اکثر ڈنڈوں اور نیزوں سے مسلح تھے جب کہ کچھ افراد کے پاس آتشیں ہتھیار بھی نظر آرہے تھے۔ ان کی تعداد کسی طرح دو درجن سے کم نہیں تھی۔ ممکن ہے مکان سے باہر اس سے بھی زیادہ موجود ہوتے اور اس کا پورا امکان تھا۔

''یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہم شریف لوگ ہیں۔'' شہلا کہہ رہی تھی۔ ''اگر تم لوگوں کو کوئی مسئلہ بھی ہے تو کچھ معزز لوگ میرے پاس آتے۔ اس طرح یہ ہجوم یہاں کیوں آیا ہے۔''

''اس کی وجہ ہے۔'' ایک لمبا آدمی گرج دار آواز میں بولا۔ ''ہمارے ایک چھوکرے نے ہماری عورت کو ایک آدمی کے ساتھ اس طرف آتے دیکھا تھا جس کے پاس بندوق تھی۔''

''ایک بچے کی بات سن کر تم یہاں چڑھ دوڑے۔'' شہلا نے تیز لہجے میں کہا۔ ''یہ دونوں میرے ملازم ہیں اور رائفل رکھنا ہماری مجبوری ہے۔ ہم اس ویران علاقے میں رہتے ہیں۔ میں تم لوگوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ لکھواؤں گی۔''

''ضرور لکھوانا۔'' آدمی نے کہا۔ ''لیکن ہم یہاں کی تلاشی ضرور لیں گے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' امیر مقام بولا۔

اس پر دونوں پارٹیوں میں جھگڑا ہوا اور شور کی آواز بلند ہوئی۔ آنے والے غصے سے بے قابو ہو رہے تھے۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اس لیے انہوں نے جلد شہلا اور اس کے ساتھیوں پر قابو پالیا۔ شہلا چیخ چیخ کر انہیں برا بھلا کہہ رہی تھی پھر فتح خان کے آدمیوں سے اسلحہ چھین لیا گیا۔ ان کے پاس سے پستول نکل آئے اور اس پر بھی شور ہوا تھا۔ فتح خان کے آدمیوں کا اتنا مسلح ہونا بھی آنے والوں کو مشکوک کر گیا تھا۔ کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ تینوں جھوٹے ہیں، مہرو یہیں ہے۔''

''مکان کی تلاشی لو۔'' لمبے آدمی نے کہا وہ ان لوگوں کا سردار لگ رہا تھا۔ اس کا حکم ملتے ہی آنے والے گھر میں پھیل گئے تھے۔ شہلا اور فتح خان کے آدمی چلاتے رہ گئے لیکن وہ بے بس تھے۔ جیسے ہی کچھ آدمی میرے کمرے کی طرف آئے میں جلدی سے کمبل میں گھس کر ساکت ہوگیا۔ فوراً ہی چند آدمی میرے کمرے میں گھس آئے اور مجھے دریافت کرلیا۔ ایک نے فوراً چلا کر باقیوں کو اطلاع دی کہ یہاں بھی ایک بندہ موجود ہے۔ کسی

نے میری پشت پر لات ماری۔ ''اٹھ اوئے نواب دی اولاد۔''
نواب کی اولاد یعنی میں بڑی مشکل سے اٹھا اور غنودگی میں ہونے کی اداکاری کرنے لگا۔ میں دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا تھا اور آنکھیں ملنے لگا۔ ایک نے پوچھا۔ ''اوئے تُو کون ہے؟''
''میرا نام شہباز ملک ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''انہوں نے مجھے یہاں بند کر رکھا ہے۔''
تین افراد مجھے بھی کھینچ کر نشست گاہ میں لے آئے جہاں شہلا ایک طرف کھڑی تھی لیکن فتح خان کے دونوں آدمی فرش پر بندھے پڑے تھے۔ صوفے پر اب لمبا آدمی اور ایک نوجوان براجمان تھے۔ نوجوان کے خدوخال بتا رہے تھے کہ وہ سردار کا ولی عہد بہادر تھا اور اس نے جینز پر ایک لیڈیز لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ تقریباً درجن بھر خانہ بدوش کھڑے ہوئے تھے اور اتنے ہی مکان کے دوسرے حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ صوفے پر بیٹھے لمبے آدمی نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔
''تُو کون ہے؟''
''میرا نام شہباز ملک ہے۔'' میں نے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ان لوگوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔''
''یہ جھوٹ کہتا ہے۔'' شہلا اطمینان سے بولی۔ ''یہ ہمارا ساتھی ہے۔''
''یہ عورت غلط کہہ رہی ہے میں ایک کمرے میں قید تھا اور تمہارے لوگ مجھے وہاں سے نکال کر لائے ہیں۔'' میں نے سوال کرنے والے سے کہا۔ ''ان سے پوچھ لو میں وہاں سو رہا تھا۔''
''شاباش ہے تُو اتنے ہنگامے میں بھی سو رہا تھا۔'' ولی عہد بہادر نے مجھے گھورا۔
''میرا خیال ہے یہ لوگ مجھے کھانے میں کچھ دیتے ہیں کیونکہ کھانا کھاتے ہی میں سو جاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی بھی تمہارے نے آدمیوں نے مجھے مار پیٹ کر بیدار کیا ہے۔''
''تمہیں کیوں قید کیا ہوا ہے؟'' سردار نے پوچھا۔
''یہ فتح خان کے لوگ ہیں۔'' میں نے آرام سے بتا دیا۔ ''وہ میرا دشمن ہے مجھے اغوا کر کے یہاں لا کر رکھا ہوا ہے۔''
''فتح خان کہاں ہے؟'' سردار نے شہلا سے پوچھا۔ ''وہ تیرا کیا لگتا ہے؟''
''میرا شوہر ہے اور یہ بکواس کرتا ہے۔'' شہلا مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ''یہ فتح خان کا دوست ہے اور یہاں رکنے آیا ہے۔ فتح خان کام سے شہر گیا ہوا ہے۔''
مکان کی تلاشی لینے والے آ کر بتا رہے تھے کہ عورت مکان میں کہیں نہیں ہے۔ یہ سن کر سردار فکرمند نظر آنے لگا وہ اپنے آدمیوں سمیت اس مکان پر چڑھ دوڑا تھا اس نے شہلا اور فتح خان کے آدمیوں کے ساتھ برا سلوک کیا تھا اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ معمولی لوگ نہیں تھے۔ اگر اس کا الزام غلط نکلتا تو اسے لینے کے دینے بھی پڑ سکتے تھے۔ میں نے بتایا کہ خانہ بدوش عام طور سے تنازعات میں الجھنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ یہ دوسروں کی زمینوں سے گزرتے ہیں۔ اگر یہ جھگڑے کرنے لگیں تو ان کے راستے بند ہو جائیں اس لیے یہ چھوٹی موٹی بے عزتی بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ میں نے شہلا سے پوچھا۔ ''یہ کیا چکر ہے یہ لوگ کون ہیں اور کس عورت کو تلاش کر رہے ہیں کیا تم لوگوں نے کسی عورت کو بھی اغوا کیا ہے؟''

شہلا مجھے گھور رہی تھی اور شاید چاہتی تھی کہ میں تہہ خانے کا ذکر نہ کروں۔ اس نے تنبیہ کرنے والے لہجے میں کہا۔ ''تم خاموش رہو۔ اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میں انجان بنا ہوا تھا۔ اگر چہ میں کھل سکتا تھا کہ میں نے سب سنا تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ عورت تہہ خانے میں بند ہے اس کے ساتھ کیا ہوا ہے لیکن میں نے کچھ نہ کہنے کا فیصلہ کیا۔ اس لیے نہیں کہ مجھے شہلا سے کوئی ہمدردی تھی بلکہ میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا تھا اور میں نے ان لوگوں کا بھانڈا پھوڑنے سے گریز کیا۔

میری خاموشی پر شہلا نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اس نے سردار سے کہا۔ ''تمہارا اطمینان ہو گیا اب تم شرافت سے چلے جاؤ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گی۔ ورنہ تم لوگوں نے جو کیا ہے اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ تم سب کو پولیس لے جائے اور کچھ دن حوالات میں رکھے۔''

صوفے پر براجمان دونوں باپ بیٹا ہماری گفتگو غور سے سن رہے تھے۔ اگر ان لوگوں نے یہاں پڑاؤ ڈالا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ جگہ اسلام آباد اور راولپنڈی سے دور تھی۔ خانہ بدوشوں کا سردار بوڑھا لیکن ہوشیار اور شاید پڑھا لکھا بھی تھا۔ اس نے مجھے لانے والوں سے پوچھا۔ ''کیا یہ کمرے میں قید تھا؟''

''پتا نہیں جی۔'' ایک احمق بولا۔ ''یہ تو مزے سے پڑا سو رہا تھا۔''

میں نے اسے دل ہی دل میں سنائیں اور منہ سے بولا۔ ''بھائی کیا اس کمرے کا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا؟''

''دروازہ میں نے نہیں کھولا تھا۔'' اس نے انکار کیا۔ اب مسئلہ یہ ہوا کہ ان میں سے کس نے دروازہ کھولا تھا اسے یاد نہیں رہا تھا سب یہی کہہ رہے تھے کہ انہیں دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔ وہ شک میں پڑ گئے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں یا نہیں۔ شہلا نے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھا تو میں نے دل میں کہا۔ ''ابھی تم مسکرانا بھول جاؤ گی جب ان لوگوں کو تہہ خانہ ملے گا۔''

خانہ بدوش گھر میں پھیلے تھے اور موقع سے فائدہ اٹھا کر چھوٹی موٹی چیزیں بھی پار کر رہے تھے۔ ایسی آوازیں آ رہی تھیں اور بعض چیزوں پر دو افراد میں دبی ہوئی تکرار بھی ہو جاتی تھی۔ مجھے امید تھی اور شہلا کو خدشہ تھا کہ اس تلاشی کے دوران کہیں تہہ خانے کا دروازہ نہ دریافت ہو جائے۔ اس نے بے چینی سے سردار سے کہا۔ ''تمہارے لوگ میرے گھر میں گھسے ہوئے ہیں اگر کوئی چیز غائب ہوئی تو اس کی ذمے داری تم پر ہو گی۔ میں پولیس میں رپورٹ لکھوا دوں گی۔''

پولیس کے ذکر نے سردار کو مجبور کر دیا اور اس نے گرج کر اپنی عوام سے کہا۔ ''کیا کر رہے ہو تم لوگ ایک ایک چیز اپنی جگہ واپس رکھ دو ورنہ تمہاری کھالیں گرا دوں گا۔''

مجھے مایوسی ہوئی اور شہلا کے چہرے پر اطمینان آیا تھا۔ خانہ بدوش لڑکی مہرو کا منہ بند تھا اور شاید ہاتھ کے ساتھ اس کے پیر بھی باندھ دیئے گئے تھے اس لیے وہ اوپر موجود لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر پا رہی تھی۔ میری مشکل یہ تھی کہ میں شروع میں ہی انکار کر چکا تھا اور انجان بنا ہوا تھا اس لیے اب میں لڑکی کی نشاندہی نہیں کر سکتا تھا۔ سردار کھڑا ہو گیا۔ اس نے گرج دار آواز میں اپنے لوگوں کو واپسی کا حکم دیا۔ پھر اس نے شہلا سے کہا۔ ''بی بی ہم ابھی یہیں ہیں اور اپنی عورت کو تلاش کر رہے ہیں اگر پتا چل گیا کہ وہ تیرے پاس ہے یا تُو نے اسے غائب کیا

ہے تو ہم دوبارہ یہاں آئیں گے۔"
"ضرور آنا۔" شہلا بدمزگی سے بولی۔ "تم نے میرے آدمیوں کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔"
"برا مت مانناپی اگر یہ تیرے محافظ ہیں تو بے کار ہیں بہتر ہے انہیں نکال دے اور کچھ اچھے لوگ رکھ ہو برے وقت میں تیرے کام آئیں۔ یہ کسی کام کے نہیں ہیں۔"
فتح خان کے آدمیوں کے بارے سردار کی رائے درست تھی۔ وہ مسلح تھے لیکن جب ہجوم دیکھا تو بھیگی بلی بن گئے۔ انہوں نے خاموشی سے اپنے ہتھیار ان لوگوں کے حوالے کر دیئے تھے۔ خانہ بدوشوں کی اس طرح واپسی میرے لیے اچھی خبر نہیں تھی۔ کیونکہ اس طرح میری رہائی کا امکان ختم ہو گیا تھا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا۔ میں نے سردار سے کہا۔ "مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ تمہارے قبیلے کی ایک عورت غائب ہے۔ یہ اس علاقے کا مسئلہ بھی ہے کیونکہ یہاں کوئی عورت غائب ہو تو ہماری بدنامی بھی ہوگی۔ کیا میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر تمہاری عورت کو تلاش کر سکتا ہوں۔"
شہلا اچھل پڑی تھی اور فوراً میرا مقصد سمجھ گئی۔ "تم ان کی کیا مدد کرو گے تم خود یہاں اجنبی ہو۔"
"اجنبی ہوں لیکن ویسے تو مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تمہیں کیا اعتراض ہے تم نے خود کہا ہے میں تمہارا قیدی نہیں ہوں۔"
لیکن شہلا کسی صورت میں مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے کہا۔
"شہباز تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔"
"کیوں نہیں جا سکتا۔" میں نے کہا اور دھیمے لہجے میں انگریزی میں کہا۔ "اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہارا بھانڈا نہ پھوڑوں تو مجھے جانے دو۔"
شہلا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور ہوشیار سردار چونک گیا۔ "کیا...... کیا کہا ہے تُو نے؟"
"کچھ نہیں عادت کی وجہ سے بول گیا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں تمہاری مدد کرنے کے لیے۔"
شہلا خون کے گھونٹ پی کر خاموش تھی۔ وہ جانتی تھی اگر خانہ بدوش عورت یہاں دریافت کر لی گئی تو وہ لوگ کتنی مشکل میں پڑ جائیں گے لیکن اس نے سردار سے اپنے اسلحے کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ "ہمارا اسلحہ دو اور یہاں سے جاؤ۔"
لمبا سردار باہر کی طرف بڑھا اس کی پبلک بھی ایک ایک کر کے مایوس واپس آ رہی تھی کیونکہ ایک تو ان کو اپنی عورت نہیں ملی تھی اور اس سے بھی زیادہ مایوس کن بات یہ تھی کہ انہیں لوٹ مار کا موقع نہیں ملا تھا۔ سردار کے حکم پر جس نے جو چیز اٹھائی تھی وہ بھی اسے واپس کرنا پڑی تھی۔ اندر موجود افراد بھی باہر آ گئے تھے۔ مگر سب باہر نہیں آئے تھے۔ ایک نوجوان اندر ہی تھا اور اس میں جاسوسی کی عظیم صلاحیتیں تھیں اس لیے جو چیز دوسروں کی نظر میں نہ آئی وہ اس نے دیکھ لی۔ اس نے تہہ خانہ دریافت کر لیا اور باہر دوڑا آیا۔ نوجوان نے ہانپتے ہوئے سردار سے کہا۔ "ادھر جی زمین کے نیچے بھی ایک کمرہ ہے۔"
سردار چونکا۔ "تجھے کیسے پتا چلا؟"

''اس پر تالا لگا ہے۔جی۔''

سردار نے اسے تھپڑ رسید کیا۔''تالے کا مطلب ہے کہ وہاں زمین کے نیچے کمرہ ہے۔''

نوجوان تھپڑ کھا کر ذرا بھی بے مزہ نہیں ہوا اور اس نے قسم کھائی۔''ادھر نیچے کچھ ہے۔''

سردار نے میری طرف دیکھا تو میں نے ہچکچا کر کہا۔''ہاں اس مکان میں ایک تہہ خانہ ہے تو۔''

سردار فوراً واپس آیا اور اس نے شہلا سے کہا۔''تم نے بتایا نہیں یہاں ایک تہہ خانہ بھی ہے؟''

شہلا کے چہرے پر بارہ بج گئے تھے وہ کسمسائی۔''''مجھے نہیں معلوم میں کبھی اس جگہ نہیں گئی۔''

وہ سفید جھوٹ بول کر خود کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ تہہ خانہ کھلتے ہی اس کا جھوٹ سامنے آ جاتا۔

سردار نے کہا۔''اس کا ابھی پتا چل جاتا ہے۔''اس نے تہہ خانہ دریافت کرنے والے نوجوان کو ملبس کی طرف دیکھا۔''کہاں ہے؟''

نوجوان اسے دکھانے لے گیا۔صورت حال بدلتے ہی سردار کے آدمیوں کے تیور بھی بدل گئے تھے۔فتح خان کے دونوں آدمی ابھی تک بندھے ہوئے تھے۔ان کا اسلحہ بھی خانہ بدوشوں کے پاس تھا۔شہلا نے دیکھ لیا تھا کہ تہہ خانہ کسی اور نے دریافت کیا ہے اس لیے وہ اس کا الزام مجھے نہیں دے سکتی تھی لیکن اس نے آہستہ سے انگریزی میں کہا۔''شہباز تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔میں نے تمہارا بتایا ہے تمہاری ایک اہم شخصیت جلد یہاں آنے والی ہے۔''

''تم جھوٹ کہہ رہی ہو اگر وہ اہم شخصیت تمہارے قبضے میں ہوتی تو اب تک یہاں آ چکی ہوتی۔''میں نے جواب دیا۔

شہلا جھنجھلا گئی۔''مرضی تمہاری اگر بعد میں تمہارا کوئی نقصان ہو تو مجھے الزام مت دینا۔''

''میں دشمن کو الزام دینے کا قائل بھی نہیں ہوں میں تو سیدھا سا اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا ہوں۔''

سردار لوٹ آیا اور اس نے شہلا سے کہا۔''تالے کی چابی کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم اس کے پاس ہو گی۔''اس نے جل کر میری طرف اشارہ کیا۔''ممکن ہے اسی نے تمہاری عورت کو غائب کیا ہو؟''

''میری تلاشی لے لو اگر میرے پاس سے نکل آئے تو مجھے قصوروار سمجھنا۔''اس بار میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔''میں صبح گیارہ بجے سے سو رہا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ یہاں کیا ہو رہا ہے لیکن یہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔''

میں نے کہا۔''مجھے بھی اغوا کر کے لائے ہیں اور ممکن ہے اس عورت کو بھی انہوں نے اغوا کیا ہو۔''

''شہباز تم انہیں اس طرح بے وقوف نہیں بنا سکتے۔''شہلا بولی۔

''میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔میں ایک کمرے میں قید تھا۔''

''یہ جھوٹ ہے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا پھر تم قید کیسے ہوئے؟''

''دوسرے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔تم لوگ چاہو تو میری تلاشی لے سکتے ہو۔''

ایک آدمی نے سر سے پاؤں تک میرے لباس کی تلاشی لی اور اعلان کیا۔''اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔''

سردار پھر مشکوک ہو گیا تھا۔شہلا نے چابی دینے سے انکار کر کے اس کے شکوک کو ہوا دی تھی اس نے

اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ تالا توڑ دیں۔ فوراً ہی کچھ لوگ اندر کی طرف دوڑے۔ چند لمحے بعد دو آدمی باہر گئے اور بڑے پتھر لے آئے۔ وہ پتھروں سے تالا توڑ رہے تھے۔ امیر مقام اور اس کے ساتھی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔ ایک قبائلی معاشرے کا فرد ہونے کی وجہ سے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک عورت پر دست درازی کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے جب کہ وہ عورت شادی شدہ بھی ہو۔ شہلا بھی متفکر نظر آ رہی تھی لیکن اب اس نے چپ سادھ لی تھی۔ شاید وہ میری حکمتِ عملی بھانپ گئی تھی کہ انجان بنے رہو اور وہ بول کر پھنس گئی تھی اس لیے اب خاموش تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مکان میں دو درجن افراد کے علاوہ باہر بھی کئی لوگ موجود تھے ان کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے سردار سے پوچھا۔ ''تم لوگ اکثر یہاں آتے رہتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اب سے نہیں صدیوں سے ہم اس علاقے میں سفر کر رہے ہیں۔ گرمیوں میں کشمیر کے پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں پہلے کارگل تک جاتے تھے پر جب انڈیا پاکستان بنا تو ہم اس سے پہلے تک جاتے ہیں سردیوں میں یہاں آتے راولپنڈی میں اپنے مویشی بیچ کر گرمیاں شروع ہوتے ہی واپس چلے جاتے ہیں۔''

''یہ علاقہ کون سا ہے؟''

''یہ علاقہ راولپنڈی کا ہے۔ ادھر موٹر وے سے کچھ دور ہے۔''

موٹر وے پر ہونے کا مطلب تھا کہ یہ پنڈی کا نچلا علاقہ تھا۔ فتح خان اور شہلا مجھے شہر سے خاصا دور لے آئے تھے۔ اس دوران میں وہ لوگ تالا توڑنے میں کامیاب رہے تھے ایک دھماکے سے تہہ خانے کا دروازہ کھولا گیا اور پھر فوراً ہی کوئی چلایا۔ ''یہاں مہرو بندھی پڑی ہے۔''

اس اعلان نے شہلا کا چہرہ سفید کر دیا تھا اور فتح خان کے آدمی تو خوف سے ادھ موئے ہو رہے تھے۔ مہرو کے ملنے کا مطلب تھا کہ ان کی خیر نہیں تھی۔ آناً فاناً مہرو کے ملنے کی خبر مکان کے اندر باہر پھیل گئی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر اور [illegible]ند شخص بھاگتا ہوا مکان میں آیا اور تہہ خانے کی طرف لپکا تھا۔ باقی سب بھی کھڑے ہو گئے تھے اور وہ سخت مشتعل تھے۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''عورت یہاں کیسے آئی؟''

''میں نہیں جانتی۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

''یہ لوگ مل کر ڈرامہ کر رہے ہیں۔'' ایک آدمی چلایا اور اس نے امیر مقام کی کمر پر لات ماری۔ یہ لات بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی کیونکہ اس کے بعد انہوں نے فتح خان کے دونوں آدمیوں کو بے دریغ مارنا شروع کر دیا۔ شہلا سہم کر ایک طرف ہو گئی تھی۔ درجن بھر سے زیادہ افراد ان دونوں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور وہ چلا رہے تھے۔ ابھی تک کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن پھر کوئی چلایا۔

''یہ حرامی بھی شامل ہے مار دو اسے۔''

بولنے والے نے عقب سے میری کمر پر مکا مارا۔ میں نے سردار سے کہا۔ ''ان لوگوں کو روکو اس طرح بغیر حقیقت جانے مار پیٹ ٹھیک نہیں ہے۔''

''مہرو کے ملنے بعد اور کسی حقیقت کی ضرورت ہے۔'' نوجوان ولی عہد غرایا۔

''دیکھو مہرو اسی مکان سے ملی ہے مگر اس کے اغوا میں کون لوگ ملوث ہیں۔ یہ تمہیں جاننا ہے۔ تمہارا اصل مجرم کون ہے یہ جانے بغیر تم سب کو کس طرح سزا دے سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''یہ عورت شہلا اعتراف کر چکی

ہے کہ مکان فتح خان نامی شخص کا ہے اور یہ مجھے اس کا ساتھی بتاتی ہے اگر میں اس کا ساتھی بھی ہوں تب بھی میں ان لوگوں کے علم میں لائے بغیر ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں کہ ایک عورت کو یہاں لا کر قید کر دوں۔''

''بکواس کرتا ہے جی یہ۔'' مجھے مکا مارنے والا چلایا اور اس نے دوبارہ میری پشت پر حملہ کیا۔ اس کے اشتعال دلانے پر چار پانچ افراد مجھ پر بھی چڑھ دوڑے تھے اور انہوں نے مجھے بے دریغ لاتوں اور گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا۔ میں مار کھاتے ہوئے ایک طرف دیوار سے ٹک گیا اور پھر اپنا دفاع کرنے لگا۔ اگرچہ چار پانچ افراد کے چلتے ہاتھ پیروں کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا اور مجھے ضربیں لگ رہی تھیں لیکن میں چہرہ اور جسم کے نازک حصوں کا دفاع کر رہا تھا۔ ساتھ ہی ان کو سمجھانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ اب تک میں نے دفاع کیا تھا یا ان کو پیچھے دھکیلا تھا۔ میں نے کسی کو مارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسی کوئی کوشش ان کو مشتعل کر سکتی تھی اور وہ زیادہ ہو جاتے تو میرے لیے کیا کسی رستم زمان کے لیے بھی دفاع کرنا ناممکن ہو جاتا۔



ہجوم کی طاقت بڑی خوفناک ہوتی ہے درجنوں کمزور اور پسے ہوئے انسان جب ہجوم کی صورت میں جمع ہوتے ہیں تو کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ اس میں طاقت سے زیادہ نفسیات کارفرما ہوتی ہے کمزور کو اجتماعیت کا احساس تقویت دیتا ہے تو طاقتور کو اکیلا ہونے کا خوف کمزور کر دیتا ہے۔ میں اس خوف کو اپنے اوپر حاوی ہونے سے روک رہا تھا۔ ورنہ میرے لیے اپنا دفاع کرنا بھی دشوار ہو جاتا۔ اتنی دیر میں فتح خان کے دونوں آدمیوں کی چٹنی بن گئی تھی اور ان کے منہ کا آگے پیچھے کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ تہہ خانے کی طرف سے اسی ادھیڑ عمر شخص کی چلانے کی آواز آئی۔ وہ شاید مہرو کا شوہر یا کوئی قریبی رشتے دار تھا اور مہرو کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا پتا چل گیا تھا۔ ابھی یہ اطلاع اوپر نہیں آئی تھی اور چکر ہے اس کی آمد سے پہلے ہی سردار نے اچانک مداخلت کی اور ان لوگوں کو روکا جو مجھے مار پیٹ رہے تھے۔

''رکو اسے مت مارو لیکن نظر میں رکھنا۔'' اس نے حکم دیا اور اپنے ولی عہد کے ساتھ تہہ خانے کی طرف چلا گیا۔ میرے نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا ایک مکے نے میرے چہرے تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ میں نے ہانپتے ہوئے ہونٹ صاف کیا اور شہلا سے کہا۔

''یہ سب تم لوگوں کا کیا دھرا ہے۔''

شہلا کچھ نہیں بولی۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی تھی۔ مجھے مارنے والے اب گھیرے کھڑے تھے اور کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ فتح خان کے ساتھی بے ہوش ہو چکے تھے۔ اس لیے فی الحال ان کی بھی جان بخشی ہو گئی تھی لیکن یہ عارضی صورت حال تھی۔ اب ہمارے ساتھ کیا ہونا تھا اس کا اندازہ کسی کو نہیں تھا۔ امیر مقام نے مہرو کی عزت برباد کی تھی اور یہ خانہ بدوش اس کا انتقام ہم سے کس طرح لیتے یہ کہنا مشکل تھا۔ مگر مجھے لگ رہا تھا ہم کسی بڑی مشکل میں پڑنے والے ہیں۔ اگرچہ مہرو اپنے لوگوں کو حقیقت بتا سکتی تھی کہ اس کا اصل مجرم کون تھا لیکن جب انتقام اندھا ہو جائے تو مجرموں کے ساتھ بے گناہ بھی اس کے رگڑے میں آ جاتے ہیں۔

میں دیکھ چکا تھا مہرو کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا اور جسم پر زخموں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ یہ امیر مقام

کی درندگی کا ثبوت تھے۔ اس کی ہوس نے نہ صرف ایک عورت اور اس کے گھر کو اجاڑ دیا تھا بلکہ ہمیں بھی خطرے میں ڈال دیا تھا۔ جب مجھے اس کی حالت دیکھ کر افسوس ہوا تھا تو اس کے شوہر اور دوسرے رشتے داروں کے غم و غصے کا عالم ہی الگ ہوگا۔ عین ممکن تھا ہمیں کسی قسم کی کارروائی کے بغیر یہیں مار مار کر جاں بحق کر دیا جاتا۔ کچھ دیر بعد سردار اور دوسرے لوگ نشست گاہ تک آئے۔ مہرو کے ادھیڑ عمر شوہر نے اسے اپنی چادر میں لپیٹ دیا تھا کیونکہ اس کا لباس اس کی پردہ پوشی سے قاصر تھا۔ ان دونوں کی آنکھوں میں انتقام کی آگ روشن تھی۔ مہرو نے نشست گاہ میں آتے ہی امیر مقام کی طرف اشارہ کیا اور اس کا شوہر کسی بھیڑیے کی طرح اس کی طرف لپکا۔ امیر مقام کسی قدر ہوش میں آ گیا اور اس نے مہرو کے شوہر کے انداز میں اپنے لیے موت دیکھ لی تھی۔ وہ چلانے لگا۔

''خدا کے لیے ہم کو معاف کر دو۔''

آدمی نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور امیر مقام کی گردن دبوچ لی۔ وہ اس کا گلا دبا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ دوسرے اسے روک لیں گے اور امیر مقام کی جان فی الحال بچ جائے گی لیکن کسی نے مداخلت نہیں کی۔ سردار اور دوسرے آرام سے کھڑے رہے۔ ایک منٹ سے بھی پہلے امیر مقام کی آنکھیں ابل آئیں اور اس کے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلنے لگی۔ شہلا نے سردار کی طرف دیکھا۔ ''تم اچھا نہیں کر رہے ہو اسے پولیس کے حوالے کر دو۔''

''تم اس کی نہیں اپنی فکر کرو۔'' سردار نے اسے مشورہ دیا تو میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ ان لوگوں کے عزائم ٹھیک نہیں لگ رہے تھے لڑکی نے بتا دیا تھا کہ اس کی آبرو کا مجرم کون تھا اس کے باوجود وہ ہمیں چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے لیکن پہلے اپنے اصل مجرم سے نمٹ لینا چاہتے تھے۔ سردار اور اس کے قبیلے والوں کا رویہ دیکھتے ہوئے میں نے بھی مداخلت سے گریز کیا۔ میرے خیال میں امیر مقام اس سے بھی زیادہ سخت سزا کا مستحق تھا جو اس وقت اسے دی جا رہی تھی لیکن وہ مستحق نہ بھی ہوتا تو میں اسے بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دو منٹ کے اندر اس نے جان دے دی تھی۔ اس کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ مہرو کا شوہر مضبوط اور غضب ناک آدمی تھا اس لیے اس نے پوری قوت صرف کر دی تھی۔ امیر مقام کے ساتھی کی حالت یہ منظر دیکھ کر خراب ہوگئی تھی وہ گھگیا کر کہہ رہا تھا وہ اس کام میں شامل نہیں تھا۔ امیر مقام کو یوں مرتے دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی اور اطمینان مہرو کے چہرے پر نظر آیا۔ سردار نے اسے فوری انصاف مہیا کرنے کے لیے یہ سزا تجویز کی تھی اور اس پر فوری عمل درآمد بھی ہوا تھا۔

امیر مقام کو اس کے کیے کی سزا مل چکی تھی۔ سردار اور اس کے آدمیوں کے عزائم شہلا کے بارے میں بھی ٹھیک نہیں تھے لیکن فی الحال مجھے اپنی زیادہ فکر تھی کہ اس سزا میں بلاوجہ میں بھی شامل نہ ہو جاؤں۔ مہرو کے ساتھ ہونے والے ظلم نے اس کے لوگوں کو مشتعل کر دیا تھا۔ امیر مقام کے مرنے پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور پھر اس کی لاش کھینچتے ہوئے باہر لے گئے میں نے سردار کی طرف دیکھا۔ ''تم لوگوں نے اپنے مجرم سے بدلہ لے لیا ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ابھی بدلہ پورا کہاں ہوا ہے؟''

سردار کے اشارے پر اس کے آدمی ہمیں مکان کے احاطے میں لے آئے۔ سورج مغرب کی طرف ڈھل چکا تھا اور شام کے سائے طویل ہو رہے تھے۔ شہلا خوف زدہ تھی۔ امیر مقام کی عبرتناک موت نے اسے سہما دیا تھا۔ خود میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے تبھی انہوں نے امیر مقام کو آرام سے ہمارے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ بے شک وہ ان کا مجرم سہی لیکن اس کا قتل قانون کی نظر میں جرم تھا اور وہ پکڑے جاتے تو ان کو قانون کے مطابق سزا ملتی اس لیے وہ گواہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

احاطے میں ان لوگوں کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں اور وہ اندر سے ایک صوفہ نکال لائے۔ سردار بڑے اہتمام سے صوفے پر براجمان ہوا اس کا ولی عہد بہادر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ شاید سردار کے چند خاص مصاحب تھے۔ باقی افراد میں سے کچھ تو ہمارے سروں پر تھے اور باقی سامنے زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ خاص سیٹ اَپ لگ رہا تھا۔ شہلا نے سہمے انداز میں مجھ سے پوچھا۔ ''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

''میرا خیال ہے یہ پنچائیت بٹھا رہے ہیں۔''

''پنچائیت وہ کیوں؟'' وہ مزید سہم گئی۔

''تم نہیں جانتی ہو پنچائیتیں کیوں بٹھائی جاتی ہیں۔ ہمارے اور تمہارے بزرگ یہ کام کرتے آئے ہیں؟''

سردار نے پہلے ایک چھوٹی سی تقریر کی۔ وہ اپنی زبان میں بات کر رہا تھا اس لیے میری سمجھ میں زیادہ نہیں آیا بس اتنا پتا چلا کہ وہ اپنے قبیلے کے نظام انصاف پر بات کر رہا تھا اور شاید مہرو کے مہیا کیے جانے والے فوری انصاف کا حوالہ بھی تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ پنچائیت نہیں بلکہ عدالت تھی کیونکہ اس کا جج خود سردار تھا۔ تقریر کرنے کے بعد وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا اور مہرو کا شوہر سامنے آیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔

''سردار مجھے انصاف چاہیے۔ میری بیوی کی بے عزتی ہوئی ہے مجھے عزت کا بدلہ عزت سے چاہیے۔''

''تجھے عزت کا بدلہ کس سے چاہیے تیری بیوی کا مجرم تیرے ہاتھ سے اپنی سزا پا چکا ہے؟'' سردار نے دریافت کیا۔

''اس عورت سے۔'' مہرو کے شوہر نے شہلا کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ اس کا ملازم تھا اس لیے یہ بھی ذمے دار ہے۔''

میں اور شہلا ساتھ کھڑے تھے جب کہ فتح خان کا آدمی بندھی حالت میں زمین پر پڑا تھا۔ مہرو کے شوہر کا مطالبہ سن کر شہلا کا چہرہ فق ہو گیا اور میں چپ نہیں رہ سکا۔ ''سردار تم نے اپنے مجرم کو سزا دے دی لیکن اب تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ شہلا اس کی کس طرح ذمے دار ہو سکتی ہے۔ جب کہ یہ جرم اس کی لاعلمی اور مرضی کے بغیر ہوا ہے۔''

''یہ ذمے دار ہے۔'' سردار اپنی مخصوص گرج دار آواز میں بولا۔ ''وہ اس کا ملازم تھا۔''

''لیکن......''

''انصاف پورا ہو گا۔'' سردار نے نام نہاد جج کا کردار ادا کرتے ہوئے کہا اور مہرو کے شوہر کی طرف

ا۔ ''تجھے اختیار ہے اس عورت سے اپنی بیوی کی عزت کا بدلہ لے لے۔''
''تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔'' شہلا چلائی۔ ''اگر کسی نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں کسی کو چھوڑوں گی نہیں۔''
فتح خان کے آدمیوں کے خود کار ہتھیار اور شاٹ گن ان لوگوں کے پاس تھیں اور وہ ہمارے سروں پر
۔ مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا وہ ہمیں فوراً مار دیتے۔ مہرو کا شوہر آگے آیا اور شہلا کو کھینچ کر مکان کے
لے جانے لگا۔ ''سنو اگر ہم نے کوئی جرم کیا ہے تو ہمیں پولیس کے حوالے کر دو۔'' شہلا مزاحمت کرتے
ے بولی۔ ''تم خود کوئی سزا نہیں دے سکتے ہو۔''
سردار نے اسے گھورا۔ ''ہم اپنے مجرم کو خود سزا دیتے ہیں۔''
میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''سردار تم لوگ غلط کر رہے ہو۔ تم نے ایک آدمی مار دیا ہے اور شاید
بھی مار دو لیکن ہم لاوارث نہیں ہیں۔ جلد یہ بات پولیس تک جائے گی اور پولیس تم لوگوں کو تلاش کرے گی
ا قبیلہ لے کر نہیں چھپ سکتے ہو۔''
اپنی بات پوری کر کے مجھے احساس ہوا کہ میں نے جھک ماری تھی وہ میری بات نہیں سن رہے تھے بلکہ مہرو
وہر کو شہلا کو کھینچ کر لے جاتے دیکھ رہے تھے اور اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ شہلا چلا رہی تھی اور
چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مہرو کے شوہر نے اسے نیچے گرا دیا اور قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ بے
میری دشمن تھی اور کوئی پاکباز عورت بھی نہیں تھی کہ اسے آبرو کا خوف ہوتا لیکن اسے یوں سرِعام زیادتی کا
بنایا جانا میری برداشت سے باہر تھا۔ میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا تھا کہ عقب سے کوئی چیز میرے سر
رائی اور میں چکرا کر نیچے گر گیا۔ ضرب سخت تھی اور تاریکی میرے حواس پر طاری ہو رہی تھی۔ میری آنکھوں
امنے شہلا مزاحمت کر رہی تھی لیکن اس کی یہ مزاحمت زیادہ دیر جاری نہیں رہ سکتی تھی۔
اچانک ایک بڑی جیپ احاطے میں دیوانہ وار داخل ہوئی اور اس نے راہ میں آنے والوں کو دور اچھال
ن کی چیخیں بڑی بھیانک تھیں۔ جیپ کی آمد سے احاطے میں افراتفری پھیل گئی تھی اور لوگ جان بچانے
لیے اٹھ کر بھاگے۔ جیپ عین شہلا اور مہرو کے شوہر کے پاس رکی اور اس سے فتح خان کود کر نکلا۔ اس کے
ں سب مشین گن تھی۔ اس نے مشین گن کا رک بھاگنے والوں کی طرف کر کے ایک برسٹ مارا تھا۔ اسی
ری نظر جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ایک ہستی کی طرف گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہوا۔ شاید میں غلط دیکھ رہا
ں نے بے ساختہ اٹھنا چاہا مگر نہ اٹھ سکا اور تاریکی گہری ہوتی چلی گئی۔



میرے اوپر جیسے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے ان سے ہلکی ہلکی نمی پھوار کی طرح برس رہی تھی۔ میرے سر تلے شاید ریشم کا تکیہ تھا جس میں گلاب کے پھول بھرے تھے۔ ایسی خوشبو تھی جو رگ جاں میں اتری جا رہی تھی۔ میرے بالوں میں کوئی بہت نرم اور برقی رَو کی سی خاصیت رکھنے والی چیز سرسرا رہی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد سر میں درد محسوس ہوا تھا لیکن اس کیفیت نے درد بھلا دیا تھا۔ میں نہ جانے کتنی دیر اس کیفیت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر کسی کی ہلکی سی سسکی گونجی اور سسکی کے دوران کسی نے میرا نام لیا۔

''شہباز۔''

میں چونک کر ہوش میں آ گیا۔ تب میں نے سویرا کو دیکھا۔ اسی سویرا کو جو ہمیشہ مجھے اپنے وجود سے بہت پاس محسوس ہوئی لیکن عملاً ہمیشہ مجھ سے بہت دور رہی۔ کسی سراب کی طرح جو دکھائی تو دیتا ہے لیکن کوئی وجود نہیں رکھتا۔ پیاسا ہمیشہ سراب کی طرف دوڑتا ہے۔ مگر وہ پانی کے اس چشمے کو پا نہیں سکتا جو اسے اس کی خواہش دکھا رہی ہوتی۔ وہ ہمیشہ تشنہ اور ناکام رہتا ہے۔ سویرا کے معاملے میں مجھے یہی لگتا تھا کہ میں تشنہ اور ناکام رہوں گا۔ میں ہمیشہ اس سراب کے پیچھے بھاگتا رہوں گا اور میرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا لیکن پھر وقت بدلا۔ شاہد بھائی اس دنیا میں نہ رہے۔ سویرا کی ان سے بنی نہیں تھی دونوں ایک ایسے دریا کی طرح تھے جس کے کنارے کبھی آپس میں نہیں ملتے ہیں۔

بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے فتح خان کی گاڑی میں سویرا کو دیکھا تھا اور بے ہوش ہوتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ کہیں چوٹ کی وجہ سے میرا دماغ مجھے سراب تو نہیں دکھا رہا اور ہوش میں آنے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں اب بھی سراب دیکھ رہا ہوں۔ میرا سر سویرا کے زانوں پر تھا اور اس کی زلفیں مجھ پر سایہ فگن تھیں۔ برسنے والی نمی اس کی آنکھوں سے نکلے شفاف موتی تھے۔ میرے بالوں میں سرسراتی اس کی مومی انگلیاں اور اس کے وجود سے اٹھنے والی مہک میرے ہر درد اور ہر تکلیف کا علاج تھی۔ اس وقت میں نے شدت سے خواہش کی کہ اگر یہ سراب ہے تب بھی ہمیشہ جاری رہے میں ساری عمر اس کے پیچھے بھاگنے کو تیار تھا۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر سویرا نے پھر میرا نام لیا۔

''شہباز۔''

اس بار اس کے لہجے میں سسکی نہیں بلکہ خوشی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''سویرا یہ تم ہو؟''

''ہاں یہ میں ہوں۔'' اس کی آنکھیں پھر برسنے لگیں۔''خدا کا شکر ہے آپ کو ہوش آ گیا۔''

تو یہ سراب نہیں ہے۔ میں نے کسی قدر مایوسی سے سوچا۔ سویرا سچ مچ میرے پاس تھی۔ فتح خان اسے لینے گیا تھا اور شہلا اسی وجہ سے مجھے سرپرائز دینا چاہ رہی تھی۔ میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا کہ وہ سویرا کو بھی لا سکتے ہیں۔ پھر صورتِ حال کا احساس ہوتے ہی میں اٹھ بیٹھا اگرچہ مجھے سویرا سے دور ہونے کے لیے خود پر جبر کرنا پڑا۔ میں اور سویرا ایک اجنبی کمرے میں تھے۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ دیواروں پر جدید قسم کا میٹ فنش پینٹ تھا اور آتش دان کے اطراف میں پتھر نما ساخت سے آرائش کی گئی تھی جس پر پتھر کا تاثر دینے کے لیے سرخ رنگ بھی کیا گیا تھا۔ قالین پر چند عدد گاؤ تکیے تھے لیکن ان کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

''اب آپ کیسے ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے اپنا سر ٹٹولا جو ذرا سا پھٹ گیا تھا لیکن شاید خون صاف کر دیا گیا تھا اور زخم پر کسی مرہم کی ہلکی سی چکناہٹ تھی۔ مگر زخم سے زیادہ مجھے دوسری باتوں کی فکر تھی۔ سویرا معمولی سے لباس میں تھی اس نے کاٹن کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ''سویرا تم یہاں کیسے آئیں حویلی میں کیا ہوا ہے؟''

میں نہیں جانتی۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔ ''میں کل رات اپنے بستر پر سوئی تھی اور جب میری آنکھ کھلی تو میں بندھی حالت میں ایک گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں اور منہ بندھا ہوا تھا۔ میں آواز بھی نہیں نکال سکتی تھی۔''

میں اٹھ کر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرے کپڑوں میں سے جیکٹ غائب تھی اور میں صرف پینٹ اور شرٹ میں تھا لیکن آتش دان کی وجہ سے اندر کمرے میں مناسب گرمی تھی اور موسم اتنا سرد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ورنہ جنوری کا آخر بہت سخت ٹھنڈا ہوتا ہے اور اگر ہم کھلی جگہ ہوتے تو جم کر رہ جاتے۔ بیٹھ کر میں نے سویرا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور نرمی سے کہا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''پتا نہیں میں کتنی دیر بندھی رہی پھر ایک چھوٹے قد کے صورت سے خوفناک نظر آنے والے آدمی نے میرے ہاتھ پاؤں کھولے۔ اس نے میرا منہ بھی کھول دیا تھا لیکن دھمکی کہ اگر میں نے کوئی آواز نکالی تو وہ مجھے پھر باندھ دے گا اور دوبارہ نہیں کھولے گا۔''

میں سمجھ گیا وہ فتح خان کی بات کر رہی تھی۔ ''جب اس نے تمہیں کھولا تو اس وقت کہاں تھے؟''

''ایک ویران سڑک پر تھے اور دن کا وقت ہو گیا تھا شاید دوپہر کا وقت تھا۔''

فتح خان نے میری سب سے نازک رگ پر وار کیا تھا۔ سویرا میری محبت ہی نہیں عزت بھی تھی۔ یہ سوچ کر میرا خون کھولنے لگا تھا لیکن میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا۔ ''سویرا انہوں نے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں دی خدا کی قسم اگر انہوں نے ذرا سا بھی کچھ غلط......''

سویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''میں بالکل ٹھیک ہوں جسمانی طور پر انہوں نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ اس خوفناک آدمی کے ساتھ صرف ایک آدمی اور تھا جو گاڑی چلا رہا تھا۔ اس وقت تو میں ڈر گئی۔ نہ جانے وہ

میرے ساتھ کیا سلوک کریں میں ان کے رحم و کرم پر تھی لیکن انہوں نے میرے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا۔ بُری نظر سے بھی نہیں دیکھا۔''

سویرا کی وضاحت نے میرے اندر کی حدت کو کم کیا تھا لیکن فتح خان نے سویرا کو اٹھا کر مجھے براہِ راست للکارا تھا۔ اب تک میرے اور اس کے تعلقات نرم گرم سے تھے لیکن پہلی بار میں نے اسے ایسا دشمن محسوس کیا جسے میں قتل کر دینا چاہتا تھا۔ پہلے بھی وہ میرے خلاف کارروائیاں کرتا رہا تھا لیکن اس بار تو وہ حد سے گزر گیا تھا۔ مگر اس وقت میں خود کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے صورتِ حال جلد از جلد جان لینا چاہتا تھا۔

''سویرا اس کے بعد کیا ہوا؟''

''مجھے کھول کر انہوں نے پینے کے لیے جوس اور بسکٹ کے ڈبے بھی دیئے تھے لیکن میں کچھ کھا نہیں سکتی پیاس لگ رہی تھی اس لیے جوس لے لیا۔ یہ آگے روانہ ہو گئے۔ آپ جانتے ہیں مجھے راستوں کا زیادہ پتا نہیں چلتا ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ ہم میانوالی سے بہت دور نکل آئے ہیں اور پوٹھوہار کے علاقے میں سفر کر رہے ہیں۔ میں نے خوفناک آدمی سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور مجھے کہاں لے جا رہا ہے تو اس نے کہا کہ میں خاموش بیٹھوں ابھی سب سامنے آ جائے گا لیکن شہباز مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ عورت کی سب سے قیمتی چیز اس کی عزت ہوتی ہے اور عزت خطرے میں ہو تو جان قربان کر دینی چاہیے۔ مجھے خیال آیا کہ میں چلتی گاڑی سے کود جاؤں۔ مگر یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ میں پچھلی سیٹ پر اکیلی تھی اور جب میں نے دروازے کا ہینڈل دیکھنا چاہا تو وہ اپنی جگہ تھا ہی نہیں ان لوگوں نے دروازوں سے تمام چیزیں نکال لی تھیں اب یہ صرف باہر سے کھل سکتے تھے۔ کئی گھنٹے سفر کے بعد میں نے راولپنڈی کا شہر دیکھا میں یہاں شاہد کے ساتھ کئی بار آ چکی ہوں اس لیے پہچان لیا۔ جب گاڑی شہر پہنچی تو خوفناک آدمی کو موبائل پر کسی کی کال آئی اور کال سن کر اس نے ڈرائیور سے تیزی سے گاڑی چلانے کو کہا۔ میں نے محسوس کیا وہ پریشان ہو گیا تھا۔ شام ہو رہی تھی پھر سڑک کے کنارے انہوں نے گاڑی روک دی وہاں ایک جیپ میں کئی افراد اور بھی تھے۔ خوفناک آدمی اتر کر ان کے پاس چلا گیا اور وہ کچھ دیر بات کرتے رہے۔ مجھے خوف تھا شاید وہ میرے بارے میں بات کر رہے تھے۔ پھر وہ دونوں گاڑیوں میں سوار ہوئے۔ خوفناک آدمی میرے ساتھ پچھلے حصے میں آ گیا اور پھر گاڑیاں کچے میں سفر کرنے لگیں۔ اس نے دروازہ باہر سے کھولا تھا پھر اپنی جیب سے ہینڈل نکال کر اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر دیا۔

ہم جنگل کے درمیان میں اس مکان تک آئے تو وہاں بہت سارے لوگ جمع تھے۔ میں سمجھی کہ خوفناک آدمی کے ساتھی ہوں گے لیکن اس نے مجھ سے کہا۔ ''سر نیچے کر کے بیٹھو ابھی یہاں فائرنگ ہو گی۔''

میں نے ڈر کر سر نیچے کرنا چاہا تھا کہ میری نظر آپ پر پڑی اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔ خوفناک آدمی نے ٹھیک کہا تھا اس کے نیچے اترتے ہی بہت زور سے فائرنگ ہوئی تھی۔ وہ اور اس کے ساتھی وہاں موجود لوگوں پر فائر کر رہے تھے اور مجھے لگا جیسے وہ آپ پر بھی فائر کر دیں گے۔ ابھی اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا اس لیے میں گاڑی سے اتر آئی اور آپ کو.....'' سویرا بولتے بولتے رک گئی اس کے صبیح چہرے پر سرخی چھا گئی تھی۔

''کیا آپ کو؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ویسے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ میری حفاظت کے لیے اپنے نازک وجود سے میری ڈھال بن گئی ہو گی اور اب یہ بات مجھے بتاتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''میں آپ کو دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔''

سویرا صرف اپنے اور میرے بارے میں بتا رہی تھی۔ میرے بے ہوش ہونے کے بعد وہاں کیا ہوا یہ اس نے مجھے یاد کر کے بتایا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے حواس بھی گم ہو گئے تھے اور اسے اتنا یاد نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ خوفناک آدمی یعنی فتح خان اور اس کے چار پانچ مسلح ساتھی وہاں جمع لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے اور وہ لوگ بدحواسی میں فرار ہو رہے تھے لیکن کچھ دیر بعد جب فائرنگ تھمی تو وہاں چار پانچ افراد کے سوا کوئی نہیں تھا صرف ایک آدمی مارا گیا تھا اور یہ مہرو کا شوہر تھا جس نے شہلا کو پکڑ رکھا تھا۔ فتح خان یا اس کے کسی آدمی نے اسے مار دیا تھا۔ باقی افراد صرف زخمی تھے اور ان میں سے کوئی نہیں مرا تھا۔ صاف ظاہر تھا فتح خان اور اس کے آدمیوں نے خانہ بدوشوں پر ڈرانے کے لیے فائرنگ کی تھی اور ان کو وہاں سے بھگا دیا تا کہ وہ ان کے فرار کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

جیسے ہی خانہ بدوش اس مکان سے دور نکلے فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے اندر جا کر اپنا ضروری سامان سمیٹا جس میں سب سے اہم یقیناً وہ بریف کیس تھے جو ہم نے لاکر سے حاصل کیے تھے۔ دس منٹ بعد وہ وہاں سے نکل گئے تھے۔ اب ان کے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ شہلا، سویرا سمیت ایک گاڑی میں آئی مجھے اسی کے عقبی حصے میں ڈال دیا گیا تھا۔ فتح خان اور اس کا ساتھی ڈرائیور تھے۔ باقی لوگ دوسری گاڑی میں تھے۔ وہ وہاں سے نکلے اور مین روڈ تک آئے۔ سویرا نے بتایا کہ مین روڈ تک وہ آدھے گھنٹے میں پہنچے تھے یعنی جنگل والا مکان سڑک سے خاصے فاصلے پر تھا اور راستے میں سویرا نے کوئی آبادی نہیں دیکھی تھی۔ سڑک پر آنے کے بعد شہلا نے سویرا کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی تا کہ وہ راستہ نہ دیکھ سکے۔ جیپ کے شیشے سیاہ تھے اس لیے کوئی سویرا کی آنکھوں پر بندھی پٹی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد اس جگہ پہنچے۔ سویرا یہاں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی کیونکہ اس کی آنکھوں کی پٹی اسی جگہ آنے کے بعد کھلی تھی۔ البتہ اس نے ایک عجیب بات بتائی کہ جب اسے اندر لایا جا رہا تھا تو اس نے کسی عورت کے چلانے کی آواز سنی تھی۔ وہ شہلا نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ شہلا خود سویرا کو ہاتھ سے تھام کر اندر لا رہی تھی۔ یعنی اس جگہ کوئی اور عورت بھی تھی اور وہ ان لوگوں کی قیدی تھی ورنہ اسے چلانے کی کیا ضرورت تھی۔

سویرا کمزور عورت تھی لیکن مجھے دیکھ کر حوصلہ کر رہی تھی اور میں اسے دیکھ کر حوصلہ ہار رہا تھا۔ میں اکیلا تھا تو دشمن کا ہر ستم اور ہر اذیت سہہ سکتا تھا لیکن سویرا کی ذات کو ذرا سا بھی نقصان ہو یہ مجھے کسی صورت گوارا نہیں تھا اور شاید اسی وجہ سے فتح خان اسے یہاں لایا تھا وہ جانتا تھا کہ میں سویرا کے ہوتے ہوئے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ جو کام مرشد پوری کوشش کے باوجود نہیں کر سکا تھا وہ فتح خان کر گزرا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے کس طرح حویلی تک رسائی حاصل کی اور اندر گھس کر سویرا کو اٹھا لایا تھا۔ مجھے بابا اور ماں جی کی فکر ہو رہی تھی اور ان کے بارے میں مجھے فتح خان ہی بتا سکتا تھا۔ کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ سویرا پہلے ہی اسے دیکھ چکی تھی جو خیال مجھے آیا تھا وہی اس کے ذہن میں بھی تھا۔

''شہباز یہ حویلی میں کیسے آئے بابا نے اتنا سخت پہرہ لگوایا ہے اور خود بھی مسلح رہنے لگے ہیں۔ اندر داخل ہونے والے تمام دروازے وہ رات کو خود بند کر کے سوتے ہیں۔ مجھے...... ڈر لگ رہا ہے۔''

''اللہ پر بھروسہ رکھو'' میں نے اپنے خدشات کو پرے جھٹک کر کہا۔''وہ بہتر کرنے والا ہے۔ بابا اور ماں جی خیریت سے ہوں گے۔''

سویرا کو تسلی دیتے ہوئے میرے اندر مختلف خدشات سر سرا رہے تھے اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ دروازہ پیٹ کر فتح خان سے بات کروں۔ مگر میں خود پر قابو رکھے ہوئے تھا۔ اگر میں اپنا ضبط کھو دیتا تو سویرا بالکل حوصلہ چھوڑ دیتی۔ وہ دیسے ہی بہت ڈری ہوئی تھی۔ اگرچہ اسے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا لیکن اس نے پہلے اس قسم کے حالات بھی نہیں دیکھے تھے۔ اس لیے میں اسے تسلی دیتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ پُرسکون ہو گئی۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ خوفناک آدمی فتح خان تھا۔

''وہ فتح خان ہے۔'' سویرا نے حیرت سے کہا۔''میں تو سمجھی تھی یہ مرشد کے آدمی ہوں گے اور یہ سوچ کر ہی ہوش میں آنے کے بعد میری جان نکل گئی تھی۔''

''نہیں یہ فتح خان ہے اور اب یہ بھی مرشد کی طرح میرے پیچھے پڑ گیا۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔''کل تک سب ٹھیک تھا لیکن اب میں اور تم دشمن کی قید میں ہیں۔''

کمرے میں پانی کی ایک بوتل موجود تھی لیکن گلاس کوئی نہیں تھا اس لیے مجبوراً اس سے منہ لگا کر پینا پڑا۔ سویرا نے بتایا کہ مجھے کوئی چار گھنٹے بعد ہوش آیا تھا۔ یعنی رات کے نو یا دس بج رہے تھے۔ حالات کی سنگینی نے میری بھوک اُڑا دی تھی۔ حالانکہ میں نے صبح کا ناشتہ کیا ہوا تھا۔ سویرا کو بھوک لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مجھے معلوم تھا اس وقت اس کے سامنے کچھ آیا تب بھی وہ نہیں کھا سکے گی۔ حویلی میں ذرا سی ٹینشن میں اس کی بھوک مر جاتی تھی۔ خاص طور سے امتحان کے دنوں میں وہ بہت کم کھاتی تھی اور اسے کھلانے کے لیے ماں جی اور بابا کو باقاعدہ حکم دینا پڑتا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد سر میں اتنا درد نہیں تھا لیکن اٹھنے کے بعد اس میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے توجہ ہٹانے کے لیے میں سویرا سے بات کرنے لگا۔''ہمیں اس کمرے میں بند کرنے کے بعد کوئی یہاں آیا تھا؟''

سویرا چونک گئی۔''میں بتانا بھول گئی وہی عورت دوبارہ آئی تھی۔''

''اس کا نام شہلا ہے۔''

سویرا کے چہرے پر ناپسندیدہ تاثرات نمودار ہوئے۔''اسی نے آپ کے سر کا زخم صاف کر کے کوئی مرہم لگایا اور مجھ سے کہا۔ میں آپ کو اس کام کے لیے راضی کروں جو وہ آپ سے لینا چاہتے ہیں اس نے کہا اگر میں نے آپ کو راضی کر لیا تو وہ مجھے بغیر کسی تکلیف کے عزت کے ساتھ واپس حویلی پہنچا دیں گے ورنہ......''

''ورنہ کیا؟''

''یہ تو اس نے بھی نہیں بتایا۔'' وہ بولی۔''لیکن آپ جانتے ہیں وہ دشمن ہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔''ہاں وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اس نے اور کچھ کہا؟''

''ہاں جاتے جاتے اس نے عجیب سی بات کی تھی میری سمجھ میں نہیں آئی اس نے کہا آپ کو بتانا پیچھے سب خیریت ہے اور آپ پیچھے والوں کی فکر نہ کریں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا پیچھے والوں سے کیا مراد تھی؟ اس کا اشارہ میرے ساتھیوں کی طرف تھا تو مجھے ان کی

فکر نہیں تھی۔ فتح خان کو ان سے کوئی مطلب نہیں تھا خاص طور سے اس صورت میں جب کہ میں اس کے قبضے میں تھا۔ دوسرے میرے ساتھی تر نوالہ نہیں تھے جو آسانی سے اس کی کسی مکاری میں آ جاتے۔ تو کیا شہلا کا اشارہ مویلی کی طرف تھا؟ وہ سویرا کے توسط سے مجھے بتا رہا تھا کہ وہاں سب خیریت تھی اور اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ سوچنے پر بھی بات واضح نہیں ہوئی یہ معمہ فتح خان ہی حل کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ فتح خان سے بات کر لی جائے۔ میں اٹھا تو سویرا بے قرار ہو گئی۔

''آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں فتح خان سے بات کروں گا۔''

''وہ آپ سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟''

''تمہیں بتاؤں گا۔'' میں نے کہا اور دروازہ بجایا۔ ایک دفعہ بجانے پر کوئی ردِعمل نہیں ہوا لیکن دوسری بار بجانے پر شہلا کی آواز آئی۔

''کیا بات ہے شہباز؟''

''میں فتح خان سے ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''وہ خود بھی تم سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن ابھی یہاں نہیں ہے۔'' شہلا بولی۔ ''اس وقت تک تم آرام کرو اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو، کھانا ایک گھنٹے بعد ملے گا۔''

میں نے سر دبایا۔ ''اگر کافی کے ساتھ پین کلر مل جائے تو......''

''میں ابھی بھیجتی ہوں۔''

میں واپس آیا تو سویرا مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''لگتا ہے اس عورت سے آپ کی پرانی واقفیت ہے؟''

اس کے لہجے میں مخصوص نسوانی حسد نہیں تھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ ''ہاں یہ بھی میرے حریفوں میں سے ایک ہے اور دو دن پہلے یہ میری قید میں تھی لیکن قسمت کا پہیہ الٹ گیا اب میں اس کی قید میں ہوں۔''

سویرا کہتے ہوئے ہچکچائی۔ ''نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر مجھے لگتا ہے یہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔''

''یہ درست ہے کردار کے لحاظ سے یہ اچھی عورت نہیں ہے۔ مگر فی الحال اس جگہ یہی واحد شخصیت ہے جو میرے لیے نرم رویہ رکھتی ہے ورنہ فتح خان اور اس کے ساتھی بہت سفاک اور انسانیت سے عاری لوگ ہیں۔''

سویرا نے ایک بار پھر غور سے مجھے دیکھا۔ ''یہ نرم رویہ صرف آپ کے لیے ہے یا وہ دوسروں سے بھی اسی مہربانی سے پیش آتی ہے؟''

''کیا تم اس سے جیلس ہو رہی ہو۔'' میں مسکرایا۔ ''ویسے فکر مت کرو وہ ان چکروں میں پڑنے والی عورت نہیں ہے۔''

سویرا میری بات سے متفق نہیں تھی۔ ''وہ عورت ہے اور میں نے اسے کسی سے کہتے سنا تھا وہ آپ کے لیے فکر مند ہو رہی تھی۔''

''کیونکہ میں نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی اور اسی لیے سر پر چوٹ کھائی۔ اس لیے اس کی ہمدردی

امدی بات ہے۔"

سویرا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اسی لمحے دروازہ کھلا اور فتح خان کا ساتھی اندر آیا۔ یہ امیر مقام کے ساتھ ہوتا تھا لیکن اس کی جان بچ گئی تھی۔ اس نے ایک ٹرے دروازے کے پاس رکھی اور فوراً باہر جا کر دروازہ بند کر دیا۔ سویرا جا کر ٹرے اٹھالائی۔ اس میں دو کپ کافی تھی اور ساتھ میں پین کلر گولیوں کا ایک پتا تھا۔ میں نے دو گولیاں نکال کر پانی سے لیں اور پھر کافی پینے لگا۔ اس بات کا امکان تھا کہ کافی میں ایک بار مجھے اور سویرا کے بے ہوشی کی دوا دے دی جائے لیکن ہم مجبور تھے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ہم دھوکے سے بے ہوش نہ ہوتے تو شہلا اپنے آدمیوں کی مدد سے ہمیں گن پوائنٹ پر بھی کافی پینے پر مجبور کر سکتی تھی۔ سویرا نے پوچھا۔

"آپ نے اسے کیوں بچایا؟"

میں نے سویرا کو اس مکان پر پیش آنے والے واقعات سنائے۔ "شہلا برے کردار کی عورت سہی لیکن مجھ سے برداشت نہیں ہوا کہ اسے یوں سرِعام بے عزت کیا جائے یہ اصل میں اس کی نہیں بلکہ عورت کی تذلیل ہوتی۔ اس لیے میں نے اسے بچانے کی کوشش کی اور سر پر چوٹ کھائی۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا۔" سویرا کی آنکھیں چمکنے لگیں ان میں فخر آ گیا تھا۔ "تو اس لیے آپ کے ساتھ نرم رویہ رکھ رہی ہے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "بالکل ورنہ اسے کم مت سمجھو یہ فتح خان سے کم سفاک نہیں ہے اس کے ایک آدمی کو اس نے ہاتھ سے گلا گھونٹ کر مارا تھا۔"

سویرا دہشت زدہ گئی۔ "اپنے ہاتھ سے؟"

میں بھول گیا تھا کہ سویرا ایک عام سی لڑکی تھی جس نے کبھی قتل و غارت گری نہیں دیکھی اور نہ ہی اس بارے میں بات کی۔ وہ سچ مچ ڈر گئی تھی۔ "ہاں اپنے ہاتھ سے۔"

"لیکن کیوں یہ تو فتح خان کی ساتھی ہے؟"

"اب ہے اُس وقت ان دونوں میں بھی دشمنی تھی۔"

"آپ کی بات سن کر مجھے اس عورت سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

"تمہیں اس سے یا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے جب تک میں زندہ اور تمہارے ساتھ ہوں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ "شہباز آپ نہیں جانتے آپ کا تصور ہی مجھے تحفظ کا احساس دیتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ خود کو ہمیشہ محفوظ محسوس کرتی ہوں۔"

پین کلر اور کافی نے حیرت انگیز اثر کیا تھا اور سر کا درد دس منٹ میں اتنا کم ہو گیا تھا کہ اب توجہ نہیں کھینچ رہا تھا۔ اب میں بہتر طور پر سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ یہ کمرہ بتا رہا تھا کہ ہم کسی باقاعدہ گھر میں تھے اور یہ گھر شاید کسی آبادی میں تھا کیونکہ یہاں بجلی تھی۔ یعنی یہ جگہ فتح خان کے باقاعدہ ٹھکانوں میں سے تھی۔ شاید ہمیں یہاں چھوڑ کر وہ کسی ضروری کام سے کہیں گیا تھا ورنہ شہلا نے بتایا تھا کہ وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ ظاہر ہے وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سویرا کو یہاں دیکھ کر میرا کیا ردِعمل تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اس نے ایک بڑی کامیابی

حاصل کر لی تھی اور اب وہ مجھ پر حاوی ہو سکتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد شہلا کھانا لے آئی۔ اس بار وہ خود ٹرے لے کر آئی تھی اور فتح خان کا ساتھی کمرے کے باہر موجود تھا۔ شہلا نے دروازہ بند کیا اور کھانے کی ٹرے قالین پر رکھتے ہوئے بولی۔ ''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بہتر ہے کافی اور پین کلر کا شکریہ۔'' میں نے جواب دیا۔

''شکریے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''شہباز مجھے اعتراف ہے تم دشمن ہو لیکن بہت اعلیٰ ظرف ہو۔ تم نے ہمیں نقصان دیئے بغیر موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور جب وہ خبیث مجھے لے جا رہا تھا تو تم نے مجھے بچانے کی کوشش بھی کی۔ درحقیقت میں تمہاری شکر گزار ہوں۔''

''ہاں اس کا ایک عملی اظہار تو میں دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے سویرا کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم لوگوں کا شکریہ سانپ سے مختلف نہیں ہوتا ہے۔ جس کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہو اسے ڈس لیتے ہو۔''

شہلا کا چہرہ معمولی سا سرخ ہوا تھا۔ ''تم جانتے ہو یہ فتح خان کا کام ہے؟''

مجھے غصہ آنے لگا تھا۔ ''اور تم اس کی ساتھی ہو اس لیے برابر کی شریک ہو۔ شہلا مہربانی کر کے مجھے بے وقوف بنانے کے بجائے کھل کر بات کرو۔ تم لوگوں سے اچھا تو مرشد ہے جو اپنی دشمنی کو کسی منافقت کے پردے میں نہیں چھپاتا ہے۔''

شہلا ہچکچائی۔ ''درحقیقت مجھے بھی یہ سب اچھا نہیں لگ رہا ہے لیکن تم نے ٹھیک کہا ہے میں فتح خان کی ساتھی ہوں اور اس کی بات ماننے پر مجبور ہوں لیکن اس سے ہٹ کر مجھ سے تمہارے لیے جو ہو سکا وہ میں کروں گی۔''

''تم میرے لیے گزشتہ دو دن سے جو کر رہی ہو اس کے لیے میں پہلے ہی تمہارا شکریہ ادا کر چکا ہوں۔'' میں نے ٹرے کی طرف دیکھا تو وہ سمجھ گئی۔

''فکر مت کرو اس بار کھانے میں کوئی دوا شامل نہیں ہے۔''

''اگر ہوئی بھی تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ سویرا بالکل خاموش بیٹھی تھی اس نے گفتگو سے گریز کیا۔ ''یہ بتاؤ کہ میرے بے ہوش ہونے کے بعد کیا ہوا تھا؟''

اس بار شہلا مسکرائی۔ ''ہم نے تمہیں بڑی مشکل سے ان کی گرفت سے نکالا تھا۔'' اس نے سویرا کی طرف دیکھا۔ ''یہ سمجھ رہی تھی کہ شاید ہم تمہیں مارنا چاہتے ہیں۔''

سویرا کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے مجھے ڈھکے چھپے انداز میں بتایا تھا لیکن شہلا نے کھل کر کہہ دیا کہ وہ میری ڈھال بن گئی تھی۔ سویرا کی جھینپ محسوس کرتے ہوئے میں نے شہلا کو ٹوک دیا۔ ''کام کی بات کرو۔''

''کام کی بات کچھ نہیں ہے۔ فتح خان نے اس حرامزادے کو شوٹ کر دیا جو فائرنگ میں بھی مجھ سے چمٹا ہوا تھا۔ بس وہی ایک مارا گیا۔ کچھ زخمی ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے فتح خان نے جان بوجھ کر ان لوگوں کو مارنے سے گریز کیا تھا ورنہ اس کے ساتھیوں کے پاس اتنا اسلحہ تھا کہ خانہ بدوشوں میں سے ایک بھی بچ کر نہ جاتا۔ پھر ہم نے اپنا سامان سمیٹا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔''

''سامان میں سلور رنگ کا بریف کیس بھی شامل ہوگا۔''

''آں......ہاں، تم کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔
''شہلا اس وقت ہم سے کچھ نہیں کھایا جائے گا۔ فتح خان سویرا کو حویلی سے سوتے میں اٹھا لایا ہے۔ بے شک اس نے سویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے لیکن مجھے حویلی والوں کی فکر ہے وہاں میرے ماں باپ بھی ہیں۔''
''سویرا نے بتایا ہو گا میں نے کہا تھا کہ پیچھے والوں کی فکر نہ کرو وہ بالکل محفوظ ہیں۔ تفصیل تو فتح خان ہی بتائے گا لیکن اس کا کہنا ہے کہ حویلی میں کسی معمولی سی چیز کا بھی نقصان نہیں ہوا ہے اور سب محفوظ ہے۔''
''میں اس حویلی کی عزت ہوں۔'' سویرا پہلی بار بولی اور تلخ لہجے میں بولی۔ ''اگر میں ہی وہاں نہیں ہوں گی تو کیا اس سے حویلی کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔''
شہلا نے تحمل سے جواب دیا۔ ''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی ہوں مجھے فتح خان نے جو بتایا ہے وہ میں نے تم کو بتا دیا ہے باقی وہ خود آ کر بتائے گا۔''
''فتح خان کہاں گیا ہے؟''
''وہ دوبارہ خانہ بدوشوں کی طرف گیا ہے تاکہ ان کو پولیس کچہری سے روک سکے۔ ان کا بندہ مارا گیا ہے اور فتح خان کا ساتھی بھی مارا گیا ہے۔''
''فتح خان کو کیا خوف ہے پولیس کا؟''
''پولیس کا تو خوف نہیں ہے لیکن میرے خیال میں وہ ٹھکانہ فتح خان کے لیے اہم ہے اور وہ اسے ضائع ہونے سے بچانا چاہتا ہے۔''
''وہ خانہ بدوشوں کے ساتھ مذاکرات کرے گا؟''
''شاید وہ دھمکی اور لالچ دے کر انہیں وہاں سے بھگانے کی کوشش کرے گا۔'' شہلا بولی۔ ''میرا خیال ہے اب تمہاری تسلی ہو گئی ہے۔ تم کھانا کھاؤ اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لینا۔'' شہلا بولی اور کھڑی ہو گئی۔ اس وقت اس نے شریفانہ قسم کا لباس پہن رکھا تھا۔ کسی قدر ڈھیلے اونی ٹراؤزر کے ساتھ ڈھیلی ہائی نیک اور پوری آستین کی گرم جرسی پہن رکھی تھی۔ میں نے دل میں شکر ادا کیا کہ وہ واہیات ڈریسنگ میں نہیں تھی ورنہ سویرا ضرور برا محسوس کرتی۔ مگر وہ اس وقت بھی برا محسوس کر رہی تھی کیونکہ اس نے شہلا کے جاتے ہی مجھ سے کہا۔
''آپ نے دیکھا کتنی بے ہودہ عورت ہے کس انداز میں بیٹھی تھی۔''
میں نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ شہلا کس انداز میں بیٹھی تھی۔ اس لیے سویرا کی تائید کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سویرا بدستور غصے میں تھی اور میں نے بمشکل سمجھا بجھا کر اسے کھانے پر آمادہ کیا۔ حالات سے قطع نظر کھاتے پیتے رہنا ضروری تھا۔ تاکہ توانائی برقرار رہے۔ سویرا نے کم کھایا لیکن کھا لیا اور میں نے اپنا پیٹ بھر لیا۔ شہلا نے یہ تصدیق تو کر دی تھی کہ حویلی میں کسی کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ سویرا جس طرح سوتے میں بے خبر ہو گئی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ فتح خان نے بے ہوش کرنے والی کوئی چیز استعمال کی تھی۔ ایک یہی صورت تھی کہ وہ کسی کو بھی نقصان پہنچائے بغیر سویرا کو وہاں سے نکال لانے میں کامیاب ہو ورنہ یہ کام تو خون خرابے کے بعد ہی ممکن تھا۔ کچھ دیر بعد شہلا چائے لے کر آئی اور ٹرے لے جانے لگی تو سویرا نے اسے اشارے سے روکا اور اس کے پاس جا

کر آہستہ سے کچھ کہا۔ شاید وہ واش روم جانا چاہتی تھی۔ شہلا نے کہا۔

''دومنٹ رک جاؤ میں آ کر تمہیں لے جاتی ہوں جب تک چائے لے لو۔''

شہلا کچھ دیر بعد آ کر سویرا کو ساتھ لے گئی۔ واپسی میں وہ دو عدد کمبل بھی لے آئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ نصف رات ہو چکی ہے۔ فتح خان اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ سویرا تھک گئی تھی وہ لیٹ گئی۔ شروع میں وہ خوف زدہ تھی اور مجھے پاس پا کر اس نے اطمینان محسوس کیا تھا لیکن اب وہ جھجک رہی تھی کہ میرے ساتھ ایک ہی کمرے میں تھی۔ یہ مجبوری تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''سویرا سونے کی کوشش کرو، اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا اس لیے پریشان ہو کر جاگنے اور فکر کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

''ان حالات میں نیند کیسے آئے گی؟''

''آ جائے گی۔'' میں نے اصرار کیا۔ ''تم سونے کی شعوری کوشش کرو۔''

سویرا لیٹ گئی۔ اس نے کمبل اوڑھ لیا تھا۔ یہ غیر ملکی کمبل بہت ہلکے اور اعلیٰ درجے کے تھے۔ بالکل نئے تھے اور ان سے بھینی سی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ میں بھی کمبل اوڑھ کر تکیہ دیوار سے لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ سویرا مجھ سے کچھ دور تھی۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد اس کی سانسوں میں ایک مخصوص ہمواری آ گئی جو نیند کی نشانی تھی۔ وہ سو چکی تھی۔ میری آنکھوں کی نیند بدستور غائب تھی کیونکہ مجھے ہر گزرتے لمحے زیادہ شدت سے فتح خان کا انتظار ہو رہا تھا۔ باہر خاموشی تھی۔ ایک بار میں نے دروازے کے پاس جا کر خاصی دیر تک سن گن لی تھی لیکن خاصی دیر تک کان لگانے کے باوجود کوئی ایسی آواز سننے میں ناکام رہا تھا جس سے اندازہ ہوتا کہ یہ جگہ کہاں ہے۔ کسی آبادی میں ہے یا ویرانے میں۔ آبادی میں گاڑیاں اور ان کا شور لازمی ہوتا ہے۔ جب کہ ویرانوں میں پرندوں اور جانوروں کے بولنے کی آوازیں آتی ہیں لیکن یہاں ایسی کوئی آواز نہیں تھی۔ مکمل سناٹا تھا۔



میں آ کر لیٹا، نہ جانے کتنی دیر بعد مجھے باہر ہلکی آوازوں کا احساس ہوا اور میں جلدی سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا۔ کان لگانے پر محسوس ہوا کہ کئی افراد بول رہے تھے لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ شاید فتح خان واپس آ گیا تھا۔ میرا دل چاہا کہ دروازہ پیٹوں لیکن سویرا کی نیند میں خلل کا سوچ کر باز رہا۔ اگر فتح خان آیا تھا تو وہ یقیناً اس بات کی پروا کیے بغیر مجھے بلا لیتا کہ میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔ میرا اندازہ درست نکلا کیونکہ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور فتح خان کے ساتھی نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ امیر مقام کا ساتھی تھا۔ اس نے آواز نہیں نکالی تھی اس لیے میں بھی خاموشی سے باہر آ گیا۔ وہ اکیلا تھا اور اس نے شاٹ گن تھام رکھی تھی میرے باہر آتے ہی وہ چند قدم پیچھے چلا گیا اور بولا۔ ''دروازہ باہر سے بند کر دو۔''

اس جدید ساخت کے لکڑی سے بنے دروازے پر باہر انتہائی قدیم ساخت کی کنڈی تھی۔ میں نے کنڈی چڑھا دی۔ ''اور بولو؟''

''چلو ادھر۔'' اس نے راہداری کے سرے کی طرف اشارہ کیا۔ اس مختصر سی راہداری میں آمنے سامنے دو کمرے تھے اور تیسرا دروازہ شاید باہر جانے کے لیے تھا اور فتح خان کے آدمی نے اسی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ جگہ اس مکان میں بالکل اندر کر کے تھی اسی وجہ سے یہاں کوئی آواز نہیں آ رہی تھی لیکن کمروں میں ہوا کی آمد و رفت کا

کوئی نظام تھا اس لیے گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ راہداری سے بھی لگا کہ یہ کوئی با قاعدہ پلاننگ سے بنایا ہوا مکان تھا۔ فرش ماربل کا تھا اور دیواروں پر میٹ فنش پینٹ تھا۔ دروازے اعلیٰ درجے کے دیودار کی لکڑی سے بنے تھے۔ باہر سے ٹھوس تختوں پر اخروٹ کی لکڑی سے منقش کام کیا ہوا تھا۔

میں راہداری سے باہر آیا تو یہ ایک چھوٹا سا ہال ثابت ہوا اس کے ایک طرف کھڑکی تھی جس پر بھاری پردے تھے اور دوسری طرف ایک دروازہ تھا۔ ہال خالی تھا اور اس کا فرش بھی چمک دار ماربل کا تھا۔ ہال کا دروازہ ایک شاندار قسم کی نشست گاہ میں کھلا جس میں بہترین قسم کا لکڑی کا فرنیچر تھا۔ شاہانہ قسم کے صوفے۔ گلاس ٹاپ میزیں اور چاروں طرف دیواروں اور ریکس پر سجا قیمتی آرائشی سامان تھا۔ فرنیچر اخروٹ کی لکڑی کا تھا۔ دبیز فوم پر اعلیٰ درجے کا مخمل چڑھا ہوا تھا۔ ایک طرف بڑے اسٹائلش قسم کے آتشدان میں لکڑیوں کی آگ بھڑک رہی تھی اور اسی وجہ سے یہاں اطمینان بخش حرارت تھی۔ ایک صوفے پر فتح خان براجمان تھا اور اس کے ہاتھ میں ام الخبائث کا بھرا ہوا گلاس تھا۔ خلاف توقع چہرے سے وہ فکر مند ہی لگ رہا تھا جب کہ میرا خیال تھا اس نے مجھے ذلیل کرنے کے لیے بلایا ہوگا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا۔

''شہباز مجھے پتا ہے تم اس وقت میرے کو قتل کرنا چاہتا ہے۔''

''چلو تم نے میرے بارے میں ایک درست اندازہ تو لگایا۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''بس مجھے موقع ملنے دو اس وقت میں مجبور ہوں۔''

''بکواس بند کرو خانہ خراب۔'' امیر مقام مرحوم کا ساتھی عقب سے غرایا۔ وہ موت سے بال بال بچا تھا ورنہ اس کی نیت بھی مہرو پر خراب تھی اور اگر شہلا تہہ خانے کے دروازے پر تالا نہ لگاتی تو وہ بھی مہرو پر دست درازی کر کے اپنی موت پر مہر ثبت کر لیتا۔ مگر اس وقت وہ دوبارہ طرم خان بن رہا تھا۔ ''خان کے سامنے تمیز سے بات کرو۔''

''فتح خان اگر تمہارے اس پلے نے ہی بھونکنا ہے جو زبردست دیکھتے ہی دم ہلانے لگتا ہے اور صرف نہتے لوگوں پر بھونک سکتا ہے تو تم سے بات کرنا بیکار ہے۔''

اس سے پہلے وہ مزید غراتا فتح خان نے پشتو میں اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے وہاں سے دفع ہو جانے کا حکم دیا اور وہ کان دبا کر رخصت ہو گیا تو فتح خان نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''بیٹھو شہباز خان۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''فتح خان تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے تم نے میری غیرت کو کس طرح للکارا ہے۔ اگر حالات کے سرد و گرم نے میرے اعصاب کو پختہ نہ کیا ہوتا تو اس وقت میں تمہیں دیکھتے ہی قتل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس لیے تم مجھے اپنا ایسا دشمن سمجھو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا۔ میرا تعلق بھی ایک قبائلی معاشرے سے ہے ہم اپنے حریف کے ساتھ تو بیٹھ سکتے ہیں لیکن عزت پر ہاتھ ڈالنے والے دشمن کے ساتھ نہیں۔''

فتح خان نے میری بات پر پہلو بدلا اور اس کے چہرے کا رنگ بھی بدلا تھا لیکن اس نے زبان پر قابو رکھا اور پہلے والے نرم لہجے میں کہا۔ ''شہباز مجھے اعتراف ہے میں نے ٹھیک نہیں کیا ہے لیکن اگر میں کہے کہ تمہارا منگیتر کو یہاں لا کر میں نے اچھا کیا ہے تو تم کبھی نہیں مانے گا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ظاہر ہے، تمہاری اس گپ پر میں کبھی یقین نہیں کروں گا۔ بھیڑیا کبھی بھیڑ کی حفاظت

نہیں کرتا ہے۔"

"پر یہ سچ ہے۔ اگر میں اسے حویلی سے نہ لاتا تو مرشد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔"

مرشد کے نام نے مجھے چونکا دیا۔ "مرشد......اس کا کیا مقصد تھا؟"

"وہ اپنے بھائی کی ضد پر سویرا کو اغوا کرنے کی فکر میں تھا۔ اگر میں سویرا کو وہاں سے نہ لاتا تو وہ اب تک یہ کام کر چکا ہوتا۔"

مجھے لگا کہ فتح خان میرے آتشِ غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے گویا صرف مرشد کو ناکام بنانے کے لیے سویرا کو پہلے اغوا کر لیا۔ "فتح خان تم مجھے احمق سمجھتے ہو میں مر کر بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتا۔ تم نے صرف مجھے مجبور کرنے کے لیے یہ کام کیا ہے اور یقین کرو مجھے جب موقع ملا میں تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا میری ماضی کی مروت کو اب بھول جاؤ۔"

اس نے سر ہلایا۔ "میں جانتا ہے، ٹھیک ہے تم یقین مت کرو لیکن میں نے اس لیے بھی یہ کام کیا ہے کہ تم میرا کام کرو۔ اگر مرشد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تم یقیناً اپنے حواس کھو دیتا اور اسے مارنے کی کوشش میں خود مارا جاتا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ مرشد حویلی کو مکمل طور پر برباد کر دینا چاہتا ہے۔" میں نے بہ ظاہر طنز کیا لیکن میرے اندر ایک فکر سی سر اٹھانے لگی تھی۔

"بالکل اس کا منصوبہ تھا کہ وہ حویلی پر حملہ کرا کے سویرا کو اٹھوا لیتا اور تمہارے ماں باپ کو قتل کرا دیتا اور حویلی کو بم سے اُڑا دیتا اگر وہ ایسا کرتا تو تم کیا کرتا؟"

"وہی جو تم نے کہا ہے میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر اسے مارنے کی کوشش کرتا لیکن میرا نہیں خیال کہ مرشد اتنا بے وقوف ہے۔"

"وہ بے وقوف نہیں لیکن مجبور ہے۔ اس کے اپنے خاندان میں اس کا کوئی مخالف پیدا ہو گیا ہے اور ان کا کوشش ہے کہ نادر کو گدی پر بٹھا دے۔ مرشد بڑا حصہ خود کھا رہا ہے اور دوسروں کو کم دیتا ہے۔ وہ کسی کے قابو میں نہیں ہے۔ نادر معذور آدمی ہے اگر وہ پیر بن گیا تو وہ ان لوگوں کے قابو میں رہے گا۔ ان لوگوں سے بچانے کے لیے اس نے نادر کو الگ رکھا ہے اور اس کا ہر جائز ناجائز بات مانتا ہے۔"

میں چونکا فتح خان کی بات اس حد تک درست تھی کہ مرشد نے نادر کو مرشد ہاؤس سے ہٹا کر اسلام آباد کی ایک کوٹھی میں رکھا ہوا تھا۔ اگر چہ مجھے اب بھی فتح خان کی بات پر یقین نہیں تھا لیکن نادر اسی غلیظ ذہنیت کا آدمی تھا۔ ریڑھ کی ہڈی میں لگنے والی گولی نے اسے جسمانی طور پر مفلوج کر دیا تھا لیکن اس حالت میں بھی وہ اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لیے نت نئے طریقے اختیار کر رہا تھا۔ فاضلی کے ساتھ آنے والی کال گرل نے اس کے بارے میں ڈھکے چھپے انداز میں بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ بالکل ایسا سوچ سکتا تھا اور اگر فتح خان کی بات درست تھی تو اس بار آزاد ہوتے ہی میں نادر کا حساب برابر کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے خیال تھا کہ مرشد خود بھی اپنے بھائی سے چھٹکارے کا خواہاں تھا کیونکہ وہ اس کے لیے دن بہ دن مصیبت اور بدنامی کا باعث بنتا جا رہا تھا۔

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا ہے؟"

''مرشد کے آدمیوں میں کئی میرے لیے مخبری کرتا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں سب پتا ہوتا ہے۔'' فتح خان نے چالاکی سے کہا۔ ''تبھی تو میں اس کا فیکٹری اور جانوروں کا فارم تباہ کرنے میں کامیاب رہا۔''

''شہلا نے مجھے بتایا ہے کہ حویلی اور میرے گھر والوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے لیکن مجھے اس کی بات کا یقین نہیں ہے۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تم حویلی کی عزت کو اٹھا لاؤ اور کوئی تمہارا راستہ نہ روکے۔''

''میرے کو معلوم تھا تم یہ ضرور پوچھے گا۔'' اس نے اطمینان سے کہا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا چمکیلا سلینڈر نکالا۔ ''اس میں بے ہوشی کا گیس بھرا ہے۔ یہ سلینڈر پوری حویلی کے لیے کافی تھا۔ پہلے میرے آدمیوں نے گارڈز کو بے ہوشی والا بلٹ مارا اور پھر ان کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔ پھر حویلی میں گیس چھوڑ دیا اندر سب بے ہوش ہو گیا۔''

''بکواس اتنی بڑی حویلی میں گیس ہر جگہ نہیں جا سکتی ہے۔''

''جا سکتا ہے۔'' اس نے سکون سے کہا۔ ''میں نے طریقہ ہی ایسا استعمال کیا تھا۔ مین سوئچ سے حویلی میں وائرنگ لے جانے والے کنسیلڈ پائپ کو استعمال کیا اور اس سے گیس سلینڈر لگا کر کھول دیا۔ وائرنگ والے پائپ سے گیس ہر جگہ پہنچ گیا اور ہم آرام سے اندر جا کر سویرا کو لے آیا اور تم فکر مت کرو ہم تمہارے باپ کے سرہانے ایک پرچہ بھی رکھ آیا تھا۔ اس میں اسے بتایا کہ اس کا بہو بالکل محفوظ ہے اور وہ بلا وجہ شور کر کے اپنا عزت خود خراب نہ کرے۔ امید ہے وہ ایسا ہی کرے گا۔''

مجھے بھی یہی خیال تھا کہ فتح خان نے کسی طریقے سے حویلی والوں کو بے ہوش کر کے اپنا کام نکالا تھا لیکن گیس کے استعمال کی بات نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ مجھے اس قسم کی گیسوں کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ اس قسم کی گیسز ایک خاص مقدار سے زیادہ ہوں تو آدمی کی موت کا سبب بھی بن جاتی ہیں اور بوڑھوں بچوں پر یہ زیادہ اثر کرتی ہیں۔ میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ حویلی میں سب ٹھیک ہے۔''

''تم یقین کر سکتا ہے۔'' فتح خان نے کہا اور میرا موبائل نکال کر اس پر کوئی نمبر ملایا اور موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ ''بیل جا رہا ہے بات کرو۔''

میں نے موبائل لے کر دیکھا۔ فتح خان نے حویلی کا نمبر ملا دیا تھا۔ بیل جا رہی تھی۔ چند لمحے بعد بابا نے ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو کون بات کر رہا ہے۔'' ان کی آواز میں بے تابی تھی۔

''بابا۔'' میری آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ ''میں ہوں...... نا خلف...... جس کی وجہ سے...... حویلی پر آفتیں آ رہی ہیں۔''

''شہباز۔'' بابا نے اضطراب سے کہا۔ ''کہاں ہو تم، میں سارا دن تم سے رابطے کی کوشش کرتا رہا۔ تمہارے ساتھیوں سے پتا چلا ہے کہ تم غائب ہو۔''

''میں فتح خان کی قید میں ہوں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ......''

''جی بابا مجھے معلوم ہے سویرا یہیں ہے میرے پاس اور وہ بھی قید ہے لیکن وہ محفوظ ہے۔''

بابا نے شاید بہت دیر بعد سکون کا سانس لیا تھا وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گئے پھر انہوں نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''شہباز بیٹے تم نہیں جانتے آج کا دن میں نے اور تمہاری ماں نے کس طرح مر مر کر گزارا ہے۔''

''مجھے اندازہ ہے بابا لیکن میں مجبور تھا اب بھی مجبور ہوں۔ مگر آپ سویرا کے لیے فکر مند نہ ہوں اور نہ ہی اس بارے میں کسی کو بتائیں۔ آپا اور شمی کو بھی نہیں۔ گارڈز کو علم ہے؟''

''نہیں ان کو نہیں بتایا ہے۔ بس شجاع کو اطلاع دی ہے۔''

''بس تو اسے چھپا کر رکھیں اللہ نے چاہا تو میں سویرا کو لے کر آؤں گا۔''

''شہباز......'' بابا نے کہنا چاہا لیکن اسی لمحے لائن کٹ گئی۔

''ہیلو......ہیلو۔'' میں نے تیز آواز میں کہا تو فتح خان مسکرانے لگا۔

''شاید بیلنس ختم ہو گیا ہے۔ اب موبائل ادھر دے دو۔''

میں نے اسے گھورا اس نے یقیناً موبائل میں اتنا ہی بیلنس چھوڑا ہو گا کہ میں چند منٹ سے زیادہ بات نہ کر سکوں۔ مجھے غصہ آنے لگا تھا۔ ''اگر میں نہ دوں تو......؟''

اس نے صوفے کے برابر میں رکھے کشن کے نیچے سے پستول نکال لیا۔ ''شہباز خان فتح خان سے مذاق مت کیا کرو ہم مذاق سمجھتا ہی نہیں ہے شاباش لاؤ ادھر دو موبائل۔''

''میں مذاق کر بھی نہیں رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس سے پہلے کہ فتح خان کچھ کہتا میں موبائل کو آتش دان میں پھینک چکا تھا۔ بھڑکتے شعلوں سے اسے نکالنا ممکن نہیں تھا۔ یہ دھات اور پلاسٹک سے بنا ہوا تھا آگ نے ایک منٹ سے بھی پہلے اسے تباہ کر دیا ہو گا۔ فتح خان اچھل پڑا تھا۔

''یہ کیا کیا تم نے؟''

''وہی جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔'' اس کا ردِ عمل دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ یقیناً موبائل کی تباہی سے اسے تکلیف ہوئی تھی۔ اس میں اس کا کوئی مفاد ہو گا۔ ''میں نے تم سے کہا ہے نا اب تم مجھ سے ذرا بھی رعایت کی امید مت رکھو۔''

فتح خان کا موڈ خراب ہو گیا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''تب تم کو بھی رعایت نہیں ملے گا۔''

''فتح خان مجھے دھمکی مت دو کیونکہ میں نے کبھی تم سے اچھے رویے کی امید نہیں رکھی ہے۔''

''ابھی تم نے فتح خان کو جانا نہیں ہے اگر جان جاتا تو تم کو پتا ہوتا میں تمہارے ساتھ بہت مہربان ہے۔''

''اپنی مہربانی اپنے پاس رکھو۔'' میں نے منہ بنا کر کہا۔

''ضرور۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''ضرور اپنے پاس رکھے گا...... امید خان۔'' وہ دھاڑا۔ فوراً ہی وہ آدمی اندر آیا جو مجھے کمرے سے لایا تھا اس کا نام امید خان تھا۔ اس نے مستعدی سے کہا۔

''حکم خان۔''

''اسے لے جاؤ۔'' فتح خان بولا اور پھر مجھ سے کہا۔ ''شہباز خان جلد تم کو پتا چل جائے گا کہ فتح خان کی مہربانی کیا ہوتی ہے، اب تم شکایت نہیں کرے گا۔''

''میں دشمن سے شکایت کا قائل نہیں ہوں۔ اگر میرا داؤ چل جائے تو تم بھی برا مت منانا۔ ویسے اگر کچھ

پوچھنا چاہوں تو بتاؤ گے؟"

مجھے لگا کہ فتح خان انکار کر دے گا لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا شاید وہ میرا سوال سننا چاہتا تھا۔

"بولو؟"

"تم خانہ بدوشوں کی طرف کیوں گئے تھے؟"

"ان سے تصفیے کے لیے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن وہ وہاں سے غائب ہیں۔"

"اتنی جلدی۔" میں حیران ہوا۔ "میرا تو خیال ہے وہ ابھی اسی علاقے میں ہوں گے۔"

"نہیں ہیں میرے ساتھیوں نے چاروں طرف میلوں دیکھا پر ان کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔"

"ان کے ساتھ سامان ہوتا ہے، مویشی اور دوسرے جانور ہوتے ہیں وہ دیکھتے ہی دیکھتے نہیں غائب ہو سکتے میرا خیال ہے تم مجھے بتانا نہیں چاہتے ہو۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں تم ان خانہ بدوشوں کو نہیں جانتے ہو۔ جس کے دشمن بن جائیں اس کا نسلوں تک پیچھا کرتے ہیں۔ ان کا آپس میں رابطہ ہوتا ہے اور ان کے سفر کے علاقے میں کوئی شخص ان کی نظروں سے بچ نہیں سکتا۔ اسی لیے میں ان سے صلح کرنے گیا تھا۔ لاکھ دو لاکھ ان کے سردار کو دیتا تو وہ خود معاملہ سیٹ کر لیتا۔ پر وہ لوگ ملا ہی نہیں۔"

"کیا وہ لوگ جن بھوت ہیں جو اس طرح غائب ہو گئے؟"

"اوہ نہیں شہباز خانا۔" فتح خان نے بے زاری سے کہا۔ "یہ لوگ بہت چالاک ہوتا ہے۔ خود کچے علاقوں میں سفر کرتا ہے لیکن ان کے پاس ٹرک ہوتا ہے جو آس پاس کا سڑک پر ہوتا ہے۔ جیسے ہی یہ بھاگنا چاہتا ہے۔ اپنا ٹرک منگواتا ہے۔ سامان اور لوگوں کو اس میں بھرتا ہے۔ کچھ جانور لے کر پیدل بھاگتا ہے۔ جو جانور بھاگ نہیں سکتا اسے بھی ٹرک میں بٹھا لیتا ہے۔ ایک رات میں سو دو سو میل دور چلا جاتا ہے اب آدمی کیسے تلاش کرے اور کہاں تلاش کرے۔ وہ کسی طرف بھی جا سکتا ہے۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا میں نے بھی خانہ بدوشوں کے بارے میں اس قسم کی باتیں سنی تھیں۔ اس گفتگو کے دوران امید خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا اور وہ بار بار عقب سے شاٹ گن کی نال میری کمر میں چبھو رہا تھا۔ اگرچہ فتح خان کی باتوں میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ وہ ان کی دشمنی کے بارے میں بھی ٹھیک کہہ رہا تھا ایک بار یہ خانہ بدوش جس کے دشمن ہو جائیں اس کا قبر تک پیچھا کرتے تھے۔ مگر فتح خان ڈرنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ فتح خان مجھ سے کوئی بات چھپا رہا تھا کوئی ایسی بات جس کا مجھ سے تعلق ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلے میں اس سے مزید کوئی سوال کرتا وہ کھڑا ہو گیا۔

"اسے لے جاؤ۔"

امید خان مجھے لے کر کمرے تک آیا۔ نشست گاہ بھی ایک بند کمرہ تھا اور اس سے بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ جگہ کہاں ہو سکتی تھی۔ سناٹا بدستور حاوی تھا۔ اگر یہاں فتح خان کے کچھ ساتھی موجود تھے تو وہ کہیں دور تھے یا سو رہے تھے۔ امید خان نے کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر آیا تو سویرا بدستور کمبل میں لیٹی سو رہی تھی۔ اس نے کمبل سر تک لے رکھا تھا۔ میرے اندر آتے ہی امید خان نے دروازہ باہر سے

بند کر دیا۔ کنڈی لگنے کی آواز آئی اور وہ وہاں سے چلا گیا۔ سردی کا احساس کسی قدر بڑھا تھا کیونکہ آتش دان میں آگ کم ہو رہی تھی اور لکڑی جل کر انگاروں میں تبدیل ہو رہی تھی۔ میں نے کمبل لے کر لیٹ گیا۔ فی الحال میرے پاس سونے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ سویرا سو رہی تھی اس کی ہلکی سانسوں کی آواز مجھ تک آ رہی تھی۔ میں لیٹا اور کچھ دیر بعد غنودگی میں تھا کہ اچانک مجھے سویرا کی کراہ سنائی دی۔ میں چونک گیا تھا۔ اس کی طرف دیکھا لیکن وہ بدستور کمبل میں ساکت تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اس کی کراہ مجھے سچ مچ سنائی دی تھی یا یہ نیند کا دھوکا تھا۔ چند لمحے تک جب کوئی آواز نہیں آئی تو میں دوبارہ لیٹ گیا اور اسی لمحے سویرا پھر کراہی بلکہ اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''نہیں چھوڑ دے میرے کو۔''

اس بار میں اٹھا نہیں تھا اچھل پڑا تھا کیونکہ وہ آواز سویرا کی نہیں تھی میں نے جھپٹ کر اس پر سے کمبل اٹھایا اور دوسری بار زیادہ اچھلا تھا کیونکہ کمبل تلے خانہ بدوش لڑکی مہرو تھی۔ وہی مہرو جو امیر مقام کی ہوس کا نشانہ بنی تھی اور پھر اس کے شوہر نے انتقاماً امیر مقام کا گلا دبا کر اسے ہلاک کر دیا تھا۔ وہی مہرو اس وقت کمبل تلے اس حال میں تھی اس کا رہا سہا لباس بھی چیتھڑوں میں بدل گیا تھا اور پہلے اگر چند خراشیں تھیں تو اب اس کے شفاف جلد درجنوں خراشوں سے بھری ہوئی تھی۔ چہرے اور جسم پر جا بجا نیل اور دانتوں سے بھنبھوڑنے کے نشانات تھے۔ ایک آنکھ کسی قدر سوج گئی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس بار وہ ایک نہیں کئی درندوں کی ہوس کا نشانہ بنی تھی۔ سویرا نے مجھے کسی عورت کے بارے میں بتایا تھا اس نے اس کے چلانے کی آواز سنی تھی۔ وہ عورت یقیناً مہرو تھی لیکن مہرو یہاں تھی تو سویرا کہاں تھی؟

اس سوال نے مجھ میں بجلی بھر دی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے فتح خان نے مجھے دھمکی دی تھی کہ جلد مجھے پتا چل جائے کہ اس کی نامہربانی کیا ہوتی ہے اور مجھے پتا چل گیا تھا۔ میں دروازے کی طرف جھپٹا اور اسے پیٹنے لگا۔ ساتھ ہی میں چلا چلا کر فتح خان کو گالیوں دے رہا تھا۔ ایک منٹ بعد فتح خان کی مسرور آواز سنائی دی۔ ''شہباز خان کیوں اپنی توانائی ضائع کرتا ہے؟''

''فتح خان۔'' میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''اگر سویرا کو خراش بھی آئی تو......''

''تو تم توپ لا کر ہم کو اُڑا دے گا۔'' اس کی آواز میں طنز آ گیا۔ ''تم کیوں عقل کا بات نہیں کرتا ہے۔ تم جانتا ہے کہ فتح خان اچھا آدمی نہیں ہے وہ اپنے مفاد کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن لگتا ہے تم نے فتح خان کو اہمیت نہیں دیا۔ اب تم کو پتا چل گیا ہوگا کہ فتح خان کیا کر سکتا ہے۔''

اس کی بات نے مجھے ٹھنڈا کر دیا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ میں فتح خان جیسے شاطر دشمن کے سامنے بہت کمزور کارکردگی پیش کر رہا تھا۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''فتح خان سویرا کہاں ہے؟''

''وہ محفوظ ہے ابھی شہلا کے ساتھ ہے۔'' وہ بولا۔ ''لیکن میرے پاس کچھ دوسرا لوگ بھی ہے جو عورت کا کیا حشر کرتا ہے یہ تم نے دیکھ لیا ہوگا۔''

''فتح خان اس طرح عورتوں پر ظلم کرنے والے میرے نزدیک زنخوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''تمہارے آدمیوں کی جرأت تو میں دیکھ چکا ہوں جب خانہ بدوشوں کو دیکھتے ہی انہوں نے

کتے کی طرح دم دبا کر ہتھیار رکھ دیئے تھے۔ یہ صرف عورتوں پر اپنی مردانگی دکھا سکتے ہیں۔"

"شہباز خان کام کا بات کرو۔" اس نے بور ہونے والے انداز میں کہا۔" میں تم سے کام کا بات کرنا چاہتا ہے اور تم اِدھر اُدھر کا بات شروع کر دیتا ہے۔"

میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا۔ وہ برٹ شا کے ہیروں کے پیچھے پاگل ہو رہا تھا اور ہر قیمت پر انہیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ میری مدد چاہتا تھا۔ شاید اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جس کام میں، مَیں ہاتھ ڈالتا ہوں وہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ خود میری ناکامیوں کا سبب اور کئی کا گواہ تھا۔ تازہ کیس چینی بریف کیس کا تھا جسے میں تمام تر پلاننگ کے باوجود حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ نہ جانے کس بنا پر ایسا سمجھ رہا تھا کہ میں جو کام کرنا چاہوں وہ کسی نہ کسی طرح ہو جاتا ہے۔ میں نے سوچ کر کہا۔

"فتح خان میں تم سے تعاون کرنے کو تیار ہوں لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ ہیرے مل جائیں گے تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس مربع میل پر پھیلی وادی میں انہیں تلاش کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔"

"شہباز خان تم کو یہ کام کرنا ہی ہوگا۔" فتح خان کا لہجہ بدل گیا۔"اور تم بھول رہا ہے ضمانت میرے پاس ہے۔"

وہ سویرا کو ضمانت قرار دے رہا تھا یعنی اگر میں ہیرے تلاش کرنے میں ناکام رہتا تو اس کی سزا سویرا کو ملتی۔"فتح خان تم پاگل ہو گئے ہو ایک ناممکن کام کے لیے ایک شخص کو زبردستی مجبور کر رہے ہو۔ سویرا کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ہیرے تلاش کرنا اتنا آسان ہوتا تو یہ اب تک تمہیں مل چکے ہوتے۔ تم خود بھی تو سالوں سے انہیں تلاش کر رہے ہو۔"

"تم فکر مت کرو میں پاگل نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے تم ہیرے تلاش کر سکتا ہے۔ سویرا سے تمہارا تعلق ہے اگر تم ناکام رہا تو سزا اس کو ملے گا اور پتا ہے میں کیا کرے گا؟"

وہ شاید اس سلوک کی دھمکی دے رہا تھا جو اس کے آدمی مہرو کے ساتھ کر چکے تھے۔"فتح خان تم کیا کرو گے؟"

"میں سویرا کو مرشد کے حوالے کر دوں گا۔" اس قطعی لہجے میں کہا۔

میں دہل کر رہ گیا تھا۔"تم ایسا نہیں کر سکتے ہو؟"

"میں ایسا ہی کرے گا۔" وہ بولا۔"سویرا اب ادھر نہیں ہے۔ وہ شہلا کے ساتھ ایک اور جگہ جا چکا ہے۔ اب تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلد میں تم کو اُدھر لے جائے گا اور پھر تم کو مہلت دے گا اگر تم نے مہلت میں ہیرا تلاش کر لیا تو میں سویرا کو واپس حویلی پہنچا دے گا ورنہ......"

اس ورنہ سے آگے جو تھا وہ بہت خوفناک تھا لیکن یہ حقیقت بھی تھا فتح خان مذاق کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا۔"فرض کرو میں ایسا ہی کرتا ہوں جیسا تم چاہتے ہو لیکن تمام تر کوشش کے باوجود میں ہیرے تلاش کرنے میں ناکام رہتا ہوں تب بھی تم سویرا کو مرشد کے حوالے کر دو گے؟"

"مجھے ہیرے چاہئیں۔" اس نے کہا۔"تم ہیرے لاؤ اور سویرا کو لے جاؤ اس کے سوا کوئی دوسرا بات

نہیں ہوسکتا ہے۔"

"فتح خان......"

"اب تم آرام کرو اور سوچو تمہارے پاس کل تک کا مہلت ہے۔"

"فتح خان میری بات سنو اس عورت کے لیے کپڑے دو۔" میں نے چلا کر کہا لیکن فتح خان قہقہہ لگاتا ہوا جا چکا تھا۔ اس کے آدمیوں نے اس بے بس عورت سے امیر مقام کا انتقام لیا تھا۔ بلکہ انتقام کیا لیا تھا ایک طرف انہوں نے اپنی ہوس پوری کرلی اور دوسری طرف مجھے دھمکانے کا بندوبست کر دیا کہ میں نے فتح خان کی بات نہ مانی تو سویرا کے ساتھ کیا ہوسکتا ہے۔ اگرچہ فتح خان نے اپنے آدمیوں کے حوالے سے دھمکی نہیں دی تھی بلکہ اسے مرشد کے حوالے کرنے کو کہا تھا۔ مگر اس صورت میں سویرا کو کہیں سنگین صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ مرشد سے زیادہ نادر خطرناک تھا۔ مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے اس دنیا میں شاید ہی کوئی اتنی نفرت کرتا ہوگا جتنی کہ نادر کرتا تھا اور اگر میرا کوئی پیارا اس کے ہاتھ آجاتا تو وہ اس کے لیے اذیت کا ہر ممکن سامان کر دیتا۔



فتح خان کے جانے کے بعد میں نے مہرو کی طرف دیکھا تو اسے ہوش میں پایا وہ کمبل میں دبکی ہوئی خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں پہلے بھی اسے دیکھ چکا تھا اس وقت وہ امیر مقام کی درندگی کا شکار ہونے کے باوجود ایک حوصلہ مند اور نڈر عورت نظر آئی تھی لیکن اس بار اس کی شخصیت کچل کر رہ گئی تھی۔ اس کی ساری بہادری اور حوصلہ رخصت ہو گیا تھا اور وہ بے بسی اور بے چارگی کی تصویر نظر آ رہی تھی۔ ہوش میں ہونے کے باوجود اس کے حواس پوری طرح بحال نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے میری اور فتح خان کی گفتگو سننے کے باوجود وہ مجھ سے خوف زدہ تھی اور شاید اس کا خیال تھا کہ اسے ہوش میں دیکھ کر میں بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کروں گا۔ جو شاید یہاں آتے ہی اس کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ اس کا اعتبار ختم ہو گیا تھا اور وہ ہر مرد کو ایسا ہی سمجھ رہی تھی۔

میرا خون کھولنے لگا تھا۔ فتح خان کے بارے میں میرا نرم تاثر اِس ایک دن میں تباہ ہو کر رہ گیا تھا۔ اگرچہ اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے شہلا کے ساتھ بھی تقریباً یہی سلوک کیا تھا لیکن ایک تو وہ خود آزاد خیال عورت تھی اور دوسرے اس نے خود اپنی عزت کے لٹیروں سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔ اس لیے میں نے زیادہ دخل اندازی سے گریز کیا تھا ویسے بھی میں خدائی فوج دار نہیں ہوں جو ہر معاملے میں ٹانگ اڑاؤں۔ مگر اس عورت سے کیے جانے والے بہیمانہ سلوک نے میرے اندر فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے لیے ذرا سا بھی نرم گوشہ ختم کر دیا تھا۔ خانہ بدوش کیسے ہی سہی انہوں نے امیر مقام سے بالکل ٹھیک سلوک کیا تھا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میرا سلوک بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

مہرو بہت خوف زدہ تھی۔ اس لیے میں نے اس کے قریب جانے سے گریز کیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کا خوف کم ہو جائے۔ اس لیے میں دروازے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے نرمی سے کہا۔ "مہرو تمہیں یاد ہے اس مکان میں جہاں تمہیں قید کیا گیا تھا وہاں میں بھی ان لوگوں کی قید میں تھا۔"

اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی وہ یک ٹک مجھے دیکھ رہی تھی لیکن میں آہستہ آہستہ بولتا رہا۔ اس کے بارے میں بتایا جب امیر مقام اسے پکڑ کر لایا تھا۔ پھر جب اس کے قبیلے والے مکان میں گھس آئے اور

انہوں نے اسے تلاش کرلیا۔ مہرو کے شوہر نے امیر مقام کا گلا گھونٹ کر اپنا انتقام لے لیا تھا اور وہ مزید انتقام کے چکر میں پڑنے کے بجائے اپنا راستہ لیتا تو اس انجام سے بچ جاتا جو اسے فتح خان کے ہاتھ سے نصیب ہوا تھا۔ شہلا کے چکر میں وہ اپنی جان سے گیا تھا۔ شوہر کا ذکر آنے پر مہرو کے تاثرات ذرا بدلے تھے۔ میں نے کہا۔

''میں بے ہوش ہو گیا تھا لیکن مجھے بعد میں بتایا کہ تمہارے شوہر کو فتح خان نے گولی ماردی تھی۔ تم وہاں تھیں تم نے تو دیکھا ہوگا۔''

اس بات پر مہرو کی آنکھیں بھر آئیں اور پھر وہ رونے لگی۔ شروع میں وہ آہستہ آواز میں رو رہی تھی لیکن پھر اس نے بلند آواز سے دھاڑیں مار کر روتے ہوئے اپنے شوہر اور اپنی عزت کا بَین کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اس کے رونے دھونے میں مداخلت نہیں کی۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے دل کی بھڑاس نکل جائے اور وہ مجھ پر کسی حد تک اعتماد کرنے لگے تب میں اس سے بات کروں۔ وہ ہوش میں یہاں آئی تھی اس لیے اس نے بہت کچھ دیکھا ہوگا۔ اسے علم ہوگا کہ یہ جگہ کیسی ہے اور فتح خان کے کتنے ساتھی یہاں ہیں۔ وہ دیر تک روتی رہی۔ پھر اس کی دھاڑیں سسکیوں میں بدل گئیں اور رفتہ رفتہ وہ بھی رکنے لگیں۔ اس موقع پر میں نے ذرا آگے آ کر پانی کی بوتل اس کی طرف سرکائی اور نرمی سے کہا۔

''پانی پی لو۔''

''مجھ کو نہیں پینا۔'' اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''مجھے مر جانے دو۔''

''تمہارے مرنے سے کسی کا نقصان نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہارے شوہر کے قاتل اور تمہاری عزت کے لٹیرے خوش ہوں گے کہ تم سے جان چھوٹ گئی وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم مر جاؤ۔''

''تب مجھے مار کیوں نہیں دیا۔'' وہ پھر رونے لگی۔ ''ایسا کیوں کیا میرے ساتھ۔''

''کیونکہ یہ انسان کے روپ میں درندے ہیں تمہارے شوہر نے ان کے ایک ساتھی کو مارا تھا اب یہ اس کا انتقام تم سے لے رہے ہیں۔''

''راجو نے ٹھیک کیا۔'' وہ تڑپ کر بولی اور پھر راجو کا نام لے کر بَین کرنے لگی۔ اگرچہ وہ اس سے عمر میں خاصا بڑا تھا اور صورت کا بھی خاص نہیں تھا لیکن وہ اس سے یقیناً محبت کرتی تھی ورنہ اس کے مرنے کا اس طرح غم نہ کرتی۔ ویسے وہ اپنے لوگوں میں نہیں تھی کہ دکھاوے کے لیے ہی روتی دھوتی۔ یہاں اسے دکھاوے کی مجبوری نہیں تھی۔ میں نے اس بار بھی مداخلت نہیں کی۔ اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرتا رہا اور جب اس کی سسکیاں مدہم پڑ گئیں تو میں نے پانی گلاس میں ڈال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس بار اس نے انکار نہیں کیا اور پانی پی لیا۔ پانی پی کر وہ پُرسکون اور کسی قدر پہلے والی حوصلہ مند مہرو نظر آنے لگی۔

''تم اپنے شوہر کے قاتلوں اور اپنی عزت کے لٹیروں سے بدلہ لینا چاہتی ہو۔'' میں نے آہستہ سے کہا تو وہ ایک بار پھر تڑپ گئی تھی اس نے چلا کر کہا۔

''ہاں میں ان کو اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے کرنا چاہتی ہوں۔''

''تب تمہیں حوصلہ کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''خود پر قابو پاؤ اور موقع کا انتظار کرو یقین کرو تم کو ایک موقع ضرور ملے گا اور تب تم ان لوگوں سے انتقام لے سکو گی لیکن شرط یہ ہے تم خود پر قابو رکھو اور جیسا میں کہوں ویسا

کرتی رہو۔"

"میں کیا کروں؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔ "میں ان سب کتوں کو اپنے ہاتھ سے مارنا چاہتی ہوں۔

"پہلے تو اپنی آواز آہستہ کرو اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا تو تمہارا انتقام یہیں ختم ہو جائے گا اس لیے پہلے ان لوگوں کو فریب دو۔ دھوکے میں رکھو۔ یہ بتاؤ تمہیں اسلحہ چلانا آتا ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "ہاں راجو نے میرے کو پستول اور بندوق چلانا سکھایا ہے۔"

"دیکھو مہرو اگر تم انتقام لینا چاہتی ہو تو پہلے ان لوگوں کو دھوکے میں رکھنا ہوگا۔ ایک بار یہ تمہیں کمزور عورت سمجھ کر دھوکے میں آ گئے تو تم ان سے انتقام لے سکتی ہو۔ یہ سارے چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں اور ان کے پاس اسلحہ بھی ہوتا ہے لیکن اندر سے یہ بزدل ہیں۔ تم ان کا سامنا کر چکی ہو اور ان کے بارے میں جانتی ہو۔"

اس کے چہرے پر نفرت اور انتقام کی سرخی پھیل گئی تھی اس نے بلا تکلف قالین پر تھوکا اور بولی۔ "اس سور ما کو دیکھا تھا جس نے میری عزت لوٹی تھی جب راجو اس کا گلا دبا رہا تھا تو کیسے بھیک مانگ رہا تھا۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ میں نے اس کی تائید کی۔ "تم نے ٹھیک کہا ہے یہ سب ایسے ہی بزدل ہیں۔ ایک کمزور عورت پر ظلم کرنے والے دنیا کے سب سے بزدل ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کو مارنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا بس اس کے لیے ذرا ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"میں سب کروں گی۔" اس نے جوش سے کہا۔ "ان کتوں سے بدلہ لینے کے لیے مجھے ان کے پاس جانا پڑا تو میں جاؤں گی۔"

دراصل میں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ اس عورت کو یہاں صرف مجھے دھمکانے کے لیے لائے تھے اور وہ زیادہ دیر اسے یہاں نہیں رکھیں گے۔ وہ اسے دوبارہ لے جائیں گے اور اس وقت تک اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہیں گے جب تک وہ مر نہیں جاتی۔ وہ اسے زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ فتح خان کی صلح کے لیے خانہ بدوش قبیلے کے پیچھے جانے والی بات بھی مجھے دھوکا لگ رہی تھی اگر اس نے ان لوگوں سے صلح کرنی ہوتی تو مہرو کو اغوا کرنے کے بعد اس سلوک کا نشانہ نہ بناتے بلکہ اسے خانہ بدوشوں پر دباؤ کے لیے استعمال کرتے۔ فتح خان اگر واپس اس طرف گیا تھا تو اس کی وجہ کچھ اور ہو سکتی تھی وہ ہرگز نہیں جو وہ بیان کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے مجھے مہرو کی صورت میں ایک فرد مل گیا تھا جو میری معلومات میں اضافہ کر سکتا تھا۔

"مہرو میرے کچھ سوالوں کا جواب خوب سوچ سمجھ کر اور یاد کر کے دینا فوراً مت دینا اس سے بھی ہمیں ان لوگوں سے انتقام لینے میں مدد ملے گی میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

اس نے سر ہلایا۔ "ہاں میں سمجھ گئی۔"

وہ اٹھ بیٹھی تھی اور اس نے اس دوران میں بوتل سے کئی بار پانی پیا تھا وہ شدید پیاسی تھی۔ ایک تو اس کے ساتھ کیا جانے والا سلوک اور پھر اسے پانی بھی نہیں دیا گیا ہوگا۔ ورنہ اس موسم میں اتنی پیاس نہیں لگتی ہے۔ اپنے چیتھڑے لباس سے جھانکتے جسم کو اس نے کمبل میں چھپا لیا تھا۔ اس کا مخصوص اعتماد بحال ہو گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تم نے دیکھا یہ جگہ کہاں ہے جہاں اس وقت ہم قید ہیں؟''

اس نے سوچا اور پھر بولی۔ ''یہ مجھے گاڑی میں نیچے لٹا کر لائے تھے اور راستے میں بھی مجھے نوچتے کھسوٹتے رہے تھے۔ میں نہیں دیکھ سکی کہ کدھر لائے ہیں۔ پر جب یہ مجھے اندر لا رہے تھے تو میں نے دیکھا تھا۔ باہر سے یہ بہت بڑا مکان ہے بہت بڑا کھلا حصہ ہے۔''

مہرو کا مطلب تھا کہ یہ بڑی سی کوٹھی ہے۔ ''کھلے حصے میں پھول پودے اور گھاس لگی ہے، کچا ہے یا جھاڑ جھنکاڑ ہے؟''

''گھاس پھول والے پودے لگے ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''باہر بھی ماربل پتھر لگا ہے۔ بہت خوبصورت لگا رہا ہے۔''

''اندر سے کیسا ہے یہ مکان؟''

''محل جیسا۔'' وہ بولی۔ ''پر یہ میرے کو ایک گندے سے کمرے میں لے گئے تھے اور وہاں......'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ میں سمجھ گیا۔

''ٹھیک ہے اسے چھوڑو، یہ بتاؤ کہ کتنے آدمی ہیں یہاں؟''

''چار تو تیری والی گاڑی میں تھے۔''

''میرے اور ایک لڑکی کے علاوہ؟''

''نہیں تم دونوں کے ساتھ، وہ لڑکی کون ہے؟''

''میری ساتھی ہے، کچھ دیر پہلے وہ اسی کمبل میں سو رہی تھی لیکن یہ مجھے باہر لے گئے اور اسے کہیں اور بھیج دیا ہے۔''

''کہیں اس گندے کمرے میں نہ لے گئے ہوں۔'' اس نے بے ساختہ کہا تو میرے جسم میں سرد سی لہر دوڑ گئی تھی۔

''نہیں۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''فتح خان اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں کر سکتا ہے۔ یہ بہت گندے لوگ ہیں۔''

''نہیں کر سکتا۔'' اس بار میں بولا تو میری آواز میں غراہٹ تھی۔ ''وہ مجھے جانتا ہے۔''

میری غراہٹ نے مہرو کو سہما دیا تھا اس نے پھر اصرار نہیں کیا۔ یقین کے باوجود مہرو کی بات نے کچھ دیر کے لیے میرے خیالات کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ میں فی الحال سویرا کے بارے نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ اس لیے خیالات کو دوبارہ جمع کرنے میں کچھ وقت لگا تھا۔ میں نے کہا۔ ''دوسری گاڑی میں تمہارے ساتھ کتنے آدمی تھے؟''

''چار۔'' وہ بولی۔ ''وہی کتے مجھے اندر لے گئے تھے۔ ہاں ان کے ساتھ وہ عورت بھی تھی۔'' اس کا اشارہ یقیناً شہلا کی طرف تھا۔

گویا فتح خان سمیت یہاں اس کے پانچ ساتھی تھے اگر شہلا اور سویرا کو لے جانے کے لیے ایک دو افراد ساتھ تھے تو یہاں موجود افراد کی تعداد چار یا پانچ رہ گئی تھی۔ اگرچہ اس کا امکان کم تھا کہ مہرو جیسی کمزور عورت ان

اور بدمعاشوں کے خلاف کچھ کر سکے لیکن میں کوشش تو کر سکتا تھا بعض اوقات کمزور نظر آنے والی چیونٹی ہاتھی جیسے دیو قامت جانور کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ ایسے ہی مہرو بھی شاید ان لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا سبب بن جاتی۔ اگر مہرو کامیاب بھی ہو جاتی تو اس سے مجھے شاید کوئی فائدہ نہ ہوتا کیونکہ سویرا بدستور فتح خان کے قبضے میں رہتی لیکن ممکن ہے چند ساتھی کم ہونے سے فتح خان کمزور پڑ جاتا اور مجھے اس کے خلاف موقع مل جاتا۔ میں نے پوچھا۔

''ان کے پاس کس قسم کا اسلحہ ہے تم نے دیکھا ہوگا؟''

اس نے سوچا اور پھر بغیر نام کے مجھے اسلحے کی جو تفصیل بتائی اس کے مطابق ان لوگوں کے پاس خودکار رائفلیں تھیں۔ یہ شاید جدید ساخت کی کلاشنکوف اے کے چوہتر تھیں جن کا شمار دنیا کی بہترین اسالٹ رائفلوں میں ہوتا ہے۔ چھوٹی ہونے کے باوجود ان کی حد مار اور درستگی اے کے سینتالیس سے کہیں بہتر ہے۔ اس کے علاوہ شاٹ گنز تھیں اور شاید پستول بھی تھے۔ مہرو کے لیے سب سے آسان اور بہترین ہتھیار رائفل ہو سکتی تھی کیونکہ یہ استعمال میں آسان ہوتی ہے اور اس کا ایک ہی برسٹ کئی افراد کو دوسری دنیا کی سیر کرانے کے لیے کافی ثابت ہو سکتا ہے۔ میں نے یادداشت کی مدد سے مہرو کو اس رائفل کا ممکنہ استعمال بتایا۔ اس کے سیفٹی لاک اور اسے کھولنے کے طریقے کے بارے میں سمجھایا۔ وہ غور سے میری بات سن رہی تھی۔ کئی بار سمجھانے پر اس نے سر ہلایا۔

''میں سمجھ گئی۔''

پھر اس نے خود مجھے بتایا کہ یہ رائفل کیسے استعمال کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی وہ اتنی آسانی سے میرے منصوبے سے متفق ہو گئی تھی اور اب ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے بے چین تھی۔ وہ مضبوط اعصاب کی باہمت عورت تھی۔ اس نے مختصر سے وقت میں جو دیکھا اور سہا تھا وہ ہر عورت کے بس کی بات نہیں ہوتی ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو اب تک پاگل ہو گئی ہوتی یا جان دے چکی ہوتی۔ انتقام لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر وہ خانہ بدوش تھی اور یہ لوگ سخت جان ہونے کے ساتھ زندگی اور موت کے بارے میں منطقی رویہ رکھتے ہیں۔ خوشی اور غم کا احساس مختصر وقت کے لیے ہی ان پر غلبہ پاتا ہے۔ کسی بھی جذبے کو زیادہ دیر خود پر طاری نہیں رکھتے ہیں اور جلد معمول پر آ جاتے ہیں۔ اس نے کل سے کچھ نہیں کھایا تھا اور ان لوگوں نے اسے نچوڑ لیا تھا۔ اس کے چہرے سے نقاہت جھلکنے لگی تھی۔ صرف پانی پی کر اس نے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''اب تم لیٹ جاؤ اور یوں ظاہر کرو کہ بہت کمزور اور ہوش میں نہیں ہو۔''

وہ سچ مچ آرام کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ اس لیے لیٹ گئی۔ میں کمبل لپیٹ کر دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ اب مجھے انتظار تھا فتح خان یا اس کے آدمیوں کا جو مہرو کو یہاں سے لے جاتے۔ جب تک میں اس سے بات کر رہا تھا مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن جب وہ لیٹ گئی تو مجھے ندامت ہونے لگی میں اس مظلوم عورت کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ اگر وہ وہی کرتی جو میں نے اسے سمجھایا تھا تو اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ممکن ہے وہ فتح خان کے دو تین ساتھیوں کو مار دیتی لیکن ساتھ ہی وہ خود بھی ماری جاتی لیکن اس کا بچنا ویسے بھی ممکن نہیں تھا۔ فتح خان شاید مجھے عبرت دلانے کے لیے اسے ساتھ لایا تھا اور اس سے یہ کام لے لیا تھا اس لیے اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ فتح خان جیسے لوگ بلا وجہ کا بوجھ نہیں اٹھاتے ہیں وہ اسے ختم

کر کے کہیں دفنا دیتا اور اس کے قبیلے والوں کو کبھی اس کے انجام کا پتا نہیں چلتا۔ پھر بھی مجھے ایک عورت کو اس طرح استعمال کرتے ہوئے ندامت ہو رہی تھی۔

اس بند کمرے میں وقت کا پتا نہیں چل رہا تھا لیکن میرا اندازہ تھا کہ صبح قریب تھی۔ بیٹھے بیٹھے مجھے اونگھ آ گئی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور فتح خان کے دو آدمی اندر گھس آئے۔ جب کہ ایک آدمی باہر رہا تھا۔ میں نے ان کو پہلے بھی دیکھا تھا۔ میں چونکا تو ان میں سے ایک غرا کر بولا۔ ”خبردار اپنا جگہ بیٹھے رہو۔“

وہ مسلح تھے لیکن ان کی رائفلیں شانوں سے جھول رہی تھی البتہ باہر موجود آدمی پستول لیے ہوئے تھا اور پوری طرح چوکنا تھا اس نے پستول کا رخ میری طرف کر دیا۔ آنے والوں نے مہرو پر پڑا کمبل کھینچ کر ایک طرف پھینک دیا اور پھر اسے جان بوجھ کر یوں اٹھایا کہ سامنے سے اس کی قمیص جو پہلے ہی پھٹی ہوئی تھی کھل گئی۔ ان کی ہوسناک نظریں مہرو کے جسم پر رینگ رہی تھیں۔ دونوں نے اس کا ایک ایک بازو تھام رکھا تھا اور وہ یوں جھول رہی تھی جیسے نیم بے ہوش ہو۔ اس کی حالت دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا۔ اگر وہ سچ مچ اتنی بے حال تھی تو اس سے کسی کارروائی کی توقع فضول تھی اور اگر وہ اداکاری کر رہی تھی تو بہت اچھی اداکارہ تھی۔ میں نے کہا۔

”تم لوگوں نے اس کا یہ حال کر دیا ہے اب تو اس پر رحم کرو۔“

”رحم کرنے تو لے جا رہا ہے۔“ مجھے خبردار کرنے والے نے معنی خیز انداز میں کہا۔ پھر وہ مہرو کو کھینچتے ہوئے لے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ وہ معمولی سی مزاحمت کر رہی تھی اور اس کے منہ سے فریاد بھری آوازیں نکل رہی تھیں۔ فتح خان کے آدمیوں کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اسے گنے کی طرح نچوڑنے لے جا رہے تھے۔ جیسے گنا مشین والا گنے کو کئی بار مشین سے گزار کر اس کا سارا رس نکال لیتا ہے اور پھر بچ جانے والا پھوک پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح جب مہرو ایک بے جان جسم رہ جاتی تو اسے کہیں گاڑ دیتے۔ جب دروازہ کھلا تھا تو میری نظر سامنے والے کمرے کے دروازے پر گئی تھی اور جب وہ لوگ چلے گئے تو مجھے خیال آیا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد ایک چھوٹا ہال تھا اور اس کا ایک ہی دروازہ تھا اور یہ دروازہ نشست گاہ میں کھلتا تھا۔ اگر اس حصے میں آمد و رفت کا یہی راستہ تھا تو میں نے سویرا کو لے جاتے اور مہرو کو لاتے نہیں دیکھا تھا اس کے علاوہ یہی سامنے والے کمرہ باقی رہ جاتا تھا جہاں سے کسی کو لایا اور لے جایا جا سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کمرے میں باہر کا کوئی راستہ بھی تھا۔

آتشدان میں بیشتر لکڑی جل چکی تھی اور اب انگارے دہک رہے تھے صرف کناروں کی کچھ لکڑی بچی تھی۔ کمرے کا دروازہ اندر کی طرف کھلتا تھا اور اندر صرف ایک کچر لگا تھا۔ باہر کنڈی تھی جو اسکروز سے فٹ تھی لیکن یہ اسکروز اندر تک نہیں آئے تھے یعنی وہ لکڑی کے پار نہیں ہوئے تھے۔ یہ تقریباً دو انچ موٹا دروازہ تھا۔ جو ٹھوس لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اندر لگا کچر درمیان میں تھا جب کی باہر لگی کنڈی دروازے کے کسی قدر اوپری حصے میں تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال خاصی دیر سے تھا لیکن مجھے اسے عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں ملا تھا اور یہ موقع شاید اب آ گیا تھا۔

میں نے آتشدان میں جلنے سے بچ جانے والی ایک تقریباً دو فٹ لمبی لکڑی اٹھائی اس کا اگلا سرا کالا ہو رہا تھا اور انگاروں پر رکھنے سے اس نے ایک منٹ میں آگ پکڑ لی۔ یہ بالکل خشک لکڑی تھی اور بہت معمولی سا دھواں چھوڑ رہی تھی۔ میں لکڑی لے کر دروازے کے پاس آیا کچھ دیر باہر کی سن گن لیتا رہا لیکن باہر بالکل سناٹا

تھا۔تب میں نے لکڑی کا جلتا سرا دروازے کے اس حصے سے لگا دیا جس کے باہر کنڈی لگی تھی۔آگ نے ایک منٹ میں اوپری پالش کو جلا ڈالا تھا اور نیچے سے لکڑی نکل آئی لیکن یہ دیودار کی سخت لکڑی تھی جو آسانی سے آگ نہیں پکڑتی ہے۔اسے آگ لگانے کے لیے ضروری تھا کہ میں بہت دیر تک لکڑی کا جلتا سرا دروازے سے لگائے رکھتا۔

جب تک لکڑی آتشدان میں جل رہی تھی تو اس کا اٹھتا دھواں چمنی کے راستے باہر جا رہا تھا اور کمرے میں اس کا اثر بہت کم تھا لیکن اب لکڑی سے اٹھتا دھواں کمرے میں بھر رہا تھا اور ہلکا ہونے کے باوجود اس نے چند منٹ میں کمرے کی فضا کو دھندلا دیا تھا۔اب یہ دھواں سانس لیتے ہوئے سینے میں لگ رہا تھا۔دس منٹ بعد دروازے کی لکڑی سیاہ ہونا شروع ہوگئی تھی۔مگر اس وقت تک دھواں اس قدر ہو چکا تھا کہ اس میں سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔میں نے لکڑی آتش دان میں اس طرح رکھ دی کہ وہ جلنے سے محفوظ رہے اور خود کمبل کا ایک حصہ پانی سے بھگو کر اس میں منہ رکھ کر سانس لینے لگا۔دھواں آنکھوں میں لگ رہا تھا اور جلن کے ساتھ پانی بہنے لگا تھا۔ بہر حال لکڑی واپس رکھنے سے دھواں کم ہونے لگا اور اگلے چند منٹ میں یہ اتنا کم ہوگیا کہ اب میں بھیگے کمبل پر منہ رکھے بغیر بھی سانس لے سکتا تھا۔میرا اندازہ درست تھا یہاں وینٹی لیشن کا کوئی نظام تھا جو اندر تازہ ہوا پھینکتا تھا اور باسی ہوا کو باہر لے جاتا۔اگرچہ دیواروں میں بہ ظاہر کوئی ایسا سوراخ نہیں تھا جہاں سے ہوا کی آمد و رفت ممکن ہوتی۔

جب دھواں خاصی حد تک کم ہوگیا تو میں لکڑی لے کر دوبارہ اٹھا اب یہ فٹ بھر رہ گئی تھی۔دس منٹ بعد جب میں نے لکڑی بالکل چھوٹی رہ جانے اور کمرہ دھویں سے ایک بار پھر بھر جانے پر اسے آتش دان میں ڈالا تو دروازے کا کنڈی والا حصہ بالکل کوئلہ ہو چکا تھا۔دھواں کم ہونے کے بعد میں نے کچھ پکڑ کر دروازے پر زور آزمائی کی۔شروع میں تو وہ ساکت رہا تھا لیکن میں مستقل مزاجی سے اسے ہلانے کی کوشش کرتا رہا تو کچھ دیر بعد اس میں ذرا جنبش پیدا ہوئی تھی۔آگ نے لکڑی کو جلا ڈالا تھا اور اس میں گڑی اسکرو کیلوں کی گرفت کمزور ہوگئی تھی۔اگر میں کوشش کرتا تو اسکروز دروازے سے نکل جاتے اور یہ کھل جاتا۔ابھی میں کوشش کر رہا تھا کہ مجھے کہیں دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور میں تیزی سے واپس آکر کمبل میں لپٹ کر لیٹ گیا۔فوراً ہی دروازہ کھلا۔میں نے ظاہر کیا جیسے میں کچی نیند سے اٹھ گیا ہوں۔آنے والا فتح خان تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔کمرے میں دھواں بہت کم رہ گیا تھا لیکن اس نے محسوس کرلیا۔

''دھواں کیوں ہو رہا ہے؟''اس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

''ہاں دھواں ہو رہا ہے۔''میں نے سادگی سے کہا۔''مجھے کیا پتا کیوں ہو رہا ہے۔''

اس نے آتشدان کی طرف دیکھا۔''اب تو اس میں بھی انگارہ رہ گیا ہے؟''

''ایسا کرو چمنی میں گھس کر دیکھ لو ہو سکتا ہے اس میں کوئی مسئلہ ہوگیا ہو؟''میں نے جواب دیا۔''تمہارے آدمی اس لڑکی کو پھر لے گئے ہیں کیا وہ اس کی جان لے کر چھوڑیں گے۔''

''یہ ان کا معاملہ ہے۔''وہ بے نیازی سے بولا۔''امیر مقام ان کا دوست تھا اور وہ اس لڑکی کی وجہ سے مارا گیا۔''

''لڑکی کی وجہ سے نہیں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''لگتا ہے تم نے سارے بدکردار اوباش لوگ جمع کر رکھے ہیں۔ ویسے تمہارا اپنا کردار کون سا اچھا ہے تم نے کیریئر کا آغاز ہی ایک آدمی کی بیوی کو پھنسا کر کیا تھا۔''

''مجھ کو شینا مت یاد دلاؤ۔'' فتح خان غرایا۔ ''میں جب اس کا سوچتا ہے میرا خون کھولنے لگتا ہے۔''

''یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ میں ہیرے کیا یہیں بیٹھے بیٹھے تلاش کر کے دے دوں؟''

ہیروں کے نام پر اس کا موڈ اچھا ہو گیا اور وہ مسکرایا۔ ''نہیں پر جلد تم کو اُدھر وادی کی طرف لے جائے گا۔''

''وہاں برف ہی برف ہوگی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''ایسے میں وہاں کچھ تلاش کرنا اور بھی مشکل کام ہوگا۔''

''نہیں وہ جگہ زیادہ بلند نہیں ہے برف ہوگا پر زیادہ نہیں ہوگا۔'' اس نے جواب دیا۔

''کب جانا ہے اس طرف؟''

''جلد، پر وقت نہیں بتا سکتا۔''

''فتح خان مجھ سے ایک ڈیل کر لو سویرا کو واپس حویلی پہنچا دو اور میں وعدہ کرتا ہوں جب تک ہیرے نہیں مل جاتے تمہارے ساتھ رہوں گا اور فرار کی کوشش بھی نہیں کروں گا۔''

''تمہارا بات کا یقین ہے۔'' اس نے خلاف توقع میری پیش کش کے جواب میں سنجیدگی سے کہا۔ ''پر سویرا کو بچانے کے لیے تم پورا کوشش کرے گا اگر وہ نہیں ہوا تو تم پورا کوشش نہیں کرے گا۔''

''پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں کرے گا۔ تم یہاں سے کوشش نہیں کرے گا۔'' اس نے سینے پر دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔ ''جب تک ادھر چوٹ نہیں لگے گا تو کوشش کیسے کرے گا۔''

میں سمجھ رہا تھا وہ کسی صورت سویرا کو نہیں چھوڑے گا۔ یہ تو ترپ کا پتا اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''شہباز خان میں اب اس ملک سے نکل جانا چاہتا ہے۔''

''کیوں یہاں کیا ہے بلکہ اب تو یہ ملک تم جیسے مجرموں کی جنت بن گیا ہے یہاں صرف تم لوگ ہی مطمئن اور سب کرنے کے لیے آزاد ہو۔ ورنہ عوام تو ہر طرح سے ذلیل وخوار اور مجبور ہیں۔'' میں نے طنز کیا۔ ''تم اپنی جنت چھوڑ کر کہاں جانا چاہتے ہو؟''

فتح خان نے اپنی خشخشی داڑھی کھجائی۔ ''تم ٹھیک کہتا ہے پر بات یہ ہے ادھر کسی کے پاس دولت آ جائے تو اوپر والوں کو بُو آ جاتا ہے اور وہ اپنا حصہ مانگتا ہے ان کا حصہ دے کر کیا بچے گا۔ تم سمجھ رہا ہے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل جو جتنا اوپر ہے اتنا بڑا ڈاکو ہے اور ان کے مقابلے میں تم ایک چھوٹے ڈاکو ہو۔ تمہارے لیے عافیت اسی میں ہے کہ ان سے دور رہو۔''

وہ خوش ہو گیا۔ ''یہی تو میں کہہ رہا ہے۔ ہیرے ملتے ہی میں یہاں سے نکل جائے گا۔''

فتح خان کچھ عرصے پہلے تک صاف اردو بولنے لگا تھا لیکن شاید یہ دوبارہ اپنے ہم زبانوں کے ساتھ رہنے کا نتیجہ تھا کہ اس کی اردو میں گلابی رنگ نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا باہر جانے والا منصوبہ پہلے بھی میرے سامنے تھا۔ شہلا کی مدد سے وہ یہ ہیرے مڈل ایسٹ کی مارکیٹ میں اچھے داموں بیچ سکتا تھا۔ کیونکہ جب سے ڈالر اور امریکہ پر زوال آنا شروع ہوا تھا تب سے لوگوں کا ڈالر پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا تھا اور دولت مند ممالک اور دولت مند اپنے ڈالرز سونے اور دوسری قیمتی اشیا میں منتقل کر رہے تھے یہی وجہ تھی کہ عالمی منڈی میں سونے اور دوسری قیمتی دھاتوں کے ساتھ جواہرات کی قیمت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ آج سے کوئی بارہ سال پہلے بھی ان ہیروں کی مالیت پچیس ملین ڈالرز تھی اور اب یہ قیمت کم سے کم بھی دوگنا ہوگئی ہوگی یعنی فتح خان کو پانچ کروڑ ڈالرز کی خطیر رقم مل سکتی تھی اور یہ اتنی دولت تھی کہ وہ اپنی باقی زندگی بڑے عیش و آرام سے دنیا کے کسی پُرسکون گوشے میں گزار سکتا تھا۔ غالباً وہ ایسا ہی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی عمر ابھی پینتالیس اور پچاس کے درمیان تھے۔ اگر عیاشی کا عرصہ بیس سال لگایا جائے تو اس کے لیے یہ دولت کافی سے زیادہ تھی۔ اس کے بعد صرف بڑھاپا رہ جاتا جو معمولی دولت کے سہارے بھی کٹ سکتا تھا۔

''مگر فتح خان اصل کام تو ہیرے تلاش کرنا ہے اور تم یہ کام اتنے سالوں میں تمام تر کوشش کے باوجود نہیں کر سکے ہو۔ برٹ شا تمہاری قید میں ہے اور تم نے یقیناً اس سے ہیروں والی جگہ معلوم کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر لیا ہوگا۔''

''ہاں پر وہ نہیں بتاتا خنزیر کی اولاد۔'' فتح خان برہم ہوگیا۔ ''پر ایک طریقہ باقی ہے۔''

''اگر تم اس کی بیٹی کے ذریعے اس پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہو تو بھول جاؤ یہ انگریز اپنی آل اولاد کی اتنی پروا نہیں کرتے ہیں۔ خاص طور سے جب وہ جوان اور خود مختار ہو جائے۔''

فتح خان مجھے گھور رہا تھا۔ ''شہباز خان تم اپنا کام آسان کر سکتا ہے تم اس کی لڑکی کو یہاں بلا لو پھر اس کا باپ بھی بولے گا۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے انکار کر دیا۔ ''اول تو وہ یہاں آئے گی نہیں اور دوسرے میں خود عورتوں کے سہارے آگے بڑھنے کا قائل نہیں ہوں۔''

اس نے کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''تم اسے بچانا چاہتا ہے اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اگر اس کی جگہ کوئی بالکل اجنبی لڑکی یا عورت ہوتی تب بھی میرا جواب یہی ہوتا۔''

''تم کو سویرا کا پروا بھی نہیں ہے؟''

''پروا ہے لیکن فتح خان تم اس بات کو نہیں سمجھو گے اسے بچانے کے لیے میں کسی اور کا برا نہیں کر سکتا یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔''

''تب میرا برا کیوں کر رہے ہو؟''

''تمہیں ہیروں کی ضرورت ہے وہ تم اپنے بل بوتے پر بھی حاصل کر سکتے ہو حالانکہ وہ تمہارا حق نہیں ہیں۔''

فتح خان نے برا سا منہ بنایا۔ ''ہمارا نہیں ہے تو کسی کے باپ کا بھی حق نہیں ہے۔''

''فتح خان تم بلا وجہ مجھے اس معاملے میں شامل کر رہے ہو۔ اگر سویرا کو ذرا سا بھی نقصان ہوا اور میں بچ گیا تو یقین کرو میں ساری دنیا میں تمہارا پیچھا کروں گا اور تم جس عیش و سکون کے چکر میں ہو وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔''

فتح خان نے میری بات ان سنی کی اور بولا۔ ''تم تیار رہو تم کو کسی وقت بھی ادھر سے لے جائے گا۔''

''بھوکا پیاسا؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔ ''مجھے تو باتھ روم جانے کا موقع بھی نہیں ملا ہے۔''

''ابھی سب ملے گا کھانا پانی بھی اور باتھ روم جانے کا موقع بھی۔'' اس نے کہا اور الٹے قدموں دروازے سے نکلتے ہوئے اسے بند کرتا چلا گیا تھا۔ شکر ہے اس نے اندر آنے کے بعد دروازہ بند نہیں کیا تھا ورنہ وہ جلا ہوا حصہ فوراً دیکھ لیتا۔ دوسرے باہر موسم سرد تھا اس لیے کنڈی اگر گرم بھی ہوئی تھی تو جلد ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اسے کھولتے ہوئے اگر فتح خان گرمی محسوس کر لیتا تو چونکا ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ کبھی نہیں دیکھتے۔ جلد یا بدیر میری کوشش کا ان کو علم ہونا لازمی تھا۔ فتح خان کے جاتے ہی چند منٹ بعد امید خان آیا اور اس نے دروازہ کھولتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''چلو تم کو لیٹرین لے جانا ہے۔''

میں اس کے ساتھ چھوٹے ہال تک آیا۔ جب اس نے کھڑکی والا پردہ ایک طرف کیا تب مجھے پتا چلا کہ اس طرف ایک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا اور یہ باتھ روم کا تھا۔ ٹائلز اور بہترین فکسچرز سے آراستہ یہ باتھ روم چھوٹا مگر مکمل تھا۔ میں نے آرام سے تمام ضروری امور انجام دیئے اور پھر اچھی طرح منہ ہاتھ دھوئے۔ یہاں گرم پانی آرہا تھا۔ دانت صاف کیے اس دوران میں امید خان نے دو تین بار دروازہ بجایا اور ہر بار میں نے اسے انتظار کرنے کو کہا۔ اگر دروازہ اندر سے بند نہ ہوتا تو وہ یقیناً اندر گھس آتا لیکن یہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا اس لیے اسے یہ خدشہ تو نہیں تھا کہ میں فرار ہو جاؤں گا۔ میں باہر آیا تو وہ مشتعل تھا۔ اس نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔ ''اتنا دیر لگایا؟''

''مجھے قبض ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تمہیں ہوتا ہے تو تم اتنی دیر نہیں لگاتے؟''

''چلو جلدی۔'' وہ بولا میں نے محسوس کیا کہ اسے جلدی تھی۔ پھر میری سمجھ میں آگیا کہ اسے کس چیز کی جلدی تھی۔ وہ جلد از جلد مجھے بند کر کے مہرو میں اپنا حصہ بٹانا چاہتا تھا۔ وہ بے چاری یقیناً پھر کرب اور ذلت کی ان منزلوں سے گزر رہی تھی جو کسی عورت کا سب سے بڑا امتحان ہو سکتے ہیں۔ مجھے طیش تو آیا تھا اور شاید میں کوشش کرتا تو امید خان پر قابو پا کر اسے جہنم رسید بھی کر سکتا تھا لیکن اس وقت میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا جو میرے اور سویرا کے لیے مشکلات کا باعث بنے۔ فتح خان اسے یہاں سے بھیج چکا تھا۔ اس لیے میں صبر کر کے واپس کمرے میں آگیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں دروازے پر دوبارہ طبع آزمائی کر کے آزاد ہونے کی کوشش کر سکتا تھا۔ اس لیے شرافت سے واپس کمرے میں بند ہو گیا۔

امید خان نے جیسے ہی راہداری والا دروازہ بند کیا میں نے دروازے پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ اس بار میں نے زیادہ طاقت سے زور لگایا۔ اس کا امکان تھا کہ جب کنڈی نکلے گی تو خاصا شور ہو گا لیکن میں اس کے

لیے تیار تھا۔ مگر خلافِ توقع دروازہ ذرا ہلنے کے بعد پھر ٹھس ہو گیا اور اس سے آگے ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ شاید آگ نے لکڑی کر اس طرف سے جلایا تھا لیکن اس کا اثر باہر تک نہیں گیا تھا جہاں اسکرو کیلیں لگی تھیں۔ وہاں کیلیں مضبوطی سے اپنی جگہ قائم تھیں اس لیے دروازہ بس ذرا سا ہلنے کے بعد دوبارہ مضبوطی سے اپنی جگہ قائم ہو گیا تھا۔ پھر اندر کا کچھ بھی زیادہ بڑا اور مضبوط نہیں تھا کہ میں پر اپنی صحیح گرفت رکھ سکتا۔ زیادہ زور لگانے سے کچھ بھی ہلنے لگا تھا۔ اگر میں اسی طرح زور آزمائی کرتا رہتا تو وہ دروازے سے نکل جاتا۔ یوں میری یہ کوشش ناکام رہی تھی۔

بدقسمتی سے آتشدان میں مزید لکڑی باقی نہیں رہی تھی اور کچھ دیر پہلے تک جو لکڑی تھی وہ بھی اب جل کر انگاروں میں تبدیل ہو رہی تھی رات کے انگارے راکھ بن رہے تھے۔ بس چند گھنٹوں کی بات تھی کہ آتشدان ٹھنڈا پڑ جاتا۔ ممکن ہے اس سے پہلے ہی میں یہاں سے رخصت ہو جاتا لیکن اگر مجھے یہاں رہنا بھی پڑتا تو اس کا امکان کم ہی تھا کہ آتشدان میں دوبارہ لکڑی ڈالی جاتی۔ یہ بھی شاید شہلا کی مہربانی تھی ورنہ فتح خان اتنا اچھا نہیں تھا کہ اپنے قیدیوں کو ایسی سہولیتیں مہیا کرتا۔ اس نے تو ناشتے کا آسرا بھی دیا تھا لیکن فی الحال اس کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ مہرو کی طرف سے ابھی تک کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا۔ یا تو اسے موقع نہیں ملا تھا یا پھر وہ میری توقع کے خلاف ایک کمزور عورت ثابت ہوئی تھی جو درندہ صفت مردوں کے سامنے ہمت ہار گئی تھی۔ میں مایوس تو نہیں لیکن بور ہو رہا تھا۔ آج میرے سارے پلان فیل ہو رہے تھے۔ شاید ان دنوں میرے ستارے کچھ گردش میں تھے۔ بینک لاکر تک رسائی کی کوشش کے بعد سے جو شامت آئی تھی وہ ابھی تک جاری تھی پہلے میں اور بریف کیس شہلا اور فتح خان کے ہاتھ لگے تھے اور اب سویرا بھی ان کے قبضے میں آ گئی تھی۔

میں بور ہو کر اونگھنے لگا تھا اس لیے جب اچانک فائرنگ کا شور گونجا تو میں اچھل پڑا تھا۔ کسی نے پورا برسٹ چلا دیا تھا۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ لوگوں کے چلانے کا شور بھی سنائی دیا تھا۔ پھر فائرنگ کا شور تو تھم گیا لیکن فتح خان کے آدمیوں کا شور جاری رہا۔ چند لمحے بعد فتح خان کے چلانے کی آواز بھی ان میں شامل ہو گئی۔ پہلے والے تو درد سے چلا رہے تھے لیکن فتح خان کی دھاڑوں اور گالیوں میں غصے کا عنصر نمایاں تھا۔ مہرو کو موقع مل گیا تھا اور اس نے اس سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ فائرنگ اس کے سوا کون کر سکتا تھا۔ اب نہ جانے فتح خان کے کتنے آدمی مرے تھے یا زندہ تھے اس کا کچھ نہیں پتا تھا۔ اگر مہرو سے ہتھیار چھین لیا گیا تھا تو یقیناً اس کی خیر نہیں تھی اور جلد یا بدیر فتح خان اسے بھی دنیا سے رخصت کر دیتا۔ میرے کان کسی فائر کی آواز کے منتظر تھے لیکن خاصی دیر گزرنے کے بعد ایسی کوئی آواز نہیں آئی بلکہ فتح خان کے آدمیوں کی چیخ و پکار اور اس کی اپنی دھاڑیں بھی رک گئی تھیں۔ کبھی کبھی ہلکی سی آواز آتی تھی۔ پھر میں نے کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی مدہم آواز سنی۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔

اس کمرے میں بند میں صرف اندازے لگا سکتا تھا کہ باہر کیا ہوا ہے۔ مگر ایک بات یقینی تھی کہ جو ہوا تھا وہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے لیے اچھا نہیں ہوا تھا۔ فائرنگ مہرو نے ہی کی تھی لیکن اس کا نتیجہ ابھی غیر واضح تھا۔ اگر وہ زندہ تھی تو یقیناً اچھے حال میں نہیں ہو گی۔ فتح خان کے گھٹیا آدمیوں نے پہلے ہی اس کا حشر کر دیا تھا اور اب بھی امید نہیں تھی کہ وہ سکون سے ہو گی۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد میں نے دروازہ بجایا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔

کچھ دیر بعد دوبارہ بجایا تو باہر سے امید خان کی جھنجھلائی آواز آئی۔ ''کیا ہے خانہ خراب سکون سے بیٹھو۔''
''سکون سے کیسے بیٹھوں مجھے ابھی تک کھانے کو کچھ نہیں ملا ہے۔''
اس پر امید خان نے کھانے کے بارے میں ایک نہایت نازیبا مشورہ دیا۔ میں نے کہا۔ ''شاید تم یہی کرتے ہو گے، خیر یہ بتاؤ کہ فائرنگ کس نے کی اور کون مرا ہے۔ اگر وہ تم میں سے ہے تو مجھے نہایت خوشی ہو گی۔''
حسبِ توقع امید خان نے چراغ پا ہو کر اپنی مادری زبان میں ارشاد کیا اور بکتا جھکتا وہاں سے چلا۔ میں نے اس کے لہجے اور رویے سے اندازہ لگا لیا کہ باہر گڑ بڑ بہت زیادہ ہوئی تھی۔ امید خان پاگل ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ نقصان بہت زیادہ تھا۔ میری تو خواہش تھی کہ وہ سارے کیفر کردار کو پہنچیں جو مہرو پر ظلم کرنے میں شامل تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ دن یقیناً نکل آیا تھا۔ میں رات بھر سو نہیں سکا تھا اور اب بھی سونے کا موقع نہیں تھا مگر اونگھنے میں تو کوئی حرج نہیں تھا۔ کئی گھنٹے گزرنے کے بعد باہر راہداری والا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ کمرے کا دروازہ کھلا تو فتح خان کا سرخ چہرہ نظر آیا تھا۔ مارے طیش کے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے آتے ہی غرا کر کہا۔
''تم نے اچھا نہیں کیا۔''
''خوب جیسے تم تو بہت اچھا کر رہے ہو۔'' میں نے طنز کیا۔ ''ویسے میں نے کیا اچھا نہیں کیا۔''
''آج یہاں جو ہوا ہے اس کے ذمے دار تم ہو۔''
''تمہارا اشارہ یہاں ہونے والی فائرنگ کی طرف ہے تو اس وقت میں اس کمرے میں بند تھا بھلا میں اس کا ذمے دار کیسے ہو سکتا ہوں؟''
''اس حرامزادی کو تم نے سکھایا تھا۔'' وہ پھر غرایا۔
''فتح خان گالیاں دینے کے بجائے کام کی بات کرو۔''
فتح خان نے چند گہری سانسیں لیں اور خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ ''اس خانہ بدوش عورت نے میرے چار بہترین ساتھی ہلاک کر دیئے ہیں۔ پتا نہیں کیسے اس کے ہاتھ رائفل آ گئی تھی۔''
مجھے یہ سن کر دلی خوشی ہوئی اور میں نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔ ''فتح خان مجھے یہ سن کر واقعی خوشی ہے وہ سب اسی قابل تھے۔ مجھے عورتوں سے زیادتی کرنے والے بالکل پسند نہیں ہیں۔''
''یہ سب تم نے اس عورت کو سکھایا تھا۔''
''میں نے؟'' میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ ''فتح خان وہ اپنے ہوش میں کب تھی کہ میں اسے کچھ سکھاتا۔ تمہارے جانوروں سے بھی بدتر آدمیوں نے اس کے جسم اور روح دونوں کو کچل دیا تھا۔ تم نے اسے میرے سامنے مثال کے طور پر پیش کرنا تھا۔ جب تم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تو اس بے چاری کو دوبارہ ان جانوروں کے حوالے کر دیا۔ اب اس نے کیا اور کیسے کیا میں اس کا ذمے دار کیسے ہو سکتا ہوں۔''
فتح خان مجھے سفاک نظروں سے گھور رہا تھا۔ ''شہباز تم نہایت چالاک آدمی ہو۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں تمہارے جیسا مکار شخص نہیں دیکھا ہے۔''

میں ہنسا۔'' حالانکہ تم روز آئینہ دیکھتے ہو۔ اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا تم ابھی شیر خوار ہو؟''
فتح خان کو پورا یقین تھا کہ یہ میرا ہی کام ہے اس نے پاؤں پٹخ کر کہا۔'' اس عورت کو تم نے بہکایا ہے۔''
میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔'' میں نے ایسا نہیں کیا لیکن اگر کیا بھی ہے تو تم مجھے کس طرح دوش دے سکتے ہو کیا میں تمہارا دوست ہوں جو تمہارے مفاد کا خیال رکھوں۔ میں تمہارا دشمن ہوں اور مجھے جہاں موقع ملے گا میں تم پر وار ضرور کروں گا۔''
فتح خان چپ ہو گیا۔ مگر اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔'' اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام تمہارا ہے تو تمہارا انجام اس عورت سے بھی برا ہو گا۔ وہ میرا نہایت قیمتی ساتھی تھا۔ مجھے ان کا جواب دینا ہے۔''
'' تم جواب دے سکتے ہو انہوں نے ایک عورت سے زیادتی کی اور اس نے انہیں گولی ماردی۔'' میں نے خلوص سے کہا۔'' اس میں تمہارا قصور تو نہ ہوا اور برائے مہربانی اپنی بلی میرے سر رکھنے سے بھی گریز کرو۔''
'' بلی..... کیا؟''
'' بلی نہیں بلی۔'' میں نے تصحیح کی اور پھر دریافت کیا۔'' یعنی مصیبت۔ ویسے اس عورت کا کیا ہوا تم نے اسے تو زندہ نہیں چھوڑا ہو گا؟''
میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ مجھے گھورتا رہا پھر اس نے کہا۔'' شہباز خان تم نے ابھی فتح خان کو ٹھیک سے نہیں جانا ہے۔''
'' ہاں یہ تو ہے روز تمہاری شخصیت کا کوئی نہ کوئی ایسا پہلو سامنے آتا ہے جو مجھے حیران کر دیتا ہے۔'' میں نے کہا۔
'' تم بس ایک بات یاد رکھو سویرا میرے پاس ہے اور اس کی زندگی اور عزت سب تم پر ہے تم جیسا کرے گا اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہو گا۔'' فتح خان نے کہا اور جیسے دندناتا ہوا آیا تھا اسی طرح اچانک واپس چلا گیا۔
اس بار بھی دروازہ کھلا رہا تھا اس لیے اس کی یا امید خان کی نظر دروازے کے جلے حصے کی طرف نہیں گئی تھی۔ اس نے مہرو کے بارے میں بتانے سے گریز کیا تھا تو کیا وہ زندہ تھی؟ ورنہ فتح خان کو اس کے بارے میں بتانے میں کیا حرج تھا؟ وہ کھل کر کہہ سکتا تھا کہ اس نے مہرو کو عبرتناک انداز میں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ فتح خان نے کلائی کی گھڑی پہن رکھی تھی اور میں نے غیر محسوس انداز میں اس پر وقت دیکھ لیا تھا۔ ابھی دوپہر کے بارہ بجے تھے۔ مجھے کچھ کھائے ہوئے چودہ گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے اس لیے اب پیٹ خالی تھا۔ مگر چوہا ریس کی نوبت نہیں آئی تھی۔
کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور امید خان نے ایک ٹرے اندر رکھ دی جس پر خشک نان اور چائے کا مگ تھا ساتھ پانی کی چھوٹی بوتل بھی تھی۔ ٹرے رکھتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔ بھوک کی حالت میں اس نان خشک نے بھی مزہ دیا تھا۔ کھا پی کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا جو پتھر میں رہنے والے کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے۔ میں تو اشرف المخلوقات میں سے ہوں وہ مجھے کیسے بھول سکتا تھا؟ میرا خیال تھا کہ فتح خان ایک دو دن میں مجھے لے کر شمالی علاقے کی اُس وادی کی طرف روانہ ہو جائے گا جہاں کہیں کروڑوں ڈالرز مالیت کے ہیرے زمین میں

دبے تھے۔ مگر خلاف توقع فتح خان جیسے مجھے بھول گیا تھا۔

اس کے بعد وقت گزاری کا ایک طویل اور بور کر دینے والا سلسلہ شروع ہوا۔ میں زیادہ وقت سونے میں گزارتا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا ایک بار آتشدان بجھنے کے بعد اس میں دوبارہ لکڑی نہیں ڈالی گئی تھی اور کمرہ ہمہ وقت نہایت سرد رہتا تھا۔ شکر ہے وہاں دوسرا کمبل بھی تھا۔ یہ دونوں مل کر مجھے سردی سے بچاتے تھے۔ دن رات کا حساب ملنے والے کھانے سے ہوتا تھا۔ جب خشک نان کے ساتھ چائے آتی تو یہ ناشتہ ہوتا تھا اور جب سالن ہوتا تو یہ رات کا کھانا ہوتا تھا۔ مجھے چوبیس گھنٹے میں بس یہی خوراک مہیا کی جاتی تھی۔ پانی کی ایک چھوٹی بوتل دی جاتی تھی جس میں مشکل سے ایک لیٹر پانی ہوتا تھا۔ موسم کی وجہ سے مجھے خاص فرق نہیں پڑا اور نہ ان تین دنوں میں اتنا کم پانی پینے سے مجھے ڈی ہائیڈریشن ہو جاتی۔ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار واش روم لے جاتے تھے اور وہ بھی سخت نگرانی میں۔ اس وقت فتح خان خود موجود ہوتا تھا لیکن وہ مجھ سے کسی قسم کی گفتگو کرنے سے گریز کرتا تھا۔

تیسرے دن میں نے رات کا کھانا کھایا اور فوراً ہی مجھے نیند آنا شروع ہو گئی۔ مجھے پھر کوئی خواب آور دوا دے دی گئی تھی اور میں مزاحمت کے باوجود جاگ نہ سکا سو گیا۔ وہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے میں خود کو زخم لگا کر جاگنے کی کوشش کرتا۔ میری ہتھیلی کا زخم بھی مندمل ہو گیا تھا اور پہلے ٹھکانے پر ہونے والے ہنگامے میں اس کا قصہ بھی دب گیا تھا اگر شہلا اور فتح خاں نے یہ زخم دیکھا بھی تھا تو اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ چوبیس گھنٹے بعد زخم تقریباً ٹھیک ہو گیا تھا۔ حکیم قادس کی دی ہوئی مخصوص دواؤں کا اثر اب بھی تھا کہ میرے زخم وقت سے پہلے ٹھیک ہو جاتے تھے۔ میں کچھ دیر نیند کے خلاف مزاحمت کرتا رہا لیکن دی جانے والی دوا اتنی طاقت ور تھی کہ اس نے بالآخر میرے حواس پر قبضہ کر لیا۔



میرا خیال تھا کہ میری آنکھ فتح خان کے کسی اور قید خانے میں کھلے گی ظاہر ہے مجھے آسانی سے اور بلا مزاحمت منتقل کرنے کے لیے ہی خواب آور ڈوز دیا گیا تھا لیکن جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں دنگ رہ گیا۔ میں ایک گاڑی میں بیٹھا تھا جس کا انجن اسٹارٹ تھا اور میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ شکر ہے گاڑی چل نہیں رہی تھی بلکہ رکی ہوئی تھی۔ یہ غیر ملکی ساختہ چھوٹی ٹو سیٹر فور وہیل ڈرائیو تھی۔ چھوٹی ہونے کے باوجود اس کا انجن بہت طاقتور ہوتا ہے اور یہ پہاڑی اور ناہموار راستوں پر سفر کے لیے بے مثال ہے۔ اس کا پچھلا حصہ سامان رکھنے کے لیے ہوتا ہے یہاں ترپال نظر آ رہی تھی۔ جیپ ایک سڑک کے کنارے کھڑی تھی اور اس پر وقفے وقفے سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ یہ بہت مصروف سڑک نہیں تھی لیکن ویران بھی نہیں تھی۔ البتہ جہاں جیپ کھڑی تھی اس کے آس پاس کا علاقہ جنگل کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ذرا دور پہاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں اور بہ ظاہر ایسا ہی لگ رہا تھا کہ میں راولپنڈی یا اسلام آباد میں کہیں ہوں۔ چاروں طرف صبح کی ہلکی سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ مجھے ڈرائیونگ کرتے کرتے اونگھ آئی اور اب میں ہوشیار ہو گیا تھا لیکن ایسا نہیں تھا کوئی مجھے اس جیپ میں بٹھا کر اور اس کا انجن اسٹارٹ کر کے چلا گیا تھا۔ ایمر جنسی بریک لگی ہوئی تھی اور گیئر بھی نیوٹرل تھا یعنی انجن چلنے کے باوجود جیپ کے از خود چلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

میرے جسم پر نیا لباس تھا۔ گرم اور موٹی اونی پتلون، مکس ریشے کی گرم شرٹ اور اس پر موٹی لیکن وزن میں ہلکی گرم ترین جیکٹ تھی پتلون کے نیچے سوتی پاجامہ بھی تھا۔ پیروں میں بہترین قسم کے غیر ملکی جوتے تھے جو عام طور سے پہاڑوں پر سفر کرنے والے استعمال کرتے ہیں۔ چٹانوں پر چڑھنے کے لیے ان میں اسپائکس بھی لگ سکتی ہیں۔ میرے سر پر گرم اونی ٹوپی اور آنکھوں پر سن گلاسز تھے۔ میں سوچنے لگا کہ میں جاگ گیا ہوں یا فتح خان کے قید خانے میں آزادی کا خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں نے بازو میں چٹکی لی تو تکلیف نے بتایا میں جاگ رہا ہوں۔ یہ خواب نہیں ہے۔ میں آزاد تھا اور کہیں بھی جا سکتا تھا لیکن اس سے پہلے میں جیپ کو نیوٹرل گیئر سے اٹھاتا۔ میری نظر ڈیش بورڈ پر رکھے لفافے پر گئی۔ خاکی رنگ کا یہ لفافہ خاصا موٹا سا تھا۔ میں نے غیرارادی طور پر لفافہ اٹھالیا۔ کھولنے پر اندر سے پہلے تو خستہ اور نئے نوٹوں نے توجہ حاصل کی مگر ایک سفید کاغذ نظر آتے ہی ان سے دلچسپی ختم ہوگئی۔ میں نے جلدی سے کاغذ نکال کر اس کی تہیں کھولیں۔ اندر ایک عدد تحریر تھی اور میرے لیے تھی۔

''شہباز خان، تم حیران ہو گا تم کو اس طرح کیوں چھوڑ دیا ہے۔ پر یہ تمہارا غلط فہمی ہے۔ تم کو چھوڑا نہیں ہے۔ تم اب بھی میرا قیدی ہے اور میری نگرانی میں ہے۔ یہ جیپ اور اس کا سامان دونوں تمہارا ہے۔ جیپ تمہارے نام ہے۔ لفافے میں پچاس ہزار کا رقم ہے۔ اب تم سیدھا وادی کی طرف جائے گا اور اگر اس کے علاوہ کہیں اور گیا یا کسی سے رابطہ کیا تو تم جانتا ہے میں کیا کرے گا۔ تم کسی جگہ نہیں رکے گا اور کسی بند عمارت میں نہیں جائے گا۔ تم میرے کو دھوکا نہیں دے سکتا ہے ایک ایک قدم پر میرا نگرانی ہوگا۔ اب سے تمہارے پاس کل دس دن کا مہلت ہے۔ دس دن بعد اسی جگہ میری چیز لے کر آ جاؤ۔ میں دس دن انتظار کرے گا اور تم جانتا ہے اس کے بعد کیا کرے گا۔ میں قسم نہیں کھاتا پر وہی کرے گا جو تم سے کہا تھا۔ دس دن بعد اسی جگہ انتظار کرے گا۔

تم جانتا ہے میں کون ہے۔''

تحریر کا ایک ایک لفظ بتا رہا تھا کہ یہ فتح خان کی ہے لیکن تحریر اس کی نہیں لگ رہی تھی بلکہ یہ بہت خوب صورت نسوانی تحریر تھی اور شاید شہلا کی تھی کیونکہ فتح خان کسی غیر متعلقہ فرد سے یہ تحریر نہیں لکھوا سکتا تھا۔ اس نے مجھے آزاد چھوڑ دیا تھا لیکن اَن دیکھی زنجیروں میں جکڑ کر۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ آزاد کرنے کے باوجود ہر قدم پر میری نگرانی کرے گا اور اگر اسے ذرا بھی شبہ ہوا کہ میں کسی اور چکر میں ہوں تو وہ سویرا کے حوالے سے اپنی دھمکی پر عمل کرے گا اور اسے مرشد علی کے حوالے کر دے گا۔ میرا دل اس تحریر کو پڑھتے ہوئے ایک اندرونی خوف سے جکڑنے لگا تھا۔ میرے پاس دس دن یعنی دو سو چالیس گھنٹے تھے اور مجھے اس دوران میں وادی تک جا کر وہ ہیرے تلاش کر کے واپس آ کر فتح خان کے حوالے کرنا تھے۔ اس وادی کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ میں ساری عمر میں وہاں ہیرے تلاش کرتا رہوں تب بھی کامیابی کا امکان ایک فیصد بھی نہیں تھا۔ اس کام کے لیے فتح خان نے مجھے صرف دس دن دیئے تھے۔ اس دوران میں، مَیں کسی سے رابطہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی مدد مانگ سکتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ فتح خان نے میری نگرانی کا مکمل بندوبست کیا ہوگا۔

وہ مجھے بالکل آزاد چھوڑنے کا خطرہ مول لے ہی نہیں سکتا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ جب وہ اپنی نگرانی میں مجھ سے یہ کام کروا سکتا تھا یعنی میرے سر پر مسلط رہ کر تو اسے مجھے یوں کسی حد تک آزادی دینے کی کیا ضرورت

تھی؟ اس وقت اس کا جواب میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی میں تازہ تازہ ہوش میں آیا تھا اور غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لیے دماغ فوری کام کرنے کے قابل نہیں تھا۔ یا یوں کہیں کہ کام تو کر رہا تھا لیکن اس میں ربط نہیں تھا۔ فتح خان نے مجھے اپنے جال میں جکڑنے کے لیے مجھ پر کسی عمارت یا بند جگہ جانے پر پابندی لگا دی تھی جہاں سے میں فون یا کسی شخص کی مدد سے اپنے لوگوں سے رابطہ کر سکوں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیا۔ یہ تقریباً نئی جیپ تھی۔ کم سے کم انجن کی آواز اور اندرونی آرائش سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ شاندار اور جاندار قسم کا ڈیش بورڈ تھا جس میں ڈیجیٹل آڈیو پلیئر کے ساتھ اور بھی کئی اقسام کی چیزیں لگی تھیں جیسے ایک ڈیجیٹل کلاک، آلٹی میٹر اور لائٹر وغیرہ۔ اس میں ایک عدد قطب نما بھی تھا جو بتاتا کہ جیپ کس طرف جا رہی تھی اس کے علاوہ جی پی ایس بھی تھا جو یہ بتاتا کہ جیپ اس وقت کس مقام پر ہے۔ چھوٹی ہونے کے باوجود جیپ کی سیٹیں بڑی اور نہایت آرام دہ تھیں۔ میں کسی قدر نیم دراز پوزیشن میں تھا اور سیٹ بیلٹ بندھی ہوئی تھی۔

سامنے کا جائزہ لے کر میں نے پیچھے کی طرف توجہ دی۔ عقبی حصہ تقریباً چار بائی پانچ فٹ کا تھا۔ یہاں نشستیں لگتی ہیں لیکن فی الوقت یہ جگہ خالی تھی۔ فتح خان نے رقعے میں سامان کا ذکر بھی کیا تھا اور میں نے سامان دیکھنے کے لیے سیٹ بیلٹ کھولی پھر مڑ کر ترپال ہٹانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے نیچے کوئی کلبلایا۔ میں بدک گیا ترپال کے نیچے یقیناً کوئی شخص تھا اور جب میں نے ترپال ہٹائی تو ایک بار پھر دنگ رہ گیا تھا۔ نیچے مہرو اس حال میں لیٹی تھی کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ پر چوڑا ٹیپ لگا تھا لیکن اس سے قطع نظر وہ کئی دن پہلے والے تباہ حال مہرو سے بالکل الگ دکھائی دے رہی تھی۔ یقیناً بہترین علاج سے اس کے زخم مندمل ہو گئے تھے اور چہرے پر بہت معمولی سی نشانات باقی رہ گئے تھے۔ اس کے جسم پر بھی میری طرح بہترین گرم لباس اور پاؤں میں جوتے تھے۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ شاید چند لمحے پہلے ہوش میں آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ اس نے ناک سے آواز نکالی لیکن اس سے پہلے میں اسے کھولتا۔ اس کی جیکٹ کی جیب سے جھانکتے کاغذ نے میری توجہ حاصل کر لی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے نکالنا چاہا تو مہرو نہ جانے کیا سمجھی۔ جیکٹ کی جیب عین اس کے سینے پر تھی۔ وہ بدک کر پیچھے ہوئی لیکن وہاں گنجائش ہی کتنی تھی۔ میں نے آرام سے کاغذ اچک لیا اور دھیمی آواز میں کہا۔

''مہرو آرام سے لیٹو میں ابھی تمہیں کھولتا ہوں۔''

میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ فتح خان نے اپنے چار بلکہ پانچ بہترین آدمیوں کی قاتل کو کیسے میرے ساتھ چھوڑ دیا اور وہ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک حالت میں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی بہترین دیکھ بھال ہوئی ہے۔ حسبِ توقع یہ رقعہ بھی میرے لیے ہی تھا۔

''شہباز اگر تم یہ رقعہ پڑھ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے تم نے مہرو کو دیکھ لیا ہے۔ تم شاید حیران ہوگا کہ میں نے اسے کیسے چھوڑ دیا ہے۔ جب کہ اس کی وجہ سے میرا پانچ بہترین آدمی اپنی جانوں سے گیا۔ میں نے اسے چھوڑا نہیں ہے۔ یہ اس کا سزا ہے۔ وہ سزا یہ ہے کہ اس کا قبیلہ اب اسے تلاش کر رہا ہے کیونکہ اسے پتا چلا ہے کہ اپنے شوہر راجو کے قتل میں یہ خود شامل تھا اور اب اپنے آشنا شہباز ملک کے ساتھ فرار ہو گیا ہے۔ تم سمجھا شہباز خان، اس خانہ بدوش قبیلے کا ڈھائی سو مسلح آدمی تم دونوں کو راولپنڈی اسلام آباد اور اس کے آس پاس تلاش کر رہا

ہے اور جہاں تمہیں دیکھے گا وہیں قتل کر دے گا۔ یہ اس کے سردار کا حکم ہے قتل کرنے والے کو ایک لاکھ روپیہ اور قبیلے میں اس کا پسند کا کنواری لڑکی مفت ملے گا۔ اس قبیلے میں لڑکی قیمت کے بدلے ملتا ہے۔ بالکل ہمارا والا رواج ہے۔ جتنا خوب صورت لڑکی اتنا زیادہ قیمت۔ اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو ٹھیک گیارہ بجے اس قبیلے کے لوگ اس جگہ پہنچ جائے گا اسے بتا دیا ہے کہ تم اور مہرو یہاں ملے گا۔ اب تمہارا عافیت اسی میں ہے جلد از جلد اس جگہ سے دور شمال کی طرف چلے جاؤ تمہیں معلوم ہے تمہیں کہاں جانا ہے۔

تم مجھے جانتا ہے۔''

بے ساختہ میرے منہ سے ایک گالی نکل گئی۔ فتح خان میری توقع سے زیادہ شاطر ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے صرف اپنی گرفت میں نہیں جکڑا تھا بلکہ میرے پیچھے نہایت خطرناک لوگ لگا دیئے تھے۔ نہ جانے اس نے یہ کام کیسے کیا تھا۔ میں نے ڈیش بورڈ کی ڈیجیٹل کلاک کی طرف دیکھا اس میں دس بج کر سینتیس منٹ ہو رہے تھے۔ وقت کم تھا مجھے گیارہ بجے کا انتظار کیے بغیر اس جگہ سے دور چلے جانا تھا۔ ممکن ہے میری جگہ کوئی اور ہوتا تو جیپ اسٹارٹ کر کے جہاں سینگ سماتے نکل بھاگتا لیکن میں اتنی عجلت بھی نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں جیپ سے اترا اور ہائی وے کے آس پاس کا جائزہ لیا۔ جلد مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں مری ایکسپریس وے کے ایک حصے میں کھڑا ہوا تھا۔ یہ اس کا آغاز تھا اور جلد ہی پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ آگے دور پہاڑ دھند ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہے تھے لیکن یہاں موسم خوشگوار تھا اور نکھری دھوپ تھی۔ یہاں سے نکلنے کے دو ہی راستے تھے یا تو میں واپس جاتا یا آگے بڑھ جاتا۔ دائیں طرف نیچے وادی تھی اور بائیں طرف تھوڑے سے میدان کے بعد پہاڑیاں شروع ہو جاتیں۔ میں دونوں طرف نہیں جا سکتا تھا کم سے کم جیپ کے ساتھ تو نہیں جا سکتا تھا۔ میں واپس جیپ میں آیا اور مہرو کا منہ کھولے بغیر اس سے کہا۔

''میری بات غور سے سنو فتح خان نے تمہیں رہا نہیں کیا ہے بلکہ سزا دی ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے رقعہ حرف بہ حرف سنا دیا اور پھر جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں یہاں سے آگے جانا ہوگا جہاں فتح خان کی بات کی سچائی جان سکیں۔ فتح خان چھوٹے قد والا شخص ہے۔ تم پر ظلم کرنے والے سب اس کے ساتھی ہیں جنہیں تم نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب میں تمہارا منہ کھول رہا ہوں لیکن مہربانی کر کے چیخنے چلانے سے گریز کرنا ورنہ میں تمہیں اسی جگہ اتار کر آگے روانہ ہو جاؤں گا۔''

اس نے سر ہلا کر اشارہ کیا کہ وہ شور نہیں کرے گی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ سے ٹیپ اتار دیا۔ دس بج کر پچاس منٹ ہو گئے تھے اس لیے جیپ آگے بڑھا دی۔ مہرو نے شور نہیں کیا لیکن منہ کھلتے ہی کیا، کیوں اور کیسے پر مبنی سوالات کا بوچھاڑ کر دی تھی۔ میں خاموشی سے سنتا رہا اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''مجھے خود بھی نہیں معلوم، میں کھانا کھا کر اسی کمرے میں سویا تو اب سے کچھ دیر پہلے اسی جیپ میں ہوش آیا ہے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہاں ترپال کے نیچے تم بھی ہو۔''

مہرو نے بے یقینی سے کہا۔ ''یہ شخص جھوٹا ہے میرے لوگ کبھی مجھے ایسا نہیں سمجھ سکتے۔''

''ایسا مت کہو میں نے دیکھا ہے تمہارے لوگ بھی کم وحشی نہیں ہیں۔ کیسے دیوانے ہو رہے تھے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''اگر فتح خان اپنے آدمیوں سمیت نہ چڑھ دوڑتا تو ہم بھی تمہارے نام نہاد انصاف کی نذر ہو

جاتے۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔" اس بار اس نے صاف گوئی سے مجھ پر شک کر دیا۔ میں نے پوچھا۔

"تمہیں پڑھنا آتا ہے؟"

"تھوڑا سا۔" وہ بولی۔

"تب یہ پڑھ لو۔" میں نے اس کی جیکٹ سے نکلنے والا کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا اور وہ اسے لے کر پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ جیپ اب پہاڑوں کی حدود میں داخل ہو گئی تھی دائیں طرف موجود وادی وسیع اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ایک طرف پہاڑ آ گیا تھا اور دونوں کے درمیان یہ دورویہ سڑک تھی۔ ایک موڑ مڑتے ہی میں نے جیپ کنارے لگا کر روک دی اور پھر مڑ کر مہرو کے ہاتھ اور پاؤں کھولے۔ "میرے ساتھ آؤ لیکن بھاگنے کی کوشش اسی وقت کرنا جب مرنے کا ارادہ ہو۔"

وہ نہ جانے اسے دھمکی سمجھی یا کچھ اور، بہر حال خاموشی سے اتر کر نیچے آ گئی۔ میں اس موڑ کی طرف بڑھا جہاں سے نیچے کی وہ جگہ صاف نظر آتی جہاں کچھ دیر پہلے جیپ کھڑی تھی اور مجھے اس میں ہوش آیا تھا۔ گیارہ بجنے میں دو منٹ رہ گئے تھے اور موڑ تک آتے ہی سبز رنگ کی وہ بڑی سی پک اَپ نظر آ گئی جس کے آس پاس کوئی نصف درجن خانہ بدوش موجود تھے۔ ان کا حلیہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ خانہ بدوش تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس چھوٹی نال والی رائفل بھی نظر آ رہی تھی۔ مہرو میرے پیچھے آئی تھی اور ان لوگوں کو دیکھتے ہی اس نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

"یہ میرے قبیلے کے لوگ ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے فتح خان نے ٹھیک کہا ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ واقعی تمہیں اور مجھے تلاش کر رہے ہیں۔"

"جھوٹ بولتا ہے وہ......" مہرو نے روانی سے گالی دی۔ "ہمیں ڈرانا چاہتا ہے۔"

"ممکن ہے لیکن اس صورت میں تمہیں چھوڑنے کا کیا مطلب ہوا میں نے اسے دیکھا تھا وہ اپنے آدمیوں کے مارے جانے پر پاگل ہو رہا تھا۔"

مہرو نے سر ہلایا۔ "جب وہ کمرے میں آیا اور اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھیں تو اتنا غصے میں آ گیا کہ مجھے لگا ابھی مجھے گولی مار دے گا لیکن پھر اس نے کچھ نہیں کہا اور صرف مجھے باندھ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد آ کر اپنے آدمیوں کی لاشیں بھی لے گیا تھا۔"

"تم خود سوچو اگر وہ غلط کہہ رہا ہے تو تمہیں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمہارے قبیلے کے لوگ تمہاری مدد کے لیے نہیں بلکہ قتل کرنے کے لیے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے تب تم ان تک جا سکتی ہو۔" میں نے واپس جیپ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "ان سے بچ گئیں تو فتح خان نہیں چھوڑے گا اس کے آدمی ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔"

وہ چونکی۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

''ہوش میں آنے کے بعد اس کا ایک پرچہ مجھے بھی ملا تھا جیسے تمہاری جیکٹ میں تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تمہارے پاس سوچنے کے لیے ایک منٹ ہے اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے اب یہ ہمارے پیچھے آئیں گے۔''

مہرو اگرچہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھی۔ کم سے کم اسکول کی پڑھی ہوئی نہیں تھی اور نہ ہی اسے شہری انسانوں سے زیادہ واسطہ پڑا ہوگا لیکن ایک خانہ بدوش کی حیثیت سے اس نے یقیناً بہت ساری دنیا دیکھی تھی۔ میں نے دیکھا ہے کہ خانہ بدوشوں میں عام دیہاتیوں کے مقابلے میں زیادہ سوجھ بوجھ اور ہوشیاری پائی جاتی ہے خاص طور سے یہ خطرے کو بہت جلد بھانپ لیتے ہیں۔ یہی ہوشیاری مہرو میں بھی تھی اس نے فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر فتح خان کی بات درست تھی تو اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس کے لوگ اسے دیکھتے ہی مار دیتے اور اسے صفائی کا موقع بھی نہیں ملتا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔''

اس بار وہ جیپ میں میرے برابر آ بیٹھی میں نے جیپ آگے بڑھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں یقین آ گیا ہے کہ یہ ہماری جان لینے آئے ہیں؟''

''تھوڑا تھوڑا۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''جب میرے لوگ کسی کو مارنے کے لیے تلاش کرتے ہیں تو وہ اسی طرح چھ اور پانچ کی تعداد میں ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا ہے باقی چاقو اور ڈنڈے رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں۔''

''ممکن ہے یہ ماریں نہ پکڑ کر قبیلے میں لے جائیں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پکڑ کر لے جانے کے لیے تین اور چار آدمی ہوتے ہیں۔ اتنے صرف مارنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ تاکہ شکار بچ کر نہ نکل سکے۔''



وہ قبیلے کی بھیدی تھی ایک ایک بات جانتی تھی۔ چند منٹ کی چڑھائی کے بعد دھوپ غائب ہو گئی تھی اور بادل آ گئے تھے۔ یہ پیٹرول انجن والی جیپ تھی اور اس کی ٹنکی فل تھی۔ اس کے ساتھ ہی عقبی حصے میں دروازے کے ساتھ دو عدد چار چار گیلن کے کین فل رکھے تھے۔ جیپ میں ایک اسٹپنی عقبی دروازے کے ساتھ بندھی تھی اور ایک چھت پر تھی۔ مجھے ترپال تلے مہرو کے ساتھ خاصا کچھ سامان بھی نظر آیا تھا لیکن ابھی اسے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ مگر اب تک میں نے ہیٹر آن نہیں کیا تھا اتنے گرم لباس میں اب تک اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مہرو کے سر پر بھی گرم اونی ٹوپی تھی ایسا لگ رہا تھا فتح خان نے ہمیں سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار کر دیا تھا۔ اس کے سنہری مائل سرخ بال ٹوپی تلے چھپ گئے تھے اور وہ اس لباس میں بالکل بھی کوئی خانہ بدوش عورت نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے بجائے وہ اسلام آباد کی کسی برگر فیملی کی لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ خانہ بدوش ہونے کے باوجود وہ خاصی خوب صورت تھی۔ موزوں جسامت اور سرخ و سفید رنگت پر سبزی مائل آنکھیں اچھی لگتی تھیں۔ ناک نقشہ ذرا کھڑا تھا لیکن یہ بھی اچھا لگ رہا تھا۔ اگر اس وقت اسے اس کے قبیلے کا کوئی فرد دیکھتا تو آسانی سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے سوات کا راستہ تو معلوم تھا لیکن اس وادی تک جانے کا راستہ میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ بات بھی بہت پرانی تھی اور میں نے وہاں سے نکلنے کے لیے کئی دن کا پیدل سفر کیا تھا۔ وہاں جانے کا کوئی باقاعدہ اور پختہ راستہ نہیں تھا کیونکہ آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے وہ جگہ ویران تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ میں راجا عمر دراز کے محل والی وادی میں پہنچ جاتا تو وہاں سے اس وادی تک کیسے جاتا جب کہ مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ کتنی دور اور کس طرف تھی۔ یہ بات فتح خان کو بھی معلوم ہونا چاہیے تھی لیکن اس نے مجھے بتائے بغیر یوں چھوڑ دیا تھا۔ مہرو اپنی فکر میں تھی کچھ دیر بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''ہم جہاں جا رہے ہیں اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''یہ بتاؤ تم نے کہاں جانا ہے؟''

''میں۔'' وہ ہچکچائی۔ ''پتا نہیں...... میرا اپنے قبیلے کے سوا کوئی نہیں ہے اسی میں میرے گھر والے ہیں لیکن اب میں وہاں نہیں جا سکتی ہوں۔''

''وہ تو ظاہر ہے لیکن تم جلدی سے فیصلہ کر لو کہ تمہیں کہاں جانا ہے میں آنے والی پہلی آبادی میں تمہیں اتار دوں گا۔''

''مجھے کیوں اتار دو گے؟'' وہ پریشان ہو گئی۔ ''میں ابھی کہیں نہیں جا سکتی۔''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے۔'' میں نے رُکھائی سے جواب دیا۔ درحقیقت فتح خان نے اسے میرے ساتھ لگا کر میرا کام مزید مشکل کر دیا تھا۔ اپنے خیال میں اس نے میرے گرد پھندہ مزید مضبوط کر دیا تھا اور اب میں لازی وادی کی طرف جاتا۔ یا شاید یہ اس کا مذاق تھا۔ بہر حال اس نے مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا اور میں کوشش کر رہا تھا کہ اپنا رویہ روکھا رکھ کر اس سے جان چھڑاؤں۔ میں کوئی مقامی فلمی ہیرو نہیں تھا جو ہیروئن یا پارٹ ٹائم ہیروئن کے ساتھ ہنستا گاتا تمام مشکلات سے نکل جاتا اور نہ جیمز بانڈ تھا جو اس وقت تک حرکت میں نہیں آتا تھا جب تک اس کی بغل میں ایک عدد حسینہ نہ ہو۔ میرے لیے خواتین کا ساتھ ہمیشہ مشکل ہوتا رہا ہے۔ زرین کے تجربے سے مجھے اس کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا حالانکہ وہ بھی مجبوری تھی میں جان بوجھ کر اسے ساتھ لے کر نہیں نکلا تھا۔ اب یہ مہرو ساتھ تھی لیکن میرا ہرگز ارادہ نہیں تھا کہ اسے ساتھ رکھوں۔ ڈرائیونگ کے ساتھ میں عقبی آئینے پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا اس کا پورا امکان تھا کہ خانہ بدوش پارٹی اس طرف آئے۔ یہاں تک کا پتا نہیں فتح خان نے بتایا ہو گا اور یہ بھی امکان تھا کہ فتح خان نے میرا روٹ بھی بتا دیا ہو اور وہ اب مستقل میرے پیچھے رہیں۔

''خدا کے لیے میں کہاں جاؤں گی؟'' وہ کچھ دیر بعد بولی۔ ''مجھے اپنے ساتھ رکھو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے میں بہت ضروری کام سے شمال کی طرف جا رہا ہوں۔ سمجھ لو کسی کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ مجھے ہر صورت میں یہ کام کرنا ہے اور میرے پاس وقت بھی کم ہے میں تمہیں کہاں لیتا پھروں گا۔''

''میں تمہیں تنگ نہیں کروں گی لیکن مجھے یہاں مت اتارو۔''

''تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔ میں تمہیں کسی آبادی میں اتاروں گا۔ تم کسی بس یا وین میں بیٹھ کر آرام سے واپس اسلام آباد جا سکتی ہو اور وہاں کسی سے پوچھ کر عورتوں کے پولیس اسٹیشن جا سکتی ہو وہ تمہیں دارالامان

بھیج دیں گے۔'' میں نے اسے مسئلے کا حل سمجھایا۔

''دارالامان...... یہ کیا ہوتا ہے؟''

''جہاں بے سہارا عورتوں کو رکھا جاتا ہے۔ تم چاہو تو پولیس کو اپنے شوہر کے قتل کے بارے میں بھی بتا سکتی ہو لیکن غلطی سے بھی فتح خان یا ان چار آدمیوں کا ذکر مت کرنا جو تمہارے ہاتھ سے مارے گئے تھے ورنہ تم خود پھنس جاؤ گی۔''

میں نے یہ بات کئی بار دھرائی، تو وہ سمجھ گئی۔ میں پچاس ہزار میں سے اسے دو تین ہزار دے دیتا تو وہ آسانی سے واپس جا سکتی تھی۔ اب وہ رضامند دکھائی دے رہی تھی اور میں خوش تھا کہ میں نے فتح خان کی ایک چال تو ناکام بنا دی جو اس نے مجھے اپنا پابند بنانے کے لیے چلی تھی۔ اس وقت ہم مارگلہ کی پہاڑیوں سے گزر رہے تھے دائیں بائیں چھوٹی چھوٹی وادیوں میں مکانات اور آبادیاں تو نظر آ رہی تھیں لیکن ابھی تک ایسا کوئی بازار نظر نہیں آیا تھا جہاں میں مہرو کو اتار سکتا۔ ہائی وے کے ساتھ اِکا دُکا دکانیں بھی تھیں مگر یہاں بھی اسے نہیں اتار سکتا تھا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد ایک ایسا بازار آیا جہاں درجن بھر دکانیں اور ایک ہوٹل بھی تھا۔ صرف دو دکانیں اور ایک ہوٹل کھلا ہوا تھا۔ اِکا دُکا لوگ بھی نظر آ رہے تھے لیکن سردی نے ماحول کو ویران کر رکھا تھا۔ میں نے جیپ ہوٹل سے ذرا فاصلے پر روک دی اور پھر لفافے سے تین ہزار نکال کر مہرو کو تھما دیئے۔ وہ کچھ پریشان اور خوف زدہ لگ رہی تھی۔ جب میں نے اسے اترنے کو کہا تو وہ منمنا کر بولی۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''فکر مت کرو تم آرام سے واپس اسلام آباد پہنچ جاؤ گی۔'' میں نے اسے حوصلہ دیا۔ ''اصل خطرہ تو میرے ساتھ ہے اگر میں واپس آیا تو فتح خان کے پاس ہی جاؤں گا اور تم دوبارہ اس کے ہتھے چڑھ جاؤ گی اور یقین کرو اس کے پاس درندہ صفت آدمیوں کی کوئی کمی نہیں ہے وہ پھر تمہیں ان کے حوالے کر دے گا۔''

مہرو نے ذرا تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''وہ تمہارا دشمن ہے تو اس کے پاس کیوں جاؤ گے؟''

''کیونکہ اس نے میرے ایک ساتھی کو قید کر رکھا ہے اور اس کی رہائی کے لیے شرط لگا دی ہے۔ مجھے اس کی شرط پوری کر کے واپس جانا ہوگا۔''

اس اطلاع نے میرا کام آسان کر دیا اور مہرو فوراً جیپ سے اتر گئی۔ میں نے ہاتھ ہلایا اور عقبی حصے میں ترپال کے نیچے موجود سامان کی طرف متوجہ ہوا۔ توقع کے مطابق اس میں وادی تک سفر کے لیے سامان تھا۔ اس میں خوراک اور پہاڑی علاقوں میں سفر کے لیے خاص اشیا کے ہمراہ ایک عدد چھوٹا سا آسانی سے لگ جانے والا جدید قسم کا خیمہ بھی تھا۔ ایک عدد چھوٹا اسپرٹ سے جلنے والا سیفٹی اسٹوو اور اس کے لیے اسپرٹ کی پانچ لیٹر کی سائفن بوتل بھی تھی اسے کھولے بغیر صرف نلکی لگا کر اسٹوو میں اسپرٹ بھری جا سکتی تھی۔ دو عدد طاقتور ٹارچیں، ایک لٹکانے والا لیمپ اور ان کو روشن رکھنے کے لیے خاصی تعداد میں ڈرائی بیٹریز تھیں۔

فتح خان نے ہر چیز کا خیال رکھا تھا کہ اس سفر کے دوران مجھے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو اور میں اپنی پوری توجہ ہیرے تلاش کرنے پر لگا سکوں۔ ایک چھوٹے بیگ میں میرے لیے دو عدد پینٹ شرٹس اور ایک جوڑا جوتوں کا تھا۔ خوراک میں خشک کیا ہوا گوشت اور ٹن بند اشیا زیادہ تھیں۔ اس کے علاوہ خشک دودھ اور کافی کا ڈبا بھی

تھا۔سب کچھ تھا لیکن وادی تک جانے والے راستے کا کوئی نقشہ نہیں تھا۔شاید فتح خان کو بھی اس کا خیال نہیں آیا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے پلٹ کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا۔اس میں جیپ کے کاغذات کے ساتھ ایک چھوٹا سا رول کیا ہوا پلاسٹک کوٹڈ کاغذ بھی تھا۔ میں نے رول کھولا تو اس پر سوات کے نقشے کے ساتھ ہی وادی تک جانے والے راستے کی بال پین سے مکمل وضاحت کی گئی تھی۔گویا فتح خان نے اس پہلو کا خیال بھی رکھا تھا۔اب بس مجھے روانہ ہو جانا تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں جیپ اسٹارٹ کرتا میری نظر ہوٹل سے ذرا آگے موجود ایک پرانی لیکن بڑی اور مضبوط کار کی طرف گئی۔کار کے ساتھ تین مقامی نظر آنے والے افراد نے مہرو کو گھیرنے کے انداز میں اپنے درمیان لے رکھا تھا اور وہ ہراساں دکھائی دے رہی تھی۔اگرچہ ان افراد کے پاس کوئی اسلحہ تو دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن ایک کا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں تھا اور ابھار بتا رہا تھا کہ اس نے کوئی چیز پکڑ رکھی ہے۔اس نے شلوار قمیص پر کوٹ پہن رکھا تھا جیسا کہ مقامی رواج تھا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا کہ اب یہ میرا معاملہ نہیں ہے اور مجھے کسی نئے چکر میں پڑنے کے بجائے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ مجھے بہرصورت ہیرے لا کر فتح خان کے حوالے کرنا تھے تا کہ سویرا کی واپسی ممکن ہو سکے۔ میں مہرو کو بچانے کی کوشش میں کسی نئی مصیبت میں پڑ سکتا تھا اور میرا راستہ کھوٹا ہوتا۔

میں سوچتا رہا اور جیپ اسٹارٹ کرنے کے لیے چابی پر ہاتھ بھی رکھ دیا تھا لیکن میرا اندر میرے فیصلے سے متفق نہیں تھا۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر چابی سے ہاتھ ہٹا کر نیچے اتر آیا اور تیز قدموں سے مہرو کی طرف بڑھا۔وہ لوگ شاید اسے کار میں بیٹھنے پر مجبور کر رہے تھے۔ میں نے ذرا دور سے اسے آواز دی۔''ارے تم یہاں ہو میں تمہیں کہاں کہاں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔'' میں نے ان آدمیوں کو گھورا۔''تم لوگ کون ہو اور میری بیوی کو کیوں گھیر رکھا ہے۔''

''یہ تیری بیوی ہے۔'' کوٹ کی جیب میں ہاتھ رکھے جوان آدمی نے کہا وہ صورت سے اوباش لگ رہا تھا۔ باقی دو اس کی نسبت کم عمر تھے لیکن پورے چھٹے ہوئے لگ رہے تھے۔وہ مہرو کو ساتھ لے جانے کی فکر میں تھے۔''یہ تو کہہ رہی ہے اس کا کوئی نہیں ہے اور اسے اسلام آباد جانا ہے ہم اسے اسلام آباد چھوڑ دیتے۔''

''یہ سمجھی کہ میں اسے چھوڑ گیا ہوں تو یہی کہے گی۔'' میں نے مہرو کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔''چلو یہاں سے۔''

''ایک منٹ۔'' ایک کم عمر نے مہرو کا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔''کیا ثبوت ہے کہ تم اس کے شوہر ہو؟''

میں نے اس کا ہاتھ کلائی سے پکڑ کر دبایا تو اس نے بلبلا کر مہرو کا ہاتھ چھوڑ دیا۔میری گرفت ہڈیاں کڑکڑا دینے والی تھی۔اس نے گالی دے کر دوسرے ہاتھ سے مجھے مکا مارنا چاہا لیکن میں نے اس کا ہاتھ گھمایا تو ساتھ میں وہ خود بھی گھوم گیا اور مکا ہوا میں لہراتا دوسرے کم عمر کے منہ پر لگا۔اس نے گالی دی اور اوباش نظر آنے والے نے جیب سے ہاتھ نکالا۔پستول کی جھلک دیکھتے ہی میں نے لات چلائی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔اس بار اس نے بھی گالی دی۔ میں نے جس کی کلائی پکڑی ہوئی تھی اس کی کلائی یوں گھمائی کہ وہ اسے ٹوٹنے سے بچانے کے لیے از خود توپ سے نکلے گولے کی طرف اوباش صورت سے جا ٹکرایا اور اسے لیتا ہوا زمین پر

ڈھیر ہوگیا۔ دوسرا کم عمر مجھ سے چمٹ گیا تھا اس نے میرا کام آسان کر دیا۔ اس کی گردن دبائی تو اس نے خود کو چھڑانا چاہا لیکن اب کمبل اسے کہاں چھوڑنے والا تھا۔ میں نے دو بار اس کا منہ کار کی باڈی پر مارا۔ باڈی زیادہ مضبوط تھی اس لیے نقصان اس کے منہ کا ہوا اور اسے ناک کی ہڈی ٹوٹنے کے ساتھ کئی دانتوں سے محرومی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا اور میں نے اس کی گردن چھوڑی تو وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اوباش صورت اپنے ساتھیوں کو گالیاں دیتا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری اور وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ پہلا کم عمر زیادہ ہوشیار تھا اس نے ایک بار گرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہیں کی اور ایک منٹ سے بھی پہلے یہ معاملہ نمٹ گیا تھا میں نے مہرو سے کہا۔

''جا کر گاڑی میں بیٹھو۔''

مہرو کے جانے کے بعد میں نے ایک طرف پڑا پستول اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور مدہوش پڑے اوباش صورت کی تلاشی لے کر اس کے دو عدد فاضل میگزین بھی نکال لیے۔ فتح خان نے ہر چیز کا بندوبست کر دیا تھا سوائے اسلحے کے اور اب میں کسی ہتھیار کے بغیر خود کو ایسا ہی محسوس کرتا تھا جیسے پرانے زمانے میں شرفا خود کو ننگے سر محسوس کرتے ہوں گے۔ ان لوگوں کی مہربانی سے مجھے ہتھیار بھی مل گیا تھا۔ بازار کی ویرانی میں اِکا دُکا افراد نے یہ منظر دیکھا تھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی دخل اندازی سے گریز کیا۔ میں اوباش صورت کے پاس بیٹھا اور دھیمی آواز میں کہا۔

''ابھی میں چلا جاؤں گا اور میرے جاتے ہی تم بھی روانہ ہو جانا کیونکہ اب مجھے دوبارہ دکھائی دیئے تو اس کا مطلب ہوگا تم مرنا چاہتے ہو۔ اس واقعے کو بھول جانا بھی تمہاری صحت کے لیے بہتر ہوگا۔ پولیس کا رخ بھی مت کرنا ورنہ اس سے بھی زیادہ بڑی مشکل میں پھنس جاؤ گے۔''

وہ تینوں مجھے دہشت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس لیے مجھے یقین تھا وہ وہی کریں گے جو میں نے کہا ہے۔ جیسے ہی میں جیپ میں آ کر بیٹھا وہ بھی گرتے پڑتے اٹھ کر کار میں گھس گئے۔ کار اسٹارٹ ہوئی اور لہرا کر پہلے ہوٹل میں گھسنے لگی۔ بروقت بریک لگا کر اسے روکا اور پھر وہ کسی مدہوش شرابی کی طرح لہراتی ہوئی نیچے کی طرف جانے لگی۔ میں فوراً اوپر کی طرف روانہ ہوگیا اور اس بازار سے نکلنے کے بعد مہرو سے پوچھا۔ ''یہ کیا چکر تھا؟''

اس نے گہری سانس لی۔ ''میں نے تو بس اتنا پوچھا تھا کہ اسلام آباد جانے والے گاڑی کب آتی ہے؟''

''اور وہ تمہیں لفٹ دینے کو تیار ہوگئے۔''

''کیا دینے کو؟'' وہ نہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

''لفٹ...... مطلب ساتھ لے جانے کو۔''

''ہاں کتے کہیں کے جہاں کوئی اکیلی عورت دیکھی...... آ جاتے ہیں۔'' وہ غصے میں آ گئی۔ ''کاش میرے پاس چاقو ہوتا تو میں ایک دو کا پیٹ پھاڑ دیتی۔''

''تمہیں چاقو چلانا آتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں...... میں کلہاڑی اور درانتی بھی چلاتی ہوں۔'' وہ بولی۔ ''ہماری عورتوں کو وہ سارے ہتھیار استعمال

کرنے آتے ہیں جو قبیلے کے مردوں کے پاس ہوتے ہیں۔''

قبائلیوں اور خانہ بدوشوں میں یہ ہوتا ہے وہ اپنی عورتوں کو بھی لڑنا سکھاتے ہیں تا کہ بہ وقت ضرورت ان سے بھی مدد لے سکیں۔ مگر افسوس کے یہ سارے گر مہرو کے کام نہیں آئے اور وہ دو بار خود سے زیادہ چالاک اور طاقتور مردوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ تین یا چار دن پہلے میں نے اسے بہت برے حال میں دیکھا تھا لیکن اب وہ بالکل بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ فتح خان نے اس کا علاج کرانے کے ساتھ شاید اسے بہترین خوراک بھی فراہم کی تھی کیونکہ اس کی صحت بھی ٹھیک تھی۔ مہرو نے بتایا کہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں لے جانے کے کئی گھنٹے بعد فتح خان آیا اور اس نے مہرو کو انجکشن لگا کر بے ہوش کر دیا تھا اور اس کے بعد وہ زیادہ تر بے ہوش رہی تھی۔ اسے کچھ دیر کے لیے ہوش آتا تو اسے دوبارہ انجکشن لگا دیا جاتا تھا اور اسی بے ہوشی کے دوران میں اس کا علاج کیا جاتا رہا تھا۔ اسے شاید انجکشن کے ذریعے ہی خوراک دی جاتی رہی ہوگی اور ڈرپ کی مدد سے پانی کی کمی پوری کی جاتی ہو گی۔ میرے کہنی کے جوڑ پر انجکشن کا نشان تھا شاید اس سے کینولا منسلک کیا ہوگا اور پھر اسی کی مدد سے مجھے سب کچھ دیا جاتا رہا ہوگا۔ بار بار نس تلاش کرنے کی زحمت سے بچنے کے لیے ہی کینولا لگایا جاتا ہے۔ یقیناً مجھے بھی خوراک اور پانی دیا جاتا رہا تھا کیونکہ میں نہ تو کسی قسم کی کمزوری محسوس کر رہا تھا اور نہ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے مہرو سے کہا۔

''میں اب تمہیں کسی بڑے قصبے میں چھوڑوں گا تا کہ تمہیں ایسی کوئی پریشانی نہ ہو۔''

اس اطلاع نے اسے فکرمند کر دیا تھا کیونکہ پہلا تجربہ ہی خاصا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا اگر میں بروقت مداخلت نہ کرتا۔ وہ ایک بار پھر کچھ ہوس زدہ مردوں کے ہتھے لگ جاتی۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''فتح خان تم سے کیا کام لے رہا ہے؟''

''اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔'' اس نے پیش کش کرنے والے انداز میں کہا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا تو تم غلطی پر ہو۔ مجھے جو کرنا ہے اکیلے کرنا ہے۔''

''ایک کام کو ایک آدمی کے مقابلے میں دو آدمی زیادہ بہتر کر سکتے ہیں۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''جب تم واپس آنا تو پھر مجھے شہر میں چھوڑ دینا۔''

''مہرو میں جس کام کے لیے جا رہا ہوں وہ بہت مشکل ہے اور اس میں جوکھم بھی ہے۔ تم آرام سے واپس جا سکتی ہو کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے میری واپسی نہ ہو۔''

اس کا اصرار جاری رہا۔ ''میں کمزور عورت نہیں ہوں تم نے دیکھ لیا ہے، میری جگہ کوئی اور ہوتی تو اب تک مر چکی ہوتی۔ میں ہر مشکل میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں۔''

''تمہیں کیا ضرورت ہے ہر مشکل میں میرا ساتھ دینے کی؟'' میں نے ذرا خشک لہجے میں پوچھا۔ ''جب کہ تم واپس جا سکتی ہو ضروری نہیں ہے ہر بار تمہیں ایسے لوگ ملیں۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' وہ ہچکچا کر بولی۔ ''پر مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں تمہارے ساتھ رہوں گی تو

حفاظت سے رہوں گی۔ پھر میں تمہارے کام آؤں گی۔ بالکل بھی بوجھ نہیں بنوں گی۔''
اس کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وادی تک سفر میں مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر اس دوران میں وہ مجھ پر بوجھ بھی نہیں بنتی۔ وہ مضبوط جسم کی جوان خانہ بدوش عورت تھی۔ بلکہ دیکھا جائے تو عمر کے لحاظ سے لڑکی تھی۔ ہاں شادی شدہ تھی۔ اسے اونچے نیچے ناہموار راستوں پر سفر کا تجربہ بھی تھا۔ سامان خاصا تھا اور وادی سے بہت پہلے مجھے جیپ چھوڑ کر پیدل سفر کرنا تھا اگر وہ ساتھ ہوتی تو سامان اٹھانے والے دو ہو جاتے اور سب سے اہم بات جب میں وادی پہنچ جاتا اور اپنی ساری توجہ ہیرے تلاش کرنے پر مرکوز کر دیتا تو مجھے دوسرے کاموں کے لیے وقت نہیں ملتا جیسے کھانا بنانا، پانی اور لکڑی تلاش کر کے لانا اور سب سے اہم کام سامان کی حفاظت کرنا ہوتا۔ مہرو یہ کام آسانی سے کر سکتی تھی۔ اس کے بارے سوچتے ہوئے مجھے یاد آیا۔
''جب تمہیں امیر مقام پکڑ کر لایا تھا تو تم نے اپنے کسی بچے کا ذکر بھی کیا تھا۔ اب تمہیں اس کی پروا نہیں ہے؟''
اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ ''پروا کیوں نہیں ہے پر میں کیا کروں اب میں واپس تو نہیں جا سکتی۔''
''تب تمہارا بچہ کون سنبھالے گا۔ وہ دودھ پیتا ہے؟''
اس نے سر ہلایا۔ ''میری بہن دیکھے گی اس کا بھی بچہ ہے جو دودھ پیتا ہے وہ اسے دودھ پلا دے گی۔''
اس سفر میں پہلی بار مجھے اس سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ وہ ماں تھی اور ایک ماں کے لیے اپنے بچے سے دور رہنے سے زیادہ دشوار بات اور کوئی نہیں ہوتی ہے۔ وہ اَنا پرست تھی اس لیے اپنا دکھ ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ مگر اسے اپنے بچے کی یاد تو ستاتی ہوگی۔ وہ رو رہی تھی لیکن اپنے آنسو چھپانے کے لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ میں بھی چپ ہو گیا۔ خاصی دیر بعد اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''میں اس قابل نہیں ہوں کہ اپنے بچے کے پاس جاؤں اسے دودھ پلاؤں۔''
''یہ تمہارا خیال ہے لیکن میرا خیال ہے جو ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے تم تو ظلم کا شکار ہوئی ہو۔ ویسے اگر تم اپنے شوہر کے پاس واپس جاتیں تو وہ تمہیں قبول کر لیتا؟''
''راجو کا مجھے یقین ہے وہ مجھے قبول کر لیتا کیونکہ وہ جانتا ہے میں بدکردار نہیں ہوں اور وہ مجھ سے محبت بھی کرتا تھا۔ پر اُس کے گھر والے......''
وہ بولتے بولتے رک گئی۔ قبیلے اور گھر میں اس کا مستقبل غیر محفوظ تھا ممکن ہے راجو اسے طلاق دے دیتا۔ ویسے وہ خود کون سا کردار کا اچھا تھا۔ شہلا کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پھر یہ خانہ بدوش قبیلہ بھی جرائم پیشہ لگ رہا تھا۔ سردار اگر اپنے عزائم میں کامیاب ہو جاتا تو ہمیں مار کر یقیناً وہ گھر کو لوٹ لیتے اور پھر فرار ہو جاتے۔ وہ فتح خان نے اچانک آ کر ان کے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ بہر حال یہ سب مہرو سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ابھی تذبذب میں تھا کہ اسے لے کر جاؤں یا نہ لے جاؤں۔ اس وقت میں نے ذہن آزاد چھوڑ دیا۔ اگر بعد میں کوئی ایسی صورتِ حال بن جاتی جس میں اسے ساتھ لے جانا مناسب ہوتا تو میں اسے لے جا بھی سکتا تھا۔ ابھی تو بہت طویل سفر کرنا تھا۔ چھوڑنے کو میں اسے سوات شہر میں بھی چھوڑ سکتا تھا۔ مجھے اس کی فکر نہیں تھی۔
شام چار بجے تک سفر کے دوران کئی چھوٹے بڑے قصبے آئے لیکن میں نے کہیں جیپ نہیں روکی سوائے

ایک پیٹرول پمپ کے جہاں میں نے ٹنکی دوبارہ فل کرالی۔ اب میرے پاس اتنا پیٹرول تھا کہ میں رکے بغیر آرام سے اپنی منزل تک پہنچ سکتا تھا۔ ایک جگہ قصبے میں رک کر ہوٹل سے چائے منگوائی لیکن میں اور مہرو جیپ میں رہے تھے۔ پانچ ہزار فٹ سے اوپر آتے ہی جا بجا برف کے ڈھیر نظر آنے لگے تھے۔ یہ گزشتہ برف باریوں کی برف تھی جو پگھلنے کے لیے موسم بہار کی منتظر تھی۔ موسم ابر آلود تھا۔ کہیں بادل زیادہ تھے اور کہیں کم تھے لیکن کہیں پر بھی برف باری یا بارش کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ اس صورت میں سفر مخدوش ہو جاتا۔ کافی یا چائے گرم رکھنے کے لیے ایک عدد چھوٹے سائز کا تھرماس بھی جیپ میں موجود تھا۔ میں نے اسی میں ہوٹل سے چائے بھروالی تھی۔ یہاں جس قسم کے ہوٹل تھے ان میں ڈھنگ کی کافی ملنے کا امکان بہت کم تھا اس لیے میں نے چائے کو ترجیح دی۔ اگر چہ یہ دودھ پتی والی چائے تھی جس میں میٹھا بھی زیادہ ہوتا لیکن بہر حال چائے تھی اور گرم تھی۔

فتح خان نے مجھے خبردار کیا تھا کہ وہ مسلسل مجھ پر نظر رکھے گا اور اگر میں وادی کی طرف جانے والے راستے سے ہٹا تو وہ سویرا کے حوالے سے اپنی دھمکی پر عمل کر گزرے گا۔ سفر کے دوران میں جائزہ لیتا رہا تھا کہ کوئی جیپ کے پیچھے تو نہیں ہے لیکن مجھے کوئی تعاقب میں نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے باوجود میں خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ فتح خان کی ہدایات سے انحراف کر کے اسے موقع فراہم کروں۔ ہیروں کے لیے وہ پاگل ہو رہا تھا اور پاگل آدمی سے ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے کیونکہ وہ اپنے یا دوسرے کے نفع نقصان کا خیال نہیں کرتا ہے۔ اس موسم میں کہیں کوئی ڈھنگ کا ہوٹل یا کیفے کھلا ملنا محال تھا اور اگر کھلا بھی ہوتا تو وہاں کھانے کی کوئی ڈھنگ کی چیز ملنا محال تھا۔ اس لیے اس سفر کے دوران ہمیں ان ہی چیزوں پر گزارا کرنا تھا جو جیپ میں موجود تھیں۔ یہ سامان اچھا خاصا تھا اور اگر مہرو بھی ساتھ ہوتی تب بھی یہ دس دن کے لیے کافی ہوتا۔

چار بجے ہی موسم سرمئی ہو گیا تھا اور لگ رہا تھا کہ ایک گھنٹے بعد باقاعدہ تاریکی چھا جائے گی۔ اس کے بعد سفر مشکل ہو جاتا۔ ابھی ہم نے نصف راستہ طے کیا تھا وہ بھی اس وجہ سے کہ موسم خوشگوار تھا۔ ورنہ ہمیں سوات تک پہنچنے میں دو دن لگ سکتے تھے اور اس کے بعد کم سے کم ایک دن کا پیدل سفر تھا۔ میں نے سوچا کہ فتح خان کو معلوم نہیں ہے کہ کم سے کم چھ دن تو صرف آنے جانے میں لگ جائیں گے اس کے بعد ہیرے تلاش کرنے کے لیے صرف چار دن بچیں گے۔ اس کے خیال میں چار دن میں ایک آدمی اس میل بھر پھیلی وادی میں ہیروں کا وہ چھوٹا سا بلیک بکس تلاش کر سکتا تھا جو برٹ شا نے کہیں چھپایا تھا۔ اس کا امکان لاکھ میں سے کیا کروڑ میں سے ایک بھی نہیں تھا۔ مجھے ایک بار پھر شک ہونے لگا کہ فتح خان کسی اور چکر میں تھا وہ بھلا مجھ سے یہ ناممکن کام کس طرح کہہ سکتا تھا۔ مگر میں صرف شک کی وجہ سے سفر ترک نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ دیر میں تاریکی چھا جاتی اور اس موسم میں رات میں سفر کرنا بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اس لیے رات ہونے سے پہلے ہمیں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنا تھی جہاں رات گزار سکیں ورنہ اسی جیپ میں رات گزارنا پڑتی۔ اس وقت ہم ایک ویران اور تنگ سی سڑک سے گزر رہے تھے جس کے ایک طرف گہری ڈھلان تھی اور دوسری طرف آسمان کو چھوتا برف اور جنگل پوش پہاڑ۔ میں نے مہرو سے بھی کہا کہ وہ نظر رکھے ممکن ہے کوئی مناسب جگہ نظر آجائے۔ کوئی ایک گھنٹے بعد جب سچ مچ تاریکی چھانے لگی تھی۔ اچانک مہرو نے پہاڑ کے اوپر کی

طرف جانے والے ایک کچے راستے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہوسکتا ہے اس پر کوئی جگہ مل جائے۔''

میں نے جیپ روک کر راستے کا معائنہ کیا۔ اس پر مشینی گاڑیاں نہیں چلتی تھیں لیکن انسانوں اور جانوروں کی آمد و رفت باقاعدگی سے ہوتی تھی۔ میں نے کچھ سوچنے کے بعد جیپ اس طرف گھما دی۔ راستہ کچا لیکن ہموار تھا۔ ہم کچھ اوپر گئے ہوں گے کہ ایک چھوٹی سی عمارت دکھائی دی۔ نیچے سڑک سے یہ گھنے درختوں میں چھپی ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آئی تھی۔ پرانے انداز میں پتھروں اور اوپر کھپریل کی چھت سے بنا ایک ہی کمرہ تھا۔ شاید کسی زمانے میں یہ ریسٹ ہاؤس یا اس علاقے میں سفر کرنے والے سرکاری افسران کا عارضی پڑاؤ ہوگا لیکن اب یہ متروک ہو چکا تھا اور اس کی کھڑکیاں اور دروازہ غائب تھا۔ برآمدے کے اوپر آنے والی چھت غائب ہو چکی تھی لیکن کمرے کے اوپر کی چھت خستہ حال ہونے کے باوجود ابھی تک برقرار تھی۔ میں اور مہرو جیپ سے اتر کر کمرے تک آئے۔ فرش پر گرد اور پرندوں کی بیٹ کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور اس پر جوتا رکھے بغیر اندر جانا ممکن ہی نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایسا ہی ایک ڈھیر اندر بھی موجود ہوگا اور اسے صرف ایک رات کے لیے صاف کرنا ہم دونوں کے بس کی بات نہیں تھی کیونکہ اس میں بہت وقت لگ جاتا اور صفائی کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں تھا۔ اگر یہ کمرہ صاف ہوتا تو رات گزارنے کے لیے بہت بہترین جگہ ہوتی۔ یہاں ہم موسم کی سختی سے محفوظ رہتے۔

ہماری قوم کی مثال اس مفلس فقیر کی سی ہے جو اپنے پاس موجود چیز کی نہ تو پروا کرتا ہے اور نہ اسے سنبھال کر رکھتا ہے مگر مزید چیزوں کے لیے اس کے ہوس بھی کم نہیں ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک جن کے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے وہ اپنی ایک ایک چیز کو سنبھال کر استعمال کرتے ہیں اور اس سے پورا نفع حاصل کرتے ہیں اور ہم اپنی بنی بنائی چیزوں کو لاپروائی سے چھوڑ دیتے ہیں۔ بہت مضبوط پتھروں سے بنی یہ عمارت برسوں نہیں صدیوں قائم رہ سکتی ہے۔ اگر اس کی دیکھ بھال کی جاتی تو یہ روزِ اول کی طرح ہوتی۔ اگر سرکار کو اس کی ضرورت نہیں تھی تو اسے نجی شعبے کو فروخت کیا جا سکتا تھا کوئی غریب آدمی اسے لے کر چھوٹے موٹے ہوٹل میں بدل دیتا یا اپنی رہائش کے لیے استعمال کرتا۔ ان علاقوں میں درجنوں این جی اوز لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کر رہی ہیں یہ جگہ ان کو دفتر کے طور پر دی جا سکتی تھی۔ مگر اب یہ بےکار پڑی ہوئی تھی۔ انگریز کے دور کی بنی اس بہت مضبوط عمارت کی جگہ مقامی ٹھیکیداروں کی بنائی ایسا خوب صورت ریسٹ ہاؤس بن گیا ہوگا جسے ہر سال مرمت کی ضرورت ہوتی اور معمولی سا زلزلہ اسے تباہ کرنے کو کافی ہوتا۔ بہت افسوس کے ساتھ ہم واپس جیپ میں آگئے۔ مہرو نے کہا۔

''ہم اس میں بھی سو سکتے ہیں۔''

یہ بھی مشکل نہیں تھا۔ جیپ کی آرام دہ سیٹ پیچھے ہو جاتی تھی اور آدمی دراز نہ سہی نیم دراز ہو سکتا تھا۔ مگر میں اس کے ساتھ سونے کے خیال سے ہچکچا رہا تھا۔ عجیب بات تھی کچھ عرصے پہلے زرین کے ساتھ بھی بہت سا وقت اکیلے ویرانوں میں گزارا تھا لیکن مجھے اس کے ساتھ کبھی ایسی جھجک محسوس نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ اس کے انداز میں میرے لیے بہت والہانہ پسند آ گئی تھی۔ اس کے باوجود اس کے ساتھ مجھے خود پر پورا اعتماد ہوتا تھا کہ میں کسی بھی صورتِ حال میں اسے سنبھال لوں گا اور اس کی وجہ اس کا میری ذات پر اندھا اعتماد اور محبت تھی لیکن یہ خانہ بدوش عورت میرے لیے بالکل اجنبی تھی۔ ابھی چند دن پہلے ہی کئی صدموں سے گزری تھی اور مجھے بالکل نہیں معلوم تھا کہ اس صورتِ حال میں اس کا ردِعمل کیا ہوگا؟ میں اس سے محتاط تھا۔ یقیناً اس کے ذہن میں بھی

کوئی ایسا ویسا خیال نہیں تھا اور اتنی دیر میں وہ یہ تو جان گئی تھی کہ میں عورتوں کی طرف رغبت رکھنے والا یا ان کی مجبوری اور کمزوری سے فائدہ اٹھانے والا شخص نہیں ہوں۔ اس لیے وہ بلا جھجک جیپ میں سونے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

اس کے سوا کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا اس سردی میں کھلی فضا میں صرف خیمہ لگا کر ہی سویا جا سکتا تھا جب کہ درجہ حرارت یقیناً منفی سے نیچے تھا۔ پیچھے دو عدد کمبل بھی موجود تھے جو ہلکے لیکن کسی ایسے میٹریل سے بنے تھے جو بہت گرم ہوتا ہے۔ انجن بند ہونے کے بعد جیپ اندر سے بھی یخ ہو گئی تھی اور ان کپڑوں میں بھی سردی لگ رہی تھی۔ ابھی صرف چھ بجے تھے اور سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لیے پہلے ہم نے لکڑیاں اکٹھی کر کے الاؤ جلایا اور اس پر ٹن میں بند کھانا گرم کر کے کھایا میرے پیٹ میں یقیناً کئی دن سے کچھ نہیں گیا تھا اس لیے میں نے دودھ گرم کر کے اس میں کارن فلیکس لے لیا۔ پھر کافی تیار کی۔ اسے کافی سے رغبت نہیں تھی لیکن گرم ہونے کی وجہ سے اس نے پی لی۔ الاؤ ریسٹ ہاؤس کی دیوار کی اوٹ میں روشن کیا تھا۔ ایک تو یہاں ہم ہوا سے محفوظ تھے دوسرے میں نہیں چاہتا تھا کہ آس پاس کوئی موجود ہو تو روشنی دیکھ کر بلا وجہ تفتیش کے لیے یہاں چلا آئے۔ میں فی الحال کسی کے سوالات کا سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ نو بجے تک الاؤ بجھ کر انگاروں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ میں نے مہرو سے کہا۔

''اب سونے کی کوشش کرتے ہیں۔''

میں نے انگاروں پر ریت ڈالی اور ہم جیپ میں آ گئے۔ کمبل پہلے ہی نکال لیے تھے الاؤ کے پاس کمبل میں لپٹے بیٹھے تھے۔ مجھے تھکن محسوس ہو رہی تھی لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔ مہرو نے تلے آلو اور خشک گوشت کے ٹکڑے بھون کر کھائے تھے اس لیے اسے تو لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ میں کمبل میں لپٹا جاگتا رہا۔ صبح سے اب تک پہلی بار مجھے سکون سے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے یہ سوچنے کے بجائے کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا اور فتح خان نے مجھے کیوں چھوڑا تھا۔ اس پلان کو فتح خان کے نکتہ نظر سے دیکھا۔ یعنی اگر میں فتح خان کی جگہ ہوتا تو ہیروں تک رسائی کے لیے کس طرح کا پلان تیار کرتا۔ ذرا غور و خوص کے بعد مجھے فتح خان کا اس طرح مجھے چھوڑنا اور ہیروں کی تلاش میں اکیلے روانہ کرنا، پھر مجھے صرف دس دن کی مہلت دینا اور جواب میں ایسی دھمکی دینا جس پر عمل کرنے کے بعد میرے اور فتح خان کے درمیان مفاہمت کی ہر راہ بند ہو جاتی اور میں اس حکے سر سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہوتا۔ مجھے شاطر فتح خان سے ایسے منصوبے کی امید نہیں تھی۔

لیکن یہ توقع بھی نہیں تھی کہ اس کا اصل پلان یہی ہوگا جو اس نے مجھے خط کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کسی وجہ سے اس نے مجھے یوں آزاد چھوڑا تھا لیکن ساتھ ہی میری نگرانی کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ مجھے راستے میں بہت ساری جگہوں پر دور تک کوئی اپنے پیچھے نظر نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ فتح خان کسی دوسرے طریقے سے میری نگرانی کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں سگنل دینے والی ڈیوائس کا خیال پہلے بھی آیا تھا۔ آج کل ایسی جدید ڈیوائس عام ہیں۔ جو چھوٹی ہونے کے ساتھ کئی میل دور تک سگنل دے سکتی ہیں اور جی پی ایس کی مدد سے اپنا جائے وقوع بھی نشر کرتی ہیں۔ ڈیوڈ شا کے ساتھ کام کر کے فتح خان نے جدید الیکٹرانک ڈیوائسز کے معاملے میں خاصی ترقی کی تھی۔ اگر اس نے جیپ میں ایسی کوئی ڈیوائس لگا دی تھی تو میں کسی صورت اس کا سراغ

نہیں لگا پاتا اتنی بڑی جیپ میں اسے کہیں بھی چھپایا جا سکتا تھا اور بہت ساری جگہیں تو ایسی تھیں جنہیں مخصوص اوزاروں سے کھولے بغیر دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ فتح خان یا اس کے آدمی یقیناً اس وقت کہیں آس پاس چند میل کے فاصلے پر موجود ہو سکتے تھے۔

مجھے خیال آیا کہ اگر میں انہیں تلاش کرنے کی کوشش کروں تو کامیاب ہو سکتا ہوں لیکن پھر میں نے یہ خیال مسترد کر دیا۔ اول تو وہ احمق نہیں تھے کہ کسی کھلی جگہ موجود ہوتے اور میں ان کو آسانی سے تلاش کر لیتا۔ یقیناً انہوں نے خود کو چھپانے کی پوری کوشش کی ہوگی دوسرے وہ اس سڑک پر آگے پیچھے کہیں بھی ہو سکتے تھے میں ان کو صرف پیدل جا کر ہی تلاش کر سکتا تھا ورنہ جیپ کے حرکت میں آتے ہی وہ جان جاتے کہ میں اپنی جگہ سے نکل گیا ہوں۔ سوچتے سوچتے نہ جانے کس وقت مجھے نیند آ گئی تھی۔ پھر ٹپ ٹپ کی آواز سے میری آنکھ کھلی۔ کچھ دیر تو سمجھ میں نہیں آیا پھر میں چونکا۔ بارش ہو رہی تھی اور اس کی موٹی بوندیں چھت پر گر کر آواز پیدا کر رہی تھیں میں نے جیپ کی ڈیجیٹل کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کی تین بج رہے تھے۔ مہرو یقیناً گہری نیند میں تھی کیونکہ اس کے کمبل سے خراٹوں کی آواز آ رہی تھیں۔ روایتی معنوں میں انہیں سریلے خراٹے تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن کرخت مردانہ خراٹوں سے کہیں بہتر تھے۔ بعض دفعہ مجھے بیتو اور سفیر کے ساتھ سونا پڑتا تھا تو ان کے خوفناک خراٹے نیند حرام کر دیتے تھے۔ خود اپنے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا میں بھی کم خوفناک خراٹے نہیں لیتا تھا۔ بارش کے ساتھ ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا اور جیپ اندر سے بھی فریج بنی ہوئی تھی لیکن کمبل کی وجہ سے یہ سردی ناقابلِ برداشت نہیں تھی۔ میں سوچنے لگا کہ صبح جیپ کیسے اسٹارٹ ہوگی اس کا انجن تو بالکل جامد پڑا ہوگا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ شاید اس میں خصوصی اگنیشن سسٹم ہوگا جو بہت سردی میں بھی انجن کو اسٹارٹ کر دیتا ہے یہ خاص طور سے سرد جگہوں پر استعمال ہونے والی گاڑیوں میں لگایا جاتا ہے میں نے دعا کی کہ اس میں یہ سسٹم موجود ہو ورنہ صبح روانگی مشکل ہو جائے گی۔ دوبارہ آنکھ لگی تھی کہ کوئی چیز دھم سے جیپ کے بونٹ پر گری اور میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ باہر تاریکی تھی لیکن بونٹ پر بیٹھا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔ مہرو بھی اٹھ گئی تھی اس نے بہت آہستہ سے پوچھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''شش۔'' میں نے کہا اور غیر محسوس انداز میں ٹارچ سامنے کرتے ہوئے اچانک روشن کی تو بونٹ پر بیٹھا بڑے سائز کا بندر چھلانگ لگا کر بھاگ نکلا۔ مہرو ہڑبڑائی تھی لیکن اس نے عام خواتین کی طرح چیخ مارنے سے گریز کیا۔ بندر اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھا اس کے اپنے قبیلے میں اتنے ہی بندر ہوں گے جتنے کے آدمی ہوتے ہیں کیونکہ یہ خانہ بدوش بندر پالتے ہیں۔ ان کو کرتب سکھا کر مداریوں کو فروخت کرتے ہیں۔ اچانک دھم سے کوئی دوسرا بندر جیپ کی چھت پر کودا۔ اس کے وزن سے جیپ ہل کر رہ گئی تھی۔ شاید بندروں کو کھانے کی چیزوں کی بو آ گئی تھی اور وہ اس چکر میں جیپ کے آس پاس آ گئے تھے۔ میں نے شکر ادا کیا کہ یہ اس وقت نہیں آئے جب ہم باہر تھے شاید اس وقت بندروں کا یہ قبیلہ کہیں دور تھا ورنہ ہمارا سکون سے ڈنر کرنا ناممکن ہو جاتا۔ میں نے ٹارچ سے اردگرد روشنی ڈالی تو مجھے درجنوں کی تعداد میں بندر دکھائی دیئے تھے۔ اگرچہ ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ جیپ کی ونڈ اسکرین اور کھڑکیوں کے شیشے بڑے مضبوط قسم کے تھے اور یہ انہیں آسانی سے

نہیں توڑ سکتے تھے۔ مگر وہ دھما چوکڑی مچا کر اور بار بار جیپ پر کود کر ہمیں پریشان کر سکتے تھے۔ پھر ایسا ہی ہوا انہوں نے ریسٹ ہاؤس کی چھت اور آس پاس کے درختوں سے جیپ پر چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔ ایک کے بعد ایک وہ اس تواتر سے کود رہے تھے کہ جیپ میں بھونچال آ گیا تھا اور شور بے پناہ تھا۔

''کچھ کرو۔'' مہرو نے گھبرا کر کہا۔ ''یہ اندر نہ گھس آئیں۔ ان کے دانتوں اور ناخنوں میں زہر ہوتا ہے آدمی کو کاٹ لیں یا ناخن ماریں تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔''

وہ بندروں کے بارے میں بہتر جانتی تھی۔ میں نے کہا۔ ''فکر مت کرو یہ اندر نہیں آ سکتے ہیں یہ شاید ڈرا کر ہمیں جیپ سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔''

''یہاں سے نکلو کہیں یہ گاڑی کا نقصان نہ کر دیں۔''

میں بھی یہی سوچ رہا تھا کیونکہ جیپ جس بری طرح ہل رہی تھی اگر اس کی بیٹری سے ایک آدھ تار لوز ہو جاتا تو جیپ اسٹارٹ ہی نہ ہوتی۔ میں نے کمبل نیچے کیا اور سیدھے ہو کر اگنیشن گھمایا۔ یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ایک بار ہلکی سی گھر گھراہٹ کے بعد انجن اسٹارٹ ہو گیا تھا۔ انجن کی آواز اور ہیڈ لائٹس کی روشنی ہوتے ہی بندروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا ان کی سمع خراش چیخیں اندر تک کانوں میں چبھ رہی تھیں۔ باہر تو ماحول ہی کچھ اور ہوگا۔ میں نے جیپ ریورس کی اور کہیں بلندی سے ایک سمر سالٹ کا مظاہرہ کرنے والا خاصے بڑے سائز کا بندر دھڑام سے پکی زمین پر گرا ایک تو اس کا نشانہ خطا گیا تھا اور دوسرے زمین یقیناً جیپ کی چھت سے زیادہ سخت تھی۔ وہ تکلیف کے عالم میں اٹھا اور لڑھکتا ہوا ایک درخت کے پیچھے غائب ہو گیا۔ پیچھے موجود بندر بھی افراتفری میں جان بچانے کے لیے بھاگے اور ایک نے دور سے لکڑی کھینچ کر ماری جو ونڈ اسکرین پر لگی لیکن اسے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ بندروں کی دھما چوکڑی سے قطع نظر میں پورے دھیان سے جیپ کو اس تنگ راستے پر لا رہا تھا جو ہمیں نیچے سڑک تک لے جاتا۔ یہاں ریورس کرنے کی گنجائش بہت کم تھی بمشکل میں نے یہ کام کیا اور ہم پہاڑی سے اترنے لگے۔

بندر اب بھی جیپ کے آس پاس شور مچا رہے تھے۔ ویسے میں حیران تھا کہ بندر اس سردی میں اتنی بلندی پر موجود تھے کیونکہ سردیوں میں یہ گروہوں کی صورت میں نیچے مارگلہ کے پہاڑوں کا رخ کرتے ہیں جہاں سردی اتنی شدید نہیں ہوتی ہے اور ان کے کھانے کو کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ جیپ میں لگے آلٹی میٹر کے مطابق ہم اس وقت چھ ہزار فٹ سے ذرا اوپر تھے۔ سڑک تک آتے آتے بندروں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ جیپ روک کر میں نے گھڑی کی طرف دیکھا اور حیران ہوا صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے جب کہ مجھے ایسا لگا تھا کہ بس میں نے ایک جھپکی لی تھی کہ بندروں کی ٹولی آن موجود ہوئی تھی۔ ابھی تاریکی تھی اور سورج نکلنے میں ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کا وقت تھا۔ بارش رک گئی تھی لیکن سڑک پر پھسلن موجود تھی اس لیے میں نے روشنی ہونے تک یہیں رکنے کا فیصلہ کیا۔ شکر ہے دھند نہیں تھی ورنہ اس طرح سڑک پر رکنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ احتیاطاً میں جیپ کو ذرا آگے لے آیا تاکہ بندروں کو تسلی ہو جائے کہ ان کے علاقے میں گھس آنے والے فرار ہو گئے ہیں۔

ہماری نیند پوری ہو گئی تھی۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ رات کو کھایا کارن فلیکس کب کا ہضم ہو گیا تھا۔ اس موسم میں بھوک ویسے بھی زیادہ لگتی ہے۔ مہرو نے ڈٹ کر کھایا تھا لیکن اس نے بھی کچھ دیر بعد بھوک کی بات کی

میں نے کہا۔ ''روشنی ہو جائے پھر اسٹوو جلا کر کچھ کرتے ہیں۔''

میں جسم سکیڑ کر پچھلی نشست پر آیا اور اندر کی روشنی آن کر کے سامان کا جائزہ لینے لگا۔ فتح خان نے پشت پر باندھنے والے دو عدد بیگ بھی رکھے تھے۔ فی الحال یہ خالی تھے لیکن اتنے بڑے تھے کہ ہم جیپ میں موجود کھانے پینے اور ضرورت کا سارا سامان ان میں باندھ کر پیدل سفر کر سکتے تھے۔ میں نے پہلے سامان کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک بیگ میں نے اپنے لیے تیار کیا اس میں ساری بھاری چیزیں رکھیں۔ دوسرا بیگ مہرو کے لیے بنایا اس میں ہلکی چیزیں رکھیں۔ میرے بیگ کا وزن تقریباً تیس کلوگرام تھا جب کہ مہرو والے کا بیس کلوگرام سے زیادہ نہیں تھا۔ مہرو نے پوچھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''سفر کی تیاری۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''ایک جگہ پہنچ کر میں جیپ چھوڑ دوں گا اس سے آگے پیدل سفر کرنا ہے یہ سارا سامان اسی سفر کے لیے ہے۔''

''تب تم اسے استعمال مت کرو۔'' اس نے مشورہ دیا۔ ''کھانے کا سامان ہم راستے سے لے سکتے ہیں۔ یہاں دکان نہ ہو تو کسی گھر سے لے سکتے ہیں۔''

وہ درست کہہ رہی تھی۔ یہ سامان صرف سفر کے لیے تھا اور ہمیں کھانا پینا مقامی لوگوں سے کرنا چاہیے تھا۔ میرے پاس رقم تھی اور اس سے ہم کچھ بھی خرید سکتے تھے۔ میں نے اس سے اتفاق کیا اور ساتھ ہی نوٹ کیا کہ اس نے اپنا ذکر بھی کیا تھا جیسے اس سفر میں وہ بھی میرے ساتھ ہو گی۔ میں نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ سامان پیک کرتے ہوئے ساڑھے چھ بج گئے تھے۔ بارش کے بعد آسمان صاف ہو گیا تھا اور صبح کی سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ اس لیے میں نے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا اگرچہ نیچے سڑک ابھی تک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہم پونے سات بجے روانہ ہوئے اور سات بجے تک روشنی تیز ہو گئی تھی۔ اوپری چوٹیوں پر دھوپ جھلکنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد مہرو نے دور سے اٹھنے والے دھویں کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ دیکھو وہاں کچھ ہے۔''

''ممکن ہے لیکن یہ کوئی چشمہ بھی ہو سکتا ہے جس کے گرم پانی سے بھاپ اٹھ رہی ہو؟''

''یہ بھاپ نہیں آگ کا دھواں ہے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ اس کا یقین درست ثابت ہوا جب ہم دس منٹ بعد سڑک کے کنارے بنے ایک کچے ہوٹل تک پہنچے۔ اس کی ٹین کی چھت پر لگے چمنی کے پائپ سے دھواں اٹھ رہا تھا اور اندر سے چائے اور شاید پراٹھوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے ہارن دیا تو صرف شلوار قمیص میں ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا باہر آیا۔ میں جیپ سے اتر آیا اور باہر آنے پر مجھے پتا چلا کہ اصل سردی تو باہر تھی۔ جیپ اندر سے خاصی گرم تھی۔ میں لرز گیا تھا لیکن لڑکا سکون سے کھڑا تھا اس نے اسفنج کی چپل پہن رکھی تھی۔ وہ جیپ اور میرے حلیے سے سمجھ گیا تھا کہ میں شہر سے آیا ہوں اس نے اردو میں کہا۔

''جی صاحب؟''

''ناشتہ ملے گا؟''

''کیوں نہیں صاحب بالکل ملے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔ اتنی صبح گاہک آ جانا خوشی کی بات تھی جب کہ اندر ابھی ناشتے کی تیاری کا آغاز ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''کیا ملے گا؟''

''پراٹھا، انڈہ، دہی اور چائے۔'' اس نے فرفر مینو بتا دیا۔

''سب لے آؤ لیکن ناشتہ جیپ میں کریں گے۔'' میں نے اسے ایک پانچ سو کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔

''برتن صاف ستھرے ہوں اور دو الگ الگ ٹرے میں لانا، چائے بعد میں لانا سمجھ گئے؟''

''جی صاحب۔'' وہ مزید خوش ہو گیا کیونکہ میں نے اسے پہلے ہی ناشتے کی قیمت سے زیادہ رقم دے دی تھی۔ وہ اندر دوڑ گیا اس نے مہرو کو دیکھ لیا تھا اس لیے تعجب نہیں کیا کہ میں جیپ میں ہی ناشتہ کرنا چاہتا تھا۔ ذرا دیر کے لیے دو بار جیپ کا دروازہ کھلا تھا تو اندر بھی موسم یخ ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے کچھ دیر کے لیے انجن اسٹارٹ کر کے ہیٹر چلایا تو جان میں جان آئی تھی۔ اتنی دیر میں مہرو نے کمبل تہہ کر کے رکھ دیئے تھے۔ ہمارے پاس گفتگو کے لیے کوئی موضوع نہیں تھا اس لیے خاموشی سے ناشتے کا انتظار کرتے رہے۔ ناشتہ پندرہ منٹ بعد آیا تھا۔ لڑکا دو ڈھکی اسٹیل کی چھوٹی ٹریز میں پراٹھے اور تلے ہوئے دیسی انڈے لایا تھا۔ انڈے اور پراٹھے دونوں دیسی گھی میں تلے گئے تھے۔ دو عدد پراٹھے فی کس خاصے بھاری تھے لیکن جب ہم نے کھانا شروع کیا تو پتا ہی نہیں چلا کہ کب ختم ہو گئے۔ میں تو بھوکا تھا ہی مہرو نے بھی پورا انصاف کیا۔ ناشتے نے پیٹ تو بھر دیا تھا لیکن نیت نہیں بھری تھی۔ بہر حال اتنا بھی کافی تھا۔ لڑکا بالکل درست وقت پر دو عدد بڑے سائز کے فولادی مگوں میں چائے لے آیا۔ چائے میں اگر چہ ہر چیز بہت تھی۔ یعنی بہت دودھ، بہت پتی اور بہت چینی لیکن اس نے اس موسم میں بھر پور مزہ دیا تھا۔ لڑکا ٹرے واپس لے گیا تھا۔ جب وہ مگ لینے آیا تو میں نے اسے تھرماس دیا۔

''اس میں تازہ چائے بنوا کر لے آؤ لیکن اس میں دودھ کم ہو اور چینی بالکل نہ ہو سمجھ گئے۔''

''سمجھ گیا صاحب۔'' اس نے کہا اور پھر دبے لفظوں میں بولا۔ ''صاحب اگر ٹپ دینا ہو تو الگ سے دینا۔''

دوسرے لفظوں میں وہ بتا رہا تھا کہ اگر میں نے رقم چھوڑی تو ہوٹل کا مالک اسے نہیں دے گا۔ میں نے ایک سو کا نوٹ اس کی جیب میں رکھا اور کہا۔ ''مالک سے بولو آکر حساب کرے۔''

لڑکا خوشی خوشی واپس چلا گیا۔ مہرو کو غالباً میری فیاضی اچھی نہیں لگی تھی کیونکہ وہ منہ بنا کر دیکھ رہی تھی ظاہر ہے وہ جس معاشرے کی پروردہ تھی وہاں کسی کو بلا وجہ کچھ دینے کا رواج نہیں تھا وہ لوگ تو صرف لینے کے قائل تھے۔ کچھ دیر بعد ہوٹل کا مالک مہرو سے بھی زیادہ برا منہ بنا کر باہر آیا۔ اس نے دو سو اور کچھ رقم میرے حوالے کی۔ اگر چہ اس نے ناشتے کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کر لی تھی لیکن اب ٹپ کا امیدوار بھی تھا میں نے اسے بھی مایوس نہیں کیا اور دو سو کے علاوہ جو اوپر تھا وہ اسے دے دیا اگر چہ یہ اس کے لیے کم تھا کیونکہ اس کا منہ تھوڑا سا ہی بہتر ہوا تھا وہ شاید تمام رقم کے چکر میں تھا۔ کچھ دیر بعد لڑکا تھرماس لے کر آیا تو میں نے باقی دو سو بھی اسے تھما دیئے۔ لڑکے کی خوشی دیکھنے والی تھی اور مہرو کا منہ مزید بن گیا تھا۔ جیسے ہی میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو اس نے کہا۔

''اتنی رقم دینے کی کیا ضرورت تھی۔ پانچ دس روپے دے دیتے۔''

''او ہ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا میں پانچ دس دے دیتا۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''بلکہ تم پہلے مل جاتیں

تو میری بہت ساری رقم بچ جاتی کیونکہ میں عام طور سے اتنی ہی رقم دیتا ہوں۔''
وہ سمجھ گئی کہ میں مذاق اُڑا رہا ہوں اس لیے کھسیا کر چپ ہوگئی۔ ناشتہ کرنے کے بعد مجھ میں اتنی توانائی آ گئی تھی کہ میں رات تک کھائے پیئے بغیر گزارا کر سکتا تھا۔ اس دوران میں سڑک والا حصہ بھی روشنی میں آ گیا تھا۔ میں اچھے موسم کا فائدہ اٹھا کر تیز ڈرائیونگ کرنے لگا۔ بعض اوقات جیپ کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی تھی کہ وہ اس سڑک پر خطرہ محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں مہرو خوف زدہ ہو جاتی تھی۔ مگر اس نے زبان سے خوف کا اظہار نہیں کیا صرف اس کے تاثرات سے پتا چلتا تھا کہ وہ خوف زدہ ہے۔ کیونکہ اس بار سفر کا آغاز بالکل صبح سویرے کر دیا تھا اس لیے بارہ بجے تک ہم سوات کے قریب پہنچ گئے تھے۔ خوش قسمتی سے اب تک نہ تو کسی لینڈ سلائیڈنگ سے واسطہ پڑا تھا جو اس موسم میں اور اس علاقے میں عام سی بات تھی اور نہ کہیں برف باری یا بارش سے سامنا ہوا تھا۔ کہیں کہیں بادل ضرور تھے لیکن اس دن سفر کا بڑا حصہ روشنی اور چمکتی دھوپ میں طے ہوا تھا۔ بارہ بجے میں نے ایک جگہ جیپ روک لی۔ یہاں چھوٹا آبشار بہہ رہا تھا۔ ہم نے اس کا صاف پانی بوتلوں میں بھرا۔ کچھ ضروریات سے فارغ ہوئے اور چائے پی کر تازہ دم ہو کر آگے روانہ ہو گئے۔

تین بجے ہم سوات شہر میں داخل ہوئے۔ حالات اور سردی نے یہاں کی رونقوں کو مرجھا دیا تھا۔ تقریباً تمام ہی ہوٹل بند تھے۔ صرف ایک ہوٹل کھلا ہوا ملا اور اس میں بھی کچن بند تھا۔ بڑی مشکل سے اس کا منیجر ہمارے کھانے کا انتظام کرنے پر تیار ہوا۔ اسے حیرت ہوئی کہ ہم ہوٹل کے بہترین ڈائننگ ہال کے بجائے کھانا جیپ میں کھانا چاہتے تھے۔ خوش قسمتی سے ایک مرغا دستیاب تھا جس کا وہ ہماری خاطر چرغا بنانے کو تیار ہو گیا لیکن اس میں ایک گھنٹہ لگ جاتا۔ بہرحال یہ ہمارا آخری آسرا تھا کیونکہ اس کے بعد ہمیں مزید بلندی اور آبادیوں سے پرے جانا تھا اس لیے ہم انتظار کرنے پر مجبور تھے۔ ساتھ ہی میں نے منیجر سے کہا کہ وہ ہمیں بیس بڑے روغنی نان تیار کر دے۔ یہ نان اس موسم میں دو تین ہفتے آرام سے محفوظ رہ سکتے تھے اور پیدل سفر میں بہترین خوراک ثابت ہوتے۔ میں نے مہرو سے کہا۔ ''اگر تم واپس جانا چاہو تو یہاں سے موقع ہے بسیں چل رہی ہیں جو پندرہ گھنٹے میں تمہیں واپس اسلام آباد پہنچا دیں گی۔''

اس نے انکار کر دیا۔ ''نہیں میں تمہارے ساتھ واپس جاؤں گی مجھے ڈر ہے میرے قبیلے والے مجھے تلاش کر لیں گے اور فوراً مار ڈالیں گے۔ تمہارے ساتھ میں محفوظ رہوں گی۔ تم مجھے وہاں بھیج دینا جس کا تم نے کہا تھا کیا نام تھا؟''

''شاید یہ تمہاری خوش فہمی ہے، لیکن خیر جیسے تمہاری مرضی۔'' میں نے کہا۔ ''اگر ہم واپس آ گئے تو میں تمہیں دارالامان پہنچا دوں گا۔''

چار بجے ہم نے کھانا کھایا اور اس کے فوری بعد روانہ ہو گئے۔ میرے اندازے کے مطابق ابھی دو گھنٹے کا سفر باقی تھا اور میں بہرصورت آج اس جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں سے ہم آگے پیدل سفر کرتے۔ فتح خان نے نقشے میں اس مقام کی وضاحت کی تھی۔ ظاہر ہے یہ ان مقامات سے بالکل ہٹ کر تھا جو راجا عمر دراز کے محل یا اس جگہ سے آتے تھے جہاں سے میں بھٹکتے بھٹکاتے ہوئے ایمن شا کے ساتھ وادی سے نکلا تھا یہ وادی تک جانے کا سب سے مختصر راستہ تھا۔ سوات کے بعد جیپ پھر بلندیوں کی طرف جا رہی تھی اور چاروں طرف برف ہی برف

دکھائی دے رہی تھی۔ بلندی کے ساتھ ساتھ سردی بھی بڑھ رہی تھی۔ سوات سے نکلتے ہوئے میں نے ایک بار پھر ٹنکی فل کرائی تھی اور ساتھ میں ایک کین جسے راستے میں ٹنکی میں ڈالا تھا وہ بھی بھروالیا تھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''شمال کی طرف۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن شمال میں کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ کسی قدر جھنجھلا گئی۔

''کیا تم نے یہ علاقہ پہلے کبھی دیکھا ہے؟'' میں نے برف سے اَٹی سڑک پر احتیاط سے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ میں کنارے سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ برف کی وجہ سے سڑک پر اتنی پھسلن تھی کہ بریک لگانے پر بھی جیپ کئی فٹ تک پھسلتی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تب تمہارا جاننا بیکار ہے کہ میں تمہیں کہاں لے جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ یہ جوکھم کا سفر ہے لیکن تم خود اصرار کر کے آئی ہو اس لیے مہربانی کر کے کوئی شکایت مت کرنا۔''

''میں شکایت نہیں کر رہی میں تو پوچھ رہی ہوں ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے اس بار بدلے ہوئے انداز میں کہا۔

''زیادہ دور نہیں جانا ہے کل صبح ہم پیدل سفر شروع کریں گے اور رات سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔'' میں نے کسی قدر بے زاری سے کہا۔ ''اب سوال مت کرو تم ساتھ ہو خود دیکھ لوگی۔''

وہ چپ ہوگئی۔ شہر سے نکل کر ویرانوں میں سفر کرتے ہوئے میں مسلسل عقب پر نظر رکھے ہوئے تھا لیکن ابھی تک مجھے تعاقب کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ مگر یہ بات یقینی تھی کہ فتح خان یا اس کے ساتھی ہمارے پیچھے ہیں۔ اس وقت ہم ایک درّے نما جگہ سے گزر رہے تھے سڑک کے دونوں طرف اونچی برف پوش چوٹیاں تھیں۔ درّے کی بلندی پر پہنچ کر جیسے ہی ہم دوسری طرف اترے میں نے جیپ روک دی۔ مہرو نے میری طرف دیکھا۔

''جیپ کیوں روکی ہے؟''

''کچھ نہیں تم اندر رکو۔'' میں نے اس سے کہا اور اپنی جیکٹ کے کالر کھڑے کرتے ہوئے جیپ سے اتر آیا۔ جیپ کا اندر ہیٹر آن تھا اس لیے اندر درجہ حرارت خوشگوار تھا۔ جب کہ باہر غضب کی سردی تھی۔ سامان میں چرمی دستانے بھی تھے۔ وہ اس وقت کام آئے۔ ورنہ ہاتھ ٹھٹھر جاتے۔ جیکٹ بہت اعلیٰ درجے کی تھی اس کے کالر میں ہلکا پلاسٹک استعمال ہوا تھا اس لیے کالر با آسانی کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک انہیں نیچے نہیں کیا جاتا یہ ازخود نیچے نہیں آتے تھے۔۔ اس کی وجہ سے گردن اور کان سردی سے بچے ہوئے تھے۔ درہ کم سے کم ایک کلومیٹر طویل تھا اور سڑک دور تک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اگر فتح خان کے آدمی میرے تعاقب میں تھے تو وہ کتنا پیچھے تھے؟ اگرچہ اس کا امکان تھا کہ جیپ رکتے ہی ان کو پتا چل گیا ہوگا اور وہ خود بھی رک گئے ہوں گے۔ میں سوچ رہا تھا کہ پیدل واپس جا کر ان کا سراغ لگاؤں۔ ابھی میں فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مہرو بھی اتر کر میرے پاس آگئی۔ باہر کی سردی نے اسے کانپنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''تم اتنی سردی میں باہر کیوں کھڑے ہو؟''

''تم اندر بیٹھو۔'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا لیکن وہ بدستور وہیں کھڑی رہی۔ مجھے کھڑے دس منٹ ہو گئے تھے لیکن سڑک کے دوسرے سرے پر ابھی تک کوئی گاڑی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ فتح خان یا اس کے آدمی جان گئے تھے کہ میں رک گیا ہوں اور کیا وہ بھی رک کر انتظار کر رہے تھے کہ میں آگے بڑھوں تو وہ بھی میرا تعاقب شروع کریں۔ میں سچ مچ ان کا قیدی بن کر رہ گیا تھا۔ مہرو میرے پیچھے کھڑی تھی۔ اچانک اس نے کہا۔

''یہ تمہارے کوٹ پر کیا لگا ہے؟'' اس کا اشارہ جیکٹ کے کھڑے کالر کی طرف تھا۔

''کیا لگا ہے؟'' میں نے پیچھے ہاتھ مارا تو میرا ہاتھ کالر کے کپڑے سے چپکی ایک چکنی چیز پر گیا۔ یہ شاید ایک انچ لمبی تھی۔ میں نے اسے اتارنا چاہا تو وہ بہت مضبوطی سے چپکی ہوئی تھی۔ اسے اکھاڑنے کی کوشش میں کپڑا بھی اتر جاتا۔ جیکٹ اتارے بغیر میں اسے نہیں دیکھ سکتا تھا اور اس سردی میں جیکٹ اتارنے کے خیال سے روح فنا ہو رہی تھی۔ مگر اس چیز کو دیکھنا تو تھا میں نے دل کڑا کر کے جیکٹ کی زپ کھولی اور اسے اتار دیا۔ کالر پر چپکی چیز سامنے آ گئی۔ یہ ایک چھوٹی سی چپ نما چیز تھی۔ اسی لمحے درّے کے آغاز سے ایک بڑی گاڑی نمودار ہوئی اور تیزی سے ہماری طرف آنے لگی تھی۔



مجھے سمجھنے میں سیکنڈ لگا تھا کہ یہ سگنل دینے اور شاید ہماری گفتگو نشر کرنے والا آلہ تھا لیکن اس کی جسامت بہت ہی چھوٹی تھی۔ مشکل سے ایک انچ لمبا اور تہائی انچ چوڑی اس چپ کی موٹائی تین ملی میٹرز سے زیادہ نہیں تھی اور وزن شاید چند گرام تھا اس لیے جیکٹ کے فولڈ کالر میں اس کی موجودگی کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ اگر یہ مائیکروفون کا کام بھی کرتی تھی تو میں نے اتنا چھوٹا مائیکروفون آج تک نہیں دیکھا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اس کا تفصیلی معائنہ کرتا یا اسے اتارنے کی کوشش کرتا۔ درّے کے دوسری طرف سے آنے والی جیپ تیزی سے ہماری طرف آ رہی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا تھا۔ میں نے جیکٹ پہنتے ہوئے جیپ کا رخ کیا۔ مہرو میرے پیچھے لپکی۔ ''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے جلدی سے آؤ۔'' میں نے عقب میں اشارہ کیا اور جیپ میں آ گیا۔ فوراً ہی مہرو بھی اندر گھس آئی۔

''جلدی کس بات کی ہے۔'' اس نے گھبرائے انداز میں کہا۔ ''کیا کوئی ہمارے پیچھے ہے؟''

''فکر مت کرو اگر کوئی پیچھے ہے تو میں اس سے نمٹ سکتا ہوں۔''

مہرو میں زنانہ تجسس بہت زیادہ تھا۔ ''یہ جو گاڑی آ رہی ہے اس میں کوئی ہمارے پیچھے ہے؟''

''شاید۔'' میں نے ٹالا کیونکہ اسے چپ کے بارے میں کیا سمجھاتا۔ اس نے پھر سوال کیا۔

''یہ تمہارے کوٹ سے کیا لگا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم شاید اسٹیکر ہے۔'' میں نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''اب ذرا خاموش ہو کر بیٹھو اور مجھے توجہ سے ڈرائیونگ کرنے دو یہاں ذرا سی غفلت کا مطلب ہے ہم کسی کھائی میں پڑے ہوں گے۔''

مہرو خاموش ہو گئی لیکن اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ میری وضاحتوں سے مطمئن نہیں تھی۔ میں نے سوات روانگی سے پہلے نقشہ دیکھا تھا ہمیں تقریباً ستر اسّی میل کا فاصلہ طے کرنا تھا تب ہم اس مقام تک پہنچتے جہاں سے ہمیں وادی کی طرف پیدل سفر شروع کرنا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ابھی ہم اس جگہ سے کوئی بیس میل دور تھے اور اگر سڑک آگے بھی صاف ملتی تو ایک سوا گھنٹے میں ہم وہاں پہنچ جاتے۔ مجھے سو فیصد تو نہیں لیکن نوے فیصد یقین تھا کہ اس بڑی جیپ میں فتح خان یا اس کے آدمی ہمارے پیچھے تھے۔ وہ اپنے باپ پر اعتبار کرنے والا آدمی

نہیں تھا مجھ پر کیسے اعتبار کرتا حالانکہ سویرا کو قبضے میں لے کر اس نے مجھے بے دست و پا کر دیا تھا اس کے باوجود اسے شک تھا کہ شاید میں کوئی چال چل جاؤں۔

اس لیے اس نے مجھے بالکل ہی آزاد نہیں چھوڑا تھا۔ نہ صرف اس کے آدمی میرا اور مہرو کا پیچھا کر رہے تھے بلکہ اس نے میری جیکٹ میں ایک ایسی چپ بھی لگا دی تھی جو ہمارے مقام کی نشاندہی تو کرتی تھی شاید ہماری آوازیں بھی کہیں پہنچاتی تھی۔ فتح خان نے چالاکی دکھائی کہ چپ گاڑی میں لگانے کے بجائے میری جیکٹ کے کالر میں لگا دی۔ گاڑی خراب ہو سکتی تھی اور میں اسے خود سے چھوڑ بھی سکتا تھا لیکن اس موسم میں جیکٹ کہاں چھوڑتا؟

اس کی چال اب کسی قدر میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ مجھے اپنی قید میں رکھے گا تو میں اس طرح کام نہیں کروں گا جیسے آزاد رہنے کی صورت میں کر سکوں گا۔ اگر میں اس کی قید میں رہتے ہوئے ہیرے تلاش کرنے میں ناکام رہا تو اس وقت ناکامی میں وہ بھی شریک ہوگا لیکن اگر وہ مجھے آزاد کر دے گا تو ہیرے تلاش کرنا مکمل طور پر میری ذمے داری بن جائے گی اور میری ناکامی کی صورت میں وہ سویرا کو اپنی دھمکی کے مطابق مرشد کے حوالے کرنے میں آزاد ہوگا۔ اس لیے اس نے مجھے بہ ظاہر آزاد چھوڑ دیا تاکہ میں اپنی پوری توجہ ہیرے تلاش کرنے پر لگا سکوں اور وہ دور سے میری نگرانی کرتا رہے۔ جیکٹ کے کالر میں لگی چپ کے بارے میں، مَیں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس سے فتح خان یا اس کے آدمی صرف ہماری لوکیشن سے واقف ہوتے تھے یا اس کی مدد سے ہماری گفتگو بھی سنتے تھے۔ اگر یہ آواز بھی نشر کر رہی تھی تو نہایت تشویش کی بات تھی۔ میں اس سے چھٹکارا بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اس کی موجودگی میں کھل کر بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن دوسری طرف میں اس چپ سے فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔ مجھے بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے ساتھ مہرو تھی جس کا میرے کسی معاملے سے کوئی تعلق نہیں تھا اس کا ساتھ میرے لیے بوجھ تھا لیکن میں اسے ساتھ لیے پھرنے پر مجبور تھا اس ویرانے میں اسے کہاں چھوڑتا۔ ایک آبادی میں فوراً کچھ لفنگے اس کے چکر میں آ گئے تھے یہاں تو وہ کسی انسان نما بھیڑیے کے ہتھے چڑھ جاتی۔ میں غور کر رہا تھا کہ اس چپ سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن پہلے یہ جاننا ضروری تھا کہ واقعی یہ چپ آواز بھی نشر کرتی تھی۔ درّے سے گزر کر ابھی تک وہ جیپ اس طرف نہیں آئی تھی حالانکہ ہم خاصے آگے آ چکے تھے اور جیپ جس رفتار سے آ رہی تھی اسے لازمی درّے کے پار آ جانا چاہیے تھا۔ اس کا مطلب تھا اس میں فتح خان یا اس کے آدمی تھے اور وہ صرف اس لیے تیزی سے آئے تھے کہ میں رک گیا تھا اور جب میں نے دوبارہ سفر شروع کر دیا تو انہوں نے بھی مناسب فاصلے سے تعاقب شروع کر دیا۔ پیچھے تقریباً دو کلومیٹرز تک سڑک صاف تھی۔ میں نے ایک جگہ جیپ روک دی۔

''کیا ہوا جیپ کیوں روکی ہے؟'' مہرو چونک کر بولی۔

''ایک منٹ میں ابھی آیا تم نیچے مت اترنا۔'' میں نے کہا اور جیپ سے باہر آ کر ڈھلان سے نیچے جانے لگا اصل میں فطرت مجھے پکار رہی تھی۔ ایک منٹ میں فارغ ہو کر میں اوپر آیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

''تم کیوں باہر گئے تھے؟'' مہرو نے پھر سوال کیا۔

''ایک اہم چیز چھپانی تھی۔'' میں نے کہا۔ ''اگر وہ فتح خان کے ہاتھ لگ گئی تو میرے لیے اچھا نہیں ہوگا۔''

حسبِ توقع اس نے فوراً سوال کیا۔ ''تم نے کہاں چھپائی ہے؟''

''نیچے سرخ پتوں والی ایک جھاڑی کے نیچے۔'' میں نے جیپ آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور رفتار سُست رکھی تھی۔ میری نظر عقبی آئینے پر تھی۔ تقریباً ایک کلومیٹر آگے نکل جانے کے بعد مجھے وہی بڑی جیپ اسی جگہ رکتی دکھائی دی جہاں میں نے جیپ روکی تھی۔ اتنی دور سے وہ بس گہرے سبز رنگ کا دھبہ دکھائی دے رہی تھی اور اپنے رنگ کی وجہ سے پہچانی گئی تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس سے کوئی اترا ہے یا نہیں۔ میں نے جیپ کی رفتار بہت سُست کر دی لیکن روکی نہیں ورنہ وہ ہوشیار ہو جاتے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ وہاں کتنی دیر رکتے ہیں۔ مہرو نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن میں نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا۔ اگر میرے پاس دوربین ہوتی تو میں واضح دیکھ سکتا تھا کہ وہ گاڑی روک کر کیا کر رہے تھے۔ بہر حال ان کی اس حرکت سے میرا شبہ پختہ ہو گیا کہ چپ آواز بھی نشر کر رہی تھی۔ میری جیپ سڑک کے ایسے مقام پر پہنچ گئی تھی جہاں سے وہ جگہ نظر نہیں آتی اس لیے میں نے جیپ روک لی اور سنانے کے انداز میں مہرو سے کہا۔

''میرا خیال ہے پیٹرول کم ہو گیا ہے ایک کین ٹینکی میں ڈال دیتا ہوں آگے مشکل نہ ہو۔''

حالانکہ ٹینکی ابھی نصف سے زیادہ ہی تھی۔ میں نے نیچے آ کر ایک کین اٹھایا اور ٹینک کا ڈھکن ہٹا کر کین سے اس میں پیٹرول ڈالنے لگا۔ میں نے جان بوجھ کر پیٹرول ڈالنے کی رفتار سُست رکھی تھی۔ میری نظر وادی میں نیچے سڑک پر موجود گاڑی پر تھی۔ سُست رفتاری کے باوجود ٹینک فل ہو گیا تھا اور نیچے والی گاڑی حرکت میں نہیں آئی تھی اس کا مطلب تھا وہ سرخ پتوں والی جھاڑی کی تلاش کر رہے تھے جب کہ وہاں سرخ پتوں والی کوئی جھاڑی نہیں تھی۔ اس موسم میں کسی جھاڑی پر پتوں کا امکان بھی نہیں تھا۔ میں زیادہ دیر رک بھی نہیں سکتا تھا ورنہ ان لوگوں کو شبہ ہو جاتا کہ میں ان کی موجودگی اور تعاقب کرنے کا طریقہ سمجھ گیا ہوں۔ اس لیے مجبوراً میں آگے روانہ ہو گیا۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے غائب ہونے والا تھا اور میرے اندازے کے مطابق ابھی دس کلومیٹرز کا سفر باقی تھا۔ اندھیرے سے پہلے یہ سفر طے کر لینا تھا ورنہ نقشے کے مطابق اس جگہ کی نشانیاں دیکھنا مشکل ہو جاتا۔ سفر کا آغاز تو اگلی صبح ہی کرنا تھا لیکن اس سے پہلے اس جگہ پہنچ جانا ضروری تھا۔

ایک بار بہت پہلے جب میں فتح خان کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور اس نے مجھے وہاں قید کیا تھا جہاں اس نے برٹ شا کو بھی قید کر رکھا تھا اور ایک گونگا بہرا غلام اس کی نگرانی پر مامور تھا۔ مجھے یاد ہے وہ جگہ اس وادی سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اگر فتح خان نے برٹ شا کو اسی جگہ قید رکھا ہوا تھا تو ممکن ہے وہ جگہ وادی کے راستے میں آتی ہو۔ مگر سوال یہ تھا اگر وہ جگہ وادی کی طرف جانے والے راستے میں آتی تھی اور برٹ شا وہاں موجود ہوتا تب بھی میں اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا تھا اگر بات میری ذات کی ہوتی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا میں وہ جواری تھا جو اپنی ذات پر ہر داؤ کھیل جاتا لیکن بات سویرا کی تھی۔ میں اس کے لیے ذرا سا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ ابھی پانچ کلومیٹرز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ تاریکی چھانے لگی اور چند منٹ کے اندر ہر طرف اندھیرا اچھیل گیا تھا۔ میں نے جیپ کی ہیڈ لائٹس پہلے ہی آن کی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد مہرو نے کہا۔

''مجھے بھوک لگی ہے؟''

''بس کچھ دیر رک جاؤ۔ ہم اپنی پہلی منزل تک پہنچ جائیں اس کے بعد پیٹ پوجا کا بندوبست بھی کرتے

ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ویسے تم چاہو تو پیچھے رکھے سامان میں سے کوئی چیز نکال لو۔ بس گرم کیے بغیر کھائی پڑے گی۔''

''نہیں میں بعد میں کھالوں گی۔'' اس نے انکار کر دیا۔

نقشے کے مطابق مجھے سڑک کے دائیں طرف ایک ایسی وادی میں مڑنا تھا جس کا آغاز وی کی صورت بناتی دو چھوٹی پہاڑیوں سے ہو رہا تھا اور جہاں وی کی دونوں لکیریں مل رہی تھیں وہاں ایک چھوٹا سا نالا تھا جس پر چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا۔ ہمیں اسی مقام سے وادی کی طرف گھوم جانا تھا اور یہی لمبی وادی آگے جا کر اس وادی سے ملتی تھی جہاں برٹ شانے کہیں ہیرے چھپائے تھے اور وہ ہیرے مجھ جیسے غیر متعلق آدمی کے لیے بھی مصیبت بن گئے تھے۔

جیپ کا آلٹی میٹر بتا رہا تھا کہ اس وقت ہم سات ہزار چار سو فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں ہر طرف برف کی سفیدی تھی۔ باہر کا درجہ حرارت کئی ڈگری منفی میں جا چکا تھا اور ابھی اس کے مزید گرنے کا امکان تھا۔ رات ہوتے ہی اوپر سے اوس نما دھند گرنے لگی اور کچھ دیر بعد دس گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے جیپ کو مستقل پہلے گیئر میں رکھتے ہوئے چیونٹی کی رفتار سے سفر جاری رکھا۔ یہاں سڑک بھی تنگ تھی اور بعض مقامات پر تو بس گزرنے کی جگہ تھی۔ دو گھنٹے سے اس سڑک پر کوئی اور گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ گویا یہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

سڑک اب نیچے کی طرف جا رہی تھی کیونکہ بلندی کم ہوتی جا رہی تھی سات ہزار فٹ سے نیچے آنے پر ہمیں دائیں طرف وی کی صورت والی پہاڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ یہ کہلانے کو چھوٹی تھیں لیکن بس یہاں موجود دوسرے پہاڑوں کے مقابلے میں چھوٹی تھیں ورنہ ان کی بلندی بھی ہزار فٹ سے زیادہ ہی تھی۔ ذرا دیر بعد ہم اس چھوٹے سے پل تک پہنچ گئے جہاں سے اتر کر ہمیں وادی میں داخل ہونا تھا۔ میں نے جیپ سڑک کے کنارے روک دی اور ٹارچ لے کر نیچے اتر آیا۔ میں نے پل کے دونوں طرف سے نیچے جانے والے راستے کا جائزہ لیا اور اگلے حصے کو بہتر پایا۔ میں جیپ یہاں سڑک پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

فی الحال تو ہمیں نیچے اتر کر شب بسری کی تیاری کرنی تھی اگلی صبح دیکھتے کہ جیپ پر کہاں تک جا سکتے تھے اس سے آگے پیدل سفر کرتے۔ تاریکی اور دھند کی وجہ سے جیپ کسی قدر مشکل سے نیچے آئی اور اسے خشک نالے کے ساتھ روک کر ہم نیچے اتر آئے۔ مہرو نے ذرا سی دیر میں کچھ خشک لکڑیاں جمع کیں اور الاؤ سلگا لیا۔ اگرچہ سامان میں اسپرٹ سے جلنے والا لیمپ اور اسپرٹ بھی تھا لیکن اسے بچا کر رکھنا ضروری تھا آگے کہیں کام آتا۔ یہاں لکڑیاں مل رہی تھیں اور الاؤ سے ہم خود کو بھی گرم کر سکتے تھے۔ کھانے کے لیے ہمارے پاس بہت کچھ تھا اور بھوک بھی لگ رہی تھی۔ مہرو نے چیزیں نکالیں اور گرم کرنے لگی۔ میں کافی کا سامان نکال کر کافی بنانے لگا۔ اس وقت کھلی فضا میں شدت سے کسی گرم چیز کی خواہش محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کھانے سے پہلے کافی لی۔

الاؤ ایک بڑے پتھر کے پیچھے اس طرح روشن کیا تھا کہ سڑک سے اس کی روشنی نظر نہ آئے۔ ویسے بھی یہاں جھاڑیاں تھیں۔ فتح خان اور اس کے آدمی جانتے تھے کہ ہم کہاں ہیں۔ کھانے کے بعد میں نے دوبارہ کافی گرم کی اور اس بار مہرو نے بھی لی اور منہ بنا کر پیتی رہی۔ اس کی جیکٹ بھی تقریباً میری جیسی تھی اسے دیکھتے

ہوئے اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا کہتے ہوئے اس کے عقب میں آ کر اس کی جیکٹ کا کالر اوپر کیا اور حسبِ توقع مجھے اس پر بھی ویسی ہی چپ چپکی نظر آئی۔ میں نے کالر واپس موڑ دیا۔ مہرو سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے سوچ کر اشارے سے اسے جیکٹ اتارنے کو کہا اور اپنی جیکٹ بھی اتار دی۔ سردی کی شدت نے چند لمحے کے لیے لرزا دیا تھا۔ وہ سمجھی نہیں تھی کہ کیں کیوں جیکٹ اتارنے کو کہہ رہا ہوں۔ بہرحال اس نے بھی ہچکچاتے ہوئے جیکٹ اتار دی تھی۔ میرے اشارے پر جیکٹیں وہیں الاؤ کے پاس چھوڑ دیں اور جیپ کے اندر آ گئے۔ میں اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھ رہا تھا اس لیے اندر آتے ہی دھیمی آواز میں کہا۔

''غلط مت سمجھنا، میں تم سے بات کرنا چاہ رہا ہوں۔ ہمارے جیکٹوں کے کالر میں جو چیز لگی ہے اس سے ہماری باتیں کہیں اور سنی جاتی ہیں۔''

اسے تعجب تو ہوا لیکن وہ بہرحال اس دور کی عورت تھی اس قسم کی چیزیں اب خانہ بدوشوں کے لیے بھی اجنبی نہیں رہی ہیں۔ اس نے کہا۔ ''لیکن یہ تو بہت چھوٹی ہیں۔''

''ہاں اتنی چھوٹی چیز میں نے بھی نہیں دیکھی ہے لیکن تم نے دیکھا جب میں نے راستے میں فتح خان سے چیز چھپانے کی بات کی تو پیچھے آنے والی گاڑی اسی مقام پر رکی تھی اور وہ وہاں وہ چیز تلاش کرتے رہے تھے۔'' میں ہنسا۔ ''لیکن کوئی چیز ہوتی تو ملتی، بہرحال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس چیز کی مدد سے وہ ہماری جگہ سے بھی واقف ہوتے ہیں اور ہماری باتیں بھی سنتے ہیں۔''

مہرو ذہین عورت تھی وہ میر بات کا مطلب سمجھ کر پریشان ہو گئی'' تب کیا کریں اس موسم میں کوٹ کے بغیر تو رہ نہیں سکتے۔''

''ظاہر ہے لیکن میں نے تمہیں اسی وجہ سے بتایا ہے کہ منہ سے بلاضرورت کوئی بات نہ نکالنا اور میں اگر کوئی کام کر رہا ہوں تو مجھے مخاطب بھی مت کرنا ورنہ فتح خان اور اس کے آدمی جان جائیں گے۔ وہ ہمارے دشمن ہیں اور دشمن کا بے خبر رہنا ضروری ہے''

''یہ اس طرح تمہارے پیچھے کیوں ہیں؟'' اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''فتح خان مجھ سے ایک کام لینا چاہتا ہے۔'' میں نے گول مول انداز میں کہا۔ ''یہاں بھی خاصی سردی ہے اب ہمیں اپنی جیکٹیں پہن لینی چاہئیں۔''

مہرو سمجھ گئی کہ میں اس کی بات کا جواب نہیں دینا چاہ رہا ہوں۔ ہم باہر آئے۔ جیکٹیں پہن کر کچھ دیر الاؤ کے پاس بیٹھے رہے۔ جب الاؤ بجھنے لگا تو اس پر مٹی ڈال کر ہم جیپ میں آ گئے سارا سامان پہلے ہی جیپ میں رکھ دیا تھا کیونکہ باہر چھوڑنے کی صورت میں کوئی جنگلی جانور اس پر دست درازی کر سکتا تھا۔ ابھی تک مجھے یہاں کوئی جانور دکھائی نہیں دیا تھا سوائے چند آوارہ کتوں کے جو اس موسم میں پناہ کے لیے دربدر پھر رہے تھے۔ جنگلی جانور عام طور سے سرما میں نیچے چلے جاتے ہیں۔ یہاں پر ریچھ، پہاڑی شیر، چیتے اور بھیڑیئے بھی پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ مسلسل شکار سے ان کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے لیکن پھر بھی ہوتے ہیں۔ چند دن پہلے میں نے ٹی وی پر خبر سنی تھی کہ اسلام آباد میں دامن کوہ پر لوگوں نے چیتا دیکھا ہے۔ یہ اوپر کی سردی سے بچنے کے لیے یہاں نیچے آ گیا

تھا۔

سردی کی شدت بڑھ گئی تھی لیکن گرم کمبلوں میں لپٹ کر کسی طرح نیند آ ہی گئی تھی۔ میں گہری نیند میں تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی پہلے تو سمجھ میں نہیں آیا لیکن جب میں نے برابر میں دیکھا تو مہرو غائب تھی۔ وہ کس وقت جیپ سے باہر گئی مجھے بالکل پتا نہیں چلا تھا میں نے اس کا کمبل چیک کیا وہ ٹھنڈا ہو رہا تھا یعنی مہرو کم سے کم پندرہ بیس منٹ سے غائب تھی۔ میں بھی جیپ سے اتر آیا۔ دُھند مزید گہری ہو گئی تھی۔ میں نے ایک ٹارچ نکالی اور آس پاس کا معائنہ کیا پھر دبی زبان میں اسے آواز دی اگر وہ پچاس فٹ کے دائرے میں کہیں ہوتی تو میری آواز سن لیتی۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ نالے میں وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی پھر میں الاؤ والی جگہ آیا۔ مہرو وہاں بھی نہیں تھی۔ پل اور سڑک والا حصہ تاریکی میں تھا لیکن میں نے اس طرف بھی دیکھ لینا مناسب سمجھا۔ یہ تو طے تھا کہ مہرو خود گئی ہے لیکن کہاں اور کیوں گئی تھی یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ جیسے ہی میں پل تک پہنچا ٹارچ کی روشنی میں وہ دوسری طرف سے آتی دکھائی دی۔ میں اس کے پاس پہنچا اور سرگوشی میں کہا۔

''تم بتائے بغیر کہاں چلی گئی تھیں؟''

وہ سردی سے کانپ رہی تھی۔ ''مجھے حاجت ہو رہی تھی۔''

''تو اس کے لیے پل کے دوسری طرف جانے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''اس طرف پانی نہیں تھا۔'' وہ بولی۔ ''پانی دوسری طرف ملا ہے لیکن بہت سرد تھا میرے ہاتھ سن ہو گئے ہیں یہ دیکھو۔''

اس نے مجھے اپنے ہاتھ تھمائے جو واقعی نم اور یخ ہو رہے تھے۔ ہم واپس جیپ میں آ گئے۔ میرا شک کم ہوا تھا لیکن ختم نہیں ہوا۔ پانی وہ جیپ سے بھی لے سکتی تھی اس کے لیے اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم جیپ میں واپس آئے اور گرمائش کے لیے میں نے کچھ دیر کے لیے انجن چلا کر ہیٹر آن کر دیا۔ وہ اپنے ہاتھ ہیٹر کے ایگزاسٹ کے سامنے رکھے گرم کرتی رہی۔ جب ہاتھ گرم ہو گئے تو وہ دوبارہ کمبل میں لپٹ کر سو گئی۔ ابھی صبح کے چار بجے تھے اور سورج نکلنے میں یقیناً بہت وقت تھا۔ میں بھی کمبل اوڑھ کر اونگھنے لگا۔ کچھ دیر اس کے سانسوں میں ہلکی سی خرخراہٹ آ گئی جو اس بات کی نشانی تھی کہ وہ نیند میں جا چکی ہے۔ آدمی نقلی خراٹے تو لے سکتا ہے لیکن اس قسم کی خرخراتی آواز جان بوجھ کر نہیں نکال سکتا ہے اس میں ایک فطری ردھم ہوتا ہے جو صرف گہری نیند کی صورت میں آتا ہے۔

میں نے مزید کچھ دیر انتظار کیا اور پھر بہت آہستگی سے اپنی جیکٹ اتارنے لگا۔ جیپ اور بالکل برابر میں سوئی مہرو کو ہلائے بغیر یہ کام کسی قدر مشکل ثابت ہوا تھا مگر میں نے کسی نہ کسی اس کام میں کچھ مشکل تو ہوئی لیکن میں نے جیکٹ اتار دی اور پھر کمبل کو ایک طرف کرتے ہوئے دروازہ کھول کر خاموشی سے نیچے اتر آیا۔ نئی جیپ کے دروازے بے آواز تھے میں نے باہر آ کر اسے آہستگی سے بند کیا۔ صرف شرٹ میں سردی سے جو حشر ہوا وہ تو ظاہر ہے مگر اس کے بغیر چارا بھی نہیں تھا۔ میں دونوں ہاتھ بغل میں دیئے ٹٹولتے قدموں سے پل کی طرف بڑھا۔ میں ٹارچ استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی روشنی کسی کو متوجہ کر سکتی تھی۔

پل پر آ کر میں نے آس پاس کی سن گن لینے کی کوشش کی۔ کچھ نظر آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اگر

آسمان صاف ہوتا تو پھر بھی دکھائی دیتا لیکن یہاں دھند اتنی تھی کہ روشنی کرنے پر پانچ گز سے آگے کچھ نظر نہ آتا۔ سناٹا گہرا تھا۔ میں سردی برداشت کرتے ہوئے خاموش کھڑا رہا۔ شاید دس منٹ گزر گئے اور اب میرے جسم نے بے اختیار کانپنا شروع کر دیا تھا۔ سردی میری برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب مجھے واپس چلے جانا چاہیے اور میں دبے قدموں واپس جیپ میں آ گیا۔ جیکٹ پہن کر اور کمبل اوڑھ کر میری جان میں جان آئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ مہرو بدستور سوتی رہی تھی۔ اس وقت بھی اس کے گہرے سانس صاف سنائی دے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مجھے بھی نیند آ گئی۔

''اٹھ جاؤ صبح ہو گئی ہے۔'' مہرو نے مجھے ہلایا تو میں بیدار ہو گیا۔ باہر روشنی ہو رہی تھی اور دھند بھی کم ہو گئی تھی۔ میں نے محدود سی انگڑائی لینے کی کوشش کی تھی جو اس کا سوال سن کر ادھوری رہ گئی۔ ''رات کو تم کہاں گئے تھے؟''

میں کچھ دیر ساکت رہا پھر لاپروائی سے کہا۔ ''اسی کام سے گیا تھا جس کام سے تم گئیں تھیں۔''

''دور گئے تھے؟'' اس کی انکوائری جاری تھی۔

''نہیں یہیں تھا جیپ سے چند گز دور۔'' میں نے جواب دیتے ہوئے اسے گھورا تو شاید اس کی سمجھ میں آ گیا کہ میں اس موضوع پر اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چپ ہو گئی۔ ہم باہر آئے رات والی جگہ آگ جلائی اور مہرو ناشتہ تیار کرنے لگی۔ جب تک اس نے ناشتہ تیار کیا میں نے نالے میں کچھ دور جا کر دیکھا میرا خیال تھا کہ اس میں جیپ سفر کر سکتی تھی اس لیے جہاں تک ممکن ہوتا ہم جیپ کے ذریعے جاتے اور اس کے بعد کا سفر پیدل طے کرتے کیونکہ نقشے کے مطابق ہمیں کوئی بیس میل کا سفر کرنا تھا اور پیدل اتنا سفر بہت دشوار ہوتا۔ اس لیے جیپ پر ممکن حد تک سفر کر لینا بہتر تھا۔ امکان یہی تھا کہ آج شام تک ہم اس وادی میں ہوں گے۔ میں واپس آیا تو مہرو ناشتہ بنا چکی تھی۔ خشک دودھ میں پانی ملا کر اس میں دلیہ بنا لیا تھا اور ساتھ میں چائے تھی۔ ناشتہ کرتے کرتے اوپر سورج کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ ابھی نیچے سایہ تھا لیکن چوٹیاں دھوپ میں آ چکی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ نالے کی زمین نم ہونے کی وجہ سے یہاں سردی کی شدت زیادہ تھی۔ یہ سردی جسم کو لگتی تھی اور اگر جسم کو زیادہ دیر حرکت نہ دی جائے تو جسم دکھنے لگتا ہے۔ مہرو نے برتن سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''ہمیں کس طرح سفر کرنا ہے؟''

''جہاں تک ہو سکے گا جیپ سے جائیں گے اور جہاں سے آگے جیپ نہیں جا سکے گی وہاں سے پیدل سفر کریں گے۔''

اس نے نالے کی طرف دیکھا۔ ''اس میں تو گاڑی مشکل سے چلے گی۔ خراب بھی ہو سکتی ہے۔''

''مشکل سے سہی لیکن چلے گی۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ویسے وہ ٹھیک کہہ رہی تھی جیپ اس راستے پر خراب بھی ہو سکتی تھی کم سے کم ٹائر پنکچر ہونے کا امکان بہت زیادہ تھا لیکن یہ کون سی میری تھی جو مجھے اس کی پروا ہوتی۔ اس مہم کی طرح یہ جیپ بھی فتح خان نے زبردستی میرے سر ماردی تھی۔ سامان رکھ کر ہم آگے روانہ ہوئے۔ نالے کے پتھروں پر جیپ بری طرح اچھل رہی تھی اور بار بار قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ اس اچھل کود کا اثر ہم پر بھی ہو رہا تھا مگر پیدل چلنے کے مقابلے میں یہ مشقت کم تھی۔ مہرو کئی بار لڑھکی تو میں نے اسے بھی سیٹ بیلٹ باندھ

دی۔ مگر اس سے لگنے والے جھٹکوں پر کوئی فرق نہیں آیا جو ہڈیاں ہلائے دے رہے تھے۔ وہ اس طرح سفر کی عادی نہیں تھی اس لیے کچھ دیر بعد ہی بلبلا اٹھی۔

''میں ایسے سفر نہیں کر سکتی۔''

''ٹھیک ہے میں تمہیں نیچے اتار دیتا ہوں تم پیدل چل سکتی ہو بس تھوڑا سا تیز چلنا ہوگا۔'' میں نے سر ہلایا تو اس نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن میری پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ظاہر ہے اس کا پیدل چلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ موسم کی وجہ سے نالا بالکل خشک پڑا تھا اور کہیں کہیں گڑھوں میں پانی جمع تھا۔ یہاں برف بہت کم تھی شاید بالکل نشیبی جگہ ہونے کی وجہ سے برف کم پڑی تھی۔ پتھروں کی وجہ سے مجھے پوری توجہ سے ڈرائیو کرنا پڑ رہی تھی کیونکہ ذرا سی غفلت سے جیپ کسی گڑھے میں اتر سکتی تھی یا کسی پتھر پر چڑھ کر الٹ سکتی تھی۔ یہاں فور وہیل ڈرائیو گیئر لگانا پڑا تھا۔ رفتار شاید دس میل فی گھنٹہ بھی نہیں تھی۔ پھر نالا سیدھا نہیں تھا بلکہ گھوم پھر کر جا رہا تھا اس لیے فاصلہ مزید بڑھ گیا تھا نالے سے نکل کر سفر کرنے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ دائیں بائیں ڈھلان تھی لیکن اس پر پیدل سفر بھی مشکل سے ہی کیا جا سکتا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد بالآخر وہ مقام آ گیا جہاں سے آگے ہمیں پیدل ہی جانا تھا۔ یہاں نالا ایک کٹی چٹان نے روک رکھا تھا پانی اس کے اوپر سے آتا تھا اس لیے پانی کو تو کوئی مشکل نہیں ہوتی تھی لیکن جیپ کے لیے اس کٹی چٹان پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا اس لیے ہمیں یہاں سے اوپر پیدل ہی جانا تھا۔ میں نے جیپ کو ممکن حد تک ایک طرف نالے کی دیوار پر چڑھا کر روک دیا۔ ہینڈ بریک کی وجہ سے یہ اپنی جگہ رکی ہوئی تھی۔ پھر میں نے سامان نکالا۔ جو بیگز سے باہر تھا اسے بیگز میں ڈالا۔ جیپ کو لاک کیا اور اس کی چابیاں پاس ہی ایک جگہ چھپا دیں۔ آگے کہیں یہ گم سکتی تھیں کسی موقع پر فرار کے لیے یہی ایک چیز ہمارے پاس تھی۔ پیدل چلنے کے خیال سے مہرو کا چہرہ اتر گیا تھا اور اب اسے شاید جیپ کے جھٹکے اچھے لگ رہے تھے مگر مجبوری تھی۔ جیپ یہاں سے آگے نہیں جا سکتی تھی۔

میں نے کم وزنی بیگ اس کی پشت پر باندھا اور وزنی بیگ اپنی کمر پر لاد لیا۔ المونیم کی جوڑ کر بنائی جانے والی اسٹکس تھیں جو دشوار راستوں پر سہارے کے کام آتیں۔ ویسے بھی پہاڑی سفر میں آدمی کو لازی کوئی چھڑی رکھنی چاہیے تاکہ وہ اگلا قدم اٹھانے سے پہلے راستے کو اس کی مدد سے جانچ سکے۔ سامان میں دستی کمپاس بھی تھے جو سمتوں کا تعین کرنے میں کام آتے۔ میں نے کمپاس اپنے پاس رکھ لیا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم نصف کے قریب سفر طے کر چکے ہیں اور اب اتنا ہی سفر اور باقی ہے۔ یہ پورا علاقہ تہہ در تہہ پہاڑوں پر مشتمل تھا اور یہاں ہموار زمین نہ ہونے کے برابر تھی جہاں ایک پہاڑ ختم ہوتا وہیں سے دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ اسی لیے یہاں آبادی نہیں تھی۔ پہاڑوں پر شاید کہیں چرواہوں کے گرمائی گھر تھے جنہیں بہک بھی کہتے ہیں لیکن سردیوں میں وہ نیچے کے علاقوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ مجھے آس پاس کوئی ایسی نشانی نظر نہیں آئی جس سے پتا چلتا کہ یہاں لوگ بستے ہیں اور انسانوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ چاروں طرف زمین فطری حالت میں نظر آ رہی تھی۔ خانہ بدوش ہونے کی وجہ سے مہرو نے بھی یہ بات محسوس کر لی اس نے کہا۔ ''یہ علاقہ ویران ہے یہاں انسان نہیں رہتے ہیں۔''

''ہاں شاید یہ دشوار گزار ہے اور کسی سڑک سے دور پڑتا ہے۔''

ہم کوشش کر کے کٹی چٹان پر چڑھ گئے تھے یہاں سے آگے راستہ زیادہ تر پتھریلا تھا۔ نالے کی تہہ میں پتھروں کی تہہ بچھی تھی اور اس پر چلنا بہت دشوار تھا اس لیے ہم کسی قدر اوپر ڈھلان کی طرف آئے اور اس پر سفر کرنے لگے۔ سورج بلند ہونے سے دھوپ اب نیچے تک آ رہی تھی۔ لیکن اس سے سردی کی شدت میں کوئی خاص کمی نہیں آئی تھی۔ بس صبح کے مقابلے میں دھند نہیں تھی اور راستہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ ڈھلانوں پر اونچے درخت لگے تھے اور بعض جگہوں پر درخت کاٹ دیئے گئے تھے اور ان کی جگہ پر چھوٹے نئے درخت اُگ رہے تھے۔ لیکن یہ ٹمبر مافیا کی کارروائی نہیں تھی کیونکہ وہ اِکا دُکا درخت کاٹنے پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ محکمہ جنگلات کے افسران کی ملی بھگت سے پورے پورے جنگل صاف کر دیتے ہیں یہ مقامی لوگوں یا چرواہوں نے اپنی ضرورت کے تحت کاٹے تھے۔ مقامی لوگ ہمیشہ جگہ چھوڑ کر درخت کاٹتے ہیں تاکہ ڈھلانوں کی زمین مضبوط رہے اور لینڈ سلائیڈنگ نہ ہو۔ گزشتہ کچھ سالوں سے آنے والے سیلاب اسی وجہ سے آ رہے ہیں کہ ٹمبر مافیا نے اوپری پہاڑوں پر اُگے جنگل کاٹ دیئے ہیں اور اب سرما میں پڑنے والی برف بھی جلد پگھل جاتی ہے اور بارش ہونے کی صورت میں پانی بلا رکاوٹ تیزی سے نیچے آتا ہے۔ لینڈ سلائیڈنگ کے واقعات بھی بڑھ گئے ہیں شاہراہ قراقرم پر واقع عطا آباد میں لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے جھیل بنی ہے جس نے بے شمار دیہات کو ڈبو دیا ہے۔ شاہراہ قراقرم کا ایک حصہ بھی پانی تلے آ گیا ہے۔ یہ سب درختوں کی بے دریغ کٹائی کا نتیجہ ہے۔

شمالی علاقے کے بارے میں ہمارا گمان یہ ہے کہ یہاں ہر طرف اونچے پہاڑوں پر درخت ہی درخت ہیں اور سبزہ ہی سبزہ ہے۔ ممکن ہے آج سے کوئی چالیس سال پہلے ہمارا گمان درست ہو لیکن فی الحال بہت سارے پہاڑ درختوں اور سبزے سے محروم ہو چکے ہیں۔ کئی سر سبز مقامات چٹیل پہاڑوں میں بدل گئے ہیں۔ سبزے کی کمی کی وجہ سے آٹھ سے دس ہزار فٹ کی بلندی پر بعض اوقات غضب کی گرمی ہو جاتی ہے اور انسان گرمی کی شدت سے جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس علاقے میں جنگل ابھی محفوظ نظر آ رہے تھے۔ راستوں کی دشواری کی وجہ سے یہاں کے جنگل محفوظ تھے۔ مگر کب تک جیسے ہی یہاں آمد و رفت کے راستے بنیں گے اور حضرت انسان کے قدم پہنچیں گے یہاں بھی تباہی کا عمل شروع ہو جائے گا۔

ڈھلان پر چلنا بھی آسان نہیں تھا برف کی وجہ سے پاؤں پھسل رہے تھے لیکن یہ نالے کے پتھروں کے مقابلے میں زیادہ آسان راستہ تھا۔ اب تک کے سفر میں مجھے غور و فکر کا موقع نہیں کم ملا تھا۔ سفر ہی اتنا دشوار تھا لیکن اس ڈھلان پر چلتے ہوئے مجھے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ ایک بار پھر مجھے لگا کہ فتح خان اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھ سے ایسا کوئی مطالبہ کرے جس کا پورا کرنا نہایت دشوار ہو۔ بلکہ یہ ناممکن کام تھا۔ صرف دس دن میں جس میں سے اب صرف سات دن باقی رہ گئے تھے مجھے ہیرے تلاش کرنے تھے۔ اگر سچ مچ فتح خان کا یہ مقصد نہیں تھا تو وہ مجھ سے بلاوجہ کی یہ مشقت کیوں کرا رہا تھا اور صرف مجھ سے ہی نہیں کرا رہا تھا بلکہ خود بھی مشقت میں پڑا ہوا تھا مجھے یقین تھا کہ فتح خان میرے پیچھے تھا۔ اتنے اہم معاملے کو اپنے کسی ساتھی پر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد جب چل چل کر ہماری ٹانگیں دکھنے لگی تھیں اور مہرو نے اعلان کیا کہ اب اس سے مزید نہیں چلا جائے گا تو ہم آرام کرنے کے لیے ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ مہرو اب فکر مند تھی۔ اس نے صبح سے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن اب وہ رہ نہیں سکی تھی۔ ''فتح خان تم سے اور مجھ سے کیا چاہتا ہے؟''

''اپنے بارے میں تو میں بتا چکا ہوں کہ وہ مجھ سے ایک چیز تلاش کروانا چاہتا ہے لیکن تمہارے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔''

مہرو نے سوچ کر کہا۔''مجھے لگتا ہے وہ مجھے تمہارے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ دیکھا تھا اس بازار میں اچانک وہ بدمعاش لوگ آ گئے تھے اور وہ چاہتے تو مجھے آسانی سے لے جاتے لیکن وہ جیسے کھیل رہے تھے۔ مجھے چھیڑ رہے تھے پھر تم نے دیکھ لیا اور جب ان کو مارا تو وہ کتنی آسانی سے مار کھا گئے۔''

میں نے سوچا کہ وہ عقل مند تھی۔ خود میں بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن منہ سے کہنے سے گریز کر رہا تھا اس نے کہہ دیا۔ وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ فتح خان مجھ پر دوہری نظر رکھ سکے۔ ایک چپ کسی وجہ سے خراب بھی ہو سکتی تھی لیکن دو چپوں میں اس کا امکان کم تھا۔ دوسرے میرے ساتھ کوئی ہوتا تو میں اس سے بات کرتا اس طرح فتح خان کو جاننے میں آسانی رہتی کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اکیلا آدمی کس سے بات کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہو سکتی تھی کہ اس نے مہرو کو بھی میرے ساتھ کر دیا تھا۔ فتح خان انسانوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں مشاق تھا اس نے مہرو کو پہلے اپنے آدمیوں کے حوالے کیا پھر مجھے دکھا کر ڈرایا اور اب اس طرح سے استعمال کر رہا تھا حالانکہ وہ اس کے کئی اہم آدمیوں کی قاتلہ تھی۔ مگر فتح خان نے اسے احمقانہ انتقام کی بھینٹ نہیں چڑھایا تھا بلکہ وہ اسے استعمال کر رہا تھا اور جب اس سے کام نکل جاتا تب وہ اسے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیتا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا انتقام لے لیں۔ مہرو ایک خوب صورت عورت تھی اور عورت کے معاملے میں فتح خان اور اس کے آدمی جانوروں سے بھی بدتر تھے وہ اسے ایسے ہی مار دیتے قتل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

''اب تم کیا چاہتی ہو اگر واپس جانا چاہتی ہو، جا سکتی ہو۔'' میں نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کسی آبادی میں یہ ممکن تھا لیکن یہاں سے میں کیسے واپس جاؤں اور مجھے یقین ہے فتح خان اور اس کے آدمی پیچھے ہوں گے وہ مجھے پکڑ لیں اور میرے ساتھ......'' وہ بولتے بولتے رک گئی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ ہر عورت کی طرح اس کے لیے یہ بھی ذلت کی بات تھی وہ اپنے منہ سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ مگر اس کا یہ خدشہ بالکل درست تھا کہ وہ لوگ پھر اس سے وہی سلوک کریں گے اور اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک وہ مر نہیں جاتی۔

فتح خان سے میرا واسطہ وقفے وقفے سے پڑتا رہا تھا۔ اس سے پہلی مڈبھیڑ میں تاثر ایسا تھا کہ وہ نہایت وحشی اور عقل و خرد سے عاری مجرم شخص ہے جو صرف قتل و غارت گری کرنا جانتا ہے۔ لیکن اپنے دوسرے دور میں وہ پہلے سے بالکل مختلف شخص نظر آیا تھا وہ نہایت چالاکی سے کام لیتا تھا اور اپنے حریفوں کو حیران کر دیتا تھا۔ جب مجھے ایسا لگتا کہ اب میں فتح خان کو سمجھ گیا ہوں تو وہ مجھے کوئی نئی چیز دکھا کر حیران کر دیا کرتا تھا۔ درحقیقت میں نے ہمیشہ اسے انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا اسے ایک معمولی درجے کا بدمعاش سمجھا۔ میں نے اسے مرشد کے پائے کا حریف نہیں سمجھا تھا حالانکہ وہ حیرت انگیز طور پر مرشد کی گرفت سے بھی نکل آیا تھا۔ پھر اس نے مرشد کو نقصان پہنچایا اور اسی کے شہر میں دندناتا ہوا پھر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا میں نے اسے کمتر سمجھ کر غلطی کی تھی اور آج مجھے اسی کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا تھا۔ اس نے مجھے اس طرح جکڑ لیا تھا کہ میں آزاد ہوتے ہوئے بھی اس کی مرضی کی خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا۔

اگر مہرو کو ڈرانے اور روکنے والے فتح خان کے آدمی تھے تو انہوں نے مجھے اتنی آسانی سے پستول کیسے دے دیا تھا۔ یہ تو دشمن کو مسلح کرنے والی بات ہوتی۔ میں نے مہرو کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے جیکٹ کے اندر موجود پستول نکالا۔ اس میں سے میگزین نکال کر اس کو کھول ڈالا اور پھر اس میں سے فائرنگ پن غائب دیکھ کر میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے پستول اتنی آسانی سے میرے حوالے کر دیا تھا۔ میں خوش تھا کہ میں نہتا نہیں تھا لیکن اب پتا چلا کہ پستول کی حیثیت ایک کلولوہے سے زیادہ نہیں تھی۔ میں بلاوجہ اسے اٹھائے اٹھائے گھوم رہا تھا۔ لیکن اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ بازار میں حملہ کرنے والے فتح خان کے ہی آدمی تھے اور ان کا مقصد مہرو کو مجھ سے الگ ہونے سے روکنا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ ان کے حملے کی وجہ سے میں نے مہرو کو ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا ورنہ میں تو اس سے جان چھڑانا چاہ رہا تھا۔

آدھے گھنٹے آرام کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے اور مزید ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد اس وادی میں داخل ہو گئے۔ میں نے پہلی نظر میں وادی کو شناخت کر لیا کیونکہ اس کے وسط میں وہ قدرتی پتھریلے کھنڈرات تھے جہاں ایک وقت میں فتح خان اس کا ساتھی، ایمن اور برٹ شا موجود تھے اور فتح خان ایمن کو یرغمال بنا کر اس کے باپ سے ہیرے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان ہی قدرتی کھنڈرات میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب پیاس سے میں اور ایمن مرنے کے قریب ہو گئے تھے۔ گرمی بلا کی تھی اور گرمی کے موسم میں یہ چٹانیں تپ جاتی تھیں۔ پانی فتح خان کے پاس تھا وہ ہمیں پانی دینے کے لیے تیار نہیں تھا اس کا ساتھی لالچ میں آ گیا تھا اور دونوں میں ٹھن گئی تھی بالآخر فتح خان کا ساتھی مارا گیا اور وہ زخمی حالت میں برٹ شا کو لے کر فرار ہو گیا میں اور ایمن کئی دن تک پہاڑوں میں بھٹکنے کے بعد وہاں سے نکل آئے تھے۔ وادی دیکھتے ہی مجھے ماضی کے وہ مناظر یاد آ گئے تھے۔ میں ایک بار پولیس کے ساتھ بھی یہاں آیا تھا جو برٹ شا کی گمشدگی کی تفتیش کر رہی تھی۔ مگر نتیجہ صفر نکلا۔

"رک کیوں گئے ہو؟" مہرو نے مجھے خاصی دیر سے ساکت دیکھ کر کہا۔ اس وقت ہم وادی میں داخل ہونے والے حصے پر کھڑے تھے یہاں کسی قدر بلندی تھی اور سامنے دور تک پھیلی وادی کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر یہاں زیادہ برف نہیں تھی خاص طور سے وادی کا وسطی حصہ تو صاف تھا شاید یہاں پڑنے والی برف تیز دھوپ کی وجہ سے پگھل گئی تھی۔ البتہ بلند ہوتی پہاڑی ڈھلانوں پر برف دکھائی دے رہی تھی۔ مہرو کی آواز پر میں چونکا اور اس کی طرف دیکھا۔

"ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں مجھے یہیں وہ چیز تلاش کرنی ہے۔"

وہ مجھے گھور رہی تھی۔ "کیا وہ کوئی قیمتی چیز ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو لیکن مجھے اس کی پروا نہیں ہے البتہ فتح خان اس کے پیچھے پاگل ہو رہا ہے۔" میں نے کہا اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ وہ چیز کہاں ہے؟"

"بالکل نہیں۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "وہ اس ایک میل پر پھیلی وادی میں کہیں بھی ہو سکتی ہے۔"

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "تب تم اسے کیسے تلاش کرو گے؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔" میں نے گہری سانس لی۔ "لیکن میرے پاس سات دن کی مہلت ہے۔"

''سات دن۔'' وہ تقریباً چلا اٹھی۔ ''یہاں تو کوئی چیز تلاش کرنے کے لیے سات مہینے بھی ناکافی ہیں۔ فتح خان تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے اس نے شاید تمہیں یہاں پھنسانے کے لیے بھیجا ہے۔''

''شاید۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔ مہرو کا ردِعمل دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں ایک خیال آ رہا تھا۔ وادی میں اترتے ہوئے میں نے قدرتی پتھریلے کھنڈرات کا رخ کیا۔ مہرو اب خاموشی سے میرے پیچھے آ رہی تھی۔ سورج اب سر پر آ گیا تھا اور کچھ دیر بعد یہ ڈھلنا شروع ہو جاتا۔ کھنڈروں میں ایک غار نما جگہ منتخب کر کے ہم نے اپنا سامان رکھا اور بیٹھ کر ستانے لگے۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''میں تھک گیا ہوں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

''میں بھی تھک گئی ہوں۔'' وہ بولی۔ ''یہ بہت مشکل سفر ہے۔ کاش میں تمہاری بات مان لیتی اور واپس چلی جاتی۔''

''اس وقت مان لیتیں اب تو بہت دیر ہو گئی ہے۔''

میں نے کہتے ہوئے اپنی جیکٹ اتارنی شروع کی اور اسے بھی جیکٹ اتارنے کا اشارہ کیا اس بار وہ میری بات سمجھ گئی اور اس نے بلا چوں چراہ کیے جیکٹ اتار دی۔ ہم دبے قدموں اس غار سے ذرا دور آئے جہاں سے چپس میں لگے مائیکروفون ہماری آواز کیچ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی میں نے سرگوشی سے کام لیا۔ ''مہرو اصل بات یہ ہے کہ فتح خان تمہیں واپس جانے نہیں دیتا اگر تم ایسی کوشش کرتیں تو وہ تمہیں قتل کر دیتا۔''

''میں سمجھتی ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''بات اب میری سمجھ میں آ گئی ہے۔''

''تم نے اس کے چار نہایت اہم آدمیوں کو قتل کیا ہے اور وہ کسی صورت تمہیں معاف نہیں کرے گا۔''

''مگر اس طرح چھوڑنا سمجھ میں نہیں آ رہا ہے؟''

''اس نے چھوڑا نہیں ہے اب بھی تم اس کی قیدی ہو۔ وہ تمہاری اور میری مکمل نگرانی کر رہا ہے ہماری آوازیں تک سن رہا ہے۔ مجھے یقین ہے اس وقت بھی وہ ہم سے زیادہ دور نہیں ہوگا۔ اس طرح تمہاری مدد سے میری نگرانی کے لیے تمہیں چھوڑا ہوا ہے لیکن جیسے ہی اس کا کام نکلے گا وہ تمہیں مار دے گا یا اپنے درندہ صفت ساتھیوں کے حوالے کر دے گا دونوں صورتوں میں تمہارا ایک ہی انجام ہوگا۔''

مہرو ڈر گئی تھی۔ ''میں سمجھتی ہوں پر میں کیا کروں؟''

میں نے نظر جما کر اسے دیکھا۔ ''مہرو اگر تم ہمت کرو تو اپنے ساتھ میری جان بھی بچا سکتی ہو اور تمہارا مستقبل بھی محفوظ ہو سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''تمہیں کوشش کر کے یہاں سے نکلنا ہوگا اور ایک جگہ پہنچنا ہوگا وہاں سے تمہیں مدد مل جائے گی۔''

''کہاں پر؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ مجھے نہیں معلوم لیکن تمہیں مغرب کی طرف جانا ہوگا شاید ان پہاڑوں کے پیچھے۔'' میں نے مغرب کی طرف پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے پیچھے آبادی ہے وہاں تمہیں راجا عمر دراز کے بارے میں معلوم کرنا ہوگا۔ ایک بار تم اس کے پاس پہنچ گئیں تو بالکل محفوظ ہو جاؤ گی۔ پھر تم میری مدد بھی کر سکو گی۔''

''راجا عمر دراز تمہارا دوست ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو۔''

''ٹھیک ہے میں جاؤں گی۔'' خلاف توقع وہ فوراً مان گئی ورنہ میرا خیال تھا کہ اس اجنبی علاقے اور پھر اس موسم میں وہ اتنی آسانی سے نہیں جانے کے لیے تیار ہوگی۔ ''لیکن فتح خان میرے کوٹ کی وجہ سے میرے پیچھے نہیں آئے گا۔'' اس نے نقطہ اٹھایا۔

یہ سوچنے کی بات تھی فتح خان فوراً جان جاتا کہ وہ مجھ سے الگ ہو کر کہیں جا رہی ہے۔ وہ اسے دوبارہ پکڑ لیتا یا مار دیتا۔ مجھے جیکٹ میں لگی چپ کا کچھ کرنا تھا۔ سوچتے ہوئے ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی۔ ''دیکھو تم کسی بہانے مجھ سے لڑو گی اور بہ ظاہر ایسا ہوگا کہ تم مجھ سے لڑو گی اور میں تمہیں دھکا دوں گا تم گرو گی اور کوٹ میں لگی چپ پتھر سے ٹکرا کر بے کار ہو جائے گی۔''

وہ مسکرائی۔ ''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن میں تم سے کیوں لڑوں گی؟''

''کسی بھی بہانے...... اس لیے بھی لڑ سکتی ہو کہ میں تمہیں اجاڑ جگہ لے آیا ہوں اس طرح جب تم فرار ہوگی تو فتح خان کو یہ بھی حقیقت لگے گی ورنہ وہ بہت شاطر آدمی ہے اتنی آسانی سے کسی بات پر یقین نہیں کرتا ہے۔''

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' وہ راضی ہوگئی۔

''لیکن اداکاری ٹھیک کرنا فتح خان کو ایسا لگے کہ تم سچ مچ مجھ سے لڑ رہی ہو۔'' میں نے کہا اور ہم واپس آ گئے۔ میں نے اپنی جیکٹ پہن لی اور مہرو کی جیکٹ اپنے پاس رکھی۔ پھر میں نے اس سے کہا۔ ''کیا سوچ رہی ہو؟''

''میں تو پھنس گئی۔'' اس نے روہانسے انداز میں کہا۔ ''مجھے کیا پتا تھا تم مجھے ایسی جگہ لے آؤ گے۔''

وہ اچھی اداکاری کر رہی تھی میں نے اشارے سے داد دے کر کہا۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا......''

''نہیں۔'' وہ چلائی۔ ''تم نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔'' وہ اٹھ کر میرے پاس چلی آئی۔

''ارے...... اے تمہارا دماغ خراب ہے پیچھے ہٹو۔''

مہرو نے یوں چیخ ماری جیسے میں نے اسے دھکا دیا ہو اور وہ پیچھے جا گری ہو اور اسی لمحے میں نے مہرو کی جیکٹ کے کالر میں لگی چپ کو انگلیوں سے دبا کر توڑ دیا۔ پھر بولا۔

''کیا ہوا تمہیں چوٹ تو نہیں آئی ہے؟''

''جنگلی اتنی زور دے دھکا دیا میری گردن پتھر سے ٹکرائی ہے۔'' وہ کراہتے ہوئے بولی۔ میں نے اشارے سے اسے بہترین اداکاری پر داد دی اور بولا۔

''معاف کرنا تم پر بھی تو اچانک بھوت سوار ہو گیا تھا۔ بہرحال میں نے تمہیں یہاں آنے سے پہلے بتا دیا تھا۔'' میں نے جیکٹ اسے تھمائی۔

وہ جیکٹ پہنتے ہوئے بولی۔ ''میں واپس جاؤں گی۔''

''میرا نہیں خیال کہ تم واپس جا سکو گی۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے فتح خان اور اس کے آدمی یہاں کہیں

آس پاس موجود ہوں گے۔"
"مجھے یقین نہیں ہے وہ کہیں نظر نہیں آئے۔"
"تم فتح خان کو جانتی نہیں ہو۔" میں نے کہا۔ "بہرحال جب تم کوشش کرو گی تو تمہیں خود پتا چل جائے گا۔"
میں نے ایک بار پھر اپنی جیکٹ اتاری اور مہرو کو ذرا دور لایا۔ "میں وادی کا جائزہ لینے نکلوں گا اور تم یہاں رہو گی۔ تم اپنے راستے کے لحاظ سے کھانے پینے کا سامان اپنے بیگ میں ڈال کر یہاں سے نکل جانا۔"
اس کے چہرے پر فکر کے تاثرات نظر آئے۔ شاید اب وہ اکیلے جاتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ "کیا میں وہاں پہنچ جاؤں گی؟"
"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "لیکن آدمی ہمت اور کوشش کرے تو کیا نہیں کر سکتا ہے۔ یوں سمجھ لو تمہیں فتح خان کی قید سے فرار ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ اس لیے تمہیں یہ سوچنا نہیں چاہیے کہ آگے کیا ہو گا۔ تم اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔"
"تم بھی اپنی چیز کو اسی طرح توڑ دو اور میرے ساتھ چلو۔" اس نے تجویز دی اس کا اشارہ چپ کی طرف تھا۔
"میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ میری ایک عزیز ترین ہستی فتح خان کی قید میں ہے اور میں اس کے لیے ذرا سا بھی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ لیکن تمہارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے اس لیے تم جا سکتی ہو۔"
اس نے سر ہلایا اور شاید پہلی بار مجھے ممنونیت سے دیکھا۔ "شہباز تم ایک اچھے آدمی ہو۔"
"تم بھی باحوصلہ عورت ہو اگر کوئی اور عورت ایسے سانحات سے گزری ہوتی تو شاید مر جاتی لیکن تمہارا حوصلہ برقرار ہے۔ اگر تم کامیاب رہیں تو یقین کرو فتح خان تمہارے قدموں میں ہو گا اور تم اس سے اپنی مرضی کا سلوک کر سکو گی۔"
فتح خان سے انتقام کا سن کر اس کے تاثرات کسی قدر غضبناک ہو گئے اور اس نے دانت پیس کر کہا۔ "اگر مجھے موقع ملا تو میں اس کی شہ رگ اپنے دانتوں سے ادھیڑ دوں گی۔"
"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" میں نے خلوص سے کہا۔ "اب میں جاتا ہوں اور اس دوران میں تم بیگ لے کر فرار ہو سکتی ہو۔"
"لیکن میں کس طرف سے جاؤں؟" اس نے مغربی پہاڑوں کی طرف دیکھا۔
"دیکھو جہاں تک ممکن ہو چھپ کر جاؤ درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے۔" میں نے اسے سمجھایا۔
"وہ ڈھلان دیکھ رہی ہو بس اس پر چڑھتی رہنا اسے پار کرو گی تو اس وادی سے نکل جاؤ گی۔ پھر تمہیں جہاں کہیں آبادی ملے وہاں بلا جھجک راجا عمر دراز کا نام لے لینا وہ اس علاقے میں بہت مشہور ہے اور اس کا باپ سچ مچ یہاں کا حکمران ہوتا تھا۔"
مہرو متاثر ہوئی تھی۔ "اس کا مطلب ہے ہو بہت دولت مند ہو گا۔"
"دولت مند تو ہے لیکن یہاں اس کی بہت عزت ہے ایک بار تمہیں اس کے پاس پناہ مل گئی تو فتح خان جیسے

دس بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور ہاں دولت سے یاد آیا تمہیں رقم کی ضرورت پڑے گی۔'' میں نے فتح خان کی دی ہوئی رقم میں سے کچھ نکال کر اس کے حوالے کی۔ ''یہ رکھ لو کام آئیں گے۔ مجھے یقین ہے کل تک تم کسی آبادی تک پہنچ جاؤ گی۔''

یہ سب میں مہرو کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہہ رہا تھا تا کہ وہ فرار ہوتے وقت مایوسی کا شکار نہ ہو۔ مجھے اندازہ تھا کہ اکیلے ہوتے ہی اور پھر رات ہونے کے بعد اس کے حوصلے میں فرق آئے گا۔ کچھ بھی سہی وہ ایک عورت ہی تھی اور ہمارے ہاں عورت ہمیشہ کمزور سمجھی جاتی ہے۔ میں اسے سمجھا کر واپس آیا اور اپنی جیکٹ دوبارہ پہنتے ہوئے کہا۔ ''میں جا رہا ہوں۔''

''کہاں؟'' مہرو نے کہا۔

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا ہوں۔'' میں نے کسی قدر ترش روی سے جواب دیا۔ ''مجھے اپنا کام کرنا ہے۔''

''میں اکیلی رہوں گی؟''

''ظاہر ہے۔ میرا کام تمہاری چوکیداری کرنا نہیں ہے۔'' میں نے روانگی کی نیت کے اشارے سے اسے خدا حافظ کہہ کر غار سے نکل آیا۔ سورج مغرب کی طرف ڈھلنا شروع ہو گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اگر فتح خان اور اس کے ساتھی وادی کے آغاز میں موجود ہوئے تو ڈھلتے سورج میں مغرب کی طرف جاتی مہرو کو دیکھنا آسان نہیں ہو گا۔ میں شمال کی اس ڈھلان کی طرف جانے لگا جہاں میں نے بہت پہلے برٹ شا کو بندھے پایا تھا۔ یہ کام فتح خان کے ساتھی کا تھا جو برٹ شا کو لے کر چھپائے ہیروں کی تلاش میں نکلا تھا۔ برٹ شا اسے بھی بھٹکا تا رہا تھا اس لیے فتح خان کے ساتھی نے باندھ کر اس پر تشدد شروع کر دیا تھا۔ لیکن وہ اس سے ہیرے حاصل نہیں کر سکا تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ راجا عمر دراز کی قید سے نکالنے کے بعد فتح خان ہمیں لے کر اسی ڈھلان پر سفر کر رہا تھا جب برٹ شا نے اس کی نیت بھانپتے ہوئے ہیرے کہیں چھپا دیئے تھے۔ اس لیے میری توجہ کا مرکز یہی شمالی ڈھلان تھی۔

ذرا نیچے پڑنے والی برف پگھل کر پانی کے ایک چھوٹے تالاب کی صورت میں جمع ہو گئی تھی۔ میں نے اپنے پاس موجود مگے سے پانی چکھ کر دیکھا۔ یہ بہت یخ لیکن بالکل صاف ستھرا بلکہ مخصوص پہاڑی پانی کی مہک لیے ہوئے تھا۔ میں نے گزشتہ چند دنوں میں بہت کم پانی پیا تھا کیونکہ سردی کی وجہ سے پیاس ہی نہیں لگ رہی تھی حالانکہ پیاس نہ بھی لگ رہی ہو تو پانی پینا چاہیے۔ میں نے اپنی پلاسٹک کی چھاگل نما بوتل میں یہ پانی بھر لیا اور اس کے گھونٹ گھونٹ لیتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔ پانی اتنا یخ تھا کہ گھونٹ فوری حلق سے اتارنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جب اس کی ٹھنڈ زائل ہو جاتی تو میں اسے پیتا تھا۔

ڈھلان پر درختوں تلے برف کم تھی البتہ کہیں کہیں پتوں سے جھڑنے والی برف کے ڈھیر پگھل رہے تھے۔ دن میں گرمی کی وجہ سے برف پگھلتی تھی لیکن رات ہوتے ہی پانی دوبارہ جم جاتا تھا اور صرف وہیں پانی ہوتا جہاں قدرتی چشمے تھے جو زمین کے اندر کی گرمی کی وجہ سے پانی کی صورت میں موجود رہتے تھے۔ مجھے کھنڈرات سے نکلے آدھا گھنٹہ ہونے کو آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اب تک مہرو جا چکی ہو گی۔ اتنا وقت بہت تھا سامان سمیٹ کر نکلنے کے لیے وہ کیا کیا لے جانا چاہتی تھی یہ میں نے اس پر چھوڑ دیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت

یہاں گزاروں اور سورج غروب ہونے کے بعد ہی واپس جاؤں کیونکہ اگر مہرو فتح خان یا اس کے ساتھیوں کی نظر میں نہیں آتی تو اس کا پتا اس وقت چلتا جب میں واپس جاتا۔

ڈھلان پر سفر کے دوران میں اسٹک سے زمین ٹھونک ٹھونک کر دیکھ رہا تھا اور اتنی بلند آواز سے فتح خان کو سنا رہا تھا کہ وہ خود بھی سن لے۔ اس نے بھی واہیاتی کی انتہا کر دی تھی۔ مجھے ایک ایسا کام سونپ دیا تھا جو بھوسے میں سوئی تلاش کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ میں درختوں میں گھومتا پھر رہا تھا۔ دوپہر میں کچھ نہیں کھایا تھا سفر میں موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اس لیے آتے ہوئے میں اپنے ساتھ تلے مٹر کا ٹن لے آیا تھا۔ ایک درخت کے ساتھ بیٹھ کر میں وہ کھانے لگا۔ کھانے کے دوران میں غور بھی کرتا رہا تھا کہ برٹ شا ہیرے کہاں چھپا سکتا ہے۔

جب میں پہلی بار یہاں آیا تھا تو اس بات کو ایک عشرے سے زیادہ کا عرصے بیت گیا تھا۔ اس دوران میں یہاں بے شمار تبدیلیاں آ چکی تھیں جہاں کبھی گھنے درخت تھے وہاں اب خالی جگہ تھی اور جہاں کبھی خالی زمین تھی وہاں بیس پچیس فٹ اونچے درخت کھڑے تھے۔ اسی طرح بارشوں اور گرم سرد کے عوامل نے چٹانوں کو بھی جگہ جگہ توڑ دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وادی کے وسط میں پائے جانے والے قدرتی کھنڈرات کی حالت مزید خراب ہوئی تھی اس میں بہت ساری چٹانیں ٹوٹ گئی تھیں اور اوپر کی چٹانیں اب ٹوٹ کر کھنڈر کا روپ دھار رہی تھیں۔ گویا کھنڈرات میں توسیع ہو رہی تھی۔ یہاں زمین مکمل طور پر پتھریلی تھی جس میں کوئی بڑا درخت جڑ نہیں پکڑ سکتا تھا لیکن چھوٹے چھوٹے پودے اور جھاڑیاں کونے کھدروں میں جمع ہونے والی مٹی میں اُگ آئے تھے۔

وادی میں ہزاروں اونچے درخت تھے اس سے کہیں زیادہ تعداد میں جھاڑیاں اور پودے تھے۔ چٹانیں تھیں اور کئی مقامات پر چشمے بھی تھے۔ اب برٹ شا نے ان میں سے کس کو ہیرے چھپانے کے لیے منتخب کیا تھا یہ جاننا تقریباً ناممکن تھا۔ میں نے اس بات پر غور کیا جس وقت برٹ شا ہیرے چھپا رہا ہوگا اس وقت اس کی سوچ کیا ہوگی۔ ظاہر ہے پہلی سوچ تو یہی ہوگی کہ جیسے ہی موقع ملے گا وہ یہاں سے ہیرے نکال لے جائے گا اور اس نے کم سے کم وقت ہی سوچا ہوگا۔ مگر اس کا بھی تو امکان تھا کہ اسے طویل عرصے تک ہیرے نکالنے کا موقع نہ ملے۔ اس صورت میں اس نے ہیرے چھپانے کے لیے کوئی ایسی جگہ تلاش کی ہوگی جہاں ہیرے طویل عرصے تک محفوظ رہ سکیں اور اس دوران میں ماحول میں اتنی تبدیلی نہ آئے کہ وہ جگہ ہی نہ ملے۔ اس کی نشانیاں ختم ہو جائیں۔

میں سوچوں میں اتنا گم ہوا کہ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ کب سورج ڈوب گیا اور کب تاریکی چھا گئی۔ اچانک کوئی پرندہ بولا تو اس کی کرخت آواز نے مجھے چونکایا۔ یہ پہاڑی کوا تھا جو کہیں سے کھا پی کر آیا تھا اور اس وقت آرام کے موڈ میں تھا۔ اپنے گھونسلے تلے ایک آدمی کی موجودگی کا برا منایا تھا اس لیے اس نے کائیں کائیں کر کے مجھے خبردار کیا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''اچھا بھائی تم آرام کرو۔ ہم چلتے ہیں۔''

بے مروت کوے نے ذرا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ ویسے بھی وہ شاخوں میں کہیں چھپا بیٹھا تھا اور بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ آسمان پر ہلکی سی دمک باقی تھی میں نے بیگ سے ٹارچ نکال کر روشن کی اور راستہ دیکھتے ہوئے نیچے آنے لگا۔ میں نے وادی میں آنے کے بعد محسوس کیا تھا کہ یہاں سردی اتنی نہیں ہے۔ یعنی سردی ایسی نہیں تھی جو جسم کو تکلیف دیتی۔ یہاں میں نے دو بار جیکٹ اتاری تھی لیکن مجھے محسوس نہیں ہوا اور نہ راستے میں جب

جیکٹ اتاری تھی تو جسم سن ہو کر رہ گیا تھا۔ آتے ہوئے اس وادی میں ہر طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید مجھے کہیں روشنی نظر آئے لیکن فتح خان اور اس کے ساتھی احمق نہیں تھے اگر وہ کہیں تھے تب بھی خود کو چھپا کر رکھا تھا۔ ایک جگہ خشک جھاڑیاں دیکھ کر میں نے ان سے خاصی مقدار میں لکڑی نکال لی یہ رات جلانے کے کام آتی۔ اگر چہ مجھے ابھی تک کوئی جانور دکھائی نہیں دیا تھا لیکن ہو سکتا تھا یہاں بھیڑیئے یا اس قبیل کے بڑے جانور آجاتے۔ سردی کے ساتھ ان سے بچاؤ کے لیے آگ جلانا لازمی تھا۔ ویسے بھی دن میں گرم ہو جانے والے یہ پتھریلے کھنڈر رات کو بہت سرد بھی ہو جاتے ہوں گے۔ لکڑی اٹھائے میں اندر داخل ہوتے ہوئے مہرو کو آواز دی۔

''مہرو تم کہاں ہو؟''

ظاہر ہے اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں اسی طرح اسے آواز دیتا ہوا غار نما جگہ داخل ہوا۔ پھر حیرانی سے مہرو کے غائب ہونے کا انکشاف کیا۔ اس کا بیگ اور دوسرا سامان بھی غائب تھا اور یہ دیکھ کر میں سچ مچ اچھل پڑا کہ وہ کھانے پینے کا اچھا خاصا سامان لے گئی تھی۔ یوں سمجھ لیں کہ ستر فیصد لے گئی تھی اور صرف تیس فیصد چھوڑا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے غصہ آیا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ میں یہاں قیام کے ارادے سے نہیں آیا تھا۔ اگر مہرو احتیاطاً زیادہ چیزیں لے گئی تھی تو اس نے ٹھیک کیا تھا کیونکہ اسے نامعلوم علاقوں کی طرف جانا تھا۔ جب کہ میں ایک معلوم جگہ تھا اور مجھے خوراک کی ضرورت ہوتی تو میں واپس بھی جا سکتا تھا۔ پھر مہرو وہ بیس کے قریب تندوری نان چھوڑ گئی تھی جو میں پکوا کر لایا تھا۔ یہ نان خاصے عرصے تک ہمارے کام آ سکتے تھے اور میں اکیلا تو دس دن سے زیادہ بھی گزارا کر سکتا تھا۔ شکر ہے وہ کافی اور اس کا سامان چھوڑ گئی تھی اس کے علاوہ وہ نارچیں اور بڑی تعداد میں ان کے ڈرائی سیل لے گئی تھی۔

میں نے دکھاوے کے لیے اسے کچھ برا بھلا کہا اور پھر لکڑی ایک طرف رکھی اور پتھر جمع کر کے الاؤ کی جگہ بنائی۔ لکڑی پر تھوڑا سا اسپرٹ چھڑک کر آگ دکھائی تو وہ دھڑا دھڑ جلنے لگی اور غار تلے خوشگوار درجہ حرارت اور خوشبو پھیل گئی تھی۔ مگر لکڑیاں جتنی تیزی سے جل رہی تھیں لگتا تھا رات گزارنے کے لیے مجھے دوبارہ لکڑی جمع کرنا پڑے گی۔ خیر ابھی تو لکڑی خاصی تھی۔ میں نے دکھاوے کے لیے مہرو کو آس پاس تلاش کیا حالانکہ میں پہلے اعلان کر چکا تھا کہ وہ سامان لے کر نو دو گیارہ ہو گئی ہے۔ میں مہرو کو نہیں بلکہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جو ممکنہ طور پر مہرو کا پیچھا کرنے کی کوشش کرتے لیکن مجھے وادی میں کہیں نقل و حرکت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ شاید فتح خان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے مہرو کو صرف مجھ پر نظر رکھنے کا ذریعہ بنایا تھا اور اب میں وادی میں تھا یہاں سے فرار کی صورت میں وہ مجھے روک سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہمارا ڈرامہ کامیاب رہا تھا ورنہ فتح خان فوراً ہی یہاں آن موجود ہوتا۔

رات کے کھانے کے لیے میں نے روٹی کے ساتھ ابلے گوشت کا ایک ٹن کھولا اور اسے الاؤ پر گرم کر کے روٹی کے ساتھ کھایا کافی کی کیتلی پہلے ہی رکھ چکا تھا۔ کافی پی کر میں اونگھنے لگا۔ اس سفر کے دوران اور اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ میں ہیرے کیسے تلاش کروں۔ کیا میں فرہاد کی طرح بنا کسی تیشے سے زمین کھودنا شروع کر دوں۔ اس کے علاوہ میں ہیرے تلاش کرنے کے لیے اور کیا کر سکتا تھا۔ جیسے جیسے میں اس پہلو پر سوچ رہا تھا میرا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر فتح خان نے مجھ سے اتنی احمقانہ توقع کیوں لگائی تھی۔ اگر وہ ہیروں کے پیچھے پاگل

ہو رہا تھا تب بھی اسے کم سے کم اپنے کیے کے بھگتان کا اندازہ ہونا چاہیے تھا۔

اس وادی میں کہیں چھپی چھوٹی سی چیز تلاش کرنا بہت ہی مشکل تھا یہاں تو کسی ہاتھی کو دفن کر دیا جائے تو اس کا سراغ ملنا بھی ناممکن ہوتا۔ یہ تو مٹھی میں آ جانے والی چھوٹی سی چیز تھی۔ مجھے یاد ہے ہیرے ایک سیاہ رنگ کے بکس میں تھے جو شاید فولادی تھا اور اسے خاص طریقے سے چاروں طرف سے بند کیا گیا تھا۔ تبھی برٹ شا نے بلا جھجک اسے کہیں دفنا دیا تھا۔ ویسے بھی ہیرے خود بہت سخت ترین اور سوائے حرارت کے اور کسی چیز سے متاثر نہ ہونے والی چیز ہیں۔ کیونکہ یہ خالص کاربن سے بنے ہوتے ہیں اس لیے ہلکی سی آگ بھی انہیں جلا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ موسم، پانی اور تیزاب تک سے متاثر نہیں ہوتے ہیں۔

کافی ختم کر کے میں نے مگ الاؤ کے پاس رکھ کر میں نے خیمہ نکالا۔ یہ زمین پر خود بخود لگ جانے والا خیمہ تھا بس اسے کھولنا پڑتا تھا۔ ایک طرف سے چھوٹا سا گنبد نما اور دوسری طرف سے لمبا سا۔ اس میں آدمی گھس کر بس لیٹ جائے۔ یہ کسی گرم میٹریل سے بنا تھا اور باہر کی سردی سے خاصی حد تک محفوظ رکھتا تھا۔ میں نے خیمہ کھولا اور زمین پر رکھ دیا۔ یہ زپ سے مکمل طور پر بند ہو جاتا تھا اور اس میں ہوا کی آمد و رفت کے لیے جالی لگی تھی لیکن اس سے کیڑے مکوڑے اور اسی طرح کے دوسرے رینگنے والے جانور نہیں آ سکتے تھے۔ میں نے اسے آگ سے ذرا دور رکھا تاکہ چنگاڑی اتفاق سے بھی اس پر نہ آ سکے ورنہ یہ جل بھی سکتا تھا۔ میں نے گزشتہ دن سے جوتے نہیں اتارے تھے اس لیے ابھی جوتے اتارے تو اندر سے پیروں کی کھال گلی سی نکلی۔ اگر میں ایک دو دن اور جوتے نہ اتارتا تو پیروں کی کھال بھی موزے کے ساتھ اتر جاتی۔

پاؤں خشک کر کے میں کمبل لے کر خیمے میں گھس گیا۔ اس کی چھت میں ایک چھوٹی سی فکس لائٹ لگی تھی آن کیا جاتا تو وہ نائٹ لیمپ کا کام دیتی۔ میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر ذہن میں رہ رہ کر فتح خان اور پھر مہرو کا خیال آتا تھا اور نیند اڑ جاتی تھی بڑی مشکل سے مجھے نیند آئی۔ پھر رات کسی وقت آنکھ کھل گئی۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ آس پاس کوئی ہے۔ میں نے آہستہ سے خیمے کی زپ کھولی اور دم بخود رہ گیا۔ وہ ذرا سا ترچھا بیٹھا تھا اور چہرہ بھی جیکٹ کے ہڈ میں چھپا تھا لیکن مجھے شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ فتح خان تھا اس نے اپنی جگہ سے ہلے یا میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

''تم اٹھ گیا ہے۔ ہمارا کوشش تھا تم آرام کرتا ابھی صبح ہونے میں وقت ہے۔''

مگر جب فتح خان سامنے ہو تو آرام کیسے کیا جا سکتا تھا۔ میں خیمے سے نکل آیا اور جوتے موزے پہن لیے۔ الاؤ میں مزید لکڑیاں ڈال دی گئی تھیں اس لیے وہ بجھا نہیں تھا۔ میں فتح خان کے مخالف سمت بیٹھ گیا۔ میں اسے دیکھنے کے باوجود پُرسکون تھا اور میرے اعصاب میں کوئی ہلچل نہیں تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ میں خوش تھا تو غلط نہیں ہوگا۔ فتح خان کا اس طرح سامنے آنا ثابت کرتا تھا کہ اس کی اصل اسکیم وہ نہیں تھی جو اس نے مجھے بتا کر یہاں بھیجا تھا۔ اس کا اصل پلان کچھ اور تھا جو جلد یا بدیر میرے سامنے آ جاتا میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''فتح خان تمہارا مقصد کیا ہے؟''

''ایک مقصد تو پورا ہو گیا۔'' اس نے بھی پورے سکون سے کہا۔ ''تمہیں یہاں لانا تھا تو لے آیا۔''

''لیکن تمہارا اصل مقصد تو ہیرے ہیں۔''

''ہاں اصل مقصد تو وہی ہے۔'' فتح خان بولا۔

''پھر یہ سب ڈرامے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''سب تمہارے سامنے آجائے گا۔'' وہ پہلی بار مسکرایا۔ ''شہباز خان جلدی مت کرو۔''

میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''فتح خان شاید تم اس وقت اپنی برتری اور کمانڈنگ پوزیشن کی وجہ سے خود کو کچھ سمجھ رہے ہو لیکن جب تمہاری یہ پوزیشن نہیں ہوگی اور میں مجبور نہیں ہوں گا تب کے بارے میں تم نے سوچا ہے؟''

''اس کا ہمیں ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بے فکری سے جواب دیا۔ ''ہم ناکام ہوا تو دنیا میں نہیں ہوگا اور کامیاب ہوا تو اس ملک میں نہیں ہوگا۔ کوئی نہیں جانے گا کہ فتح خان کہاں غائب ہوگیا۔''

فتح خان جس طرح بے فکری سے یہاں بیٹھا تھا اسے یقین تھا کہ میں اس کے خلاف کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ مگر وہ صرف اپنے یقین پر مطمئن ہونے والا شخص نہیں تھا مجھے یقین تھا کہ آس پاس اس کے آدمی موجود ہوں گے اور میری کسی بھی خلاف معمول حرکت پر وہ بھی حرکت میں آجائیں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کسی حرکت کی صورت میں میرے جسم میں ایک سوراخ کا اضافہ اور ہوجائے۔ اس لیے میں نے کسی جذباتی حرکت سے گریز کیا ویسے اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اگر میں فتح خان کو کوئی نقصان پہنچا بھی دیتا تو اس سے مجھے سویرا واپس نہیں ملتی۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم میرے پیچھے ہوگے۔''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''تم ٹھیک سمجھا میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا ہے۔''

میں نے کافی تیاری اگرچہ فتح خان کو زہر دینے کو دل چاہ رہا تھا۔ لیکن فی الحال کافی تھی وہی دیدی۔ اس نے میری اچھی خاصی زندگی کو ڈسٹرب کر دیا تھا۔ میں مرشد کے خلاف فیصلہ کن مرحلے کی طرف جا رہا تھا۔ ڈیوڈ شا نے بھی معاملات سیٹ کرانے کو کہا تھا۔ اگرچہ مجھے یقین نہیں تھا کہ مرشد وہی کرے گا جو ڈیوڈ شا کہے گا لیکن اس کے شامل ہونے سے مرشد پر ایک طرح کا دباؤ ضرور آتا۔ دشمن کو ہر طرف سے گھیرنے والی پالیسی بہترین ہوتی ہے۔ اسے گھیر کر اس مقام تک لے آؤ جہاں اس سے اپنی بات منوا سکو۔ میں اور میرے ساتھی اسی حکمتِ عملی کے تحت کام کر رہے تھے پھر درمیان میں بریف کیس والا مسئلہ بھی آسانی سے حل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ میں نے غلطی یہ کی کہ شہلا پر کچھ زیادہ بھروسہ کر لیا۔ اگر میں اپنے ساتھیوں اور منصوبے کے تحت کام کرتا تو شاید یہ مسئلہ نہ ہوتا۔ کم سے کم میں فتح خان کے سامنے اتنا بے بس نہ ہوتا کیونکہ اس نے سویرا کو اغوا کرنے کے منصوبے پر بہر صورت عمل کرنا تھا چاہے میں اس کے ہاتھ آتا یا نہ آتا۔

''سویرا کہاں ہے؟''

''محفوظ ہے اور فکر مت کرو اس کے ساتھ صرف شہلا ہے۔ وہی اس کا دیکھ بھال کر رہی ہے۔'' اس نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ''ادھر ہمارا کوئی اور آدمی نہیں ہے۔''

لیکن میں اس کی تسلیوں میں آنے والا نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''فتح خان سویرا کو واپس حویلی بھیج دو میں تمہارے قبضے اور تمہارے ساتھ ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا ہاتھ میں ایک وہی تو کارڈ ہے۔ وہ نہیں رہا تو تم قابو میں نہیں رہے گا۔''

''فتح خان میں قسم نہیں کھاتا لیکن تم کہو تو میں قسم......''

''اس کا ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''ابھی تم ساتھ ہے اور رہے گا۔''

میں جھنجھلا گیا۔ ''تب تم کیا چاہتے ہو جب کہ تم جانتے ہو اس وادی میں ایک چھوٹی سی چیز کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔ اس کا رقبہ ایک میل سے زیادہ ہی ہے۔''

''میں اس ناممکن کو ممکن بنائے گا۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''ابھی تم دیکھے گا۔''

رات کا آخری پہر تھا اور سردی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی لیکن گرم کپڑوں میں ہم سکون سے تھے۔ پھر الاؤ کی گرمی بھی تھی۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مہرو کے بارے میں نہیں پوچھا۔ وہ میری غیر موجودگی میں فرار ہوگئی۔''

''اس کا ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''میرا طرف سے وہ جہنم میں جائے۔''

میں نے سکون محسوس کیا گویا اس معاملے میں فتح خان کو مجھ پر شبہ نہیں تھا۔ جب مہرو والی چپ سے سگنل آنا بند ہوئے تو اس نے سوچ لیا ہوگا کہ پتھر پر مہرو کی گردن ٹکرانے سے چپ پر ضرب لگی ہوگی اور وہ ناکارہ ہوگئی ہو گی۔ میں تقریباً تین گھنٹے بعد اوپر ڈھلان سے واپس آیا تھا اور تب ان لوگوں کو پتا چلا کہ مہرو غائب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس وقت تک مغرب میں پہاڑ عبور کر کے دوسری طرف چلی گئی ہوگی۔ اب یہ قسمت میں تھا کہ وہ راجا عمر دراز تک پہنچ پاتی ہے یا نہیں۔ اس کا بھی تو امکان تھا کہ وہ ان پہاڑوں میں بھوکی پیاسی بھٹکتی رہے یا پھر کسی غلط آدمی کے ہاتھ لگ جائے۔ اس معاملے میں اس کی قسمت ویسے بھی بہت خراب تھی۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔

''تم نے میرا پیچھا کس طرح کیا جب کہ نظر بھی نہیں آتے تھے؟''

فتح خان نے دانت نکوسے۔ ''تمہارا کیا خیال ہے میں نے کس طرح تمہارا پیچھا کیا؟''

''میرا خیال ہے تم نے گاڑی میں کوئی سگنل ڈیوائس لگائی ہے۔'' میں نے پُر یقین لہجے میں کہا۔ ''میں نے تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔''

فتح خان نے اس بار مسکرانے کے انداز میں دانت نکالے۔ ''وہ تم تلاش بھی نہیں کر سکتا۔ اتنا چھوٹا سا ڈیوائس کہ میں بھول جائے تو خود مجھے بھی نہ ملے۔''

وہ نہیں جانتا تھا کہ میں اتفاق سے چپ دیکھ چکا تھا اور اس کی مدد سے اسے بیوقوف بھی بنا چکا تھا۔ بہر حال اس کا انجان رہنا ہی ٹھیک تھا اس لیے میں پورے خلوص سے بے وقوف بنا ہوا اس کی لاف گزاف سن رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ممکنہ پلان سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اس نے مجھ سے جو مطالبہ کیا تھا اور جو دس دن کی مہلت دی تھی وہ صرف ایک دھوکا تھی فتح خان جیسا زیرک آدمی اس کا قسم کا احمقانہ مطالبہ کسی خاص مقصد کے تحت کر سکتا تھا اس کا ایک مقصد یعنی میری وادی تک آمد تو حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتا تھا یہ میں سمجھ نہیں سکا تھا۔ اچانک فتح خان کے لباس سے ایک ٹون جیسی آواز آئی۔ وہ چونکا اور پھر کھڑا ہو گیا۔

''شہباز خان تم اِدھر رکو، اِدھر سے ہلنا مت۔''

یہ کہہ کر وہ باہر تاریکی میں غائب ہوگیا۔ اگر وہ نہ کہتا تب بھی میرا ہلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا

اس کے ساتھی کہیں باہر گھات لگا کر بیٹھے ہوں گے اور ان کے وحشی ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ آدمی کو مکھی مچھر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں۔ فتح خان کے پاس آنے والی ٹون کسی موبائل کی لگ رہی تھی۔ لیکن اس علاقے میں موبائل سگنل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا تب یہ امکان تھا کہ فتح خان کے پاس کوئی لانگ رینج واکی ٹاکی یا پھر سیٹلائیٹ فون تھا۔ سیٹلائیٹ کی مدد سے کام کرنے والے موبائل سگنل کے محتاج نہیں ہوتے ہیں لیکن یہ نہایت مہنگے ہوتے ہیں۔ کوئی عام آدمی کیا اچھے خاصے دولت مند بھی ان کے چارجز برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر فتح خان کے پاس حرام دولت کی کمی نہیں تھی اس کے اپنے دھندے بھی کم نہیں تھے لیکن ڈیوڈ شا کے لیے کام کر کے اس نے بہت کمایا ہوگا۔

الاؤ میں آگ کم ہو رہی تھی اور لکڑی اب انگاروں میں بدل رہی تھی۔ سردی سے بچنے کے لیے میں نے اپنے گرد کمبل لپیٹ لیا اور فتح خان کا انتظار کرنے لگا۔ وہ جس طرح آیا تھا ایسا لگ رہا جیسے وہ پہلے سے سب طے کر چکا تھا۔ اگر مہرو غائب نہ ہوتی تب بھی وہ یہاں ضرور آتا اور شاید مہرو کے مقدر کا فیصلہ بھی کر دیتا لیکن اُس کی خوش قسمتی کہ وہ بروقت نکل گئی۔ اگر فتح خان اس سلسلے میں مایوس بھی ہوا تھا تب بھی اس نے ظاہر نہیں کیا۔ وہ تقریباً نصف گھنٹے بعد اچانک ہی تاریکی سے نمودار ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ خوش تھا اس کا مطلب تھا کہ اس کا پلان اس کی مرضی کے مطابق کام کر رہا تھا اس نے اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''شہباز خان جلد تم خوشخبری سنے گا۔''

''تم سے مجھے صرف بدخبریوں کی امید رہتی ہے۔''

''تم ابھی اس بندے کو دیکھے گا جسے تم نے بہت عرصے سے نہیں دیکھا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''اسے دیکھ کر تمہارا دل باغ باغ ہو جائے گا۔''

مجھے تشویش ہونے لگی۔ اب وہ میرے کس ساتھی کو اٹھا لایا تھا۔ میں نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''فتح خان تم آگ کو مزید بھڑکا رہے ہو ابھی تو سویرا والا قرض بھی اتارنا ہے مجھے۔''

''قرض بھی اتر جائے گا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''میرے کو کوئی جلدی نہیں ہے۔''

جلدی تو مجھے تھی۔ میں نے سوچا اور کہا۔ ''برٹ شا کہاں ہے؟''

''وہیں جہاں اسے ہونا چاہیے۔''

''لیکن مجھے لگ رہا ہے وہ تمہارے ساتھ یہیں کہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فتح خان نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''فتح خان تمہیں صرف مجھ سے مطلب ہے لیکن تمہاری ساتھی نے بلاوجہ وہ بریف کیس بھی ہتھیا لیا جس سے تمہارا یا شہلا کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ بریف کیس کہاں ہے؟''

''یہ تم شہلا سے پوچھو۔''

''تمہارا اور شہلا کا معاملہ ایک ہی ہے۔''

''ایک نہیں ہے۔'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''بس ہیرے کے معاملے میں ایک ہے پھر وہ اپنا راستہ لے گا اور میں اپنا راستہ لے گا۔''

''فتح خان تمہیں یقین ہے شہلا تمہیں دھوکا نہیں دے گی۔''

فتح خان نے اپنی کسی قدر بڑھی ہوئی شیو کھجائی۔ ''ایسا یقین تو فتح خان اپنی ماں پر نہیں کرتا شہلا پر کیسے کرے؟''

''تب تم کیسے یقین سے کہہ سکتے کہ وہ وہی کرے گی جو تم چاہتے ہو جبکہ وہ مڈل ایسٹ جا کر ہیروں کا سودا کرے گی۔''

''ہمارے پاس اس کا تصویر ہے۔'' فتح خان بولا۔ ''وہ ہم کو دھوکا دینے سے پہلے دس بار سوچے گا۔''

''فتح خان شہلا بہت بڑی اداکارہ ہے اور وہ مجھے دھوکا دے گئی تو تمہیں بھی دھوکا دے سکتی ہے جب کہ تمہارے لیے اس کے دل میں نفرت بھی ہے تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اسے بھولی نہیں ہے۔''

''نہ بھولے۔'' فتح خان مسکرایا۔ ''بلکہ ہم چاہتا ہے یاد رکھے تاکہ اگر کبھی اس کے دل میں دھوکے کا خیال آئے تو اسے معلوم ہو اس کے ساتھ ہم کیا کر سکتا ہے۔''

''یہ تمہاری بھول ہے کہ اس پر اس چیز کا کوئی اثر ہوگا۔ عزت آبرو شہلا کے لیے بے معنی سے لفظ ہیں۔ اس کے سامنے ہمیشہ اپنا مفاد ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ کسی کو قتل بھی کر سکتی ہے۔ سفاکی کے معاملے میں وہ تم سے کم نہیں ہے۔''

''ہم کو معلوم ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''پر تم فکر مت کرو وہ ابھی پھنسا ہوا ہے اس لیے دھوکا نہیں کرے گا۔''

''تمہاری مرضی میں نے تمہیں خبردار کر دیا۔'' میں نے شانے اچکائے تو فتح خان زہر خند انداز میں مسکرایا۔

''شہباز خان تم میرا ہمدرد نہیں ہے۔ اس لیے ابھی مجھ کو شہلا کے خلاف کرنے کا کوشش مت کرو۔''

''میں ایسی کوئی کوشش نہیں کر رہا۔'' میں نے ٹھہرے انداز میں کہا۔ ''مجھے دشمنی میں بھی گھٹیا پن پسند نہیں ہے لیکن بعد میں ایسا نہ ہو کہ تم شہلا کی وجہ سے ناکام ہو اور اس کا بدلہ بھی مجھ سے لینے کی کوشش کرو۔ کم سے کم اس معاملے میں تم وہی وحشی فتح خان ہو جو بات تمہارے ذہن میں بیٹھ جائے وہ نکلتی نہیں ہے۔''

''میں پاگل نہیں ہے جو کسی کا بدلہ دوسرے سے لینے کی کوشش کرے گا۔'' اس نے برا مان کر کہا۔

''تب تم کیا کر رہے ہو۔ تم نے برٹ شا سے ہیرے ہتھیانے کی کوشش کی۔ اس نے ہیرے چھپا دیئے۔ اس میں میرا کہیں بھی کوئی حصہ یا قصور نہیں تھا۔ اب تم مجھے پکڑ لائے۔ میری ہونے والی بیوی کو میرے گھر سے اٹھا لیا اور اس کے ذریعے مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔ اب بھی تم کہتے ہو کہ تم کسی سے دوسرے کا بدلہ نہیں لیتے۔'' کہتے ہوئے میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''یہ دوسری بات ہے۔'' فتح خان کھسیا گیا لیکن فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ ''اگر تم ایمن شا کو یہاں بلانے پر آمادہ ہو جاتے تو میں یہ سب کرنے پر مجبور نہ ہوتا۔''

میں نے تلخ انداز میں کہا۔ ''فتح خان اس وقت حالات پر تمہارا قابو ہے اس لیے تم کتے کی طرح بھونکو گے تب بھی تمہاری ہی بات درست مانی جائے گی۔''

''تم چاہے تو ایسا بھی سمجھ سکتا ہے۔'' اس نے تسلیم کر لیا۔

اس دوران میں صبح کی ہلکی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ یہاں وادی میں دھند بہت کم ہوئی تھی اور کسی وقت تو آسمان صاف نظر آنے لگتا تھا۔ فتح خان نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ "ابھی تم چاہے تو سو سکتا ہے ممکن ہے تم سو کر اٹھے تو سرپرائز آ چکا ہو۔"

میں نے بھی فتح خان کے ساتھ سر کھپانے سے بہتر سمجھا کہ آرام کر لوں۔ میں دوبارہ کمبل لے کر خیمے میں گھس گیا اور زپ بند کر لی۔ فتح خان میری طرف سے مطمئن تھا کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ میں نے اس کے آدمیوں سے جو پستول چھینا تھا وہ بے کار ہے۔ یہ پستول اس وقت بھی میری جیب میں تھا۔ پستول اور اس کی گولیاں دونوں اصلی تھے لیکن ایک فائرنگ پن نہ ہونے سے یہ بے کار تھے۔ میں لیٹا رہا اور روشنی ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ فتح خان کچھ دیر بعد وہاں سے چلا گیا اور جاتے ہوئے مجھے اسی غار نما جگہ محدود رہنے کی ہدایت کر گیا۔ ایک گھنٹے بعد روشنی مکمل طور پر نمودار ہو گئی تھی اگر چہ نیچے ابھی دھوپ نہیں آئی تھی لیکن اوپر پہاڑ روشنی میں آ گئے تھے۔

صبح کے سات بج رہے تھے۔ میں خیمے سے باہر آ گیا اور الاؤ کے انگاروں پر کافی کا پانی رکھ دیا اس دوران میں میری نظریں آس پاس بھٹک رہی تھیں لیکن جہاں تک دکھائی دیتا تھا نہ بندہ تھا نہ بندے کی ذات تھی۔ ایک اونچے پتھر پر ایک چیل بیٹھی اپنی چونچ سے جسم صاف کر رہی تھی۔ میں کافی کا مگ لے کر چہل قدمی کرنے کے انداز میں غار نما جگہ سے باہر آیا۔ یہ جگہ شمال مشرقی ڈھلان کے سامنے تھی کچھ پتھر تھے پھر ڈھلان شروع ہو جاتی تھی۔ جیسے ہی میں چٹانوں کی حدود کے آخری حصے تک آیا سامنے ڈھلان سے ایک فائر ہوا اور گولی میرے پیروں سے کچھ آگے زمین پر لگی۔ مٹی اڑی تھی۔ فائر کسی ہلکی رائفل سے ہوا تھا اور آواز زیادہ نہیں تھی لیکن وادی میں کچھ دیر گونجتی رہی تھی۔ اس وارننگ کے بعد میرے لیے آگے جانا ممکن نہیں تھا اس لیے میں الٹے قدموں لوٹ آیا۔ فتح خان کے آدمی پوری طرح مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ فائر کر کے انہوں نے یہ بات مجھ پر واضح بھی کر دی تھی۔

روشنی ہونے سے پہلے میں نے ناشتہ کر لینا مناسب سمجھا کیونکہ ممکن تھا کہ فتح خان جو سرپرائز لا رہا تھا۔ اس کے آنے کے بعد مجھے ناشتہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ اب دھوپ چٹانوں تک آ گئی تھی اور سردی میں کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا۔ دس بجے تک چٹانیں دھوپ میں آنے کے بعد خاصی گرم ہو چکی تھیں اور اب میں چاہتا تو جیکٹ کے بغیر بھی گزارا کر سکتا تھا۔ پتا نہیں یہ چٹانیں کس مادے کی بنی تھیں یہ گرمی کو جذب کر لیتی تھیں اور اس موسم میں بھی ان کے اندر کا ماحول گرم ہو گیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ برف باری ہونے کے باوجود یہاں برف کا نام و نشان نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ دوپہر تک یہاں خاصی گرمی ہو جائے گی۔ دس بارہ سال سے میں کاروبار اور پھر دوسرے چکروں میں شمالی علاقوں میں بہت گھوما ہوں لیکن اس قسم کی چٹانیں میں نے کہیں اور نہیں دیکھی تھیں۔ میرے پاس پانی خاصی مقدار میں تھا اس لیے یہ خدشہ تو نہیں تھا کہ پہلے کی طرح پیاس سے جان لبوں پر آ جائے گی۔

ناشتہ بنا کر میں نے الاؤ بجھا دیا اور خود ایک چٹان پر چڑھ گیا یہاں سے چاروں طرف کا منظر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ مگر کھنڈرات کے پاس کا حصہ نظروں سے اوجھل تھا۔ فتح خان کے سامنے آنے سے میرے اندر

موجود گھٹن میں کمی آئی تھی۔ جب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تو مجھے گھٹن سی ہونے لگتی تھی۔ گیارہ بجے کے قریب چٹانوں کے پاس ہی کچھ افراد کے بولنے کی آواز آئی۔ میں چھلانگ کر چٹان سے نیچے آ گیا۔ آواز اب نمایاں تھی اور فتح خان کی تھی وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''چلو خنزیر ابھی تمہارا سارا اداکاری نکل جائے گا۔ بس کچھ دیر انتظار کرو...... آگے چلو کتے کا بچہ۔''

میں چوکنا ہو گیا۔ فتح خان کسی کو لا رہا تھا۔ کیا وہ میرے کسی ساتھی کو یوں گالیاں دے رہا تھا لیکن میرے ساتھیوں میں کوئی ایسا احمق اور بے حمیت نہیں تھا کہ فتح خان سے یوں گالیاں کھاتا۔ اول تو وہ گالیاں کھانے والا کوئی کام نہ کرتا اور پھر بھی فتح خان اسے یوں سناتا تو وہ کسی کی پروا کیے بغیر اس سے بھڑ جاتا تو پھر یہ کون تھا؟ اس سوال کا جواب ایک وحشیانہ سی ہنسی نے دیا۔ ہنسنے والا مرد تھا اور میرے ذہن میں ایک نام روشنی کی طرح چمکا تھا۔ میں بے ساختہ چند قدم آگے اور میں نے برٹ شا کو دیکھ لیا۔ جس نے گرم لیکن بے حد میلا کچیلا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی داڑھی مونچھیں اور سر کے بال یوں بڑھے ہوئے تھے جیسے انہیں سالوں سے استرا یا قینچی لگنے کی نوبت نہیں آئی تھی اور ساتھ ہی وہ یوں میلے اور چکٹ ہو رہے تھے جیسے اسے مہینوں سے نہانے کا موقع نہ ملا ہو۔ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ آنکھیں یوں تاریک حلقوں میں ڈوب گئی تھیں کہ ایک نظر میں تو آنکھوں کی جگہ گڑھا ہی نظر آتا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح دانت نکال نکال کر ہنس رہا تھا اور بار بار مڑ کر فتح خان کی طرف دیکھتا تھا۔ جواب میں وہ اسے گالی اور دھکا دیتا۔ فتح خان کے آخری دھکے اور ایک ناقابلِ بیان گالی نے اسے میرے قدموں میں لا گرایا۔ اسے چوٹ لگی تھی لیکن وہ ہانپتے ہوئے اب بھی رونے کے انداز میں ہنس رہا تھا۔

میں نے عرصہ پہلے اسے دیکھا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے بلکہ فتح خان کے تشدد سے بچنے کے لیے پاگل بن گیا ہے۔ لیکن اس وقت اس کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ سچ مچ پاگل ہو چکا ہے۔ اس کے پھٹے جوتوں سے اس کی انگلیاں جھانک رہی تھیں جو مستقل بند رہنے کی وجہ سے گل کر سیاہ ہو رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں خمیدہ اور ان کے جوڑ یوں ابھر آئے تھے جیسے جوڑوں کے مریض کے ہوتے ہیں۔ اس کے سرخ و سفید رنگ کو میل نے چھپا لیا تھا اور اب اسے باآسانی کوئی مقامی باشندہ تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ وہ میرے قدموں میں پڑا ہانپ رہا تھا۔ میں نے افسوس سے اسے پھر فتح خان کو دیکھا۔

''فتح خان یہ پاگل ہو گیا ہے اور اگر نہیں ہوا تھا تو اب ہو گیا ہے۔''

''یہ پاگل نہیں ہے۔'' فتح خان نے اسے نفرت انگیز نظروں سے دیکھا۔ ''حرامزادہ بنتا ہے لیکن میں اس کا دماغ درست کر دے گا۔''

''اس کا حال دیکھ رہے ہو۔'' میں نے برٹ شا کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ایک نفیس اور نازک مزاج پڑھا لکھا علمی آدمی تھا۔ کیا یہ صرف ہیروں کی خاطر اپنا یہ حال کروا سکتا ہے۔''

فتح خان نے مجھے گھورا۔ ''تم بھول رہا ہے وہ پچاس ملین ڈالرز کا ہیرا ہے۔''

''سو ملین ڈالرز کا کیوں نہ ہو۔ لیکن میں بھی دولت کی خاطر اپنا یہ حال بنوانے کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔''

''تم اپنا بات مت کرو۔ میں تم کو جانتا ہے۔ لیکن تم ان خنزیروں کو نہیں جانتا ہے۔'' اس نے برٹ شا کو لات ماری۔ ''یہ ہم کو بولتا ہے کہ ہم دولت کی خاطر اپنی ماں بیچ سکتا ہے۔ پر فتح خان نے ان گوروں کو بہت قریب

سے دیکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک دولت کا خاطر اپنی ماں کو روز بیچ سکتا ہے۔ تم اس کے پڑھے لکھے ہونے پر مت جاؤ۔''

میں فتح خان کی بات سے متفق نہیں تھا۔ دنیا میں اچھے برے، شیطان اور انسان ہر قوم اور نسل میں ہوتے ہیں۔ فرق صرف اچھے برے نظریے یا نظام کا ہوتا ہے۔ نظریہ یا نظام کسی قوم، ملک اور ملت کا چہرہ ہوتا ہے دوسرے اس کے تمام افراد کو اسی کے تحت دیکھتے ہیں۔ جیسے مغرب نے دہشت گردی اور مسلمانوں کو اس طرح نتھی کر دیا ہے کہ اب ہر مسلمان کو اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مغرب کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ بالکل الگ ہوتا ہے۔ حالانکہ دہشت گردی کا شکار تو ہم مسلمان ہیں۔ اس جنگ میں مارے جانے والے غیر مسلموں اور مسلموں کا تناسب شاید ایک اور ہزار سے بھی زیادہ ہی ہے۔ اور دہشت گرد بھی ہم ہی ہیں۔ مغربی دنیا اس معاملے میں بدترین جانبداری اور تعصب سے کام لے رہی تھی۔ اس کے باوجود میں فتح خان کی بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا اور اس سے بحث کرنا بھی بے کار تھا۔ میں نے کسی قدر اکتائے انداز میں کہا۔

''تمہارے پاس میرے لیے یہی سرپرائز تھا؟ تو یقین کرو میں بالکل بھی حیران نہیں ہوا ہوں۔''

فتح خان مسکرایا۔ ''نہیں یہ کہاں سے سرپرائز ہو گیا۔ وہ تو اس کے لیے بھی سرپرائز ہو گا۔''

میں ایک بار پھر چونک گیا اور فوراً ہی ایک نیا خیال میرے ذہن میں سرسرایا۔ ''فتح خان کہیں تم نے ایمن......''

''اب تم ٹھیک سمجھا۔'' وہ قہقہہ مار کر بولا۔ ''میں نے ایمن شا کو یہاں بلالیا ہے اور کچھ دیر میں وہ یہاں پہنچ گیا ہے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ تو یہ وجہ تھی کہ فتح خان نے مجھے اپنے قبضے میں کیا تھا۔ اس کے بغیر وہ ایمن کو کسی صورت پاکستان نہیں بلوا سکتا تھا۔ کیونکہ ایمن مجھ سے رابطہ کرتی اور میں اسے منع کر دیتا۔ میں نے دیکھا کہ ایمن کے آنے کا سن کر بھی برٹ شا نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا وہ اردو جانتا تھا اور فتح خان کی قید میں رہ کر اس کی اردو اور بھی بہتر ہو گئی ہو گی اس لیے یہ تو ممکن نہیں تھا کہ اس نے فتح خان کی بات کا مفہوم نہ سمجھا ہو۔ مگر وہ یونہی بیچے پڑا ہنسنے کے انداز میں کراہتا رہا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ ''جیسے تمہیں مجھ سے اس معاملے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی ہے چاہے اس کے لیے تم میرے کسی بھی پیارے کو اٹھا لاؤ۔ اسی طرح ایمن شا کو بلانے اور اپنے قبضے میں لینے سے تمہیں ہیرے نہیں ملیں گے۔''

''ملے گا بالکل ملے گا۔'' فتح خان نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر نہیں ملا تو میں ان دونوں باپ بیٹی کو اسی وادی میں دفن کر کے جائے گا۔ میں خدا کا قسم کھاتا ہے ایسا ہی کرے گا۔''

فتح خان کا لہجہ جنونی ہو گیا تھا میں نے محسوس کیا کہ برٹ شا کی طرح وہ بھی پاگل ہو گیا تھا۔ شاید دولت چیز ہی ایسی ہوتی ہے کہ آدمی کو پاگل کر دے خاص طور سے جب وہ قیمتی ہیروں کی شکل میں ہو۔ اس وقت بھی وہ جنونی ہو رہا تھا۔ اس کی توجہ ہٹانے کے لیے میں نے کہا۔ ''تم نے ایمن کو کس طرح سے بلایا؟''

فتح خان کا موڈ بدل گیا اور وہ پھر مسکرانے لگا۔ ''بہت آسانی سے، تمہارے موبائل میں انٹرنیٹ میں ایمن شا کا ای میل تھا۔ میں نے اسے ای میل کیا اور اسے بتایا کہ اس کے باپ کا سراغ مل گیا ہے وہ فوراً پاکستان

آ جائے۔"

"وہ مان گئی؟" میں نے بے یقینی سے کہا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا وہ بہت ذہین اور چالاک ہے۔"

"میں جانتا ہے وہ اس حرامی کا لڑکی ہے۔" اس نے برٹ شا کے پاؤں پر ہلکی سی ٹھوکر ماری لیکن وہ یوں چیخا جیسے کوئی کتا گاڑی تلے آ کر چیختا ہے اور پھر سمٹ کر چٹان کی جڑ میں ہاتھ پاؤں جوڑ کر لیٹ گیا۔ فتح خان کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ "میں نے ایسا چکر چلایا کہ اس نے فون نہیں کیا بس ای میل پر بات ہوتا رہا۔ تمہارے ای میل کی وجہ سے سمجھتا رہا کہ تم ہی ہے۔"

یہ حماقت مجھ سے ہوئی تھی شاید میں نے موبائل سے انٹرنیٹ استعمال کرتے ہوئے اپنی یوزر آئی ڈی اور پاس ورڈ محفوظ کر دیا تھا اور فتح خان نے اسے کھول لیا۔ اس کا مطلب تھا کہ ایمن کو بلانے کا منصوبہ مجھے قبضے میں لینے کے بعد بنا تھا۔ اس سے پہلے فتح خان سویرا کے ذریعے مجھے مجبور کرنا چاہ رہا تھا کہ میں کسی بھی طریقے سے اس کے لیے ہیرے تلاش کروں اور اس کے پیچھے منطق یہ تھی کہ بقول اس کے میں جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں وہ کسی نہ کسی طرح ہو جاتا ہے۔ مگر اب اس کے پاس زیادہ بہتر اور قابلِ عمل پلان آ گیا تھا اور اس نے اس پر عمل درآمد بھی شروع کر دیا تھا۔ مجھے چار پانچ دن تک بے ہوش رکھنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ اس دوران میں اس نے ایمن کو پاکستان آنے پر راضی کر لیا تھا۔ اب وہ یہاں آ گئی تھی اور فتح خان کے قبضے میں بھی آ گئی تھی۔

"وہ خاموشی سے آنے پر کیسے رضامند ہوئی؟"

"بس ہو گیا۔" فتح خان نے دانت نکالے۔ "شہباز خان میں ٹھیک کہتا تھا تمہارے ساتھ اس کا کوئی چکر ہے۔ ورنہ میرے کو بھی حیرت ہے وہ اتنی آسانی سے میرا تمام بات مانتا گیا۔ ابھی چند گھنٹے میرے آدمیوں نے اسے سوات سے لیا ہے اور اسے ادھر لا رہا ہے۔ مجھے اسی کا اطلاع ملا تھا۔"

"یہاں موبائل کے سگنل نہیں آتے ہیں پھر تمہیں کیسے اطلاع ملی؟"

"بس مل گیا۔" اس نے گول مول انداز میں کہا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ایمن نے حماقت کی تھی صرف میرا ای میل دیکھ کر وہ یہاں آنے پر آمادہ ہو گئی۔

"فتح خان تمہارا اندازہ پہلے بھی غلط تھا اور اب بھی غلط ہے وہ اصل میں اپنے باپ سے بہت پیار کرتی ہے اور اسی وجہ سے اتنی آسانی سے تمہارے جال میں پھنس گئی۔"

"میں نہیں مانتا۔" فتح خان نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ مغرب کا لوگ اپنے رشتوں سے اتنا پیار نہیں کرتا ہے ان کو بس خود سے پیار ہوتا ہے یا پھر ایک ہی رشتے سے مطلب ہوتا ہے۔" فتح خان نے ایک واہیات سا اشارہ کیا۔ "ان کو نہ ماں باپ سے مطلب ہوتا ہے اور نہ اپنے بچوں سے۔"

دیکھا جائے تو فتح خان ٹھیک کہہ رہا تھا مگر میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "تب تم یہ توقع کیوں کر رہے ہو کہ برٹ شا اپنی بیٹی کو بچانے کے لیے تمہیں ہیرے دے دے گا؟"

فتح خان نے ایک بار پھر خونی نظروں سے برٹ شا کو دیکھا۔ "اگر نہیں دے گا تو خود بھی مرے گا اور اس کا بیٹی بھی مارا جائے گا۔ اب میں یہ قصہ ختم کر جائے گا۔ یہ یہاں سے زندہ نہیں جائے گا۔ میں اسے پالتے پالتے تنگ آ گیا ہے۔"

بہ ظاہر تو ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ مگر میں اسے اتنا احمق نہیں سمجھتا تھا کہ وہ برسوں کے صبر آزما انتظار کے بعد معاملے کو یوں اچانک ختم کر دے۔ برٹ شا اس کی قید میں پڑا تھا اور اس کا کچھ نہیں جا رہا تھا۔ اب ایمن بھی آنے والی تھی۔ فتح خان ہیرے نکلوانے کے لیے برٹ شا کو دھمکا رہا تھا۔ اگر وہ اسے مار دیتا تو ہیرے قیامت تک نہیں مل سکتے تھے۔ میرے حساب سے وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سوچ کر کہا۔ ''ٹھیک ہے تم یا تو ہیرے لے کر جاؤ گے یا ان دونوں کو یہاں دفن کر کے جاؤ گے لیکن اس سارے معاملے میں تم نے میرا ذکر نہیں کیا میرا کیا ہو گا؟''

''تم جلد جان جائے گا۔'' فتح خان مسکرایا۔ ''میں تم کو مارے گا نہیں پر سویرا کو مرشد کے حوالے ضرور کر دے گا۔''

''اور اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟'' میں نے اسے گھورا۔

''مت چھوڑنا اگر میں مل جائے اور تم مجھ پر قابو پا لے تو بے شک میرا ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دینا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''پر تم کو سویرا کو بچانا ہے تو ہیرے تلاش کرنا ہوں گے۔''

میں نے برٹ شا کی طرف دیکھا۔ ''مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں ہے کہ اسے ہیروں والی جگہ یاد ہو گی۔ اگر یہ پاگل نہیں بھی تھا تو اب ہو گیا ہے اور اس سے کچھ معلوم نہیں ہو گا۔''

''معلوم ہو گا یہ بنا ہوا ہے۔ شہباز خان تم بہادر اور ہوشیار آدمی ہے لیکن تم نے ابھی انسان کو صحیح سے نہیں جانا ہے۔ یہ بہت سخت جان ہوتا ہے اور دولت کے لیے اس سے بھی زیادہ برداشت کر سکتا ہے۔'' فتح خان نے اپنا تجربہ پیش کیا۔ ''میں نے جو زندگی گزارا ہے اس میں انسان کو بہت پاس سے دیکھا ہے۔ میرے کو معلوم ہے انسان کتنا بڑا اداکار ہوتا ہے۔ جب یہ دوستی جتا رہا ہوتا ہے تو اس وقت یہ تم کو قتل کرنے کا سوچ رہا ہوتا ہے۔ یہ بالکل بھی پاگل نہیں ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''لیکن مجھے لگ رہا ہے یہ سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔''

''ابھی یہ اپنا لڑکی کو دیکھے گا تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' فتح خان نے یقین سے کہا۔ ''پھر یہ بتائے گا کہ ہیرا کہاں چھپایا ہے؟''

''فتح خان اس میں ایک معاملہ اور بھی ہے۔ برٹ شا اگر بنا ہوا پاگل ہے تو بھی وہ اتنی آسانی سے تمہیں نہیں بتائے کیونکہ اسے لازمی یہ خطرہ ہو گا کہ ہیرے حاصل کر کے بھی تم اس کے اور ایمن کے ساتھ یہی سلوک کرو گے۔ یعنی اس وادی سے ان کی واپسی نہیں ہو سکے گی۔ جب تک اسے اپنی اور ایمن کی زندگی کی ٹھوس ضمانت نہ مل جائے یہ ہیروں کے بارے میں بتانے کی حماقت نہیں کرے گا۔''

''کیا مطلب مجھے ان کا کیا کرنا ہو گا۔'' فتح خان نے جلدی سے کہا۔ ''میں ان کو چھوڑ دوں گا۔''

''واقعی؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ ''فتح خان تم خود اتنے سادہ ہو یا دوسروں کو سمجھتے ہو۔ یہ بات لازمی ان کے ذہن میں آئے گی کہ ہیرے حاصل کر کے تم انہیں یہیں دفن کر دو گے۔''

یہ ساری گفتگو برٹ شا کے سامنے ہو رہی تھی لیکن وہ بہ ظاہر سن نہیں رہا تھا فتح خان سے لات کھا کر وہ ایسا چٹان کی جڑ میں گھسا تھا کہ وہاں سے نکلنے کو تیار نہیں تھا۔ فتح خان نے مجھے گھورا۔ ''تم اس کے سامنے بات کر

رہے ہو تم اسے اکسانا چاہتے ہو کہ یہ ہیروں کا پتا نہ بتائے۔"
"میں اکسا رہا ہوں۔" میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "فتح خان تم پھر دوسروں کو نادان سمجھ رہے ہو۔ اگر یہ ڈرامہ نہیں کر رہا ہے تو اتنی عقل اس کے پاس بھی ہوگی۔ دوسرے میں تمہارا کوئی خیر خواہ نہیں ہوں جو اس سے چھپ کر تمہیں سمجھاؤں۔"
"میں ایسا نہیں کرے گا مجھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"
"لیکن نقصان تو ہو سکتا ہے۔ آزاد ہونے کے بعد برٹ شا اور ایمن تمہارے خلاف رپورٹ کرائیں گے اور تمہیں معلوم ہے ہمارے حکمران آج بھی گوروں کے جوتے چاٹنے کو تیار رہتے ہیں۔ برٹ شا ایک معزز برٹش فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی شکایت پر کان دھرا جائے گا اور پولیس یا ایف آئی اے تمہیں تلاش کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔ تم مشکل میں پڑ سکتے ہو۔"
"کوئی مشکل نہیں ہوگا۔" فتح خان نے اعتماد سے کہا۔ "پولیس یا ایف آئی اے میرے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔"

بات مکمل کر کے فتح خان چٹانوں سے باہر چلا گیا اس بار اس نے مجھے باہر آنے سے منع نہیں کیا تھا اسے معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں نے باہر آنے کی کوشش کی تھی اور اس کے ساتھیوں نے شاٹ سے مجھے خبردار کیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے برٹ شا کی طرف دیکھا جو فتح خان کی عدم موجودگی میں کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا لیکن اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ بدستور چٹان سے ٹکا رہا۔ میں نے بھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے جیکٹ میں لگی چپ کا خیال تھا۔ اگر برٹ شا اداکاری کر رہا تھا تو شاید فتح خان کو غیر موجود دیکھ کر اپنی اداکاری برقرار نہیں رکھ پاتا۔
ایمن کی آمد اور پھر فتح خان کے قبضے میں جانے کا سن کر میں فکر مند ہو گیا تھا۔ یہ اچھا نہیں تھا۔ ایمن سے میرا کوئی دلی تعلق نہیں تھا لیکن میں اس کے لیے اچھے جذبات ضرور رکھتا تھا۔ وہ مجھے پسند کرتی تھی لیکن اس کی یہ پسند اتنی بھی نہیں تھی کہ وہ سب چھوڑ کر میرے چکر میں پڑ جاتی۔ یہ پسند کا خالص مغربی انداز تھا۔ بہرحال میں پسند نہیں کرتا کہ فتح خان یا کوئی بھی اس سے کوئی غلط سلوک کرے یا اسے کسی قسم کا نقصان پہنچائے اور یہاں آثار اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ ایمن فتح خان کے قبضے میں آ چکی تھی اور اس کا باپ پہلے ہی فتح خان کے قبضے میں تھا۔ فتح خان یقیناً ایمن کے حوالے سے دھمکی دے کر برٹ شا کو ہیروں کی نشاندہی پر مجبور کرتا۔ سوال یہ تھا کہ برٹ شا اسے ہیروں کے بارے میں بتا دیتا؟
اگر وہ پاگل بنا ہوا تھا تب اس میں اتنی عقل ضرور ہوگی کہ فتح خان کو ہیرے دینے کے بعد بھی اس کی اور ایمن کی گلوخلاصی نہیں ہوگی۔ کم سے کم مجھے فتح خان کی بات پر یقین نہیں تھا کہ وہ ان باپ بیٹی کو چھوڑ دے گا۔ کم سے کم ہیرے نہ دینے کی صورت میں فتح خان یقیناً ایمن اور برٹ شا کو نقصان پہنچاتا۔ دوسری طرف اگر برٹ شا سچ مچ اپنے حواس کھو چکا تھا تو اسے کیا پروا ہوتی کہ فتح خان اس کے یا ایمن کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ فتح خان انہیں اپنے وحشی ساتھیوں کے حوالے کر دیتا تو وہ انہیں ادھیڑ کر رکھ دیتے۔ ایمن کو لڑکی ہونے کے ناطے جان کے ساتھ آبرو کا خطرہ بھی تھا۔ ناکامی کی صورت میں فتح خان مجھے بھی اس کا ذمے دار قرار دیتا اور وہ بتا چکا تھا

کہ وہ مجھے چھوڑ دے گا لیکن سویرا کو ضرور مرشد کے حوالے کر دے گا۔ میں نے برٹ شا کی طرف دیکھا اب معاملہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

فتح خان بہت ہوشیاری سے اپنے پتے چل رہا تھا اس نے اب تک بہترین پلاننگ کی تھی اور حالات کے لحاظ سے اس میں بڑی تیزی سے مناسب تبدیلیاں لایا تھا۔ ایک طرف وہ خود کو برافروختہ ظاہر کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے اور اس بار وہ ہیرے لے جائے گا یا سب کو برباد کر دے گا۔ لیکن دوسری طرف اس نے مجھے اپنے قابو میں رکھا تھا۔ وہ مجھ سے کیا کام لینے والا تھا میں اس سے بے خبر تھا بس اندازہ تھا کہ وہ مجھے آگے رکھے گا کہ میں برٹ شا کو قائل کروں اور خود پیچھے رہے گا۔ پھر وہ چپ کی مدد سے ہم پر نظر رکھ سکتا تھا۔ لیکن یہ مفروضہ تھا فتح خان کے ذہن میں کیا تھا یہ کچھ دیر میں سامنے آنے والا تھا۔

میرے موجودہ مصائب کے ذمے دار شال کی طرف کیے جانے والے دو سفر تھے ایک جب میں کاکول جانے سے بچنے کے لیے گھر سے بھاگ نکلا تھا اور سرمد کے ساتھ اس کے گاؤں پہنچا تھا۔ راجا عمر دراز اور فتح خان سے وہیں واسطہ پڑا تھا۔ دوستی اور دشمنی کا یہ تعلق آج بھی برقرار تھا۔ پھر میں مونا اور سفیر کے ساتھ مری کی طرف گیا تھا جہاں منحوس نادر سے سامنا ہو گیا اور اس کی نحوست کا سایا ہمارے زندگیوں پر محیط ہو گیا تھا۔ وہ اور اس کا کینہ پرور بھائی مرشد ہمارے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اپنی فرعونیت کے زعم میں وہ بہر صورت ہمیں اپنے آگے جھکا کر تباہ کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ کتنے ہی طاقتور سہی اس کائنات کا نظام چلانے والی ہستی کوئی اور ہے اور انسانوں کی زندگی و موت کے فیصلے وہی کرتی ہے۔



میں سوچوں میں گم تھا کہ مجھے کسی عورت کے چلانے کی آواز آئی۔ آواز دور سے آئی تھی اس لیے اتنی واضح نہیں تھی لیکن وہ تھی نسوانی آواز ہی۔ میں بے اختیار چٹانوں کے باہر والے حصے کی طرف بڑھا۔ وہاں فتح خان ایمن کے ساتھ موجود تھا۔ اس بار اس کے ساتھ دو افراد اور تھے جو ایمن کو پکڑے ہوئے تھے اور شاید وہی اسے یہاں تک لائے تھے۔ ایمن نے فتح خان کو دیکھا تو جان گئی کہ وہ کس جال میں پھنس گئی ہے۔ وہ مزاحمت کر رہی تھی۔ شاید اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی اور فتح خان کے آدمی اسے بازوؤں سے پکڑے کھینچے لیے چلے آ رہے تھے۔ فتح خان نے مجھے دیکھا اور ہنس کر ایمن سے کہا۔ ''لو دیکھو تمہارا لوّر بھی اِدھر ہے۔''

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''فتح خان مہربانی کر کے فضول باتوں سے گریز کرو۔''

''شہباز۔'' ایمن چلائی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا پھر وہ فتح خان کے آدمیوں سے خود کو چھڑا کر میری طرف آئی اور مجھ سے چمٹ گئی۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے پاپا اس کے قبضے میں ہیں۔''

ایمن کا جسم مارے ہیجان کے کانپ رہا تھا۔ اس نے موسم کی مناسبت سے گرم لباس پہن رکھا تھا۔ اونی ٹوپی تلے سے اس کے سنہری مائل سرخ بال جھانک رہے تھے اور سردی سے اس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔

میں نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا اور اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''ہاں برٹ شا یہیں ہے۔''

''پاپا زندہ ہیں...... وہ زندہ ہیں۔'' ایمن کی کپکپاہٹ بڑھ گئی تھی۔ وہ برسوں سے جس باپ کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتی آئی تھی کہ وہ زندہ ہے یا نہیں اور یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں رہی تھی آج اسے

معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا باپ زندہ ہے۔ وہ اتنی ہیجان میں تھی کہ اسے صورتِ حال کا بھی اندازہ نہیں تھا۔ ''پاپا کہاں ہیں مجھے ان سے ملواؤ...... پلیز شہباز۔''

''ایمن آرام سے...... آرام سے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''خود کو سنبھالو ابھی تمہیں آگے بہت مشکل مراحل دیکھنے ہیں۔ ہم سب بہت مشکل صورتِ حال سے دوچار ہیں۔''

''فتح خان۔'' وہ سرگوشی میں بولی۔ ''اسے کیسے پتا چلا کہ میں یہاں آ رہی ہوں۔''

''اسے یوں پتا چلا کہ اصل میں اسی نے تمہیں دھوکا دے کر یہاں بلوایا ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

''اس نے بلایا ہے لیکن ای میل پر تو تم سے بات ہوئی تھی۔''

''بدقسمتی سے میرا سیل فون فتح خان کے ہاتھ لگ گیا اور اس میں میرے ای میل اکاؤنٹ کا پاس ورڈ محفوظ تھا۔ اس کے بعد اس کے لیے تمہیں دھوکا دینا مشکل نہیں تھا۔''

ایمن کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ''میرے خدا تو وہ تم نہیں تھے؟''

''ظاہر ہے میں تو خود فتح خان کی قید میں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تم نے یہ حماقت کیوں کی کہ صرف میری طرف سے ای میل پر بھاگی چلی آئیں؟''

اس نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''اس نے دھوکا ہی ایسا دیا تھا کہ تمہیں بیک وقت بہت سارے دشمن تلاش کر رہے تھے اور ان کی وجہ سے تم فون استعمال نہیں کر سکتے تھے اس لیے صرف ای میل پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔ پھر پاپا کا سن کر میں خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ اس نے بتایا کہ تم سوات میں چھپے ہو لیکن جب میں اس پتے پر پہنچی تو وہاں فتح خان کے آدمی تھے وہ مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔''

''کیا کسی کو معلوم ہے کہ تم یہاں آئی ہو؟''

''کسی کو بھی نہیں معلوم ہے حد یہ کہ میں جہاں جاب کر رہی ہوں وہاں بھی نہیں بتایا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔ یعنی اب اس بات کا کوئی امکان بھی نہیں تھا کہ ایمن کو تلاش کرتا ہوا کوئی آ جائے۔ میرا اندازہ درست تھا کہ ایمن اپنے باپ کے بارے میں سن کر خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ فتح خان اور اس کے آدمی دور رہے تھے انہوں نے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایمن خود پر قابو پا رہی تھی ویسے بھی وہ مضبوط اعصاب والی تھی اور اس کا کام ہی آؤٹ ڈور تھا۔ اسے مختلف حالات اور لوگوں کا سامنا کرنا آتا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔ ''سوری میں پاپا کے بارے میں سن کر اتنی جذباتی ہو گئی کہ تم سے ہیلو ہائے کرنا ہی بھول گئی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں اسے اندر لے جاتے ہوئے بولا۔ ''اپنے باپ کو دیکھنے کے لیے دل ذرا مضبوط رکھنا۔''

وہ رک گئی۔ ''پاپا ٹھیک ہیں؟''

''ہاں لیکن اتنے عرصے فتح خان کی قید میں رہ کر اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا ہے۔ آؤ دیکھو اسے شاید تمہیں پہچان لے۔''

ایمن بے تابی سے آگے جا رہی تھی اور جیسے ہی اس کی نظر اپنے باپ پر پڑی وہ اس کی طرف لپکی اور اس کی حالت کی پروا کیے بغیر اس سے لپٹ گئی۔ وہ چلائی تھی۔ ''پاپا یہ کیا ہوا آپ کو؟''

لیکن برٹ شا اسے دیکھ کر دوبارہ چٹان کی جڑ میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے منہ سے ڈری ڈری آوازیں نکل رہی تھیں جیسے اسے ایمن سے کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہو۔ اس کے انداز سے قطعی نہیں لگ رہا تھا کہ اس نے ایمن کو پہچانا ہو۔ ایمن اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی اور ساتھ ہی مسلسل بول رہی تھی۔ ''پاپا..... کیا ہو گیا ہے آپ کو...... مجھے پہچانیں...... میں ایمن ہوں۔ آپ کی بیٹی پاپا۔''

مگر وہ بدستور اجنبی انداز میں چٹان کے ساتھ دبکا رہا۔ اس نے ایمن کی خود کو اٹھانے کی کوشش ناکام بنا دی۔ ایمن تھک ہار کر پیچھے ہٹ گئی اور اس نے میری طرف دیکھا اور روہانسے لہجے میں بولی۔ ''شہباز پاپا مجھے نہیں پہچان رہے۔''

''اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ اتنے برسوں سے فتح خان کی قید میں تھا اور اس نے اس پر تشدد بھی کیا ہے۔''

''تشدد۔'' وہ تڑپ اٹھی۔ ''لیکن کیوں؟''

''تم جانتی ہو۔ فتح خان کو ہیرے چاہئیں جو برٹ شا نے اسی وادی میں کہیں چھپا دیئے تھے۔ اس نے تمہیں بھی اسی مقصد کے لیے دھوکے سے یہاں بلوایا ہے اب یہ تمہارے ذریعے برٹ شا پر دباؤ ڈالے گا۔''

''پاپا پر۔'' اس نے باپ کی طرف دیکھا۔ ''مگر ان کو تو کچھ یاد نہیں ہے۔ اپنی بیٹی بھی یاد نہیں ہے۔''

میں نے ایمن کو ایک طرف لے آیا اور دھیمی آواز میں کہا۔ ''فتح خان کو شبہ ہے کہ برٹ شا پاگل نہیں ہے بلکہ بنا ہوا ہے۔''

''بکواس کرتا ہے وہ کتا۔'' ایمن نے تند لہجے میں کہا۔ ''کوئی اس طرح بھی پاگل بنتا ہے؟''

''برٹ شا اب سے نہیں بلکہ بہت عرصے سے پاگل ہے۔'' میں نے کہا میں نے ایمن کو یہ نہیں بتایا کہ میں بہت پہلے برٹ شا کو فتح خان کی قید میں دیکھ چکا تھا اس لیے کہ وہ محسوس کرتی کہ میں نے اسے باپ کی زندگی اور اس کی حالت سے بے خبر رکھا تھا اور یہ کام میں نے اپنی غرض سے کیا تھا۔ سچی بات بھی یہی تھی اگر میں ایمن کو بتا دیتا کہ اس کا باپ زندہ اور فتح خان کی قید میں ہے تو وہ سیدھا پاکستان کا رخ کرتی اور اس وقت تک کے لیے یہاں ڈیرا ڈال کر بیٹھ جاتی جب تک اس کا باپ نہیں مل جاتا اور مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑتا جب کہ مجھے اپنے بکھیڑوں سے فرصت نہیں تھی۔ اس لیے بھی میں نے اس مطلع نہیں کیا تھا۔

''میرے خدا۔'' وہ رونے والی ہو رہی تھی۔ ''اس ذلیل شخص نے پاپا کا کیا حال کر دیا ہے میں اسے قتل کر دوں گی۔''

ایمن کو معلوم نہیں تھا کہ وہ ذلیل شخص ہماری باتیں سن رہا تھا اور ممکن ہے ایمن کو ان گالیوں کی قیمت بھی چکانی پڑتی۔ اسے فتح خان سے نفرت تھی کیونکہ وہی اس کے اور اس کے باپ کے مصائب کا ذمے دار تھا۔ اس نفرت کی ایک وجہ شینا بھی تھی جو فتح خان کی داشتہ تھی اور اس نے مجھ پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی قید میں شینا نے مجھے رجھانے کی کوشش کی تھی اور یہ سب ایمن کے سامنے ہوا تھا۔ ایمن کے انداز میں بھی

میرے لیے پسندیدگی تھی۔ اس پر دونوں خواتین میں جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ میں نے ایمن سے کہا۔ ''ایمن میری بات غور سے سنو۔ ہم نہایت سنگین حالات سے دوچار ہیں۔ فتح خان نے میرے بھائی کی بیوہ سویرا کو حویلی سے اغوا کر کے اپنی قید میں رکھا ہے اور اب تم بھی اس کی قید میں آ گئی ہو۔ برٹ شا پہلے ہی اس کے قبضے میں ہے۔''

سویرا کا نام سن کر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اس نے کہا۔ ''یہ سویرا وہی ہے نا جو شروع سے تمہارے گھر میں رہتی آئی ہے۔''

''ہاں یہ وہی ہے۔''

''اب تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے تب بھی کیا یہ تمہارے گھر میں رہ رہی ہے؟''

کہتے ہیں کہ خواتین میں کچھ اضافی حسیں بھی ہوتی ہیں جیسے کون سا مرد ان کو کس نظر سے دیکھ رہا ہے یا کون ان کو پسند کر رہا ہے اسی طرح ایک حس یہ بھی ہوتی کہ وہ جسے پسند کرتی ہیں اگر کوئی اور عورت اسے پسند کرے تو انہیں اس کا بھی پتا چل جاتا ہے۔ جب میں نے سرسری سے انداز میں سویرا کو ایمن کے بارے میں بتایا تھا تب اس کا ردِعمل بھی کچھ ایسا ہی تھا اور اس نے ایمن کے بارے میں کرید کرید کر پوچھا تھا کہ میرا اس سے کیا تعلق ہے اور وہ اب مجھ سے ملتی ہے یا نہیں۔

''ہاں وہ اب بھی اس گھر کا ایک فرد ہے۔'' میں نے جواب دیا اور موضوع بدل دیا۔ ''اس وقت مسئلہ فتح خان کا ہے وہ ہیروں کے لیے پاگل ہو رہا ہے جن کی مالیت اس وقت کم سے کم پچاس ملین ڈالرز ہو چکی ہے۔''

''پچاس ملین ڈالرز۔'' وہ حیران رہ گئی۔ ''اتنی قیمت ہے ان مٹھی بھر ہیروں کی؟''

''حالانکہ تمہیں بہتر معلوم ہونا چاہیے۔ تمہارا تعلق ایک لارڈ فیملی سے ہے۔''

''لارڈ فیملی سے تھا۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔ ''اب میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔''

''فتح خان ہیرے حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہے اس نے مجھے دھمکی دے دی ہے کہ ناکامی کی صورت میں وہ سویرا کو مرشد کے حوالے کر دے گا اور تم جانتی ہو کہ مرشد میرا کتنا بڑا دشمن ہے۔''

ایمن متفکر ہو گئی۔ ''تمہارے اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟''

''کچھ نہیں لیکن فتح خان کا خیال ہے میں ہیرے تلاش کر سکتا ہوں اس لیے پہلے اس نے مجھے اغوا کیا اور پھر سویرا کو بھی اغوا کر لیا تاکہ اس کی مدد سے مجھے مجبور کرے۔''

''تب وہ ہمارے ساتھ تو اس سے بھی برا کر سکتا ہے۔'' ایمن بولی۔ ''ہیروں کے بارے میں صرف پاپا کو علم ہے اور میں ان کی بیٹی ہوں۔''

''میں بھی اسی طرف تمہاری توجہ دلانا چاہ رہا ہوں۔ فتح خان اس وقت بہت خطرناک موڈ میں ہے۔''

''وہ کب خطرناک نہیں ہوتا۔ وہ دشمن ہے اور اس سے کوئی اچھی توقع نہیں رکھی جا سکتی ہے۔'' ایمن نے حقیقت بیان کی۔

''یہ ٹھیک کہتا ہے۔'' فتح خان وہاں آ گیا اس کے ہاتھ میں ایک خودکار رائفل تھی جس کا ایک ہی برسٹ ہم سب کو موت کی نیند سلانے کے لیے کافی تھا۔ ''دشمن ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ اچھا بات ہے اب تم سے اور تمہارے باپ سے بات کرنے کا مزہ آئے گا۔''

"یہ ہوش میں نہیں ہیں۔" ایمن نے برٹ شا کی طرف دیکھا۔" یہ لیے بتا ئیں کہ ا ہیر ے کہاں ہیں؟"
"اگر نہیں ہے تو جلد اسے ہوش آجائے گا۔" فتح کان کا لہجہ سفاک ہو گیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔
"شہباز میں ایمن کو لے جائے گا۔ کل سے تمہارے اور برٹ شا کے پاس سات دن کا مہلت ہے۔ آٹھویں دن میں ایمن کے ٹکڑے کرکے اِدھر ڈالنا شروع کرے گا۔ جب تم صبح اٹھے گا تم کو اس کا جسم کا ایک حصہ ملے گا۔ چار پانچ دن بعد اس خبیث کے پاس بٹی ٹکڑوں کا شکل میں ہو گا یہ چاہے تو جوڑ کر دوبارہ اسے بنالے پر یہ زندہ نہیں ہو گا۔ تمہارے ساتھ کیا کرنا ہے وہ تم کو بتا دیا ہے۔ پھر تم اور یہ پاگل کا بچہ زندہ رہے گا اور سارا عمر اپنے نقصان کا ماتم کرتا رہے گا۔"
ایمن کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ تھوڑی بہت اردو اسے بھی آتی تھی۔ اس نے گھبرا کر میری طرف دیکھا۔
"شہباز یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟"
میں نے اسے بتایا کہ فتح خان کیا کہہ رہا ہے۔ وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔" میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"
"کیسے نہیں جائے گا۔" فتح خان رائفل لہرا کر غرایا۔" دوست خان...... شیر خان۔"
فوراً ہی فتح خان کے دو ساتھی اپنے شانوں پر دو عدد تھیلے اٹھائے نمودار ہوئے اور وہ انہوں نے غار نما حصے کے سامنے رکھ دیئے۔ فتح خان نے ان کو ایمن کو وہاں سے لے جانے کا حکم دیا۔ اس نے مزاحمت کی تو میں نے کہا۔" ایمن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے ہم ابھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے صبر کرو اور وقت کا انتظار کرو۔"
"شہباز۔" وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔
"شہباز ابھی پنجرے میں ہے۔" فتح خان نے زہریلے لہجے میں کہا۔" تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہے۔"
"تم فکر مت کرو مجھے اللہ پر بھروسہ ہے وہ ہماری مدد کرے گا۔" میں نے اسے تسلی دی تو وہ حسرت سے مجھے اور برٹ شا کو دیکھتی ہوئی فتح خان کے آدمیوں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔
"فتح خان۔" ایمن کے جانے بعد میں نے کہا۔" ایمن تمہارے ساتھ جا رہی ہے لیکن اگر بلاوجہ اسے ایک خراش بھی آئی تو تمہیں اس کا حساب دینا ہو گا۔"
میری بات پر فتح خان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے تشویش نظر آئی۔ مگر فوراً ہی وہ مسکرانے لگا اس نے دانت نکال کر کہا۔" تم فکر مت کرو ہم اسے پھول کی طرح رکھے گا۔"
"فتح خان اسے شہلا یا مہرو سمجھنے کی غلطی بھی مت کرنا تم عقل مند آدمی ہو اور عقلمند آدمی اسی وجہ سے بچا رہتا ہے کہ وہ اپنی عقل استعمال کرتا ہے اس پر جذبات کو حاوی آنے نہیں دیتا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا ایسا نہ ہو کہ تم اپنی کسی وقتی خواہش کے پیچھے اپنا مقصد گنوا دو۔"
فتح خان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔" ٹھیک ہے تم اس کا طرف سے بے فکر رہو میں نے جو کہا ہے اس کے علاوہ اس کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔"
"اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

''اور تم دونوں کا [illegible]

''فتح خان تم پھر بلاوجہ مجھے ایک معاملے میں گھسیٹ لائے ہو اور اب [illegible]
کھل گیا ہے ایک بار یہ قصہ ختم ہونے دو اس کے بعد ہم دوبارہ ملیں گے۔''

فتح خان میری بات کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں انتظار کرے گا۔ ان تھیلوں میں کھانے پینے کا سامان ہے۔ سات دن، آرام سے چل جائے گا۔ کچھ دوسرا چیز ہے جو ادھر کام آئے گا۔''

وہ جانے کے لیے مڑا تو میں نے کہا۔ ''ایک منٹ تم جا رہے ہو، تم سے رابطے کی کیا صورت ہوگی؟''

''اس تھیلے میں ایک سرخ رنگ کا جھنڈا ہے اگر تم ہیرا تلاش کر لے تو یہ جھنڈا ادھر کھنڈر کی سب سے اوپر والی چٹان پر لگا دینا۔'' اس نے چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ ''پر بلاوجہ مت لگانا اور جب جھنڈا لگا دینا تو تم اور برٹ شا دونوں اِدھر باہر موجود ہونا ورنہ میں ادھر نہیں آئے گا۔''

''اس کا مطلب ہے تم اور تمہارے آدمی یہیں ہوں گے؟'' میں نے کہا۔

''شہباز خان تمہارے اور اس پاگل کے پاس صرف سات دن کا مہلت ہے۔'' فتح خان نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''ابھی ادھر کو ایک گھنٹہ سے پہلے یہاں سے باہر مت جانا ورنہ میرا آدمی اس بار زمین پر گولی نہیں مارے گا۔ ایک گھنٹے بعد بھلے تم وادی میں گھومے یا یہاں سے فرار ہو جائے۔''

میں ہنسا۔ ''اگر میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیا اور فرار ہو گیا تو؟''

''تب میں سات دن کا انتظار نہیں کرے گا۔'' فتح خان نے جواب دیا اور جھٹکے سے مڑ کر چٹانوں سے باہر چلا گیا۔ اس ساری گفتگو کے دوران برٹ شا اسی انداز میں چٹان کے ساتھ چپکا رہا۔ اس نے نہ تو ایمن پر توجہ دی تھی اور نہ ہی یہاں ہونے والی گفتگو پر توجہ دی تھی۔ وہ خود میں گم تھا۔ فتح خان اور ایمن کے جانے کے بعد بھی اس کے پوز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اگر وہ پاگل نہیں بنا ہوا تھا تو اس کی اداکاری بلاشبہ کمال کی تھی۔ وہ میری طرف بھی متوجہ نہیں تھا لیکن جب میں اس کے پاس آیا تو وہ کسی ہرن کی طرح خوفزدہ اور چوکنا ہو گیا حالانکہ میں بہت آہستگی سے اس کے پاس آیا تھا۔ میں اس کے پاس زمین پر بیٹھا اور بولا۔

''برٹ شا تم نے سن لیا ہے کہ فتح خان تمہاری اکلوتی بیٹی ایمن کے بارے میں کیا عزائم رکھتا ہے۔'' میں نے کہا اور اس دوران میں زمین پر انگلی سے لکھا۔ ''کوئی ایسی بات منہ سے مت نکالنا جس سے تمہارا پول کھل جائے۔ فتح خان ہماری گفتگو سن رہا ہے۔'' لکھ کر میں نے منہ سے کہا۔ ''اگر تم نے ہیروں والی جگہ نہیں بتائی تو فتح خان سات دن بعد اسے قسطوں میں قتل کرنا شروع کر دے گا اور اس کے ٹکڑے یہاں پھینک کر جائے گا۔''

برٹ شا کی نظریں زمین پر لکھی تحریر پر مرکوز تھیں۔ زمین بھی پتھریلی تھی لیکن اس پر گرد کی ایک تہہ آ گئی تھی۔ میں نے ہاتھ پھیر کر پرانی تحریر مٹا دی اور لکھا۔ ''برٹ شا اگر تم ہوش میں ہو تو اس معاملے میں پوری سنجیدگی سے سوچو۔'' میں نے منہ سے کہا۔ ''اب مہلت نہیں ہے۔ فتح خان ایمن کے ساتھ میری ہونے والی بیوی کو میرے دشمن مرشد کے حوالے کر دے گا۔''

برٹ شا نے گرد پر لکھی تحریر کو دیکھا اور یوں آنکھیں بند کر کے اونگھنے لگا جیسے میری کہی اور لکھی ہوئی ایک بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ سورج سر سے ہو کر ذرا سے ڈھل گیا تھا لیکن اس کی تابنا کی برقرار تھی۔ چٹانیں

دھوپ سے اس طرح گرم ہوگئیں تھیں کہ اب پہنی ہوئی جیکٹ بھی بوجھ لگ رہی تھی۔ میں نے گرد کی تحریر صاف کی اور اٹھ کر تھیلوں کا سامان دیکھنے لگا۔ اس میں تقریباً سارا ہی ٹن پیک اور ڈبا بند غذا اور منرل واٹر کی بوتلیں تھیں حالانکہ یہاں منرل واٹر کی ضرورت نہیں تھی۔ چاروں طرف منرل واٹر ہی تھا۔ جو یقیناً اس بوتل بند پانی سے کہیں بہتر تھا۔ دوسرے سامان میں ایک عدد سلیپنگ بیگ تھا جو یقیناً برٹ شا کے لیے تھا کیونکہ کھلا سونا ممکن نہیں تھا۔ سر پر باندھنے والی جدید ترین ٹارچیں جو بیس پچیس گھنٹے تک روشن رہ سکتی تھیں یہ یقیناً رات کے لیے تھیں۔ دشوار گزار جگہوں پر جانے کے لیے رسیاں اور کوہ پیمائی کی کچھ چیزیں تھیں۔ لیکن چالاک فتح خان نے ایسی کوئی چیز نہیں دی تھی جسے میں ہتھیار کے طور پر استعمال کرسکتا۔ سوائے ایک ناکارہ پستول کے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔

برٹ شا شاید بھوکا تھا کیونکہ وہ ٹن بند خوراک کو للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی صحت سے لگتا تھا کہ فتح خان اسے بھوکا بھی رکھتا ہوگا، شاید وہ اسے اس طرح سزا دیتا تھا۔ بعض لوگ...ر کے لیے بھوک سے زیادہ خوفناک سزا اور کوئی نہیں ہوتی ہے۔ میں نے ایک فرائی آلو کا ٹن کھول کر اس کی طرف بڑھایا تو اس نے بے صبری سے اچک لیا اور جلدی جلدی کھانے لگا جیسے اسے خطرہ ہو کہ میں کہیں واپس نہ لے لوں۔ میں نے اپنے لیے ایک ٹیونا کا ٹن نکالا۔ یہ سرد نہیں رہا تھا اس لیے میں نے آرام سے خشک تندوری نان کے ساتھ کھالیا۔ پھر اسپرٹ سے جلنے والا برنر نکال کر اس پر کافی تیار کی اور ایک مگ برٹ شا کی طرف بڑھا دیا جو اب ٹیونا کا ٹن خالی کر رہا تھا۔ ٹن خالی کر کے اس نے حریص نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی بھوک مٹی نہیں تھی بس پیٹ بھر گیا تھا۔

''اس وقت کے لیے اتنا کافی ہے زیادہ ٹیونا کھانے سے پیٹ خراب ہوسکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لو کافی پیو، نیس کیف ہے۔''

برٹ شا نے جلدی سے مگ تھام لیا اور ایک گہری سانس لے کر پہلے کافی کی خوشبو محسوس کی اور پھر اس کے گرم ہونے کی پروا کیے بغیر ایک گھونٹ بھرا۔ اس کا منہ جل گیا تھا لیکن وہ بدمزہ نہیں ہوا۔ جیسے ہی اس کے منہ کی جلن کم ہوئی اس نے پھر ویسا ہی بڑا سا گھونٹ لیا۔ میں اس کے پاس ایک پتھر پر ٹک گیا۔ کھانے پینے کے معاملے میں برٹ شا ہوشیار نظر آ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ کھایا کیسے جاتا ہے اور کون سی چیز پینے والی ہے۔ پھر وہ کھانے پینے کی چیزوں سے پوری طرح لطف اندوز بھی ہو رہا تھا۔ لیکن یہ کسی کی ہوشیاری جانچنے کا پیمانہ نہیں ہے کیونکہ بھوک تو پاگل کو بھی لگتی ہے۔ میں نے کہا۔ ''برٹ شا تم میری بات سن رہے ہو؟''

اس نے کافی پیتے پیتے منہ اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ ''برٹ شا کیا تمہیں ہیرے یاد ہیں؟'' اس سوال پر بھی وہ اسی طرح دیکھتا رہا۔ ''تمہیں یاد ہے تمہارا تعلق ایک معزز انگلش فیملی سے ہے۔ تمہیں معلوم ہے تمہاری گمشدگی کا فائدہ اٹھا تمہارے کزن ڈیوڈ شا نے تمہاری جاگیر اور خطاب پر قبضہ کرلیا ہے اور تمہاری اکلوتی بیٹی ایمن کو کچھ نہیں ملا ہے۔ تم نے ایمن کو دیکھا ابھی آئی تھی۔ فتح خان نے اسے پکڑ لیا ہے اور اگر تم نے اسے ہیرے نہ دیئے تو وہ ایمن کو قتل کردے گا۔''

میری گفتگو کے دوران وہ اسی طرح منہ اٹھائے دیکھتا رہا جیسے غور سے میری بات سن رہا ہو لیکن جیسے ہی میں خاموش ہوا وہ پورے خضوع وخشوع سے کافی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ لگتا تھا میرا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہے ... سے وہ آیا تھا میں نے اس کے منہ سے ایک بھی لفظ نہیں سنا تھا وہ بس چیختا تھا یا ہنستا تھا۔ مجھے اب

تشویش ہونے لگی تھی اگر وہ سچ مچ دیوانہ ہو گیا تھا تو ہیروں کے بارے میں کون بتاتا۔ اگر فتح خان کو وہ لعنتی ہیرے نہیں ملتے تو وہ اپنی دھمکی پر عمل کر گزرتا۔ اس وقت مجھے غصہ آ گیا اور شاید میں برٹ شا کی گردن پکڑ کر جھنجھوڑنا شروع کر دیتا لیکن مجھے بروقت خیال آ گیا۔ اگر وہ ہوش مند تھا تو میں نے ہی اسے فتح خان کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ ہماری باتیں سن رہا ہے اس لیے وہ بدستور پاگل بنا ہوا تھا۔ اس لیے اگر وہ مجھ سے کوئی بات کرنا بھی چاہتا تو کس طرح کر سکتا تھا۔

میں نے سوچا اور پہلے اٹھ کر برٹ شا کو ٹٹول کر دیکھا کہ کہیں اس کے لباس میں بھی تو کوئی ایسی چپ نہیں چھپی ہے۔ وہ ڈری ڈری آوازیں نکالتا رہا لیکن اس نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ اچھی طرح اطمینان کر کے میں وہاں سے اٹھ کر ذرا دور آیا اور جیکٹ اتار کر ایک پتھر پر رکھ دی۔ یہ غار نما جگہ سے کوئی تیس چالیس فٹ دور تھا۔ میرا خیال تھا کہ اتنے فاصلے سے جیکٹ میں لگی چپ ہماری آواز کیچ نہیں کر سکے گی۔ پھر میں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر سامان بھی غار کے سب سے اندرونی حصے میں رکھ دیا ممکن ہے اس میں بھی کوئی ایسی چیز ہو۔ پھر میں برٹ شا کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس بار اس نے صرف چوکنا نظروں سے مجھے دیکھا وہ خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔

''مسٹر برٹ شا اگر تم بنے ہوئے پاگل ہو تو فوری طور پر اپنا پاگل پن ترک کر دو۔ کم سے کم میرے سامنے، میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اس وقت فتح خان ہماری گفتگو نہیں سن رہا ہے کیونکہ میں جیکٹ دور رکھ آیا ہوں۔ گفتگو سننے والا آلہ اسی میں لگا ہوا ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو ایک بار پہلے بھی میں فتح خان سے تمہاری اور تمہاری بیٹی کی جان بچا چکا ہوں۔ اس وقت بھی میں تم دونوں کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ فتح خان نے مجھے ٹریپ کیا ہے لیکن میں اس کی چال سے واقف ہو چکا ہوں۔ اب میں اس کی چال اسی پر الٹ دینا چاہتا ہوں لیکن اس کے لیے ضروری ہے تم میرا ساتھ دو۔ تم میری بات سن رہے ہو نا؟''

اس اچانک سوال پر اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا بس ایک ٹک مجھے دیکھتا رہا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے میرا کہا ہوا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔ میں کچھ دیر اس سے سر مارتا رہا۔ آخر تنگ آ کر میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے کل سے میں تمہیں پوری وادی میں گھماؤں گا۔ تم یاد کرنے کی کوشش کرو گے کہ ہیرے کہاں ہیں؟''

میں نے واپس جا کر جیکٹ پہنی اور چٹانوں سے باہر نکل آیا کیونکہ فتح خان کی دی ہوئی ایک گھنٹے والی وارننگ پوری ہو چکی تھی۔ میں نے آس پاس کا جائزہ لیا لیکن کہیں کوئی نظر نہیں آیا۔ شاید فتح خان جنوب مشرق کی طرف جا چکا تھا جہاں سے ہم اس وادی میں داخل ہوئے تھے۔ وہ وہیں سے ہماری نگرانی کرتا اور اس کے لیے اس کے پاس چپ کا سگنل ریسیور موجود تھا۔ جو نہ صرف میری لوکیشن بتاتا بلکہ میری اور برٹ شا کی گفتگو بھی اسے سناتا۔ کھنڈرات سے باہر آ کر میں وادی کی ڈھلانوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس کا قطر ایک میل سے کچھ ہی کم تھا بلکہ اگر اوپری ڈھلانوں کو شامل کر لیا جاتا تو وادی ایک مربع میل سے زیادہ رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ ڈھلانوں پر گھنے جنگل تھے اور نیچے کوئی پانچ سو گز قطر میں خشک اور چٹیل چٹانیں تھیں جن کا بلند وسطی حصہ موسم کے سرد و گرم سہہ کر کھنڈرات کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

شاید کسی زمانے میں اس وادی میں کوئی آتش فشاں پھٹا تھا اور یہ چٹیل میدان اس کے لاوے سے بنا تھا۔

کیونکہ پورا علاقہ ایک ہی چٹان پر مشتمل تھا اور اتنی بڑی چٹان صرف لاوے سے وجود میں آ سکتی ہے۔ جہاں جنگل اور ڈھلان شروع ہو رہی تھی وہاں برف اور جا بجا نشیب میں چھوٹے چھوٹے تالاب بن گئے تھے جن میں پانی تھا رات کو شاید یہ جم جاتا تھا اور صبح دوبارہ پانی کی صورت اختیار کر جاتا۔ میں جنگل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور کوئی دو میل سے زیادہ کا فاصلہ طے کر کے اسی جگہ آ گیا جہاں سے چلا تھا۔ جہاں سامان رکھا تھا وہ جگہ شمال مشرق کی سمت تھی اور یہاں سے ڈھلان دو سو گز سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔

چٹانوں سے باہر موسم سرد تھا اور دھوپ میں بھی سردی واضح محسوس کی جا سکتی تھی۔ میں چٹانوں میں داخل ہوا تو سورج ڈھلنے لگا تھا اور کچھ دیر میں شام سر پر ہوتی۔ اس سفر کے دوران مجھے جہاں بھی خشک اور پڑی ہوئی لکڑی نظر آئی میں نے اٹھالی اس طرح رات کو الاؤ جلانے کے لیے خاصی لکڑی مل گئی تھی۔ میں غار نما حصے میں داخل ہوا تو برٹ شا وہاں نہیں تھا جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔ اسے غائب پا کر مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر کہیں نکل گیا ہے۔ وہ اگر سچ مچ پاگل تھا تو بھی مجھے اسے یوں چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا اور اگر ہوش مند تھا تو اس نے اپنے ساتھ مجھے بھی مروا دیا تھا۔ میں غصے میں غار نما حصے کی طرف آیا اور پھر رک گیا۔ برٹ شا دو تھیلوں کے درمیان دبکا ہوا بے خبر سو رہا تھا اور اس کے کھلے منہ سے خفیف سی سیٹی نما آواز نکل رہی تھی۔ میں نے لکڑی الاؤ والی جگہ رکھ دی اور برٹ شا کے لیے لایا جانے والا سلیپنگ بیگ نکال کر اس پر ڈال دیا۔ اس نے سوتے میں اسے پکڑ لیا۔

اس لمحے میں نے محسوس کیا کہ وہ بنا ہوا پاگل نہیں ہے اس کا دماغ سچ مچ جواب دے گیا تھا۔ مستقل تکلیفوں اور اذیتوں نے بالآخر اسے دیوانہ بنا دیا تھا۔ نہ جانے فتح خان اور اس کے اس سے بھی زیادہ وحشی ساتھی اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے رہے ہوں گے۔ جب سے میں نے اسے دیکھا تھا اس کے انداز میں کہیں ایک لمحے کو بھی بناوٹ نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے اتنے سالوں بعد اپنی اکلوتی بیٹی کو بالکل کسی انجان کی طرح دیکھا تھا۔ کوئی انسان خود پر کتنا ہی قابو کیوں نہ رکھے کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کے سامنے وہ بناوٹ نہیں کر سکتا ہے۔ یہ خاصی خوفناک بات تھی اگر برٹ شا سچ مچ پاگل ہو گیا تھا تو ہیرے ہاتھ سے گئے تھے۔ ان کی جگہ سے وہی واقف تھا۔ اب تک فتح خان کی ساری حکمتِ عملی اسی پر منحصر تھی کہ برٹ شا اصل میں اداکاری کر رہا ہے اور اپنی جان اور ہیرے بچانے کے لیے اس نے خود پر مصنوعی پاگل پن طاری کر لیا ہے۔ وہ کسی صورت یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا کہ برٹ شا سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔

صرف فتح خان ہی نہیں خود میری بھی یہی سوچ تھی کہ برٹ شا اداکاری کر رہا ہے۔ جب آخری بار میں نے اسے فتح خان کی قید میں دیکھا تھا تو اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ پاگل نہیں بلکہ بنا ہوا ہے۔ اسی بنا پر میرے ذہن میں آیا تھا کہ وہ اب بھی اپنی اداکاری پر قائم ہو گا۔ مگر گزشتہ چند گھنٹوں میں، مَیں نے جس برٹ شا کو دیکھا تھا وہ سچ مچ ہوش و حواس سے بیگانہ محسوس ہو رہا تھا اور اس پاگل کو فتح خان نے میرے سر مار کر ہیرے تلاش کرنے کا کام سونپ دیا تھا۔ برٹ شا نے اب تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے پتا چلتا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے اس کا انداز بالکل فطری تھا۔ اس میں بناوٹ مشکل سے ہی تلاش کی جا سکتی تھی۔

سورج ڈھلنے کے باوجود چٹانوں کی تپش کم نہیں ہوئی تھی۔ یہاں موسم بھی نہایت خشک تھا اس لیے گلا بار بار

خشک ہو جاتا تھا۔ میں نے ایک کولڈ ڈرنک ٹن نکالا اور جب اسے کھولا تو گیس نکلنے کی آواز سن کر برٹ شا اٹھ بیٹھا تھا۔ اس نے منہ چلاتے ہوئے میری طرف دیکھا تو میں نے اسے بھی ایک ٹن کھول دیا۔ اس نے چند گھونٹ میں ٹن خالی کر دیا اور پھر اسے لاپروائی سے ایک طرف پھینک کر اٹھ کر باہر جانے لگا۔ میں اٹھ کر دبے قدموں اس کے پیچھے آیا۔ لیکن باہر جانے کے بجائے وہ ایک طرف چٹان کی آڑ میں جا کر فارغ ہونے لگا۔ میں ایک بار پھر شک میں پڑ گیا۔ وہ پاگل تھا تو اسے یہ احساس کیسے تھا کہ رفع حاجت کسی جگہ چھپ کر کی جاتی ہے۔ اپنا کام کر کے وہ واپس آیا اور اسی چٹان سے ٹک کر اونگھنے لگا۔

''برٹ شا تم بول سکتے ہو؟'' میں نے پوچھا مگر اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ زبان کی بات سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور دل میں کہا۔ ''ٹھیک ہے بیٹا تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس سے پالا پڑا ہے۔''

میں اندر آیا ایک طاقتور ٹارچ اور سہارا لینے والی اسٹک اور رسی اٹھائی اور باہر آیا۔ میں نے برٹ شا کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔ اس کے ایک ہاتھ پر رسی باندھی اور بغیر کچھ کہے اسے لے کر چل پڑا میں نے شمال مغربی ڈھلان کا رخ کیا تھا۔ ممکنہ طور پر برٹ شا نے ہیرے ان ہی اطراف میں کہیں چھپائے تھے۔ وہ کمزور تھا اور اتنی آسانی سے نہیں چل پا رہا تھا لیکن میں اسے کھینچتا ڈھلان والے جنگل میں داخل ہو گیا۔ میں نے چلتے چلتے کہا۔ ''برٹ شا اس جنگل کو غور سے دیکھو تم یہاں بارہ سال پہلے آئے تھے اور تم نے یہاں ہیروں سے بھرا ایک فولادی بکس چھپایا تھا۔ یاد کرو تم نے کہاں چھپایا تھا؟''

مگر وہ چلتا اور کراہتا رہا زبان سے اس نے ایک لفظ نہیں کہا اور نہ ہی اس نے میرے سوال پر کوئی ردِعمل ظاہر کیا تھا۔ میں بار بار اسے ہیروں کا ذکر کر کے یاد کرنے کو کہتا رہا۔ جنگل تلے تاریکی چھانے لگی تھی حالانکہ اوپر ابھی دھوپ اور روشنی تھی۔ مگر گھنے درختوں تلے بہت کم روشنی آ رہی تھی بعض مقامات پر تو اتنا اندھیرا تھا کہ مجھے ٹارچ روشن کرنا پڑی تھی۔ جب تک اوپر بھی مکمل تاریکی نہیں پھیل گئی میں برٹ شا کو لے کر گھومتا رہا۔ دو گھنٹے بعد اس کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ اب اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ کئی بار وہ لڑکھڑایا لیکن میں نے اسے گرنے نہیں دیا تھا۔ اس طرح کی دشوار پہاڑی ڈھلانوں پر سفر کرنا آسان نہیں ہوتا ہے اچھے خاصے صحت مند لوگ تھک جاتے ہیں برٹ شا تو ایک کمزور اور بوڑھا انسان تھا۔ جب میں اسے لے کر کھنڈرات میں واپس آیا تو وہ گر جانے کے انداز میں سلیپنگ بیگ پر لیٹ گیا تھا۔ تھکن تو مجھے بھی تھی لیکن میں پُر مشقت زندگی کا عادی ہو گیا تھا۔

چھ بجے اندھیرا چھانے لگا تھا اور ساڑھے چھ بجے تک باہر مکمل تاریکی نے ڈیرا جما لیا تھا۔ میں نے الاؤ روشن کیا تو غار نما حصہ گرم ہونے لگا تھا کیونکہ سورج ڈوبتے ہی چٹانیں بہت تیزی سے ٹھنڈی ہو گئی تھیں اور اب سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ سرد ہونے کے دوران چٹانوں سے عجیب و غریب چٹخنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آتی رہی تھیں۔ شاید گرمی سردی کا یہ چکر ہی ان چٹانوں کی شکست و ریخت کا باعث تھا۔ جب چٹانیں گرم ہوتی ہیں تو پھیلتی ہیں اور جب سرد ہوتی ہیں تو سکڑ جاتی ہیں۔ اسی دوران میں یہ کہیں کہیں سے چٹختی ہیں اور ان میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ پھر ان دراڑوں میں بارش کا پانی جاتا ہے اور وہ سردی سے جم کر پھیلتا ہے تو ان دراڑوں کو مزید

توڑتا ہے۔ ہزاروں سال کے اس چکر سے چٹانیں ٹوٹ پھوٹ کھنڈرات کی صورت اختیار کرگئی تھیں۔ الاؤ روشن کرکے میں نے کافی کا پانی رکھا جب کافی کی خوشبو پھیلی تو برٹ شا سونگھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ اسے بھی کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ میں نے اس کے لیے بھی نکالی اور کہا۔ ''کھانے پینے کے معاملے میں تم ہوشیار ہو۔''

اس نے دانت نکال کر میری طرف دیکھا اور نہایت انہماک سے کافی پینے لگا میں نے اچانک پوچھا۔ ''تمھیں نیس کیف پسند ہے؟''

ایک لمحے کو لگا جیسے وہ اثبات میں سر ہلانے والا ہے۔ لیکن پھر اس نے معمول کے مطابق منہ اٹھا کر مجھے دیکھا اور کافی پینے لگا۔ میں نے دل میں کہا۔ ''بڑے میاں اگر تم پاگل نہیں ہو تو نہایت پکے ہو۔ بہر حال ابھی ہمارے پاس سات دن ہیں اس کے بعد جو ہوگا وہ تم بھی دیکھو گے اور میں بھی۔''

کافی پی کر میں بہ ظاہر سامان دیکھنے اور ان کو الگ الگ ترتیب سے رکھنے لگا لیکن اصل میں میں یہ دیکھ رہا تھا کہ کہیں سامان میں کوئی اور سگنل دینے والی ڈیوائس تو نہیں ہے۔ میں نے کھانے کی ٹن بند اور ڈبا پیک چیزیں ایک طرف رکھ دیں۔ اسی طرح کولڈ ڈرنک کے ٹن اور کافی بنانے کا سامان ایک طرف کیا۔ ٹارچز اور دوسری کام کی چیزیں ایک بیگ میں کر دیں۔ پھر میں نے برٹ شا کو سمجھایا کہ سلیپنگ بیگ کیسے استعمال کرتے ہیں اور اسے باقاعدہ اس کے اندر گھس کر لیٹ کر دکھایا۔ یہ بستر کا کام بھی دیتا تھا اور کمبل کا بھی۔ دو تین بار سمجھانے پر برٹ شا سمجھ گیا اور اس نے اس کے اندر گھس کر لیٹ کر دکھایا۔ اس کا خوف خاصی حد تک کم ہو گیا تھا اور اب وہ مجھ سے بھڑک نہیں رہا تھا۔

منرل واٹر کی بوتلیں میں نے ایک طرف رکھ دی تھیں۔ فتح خان نے جو سامان دیا تھا اس میں پنیر، مکھن اور خشک کیا ہوا ڈبا بند گوشت بھی تھا۔ میں نے رات کے کھانے کے لیے گوشت اور پنیر نکالا۔ اسے چھوٹے سے فرائی پان میں گرم کیا۔ پھر آگ کے پاس رکھ کر نان گرم کیے۔ میں تو خوب گھوما تھا۔ لیکن برٹ شا بھی آج کم نہیں چلا تھا اس کا بھوک سے برا حال تھا اس لیے جب میں نے کھانے کی تیاری شروع کی تو وہ پہلے سے آ کر بیٹھ گیا اور للچائی نظروں سے کھانے کی چیزوں کو دیکھتا رہا مگر اس نے خود سے کوئی چیز نہیں چھیڑی۔ میں نے ڈنر گرم کرکے اس کے سامنے رکھا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر بے سُدھ ہو کر پڑ گیا۔ میں نے چلا چلا کر اسے تھکا مارا تھا اور آج تو آغاز تھا۔

گزشتہ رات نہ تو کوئی بڑا جانور اس طرف پھٹکا تھا اور نہ ہی ان کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ ایسے جانور یا تو یہاں پائے ہی نہیں جاتے تھے یا سردیوں میں یہاں سے کہیں اور چلے جاتے تھے۔ پھر بھی احتیاطاً کھانے پینے کا سامان غار کے سب سے اندر والے حصے میں رکھا تھا۔ اس کے چکر میں کوئی جانور اس طرف آ جاتا تو بلاوجہ ہڑبونگ مچتی یا وہ دوسری چیزیں بھی خراب کر دیتا۔ برٹ شا بھی اندر ہی سو رہا تھا اسے پھر سمجھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی وہ خود سلیپنگ بیگ میں گھس کر سو گیا تھا۔ میں نے اس کے بعد اپنا خیمہ لگایا اور اس سے آگے الاؤ تھا۔ جس کی حدت غار کو بھی گرم کر رہی تھی۔ سونے کے لیے لیٹا تو مجھے مہرو کا خیال آیا۔ نہ جانے وہ کہاں بھٹک رہی ہوگی۔ ویسے وہ کم سے کم اس وادی سے دور جا چکی ہوگی۔

میں مہرو پر انحصار نہیں کر سکتا تھا ایک تو میں نے ایک چانس لیا تھا۔ دوسرے اس کی موجودگی مجھ پر بوجھ تھی

اور میرے ہاتھ پاؤں کہیں اس کی وجہ سے رک سکتے تھے۔ اب میں کم سے کم اس کے بوجھ سے آزاد تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اپنا راستہ لیتی اور راجا عمر دراز تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتی۔ وہ فتح خان کے چنگل سے نکل جاتی تو اس کے لیے یہی بہت ہوتا۔ میرے حساب سے تو زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ وہ پلٹ کر واپس آنے کے لیے نہیں گئی تھی۔ وہ جوان اور خوب صورت عورت تھی اسے سہارا دینے والے بھی بہت مل جاتے۔ وہ مرد کے معاملے میں تجربہ کار تھی اس لیے اس کے دھوکا کھانے کا امکان بھی کم تھا۔ پھر اس میں ایک نوع کی خانہ بدوش ہوشیاری پائی جاتی تھی۔ وہ خود کو سنبھال سکتی تھی۔

ان دنوں میں جس خیال سے سب سے زیادہ بچنے کی کوشش کرتا تھا وہ سویرا کا خیال تھا۔ کیونکہ اس کے بارے میں سوچتے ہی میرے اندر جیسے کچھ چبھنے لگتا تھا۔ مجھے یہ خیال بے چین کر دیتا کہ وہ قید میں نہ جانے کس حال میں ہوگی۔ وہ میرے بارے میں سوچتی ہوگی کہ میں اسے رہا کرانے کے لیے کچھ کیوں نہیں کر رہا ہوں۔ اس وقت بھی مجھے سویرا کا خیال آیا اور اس کے بارے میں سوچتے ہوئے کسی وقت مجھے نیند آ گئی۔ پھر میری آنکھ کھٹ پٹ سے کھلی۔ میں نے خیمے کی زپ کھولی تو برٹ شا کو کھانے پینے کی چیزیں الٹتے پلٹتے پایا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' میں نے کہا تو وہ بھڑک کر جلدی سے واپس اپنی جگہ آ گیا۔ وہ چیزوں کو دیکھ رہا تھا اس نے کسی چیز کو کھولا نہیں تھا۔ صبح قریب تھی اور شاید اسے دوبارہ بھوک لگ گئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''سو جاؤ ابھی صبح ہی کچھ کھانے کو ملے گا اس سے پہلے نہیں مل سکتا ہے۔''

وہ سعادت مندی سلیپنگ بیگ میں گھس گیا۔ میں باہر آیا۔ مجھے حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ میں ٹارچ لے کر چٹانوں کے درمیان آیا۔ دن میں یہ چٹانیں جتنی گرم ہو جاتی تھیں اس وقت اتنی ہی ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے میں منرل واٹر کی بوتل لے گیا تھا کیونکہ باہر اس وقت کہیں پانی موجود بھی تھا وہ برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا ہوتا۔ میں فارغ ہو کر واپس آیا اور الاؤ میں مزید لکڑی ڈالی اس میں آگ کم رہ گئی تھی۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے میں کمبل لے کر الاؤ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

فتح خان نے اگرچہ ہمیں آزاد چھوڑ دیا تھا لیکن اس نے ہمارے گرد ایسی دیواریں کھڑی کر دی تھیں جن کو عبور کرنا کم سے کم میرے بس کی بات نہیں تھی۔ سویرا کی ذات پر میں ایک ذرا سا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ برٹ شا اگر ہوش مند تھا تو وہ بھی یقیناً ایمن کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا لیکن ابھی اس کے پاس مہلت تھی۔ اگر وہ سچ مچ دیوانہ تھا تو فتح خان کی تگ و دو ہی بے کار تھی۔ فتح خان ہماری نگرانی کر رہا تھا اس کے آدمی یقیناً اس وادی میں بھی تھے۔ پھر چپ کی مدد سے بھی نگرانی کر رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ رات کو نگرانی کے لیے اس نے کیا کیا ہوگا۔ ممکن ہے اس کے آدمیوں کے پاس تاریکی میں دیکھنے والی عینکیں اور دوربینیں ہوں۔

اس قسم کی چیزیں آج کل بازاروں میں عام مل جاتی ہیں۔ ان میں خاص لینس لگے ہوتے ہیں جو حرارت کو دیکھ لیتے ہیں اس لیے اگر بالکل اندھیرے میں بھی کوئی حرارت والا جسم ہو جیسے زندہ انسان یا جانور یا پھر کوئی ایسی بے جان چیز جو حرارت خارج کرتی ہو تو ان کی مدد سے انہیں بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ خود ہمارے پاس اس قسم کی عینکیں اور دوربین تھیں۔ لازمی بات تھی کہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے پاس اس قسم کی رات میں دیکھنے والی چیزیں ہوں گی۔ میں سوچتا اور اونگھتا رہا۔ فی الحال مجھے سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ برٹ شا کو

لے کر وادی میں چکراتا رہوں اور اسے ہیروں والی جگہ بتانے پر اکساتا رہوں۔

برٹ شا کی استقامت حیران کن تھی۔ اب نہ جانے یہ اس کی ہیروں سے محبت تھی یا اپنی ذمے داری کا احساس تھا کہ اس نے اتنے سال فتح خان کی قید میں گزار دیئے۔ وہ بدترین حال میں رہا اور شاید ہی کوئی تکلیف ایسی ہو جو اس نے نہ سہی ہو پھر بھی اس نے فتح خان کو ہیروں کے بارے میں بتایا تھا۔ ابھی میں اس کی ذہنی حالت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن کچھ عرصے پہلے جب میں نے اسے فتح خان کی قید میں دیکھا تھا تو وہ بنا ہوا دیوانہ تھا۔ اس وقت فتح خان اسے اصلی دیوانہ سمجھتا تھا اور اب شاید وہ سچ مچ ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا تو فتح خان کو یقین تھا کہ وہ ہوش میں ہے اور اداکاری کر رہا ہے۔

میں سوچتا کہ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو بہت پہلے فتح خان سے تصفیہ کر چکا ہوتا۔ لیکن یہ میرا خیال بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ میں اس معاملے کو باہر سے دیکھ رہا تھا۔ اصل احساس تو اس کے پاس ہوتا ہے جس پر گزر رہی ہوتی ہے نہ جانے کیوں برٹ شا اب تک ہیرے نہ دینے پر اڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے بہترین سال ایک اذیت ناک قید میں گزار دیئے تھے۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی۔ میں اپنے ذہن سے سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے مجھے ان حالات سے واسطہ پڑتا جن سے برٹ شا کو پڑا تھا تو میں بھی اسی کی طرح سوچتا اور اسی کی طرح فتح خان کے سامنے ڈٹ جاتا۔ ہر آدمی میں عزتِ نفس اور اس کا معیار ہوتا ہے۔ میری عزتِ نفس اور اس کا معیار یہ تھا کہ میں مرشد علی کے سامنے ڈٹ جاؤں اور اس کی تمام تر طاقت اور جبر کے باوجود اس کے سامنے ہتھیار نہ ڈالوں کیونکہ یہ میری اور میرے ساتھیوں کی عزت کا سوال تھا۔ ایسی ہی عزتِ نفس اور اس کا معیار برٹ شا بھی رکھتا تھا۔ وہ اس کی خاطر جان دے سکتا تھا اور ہر ظلم برداشت کرسکتا تھا لیکن ہتھیار نہیں ڈال سکتا تھا۔

مگر اس دنیا میں ہر چیز کی ایک حد ہے۔ انسان اپنی عزتِ نفس کو بھی صرف ایک حد تک دیکھ سکتا ہے بعض اوقات اس کے سامنے ایسی صورتِ حال آجاتی ہے جس میں اسے اپنی عزتِ نفس یا اس سے بھی زیادہ قیمتی چیز میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ بعض لوگ جن کے نزدیک سوائے اپنی اور کسی کی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنی عزتِ نفس کو اہمیت دیتے ہیں اور اپنے پیاروں کو قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ عزتِ نفس نہیں بلکہ خود پرستی ہے جس میں انسان بس خود کو ہی سب سمجھتا ہے اور کسی کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ برٹ شا اس وقت مجھے ایک ایسا ہی شخص لگ رہا تھا اس میں خود پرستی تھی۔ اسے اپنی اکلوتی بیٹی کی پروا بھی نہیں تھی جو دشمنوں کے قبضے میں آچکی تھی۔ خیالوں کے دوران دوبارہ نیند نے غلبہ پالیا اور دوسری بار آنکھ کھلی تو الاؤ کے راکھ ہو رہے تھے اور صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی۔ میں ایک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا اور پھر یہ انگڑائی ادھوری رہ گئی کیونکہ برٹ شا کا سلیپنگ بیگ خالی تھا۔

میں تیزی سے اٹھا اور کمبل پھینک کر باہر نکل آیا۔ میں نے برٹ شا کو آواز دینے سے گریز کیا اور دبے قدموں چٹانوں کے درمیان چلتے ہوئے اسے تلاش کرنے لگا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ فرار نہیں ہوا ہے تو کہاں گیا ہے؟ مگر جلد میں نے اسے ایک جگہ مخصوص پوز میں بیٹھے پایا۔ وہ رفع حاجت کر رہا تھا۔ میں اس سے کچھ دور ہو گیا لیکن میں نے اطمینان کر لیا کہ اگر وہ یہاں سے اٹھے گا تو لازمی میری نظروں میں رہے گا۔ اسے علم نہیں تھا کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ وہ فراغت حاصل کرنے کے ساتھ کچھ گنگنا بھی رہا تھا میں نے غور کیا تو وہ کچھ اشعار

گنگنا رہا تھا۔ کم سے کم الفاظ کی ترتیب سے تو یہ شاعری لگتی تھی۔ ویسے مجھے انگریزی کی شاعری اور نثر میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا ہے۔ ممکن ہے ادبی ذوق رکھنے والے حضرات کا نقطہ نظر مختلف ہو۔ کل سے اب تک میں پہلی بار اسے کچھ بولتے سن رہا تھا۔ آواز دھیمی اور لہجہ صاف تھا۔ غالباً وہ سمجھ رہا تھا کہ میں سو رہا ہوں اس لیے وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر بولنے کی خواہش پوری کر رہا تھا۔

انسان حیوان ناطق ہے اور بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب کوئی اس کی بات نہیں سنتا تو یہ الفاظ کو سجا بنا کر پیش کرنے کا فن سیکھتا ہے۔ گانے اور گنگنانے کا فن ایجاد کرتا ہے اپنی بات دوسروں کو سنانے کے لیے شاعری تک کرتا ہے۔ غرض کہ انسان بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ برٹ شا بھی انسان ہی تھا۔ اس نے پاگل بنے رہنے کے لیے اداکاری کی انتہا کر دی تھی لیکن اپنی بولنے کی خواہش نہیں دبا پایا تھا۔ لیکن یہ اس کے ہوش و حواس میں ہونے کی حتمی دلیل نہیں تھی۔ پاگل انسان بھی گنگنا سکتا ہے اور پورے پورے اشعار ٹھیک طرح سے گا سکتا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ اپنی پتلون چڑھاتا ہوا اس حصے سے باہر آیا اور مجھے موجود پا کر چند لمحے کے لیے سٹپٹا گیا تھا لیکن فوراً ہی اس نے اپنے مخصوص انداز میں دانت نکالے تھے۔ میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پلٹ کر غار کی طرف آ گیا۔ مجھے امید تھی کہ اس کے گنگنانے کی آواز فتح خان تک نہیں پہنچی ہوگی۔ خود میں بہت مشکل سے سن پا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے میرے پیچھے آیا اور اندر جانے کے بجائے الاؤ کے پاس بیٹھ کر پُر امید نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اسے کھانے کی طلب ہو رہی تھی۔ میں نے ناشتے کا سامان نکالنا شروع کیا۔ الاؤ پر کافی کا پانی رکھ کر میں منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ چٹانوں میں ایک جگہ مجھے کچھ پانی مل گیا تھا جو نہایت یخ تھا لیکن اس سے منہ ہاتھ دھو کر میں تازہ دم ہو گیا تھا۔

اس سردی میں تقریباً کھلی جگہ سونا کسی طرح آرام دے نہیں تھا اس لیے جسم میں تھکن کی کیفیت تھی جسے اس سرد پانی نے زائل کر دیا۔ دانت صاف کر کے میں واپس آیا اور ناشتہ تیار کیا۔ میں اور برٹ شا دونوں ناشتے سے فارغ ہوئے اور میں تیار ہو گیا۔ جیسے ہی میں نے رسی نکالی برٹ شا ڈری ڈری آواز نکال کر پیچھے ہٹا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے پھرتی سے اس کا بازو پکڑ کر رسی اس کے ہاتھ میں اس طرح باندھ دی کہ وہ اسے ایک ہاتھ سے نہیں کھول سکتا تھا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ ’’آج سارا دن گھومنے پھرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ امید ہے اس سے تمہاری یادداشت پر کچھ نہ کچھ فرق پڑے گا۔‘‘

میں اسے لے کر روانہ ہوا۔ میرا شام سے پہلے واپس آنے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے خوراک کے کچھ ٹن، کولڈ ڈرنکس اور پانی کی بوتل ساتھ لے لی تھی۔ برٹ شا فی الحال تازہ دم تھا لیکن وہ مرے مرے انداز میں میرے ساتھ چل رہا تھا۔ رسی مستقل ہاتھ میں تھامے رہنے کی زحمت سے بچنے کے لیے میں نے اس کا لچھا شانے پر ٹانگ لیا تھا۔ سامان بیگ میں پشت پر بندھا تھا اور ہاتھ میں اسٹک تھی۔ دوسرا ہاتھ آزاد تھا۔ میں چڑھائی کے سفر کے دوران برٹ شا سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

’’تمہیں معلوم ہے ان سالوں میں دنیا کتنی بدل گئی ہے جو تم نے ایک احمقانہ چیز کے پیچھے فتح خان کی قید میں گزار دیئے۔ ہیروں کو میں احمقانہ چیز ہی کہوں گا۔ ٹھیک ہے یہ بہت قیمتی ہوتے ہیں لیکن انسان اور اس کی عمر سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتے ہیں۔ ان بارہ تیرہ سالوں میں دنیا بدل کر رہ گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے امریکہ میں نائن

الیون کا سانحہ پیش آیا اور اس بہانے امریکہ دنیا پر چڑھ دوڑا۔ جب تم یہاں آئے تو موبائل فون کی پہلی نسل تھی آج موبائل فون کی پانچویں نسل آ چکی ہے۔ موبائل کمپیوٹر بن چکا ہے اور کمپیوٹر نہ جانے کیا بن گیا ہے۔ اب تو اس پر پوری پوری فلمیں بن رہی ہیں۔''

پتا نہیں برٹ شا سن رہا تھا یا نہیں۔ وہ خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے سفر کر رہا تھا۔ میں اس سے بات کرتا رہا اسے ایمن کے بارے میں بتاتا رہا ڈیوڈ شا کے بارے میں بتاتا رہا۔ اپنے اور فتح خان کے بارے میں بتاتا رہا اور درمیان میں ہیروں کا ذکر بھی کر دیتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد میں نے اسے دس منٹ کا آرام دیا۔ لیکن اس کی حالت اتنی بری ہو رہی تھی کہ یہ دس منٹ کا آرام اس کے لیے ناکافی تھا۔ دس منٹ بعد میں نے اس کی رحم طلب نظروں کی پروا کیے بغیر اسے اٹھایا۔ اس سارے دن میں نے اسے کوئی چھ گھنٹے گھمایا۔ ہر ایک گھنٹے بعد دس منٹ کے لیے رکے اور تین گھنٹے بعد میں نے کھانے کا وقفہ دیا۔ یہ بھی صرف آدھے گھنٹے کا تھا۔

شام تک میں خود تھک گیا تھا لیکن برٹ شا تو غشی کی کیفیت میں تھا اور بادلِ ناخواستہ میرے پیچھے گھسٹ رہا تھا اور رونے کے انداز میں کراہ رہا تھا اور آخری دو گھنٹوں میں تو کئی بار گرا تھا۔ مگر میں نے اس پر ترس نہیں کھایا تھا۔ دیکھا جائے تو وہ بھی فتح خان سے کم نہیں تھا۔ فتح خان ہیروں کے پیچھے پاگل ہو رہا تھا کیونکہ وہ دولت کا لالچی ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ مگر برٹ شا ایک معزز لارڈ خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ بے شک ہیرے بہت قیمتی تھے۔ مگر اس کی اور اس کی بیٹی کی زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں تھے کوئی اور ہوتا تو اپنی بیٹی کو فتح خان کی قید میں دیکھ کر ہتھیار ڈال دیتا مگر برٹ شا کے انداز میں ذرا سا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا شک بڑھ رہا تھا کہ وہ اداکاری کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس پر میرا غصہ بھی بڑھ رہا تھا۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا کہ اس سے وہی سلوک کروں جو اب تک فتح خان کرتا آیا تھا۔

غار نما حصے میں پہنچتے ہی وہ چٹان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اس کی آنکھیں بند تھیں اور منہ سانس لینے کے لیے کھلا ہوا تھا۔ میں نے رسی کا ایک ٹکڑا الگ سے لیا اور اس سے برٹ شا کے ہاتھ اور پاؤں اس طرح باندھ دیئے کہ اسے زیادہ تکلیف نہ ہو لیکن وہ خود کو آزاد بھی نہ کرا سکے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ آزاد ہونے کی صورت میں وہ فرار ہو جائے گا۔ آج میں نے اسے بہت چلایا تھا۔ میں خود بھی تھک گیا تھا اور کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ مگر آرام کرنے سے پہلے میں نے فتح خان کو کچھ ناگفتنی سنائیں جس نے مجھے اس مشقت میں ڈال دیا تھا جس کا کوئی انجام نظر نہیں آ رہا تھا۔

جب ہم واپس آئے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ باہر سردی بڑھ رہی تھی۔ میں برٹ شا کو اندر لے آیا اور اس کو سلیپنگ بیگ پر ڈال دیا۔ وہ بالکل بے سُدھ تھا۔ ایک لائٹ آن کر کے اس طرح رکھ دی کہ غار کسی قدر روشن دکھائی دینے لگا۔ یہ کام کر کے میں دیوار سے ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔ برٹ شا کا چہرہ میری طرف تھا اور میں وقفے وقفے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ ایک بار میں نے اونگھتے ہوئے یوں سر جھکا لیا جیسے تقریباً نیند میں چلا گیا ہوں لیکن میری آنکھ خفیف سی کھلی ہوئی تھی۔ برٹ شا اگر دیکھتا تو اسے میں سوتا ہی نظر آتا۔ میں خاصی دیر اسی پوز میں رہا۔ وہ بھی ساکت لیٹا رہا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد مجھے لگا کہ سچ مچ سو چکا ہے اور میں سیدھا ہونے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ برٹ شا نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر

کسمسانے لگا۔

وہ جاگ رہا تھا یا اب جاگ گیا تھا لیکن اس کے انداز میں پہلے جیسی تھکاوٹ نظر نہیں آرہی تھی۔ اچانک میں ہلا تو وہ پہلے کی طرح بے سدھ بن گیا۔ میں نے اٹھ کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور یوں حرکت میں آیا جیسے اس سے چھپ کر کوئی کام کرنے جارہا ہوں۔ میں نے جیکٹ سے پستول نکالا پھر اس سے میگزین نکال کر جیکٹ کی سامنے والی جیب میں رکھ لیا اور خالی پستول اس بیگ میں رکھ دیا جس میں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ باقی سامان پڑا تھا۔ یہ کام میں نے اس طرح کیا جیسے برٹ شا سے چھپا کر کر رہا ہوں اور اسے معلوم بھی ہو جائے کہ میں نے پستول خالی کر کے رکھا ہے اور میگزین اپنی جیکٹ میں رکھ لیا ہے۔ یہ کام کر کے میں نے ایک بار پھر برٹ شا کو غور سے دیکھا اور وہ سوتا بن گیا جب کہ ایک منٹ پہلے وہ اٹھا تھا۔ کوئی ہوشیار ہی ایسی حرکت کر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد میں نے برٹ شا کے ہاتھ پیر سے بندھی ہوئی رسی کھول دی اور باہر آیا جہاں جلانے والی لکڑیاں پڑی تھیں۔ الاؤ روشن کر کے میں کچھ دیر آگ تاپتا رہا پھر رات کے کھانے کی تیاری شروع کر دی۔ گوشت بھوننے کی خوشبو پھیلی تو اندر برٹ شا تڑپ گیا تھا۔ دوپہر میں اس نے مجھ سے زیادہ ہی کھایا تھا پھر بھی اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے اوں آں کر کے آواز نکالی۔ میں نے اندر جھانکا۔ ''ہاں ہاں میرے بوڑھے بچے کھانا تیار ہے لیکن تم کھانے کے بجائے اپنی بیٹی کی فکر کرو جسے چھ دن بعد ٹکڑوں میں تقسیم کر کے وادی میں پھینکنے کی دھمکی دے چکا ہے۔''

ظاہر ہے برٹ شا نے اس بات پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ وہ اٹھ کر الاؤ کے پاس آگیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کمزور تھا لیکن اتنا بھی نہیں جتنا نظر آتا تھا۔ اس کے جسم میں جان تھی ورنہ جتنا آج وہ چلا تھا اس عمر کا کوئی آدمی پہاڑوں پر اتنا چلتا تو اس سے اتنی جلدی اٹھا نہیں جاتا۔ کچھ دیر پہلے والی حرکت سے یہ تو واضح ہو گیا تھا کہ اتنا بھی دیوانہ نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کر رہا تھا اس میں اتنی ہوشیاری تھی کہ کسی کو دھوکا دے سکے۔ جیسے ہی میں نے بھنا گوشت اور روٹی اس کے سامنے رکھی وہ اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب صاف کر گیا۔ میں بھی کھا رہا تھا لیکن اس کی خوراک ایک بار پھر مجھ سے زیادہ ثابت ہوئی تھی۔ اپنے حصے کا کھا کر اس نے پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''بس اتنا ہی ملے گا۔ ہمارے پاس خوراک زیادہ نہیں ہے اور ابھی ہمیں چھ دن گزارا کرنا ہے۔ البتہ اس کے بعد شاید کھانے پینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔''

کھانے کے بعد کافی بنائی اور کافی پی کر وہ اندر چلا گیا۔ میں ایسی جگہ بیٹھا تھا جہاں سے اندر دیکھ سکتا تھا۔ برٹ شا نے اس بیگ کی طرف جانے کی کوشش نہیں کی جس میں، مَیں نے پستول رکھا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں اس لیے وہ شرافت سے اپنے سلیپنگ بیگ میں لیٹ گیا۔ میں کچھ دیر الاؤ کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر اندر آیا اور انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ ''آج بہت تھک گیا ہوں، تمہارا کیا حال ہے اولڈ بوائے؟''

اولڈ بوائے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ساکت لیٹا ہوا تھا جیسے نیند میں چلا گیا ہو۔ میں نے اپنا خیمہ لگایا اور اس میں گھس کر لیٹ گیا۔ یہ سچ تھا کہ میں بہت تھکن محسوس کر رہا تھا لیکن میں سونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ برٹ شا میرے بچھائے جال میں پھنستا ہے یا نہیں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اور میں

اس کھیل کو جلد از جلد کسی انجام تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ بے شک اس کے لیے مجھے ہیرے فتح خان کے حوالے کرنا پڑتے۔ فتح خان ان کی مالیت پچاس ملین ڈالرز بتاتا تھا لیکن مجھے ان کی مالیت سے کوئی غرض نہیں تھا بے شک ان کی مالیت اس سے سینکڑوں گنا زیادہ ہوتی لیکن میرے لیے وہ سویرا کی ایک انگلی کا نعم البدل بھی نہیں ہو سکتے تھے۔

میرے لیے ایمن کی زندگی ان سے کہیں بڑھ کر قیمتی تھی۔ مسئلہ برٹ شا بنا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے جان کا خوف نہیں تھا بلکہ ان ہیروں کا لالچ تھا۔ ورنہ کم سے کم اپنی اولاد کی جان کا خطرہ کوئی مول نہیں لے سکتا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے برٹ شا فتح خان جیسا آدمی لگا تھا اور اسی وجہ سے مجھے اب اس پر رحم نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میں نے اسے پکڑ لیا تو رگڑ کر رکھ دوں گا۔ یہی سوچ کر میں نے یہ ایکٹ ترتیب دیا تھا اور مجھے امید تھی کہ برٹ شا اس جال میں پھنس جائے گا۔ میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ اگر برٹ شا دیوانہ بنا ہوا تھا اور میں اسے پکڑ لیتا تب بھی یہ بات فتح خان پر ظاہر ہونے دینا نہیں چاہتا تھا۔

مجھے ''سوتے'' ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا لیکن ابھی تک برٹ شا کی طرف سے کوئی حرکت دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ میں نے اسے دوبارہ نہیں باندھا تھا اور شاید اس نے اسے میری بھول سمجھا تھا۔ اب میں اس پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے اس لیے اسے نہیں باندھا تھا کہ میں اس کی ہوش مندی اور دیوانگی کا امتحان لے رہا تھا۔ ورنہ میں اسے باندھ کر رکھتا۔ میں اس کے فرار کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ ورنہ فتح خان اسے بھی میرے کھاتے میں ڈال دیتا۔ میں اس پر مکمل نظر رکھے ہوئے تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ یہ معمول کی حرکت تھی۔ ایسا لگا جیسے اس نے سوتے میں کروٹ لی ہو۔ میں نے اپنے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور پہلے کی طرح گہرے سانس لیتا رہا۔ شاید اس نے مجھے چیک کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر خلاف توقع اس نے پھر کوئی حرکت نہیں کی اور تھوڑی دیر بعد اس کے خرخرانے کی آواز آنے لگی۔

اس رات کچھ بھی نہیں ہوا اور کوشش کے باوجود میں بھی نہ جاگ سکا تھا۔ صبح میری آنکھ کھلی تو باہر روشنی ہو چکی تھی اور برٹ شا الاؤ کے پاس بیٹھا تھا۔ میں اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ ''کیا حال ہیں اولڈ بوائے رات کیسی گزری؟''

جواب میں اس نے دانت نکال دیئے۔ اب تک اس نے ثابت کیا تھا کہ وہ دھیمے مزاج کا اور نرم خو دیوانہ تھا کسی کو یا خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ یہ بڑی مناسب قسم کی دیوانگی تھی۔ میں نے خود بھی منہ ہاتھ دھویا اور اس کے رونے کراہنے کے باوجود اسے بھی منہ ہاتھ دھونے پر مجبور کیا تھا۔ وہ نہایت غلیظ ہو رہا تھا اور میں دو دن میں عادی ہو گیا تھا ورنہ شروع میں اس کے پاس سے نہایت گندی بدبو آتی تھی۔ شاید وہ سالوں سے نہیں نہایا تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ وہ اب تک بیمار کیوں نہیں ہوا۔ جب میں نے اس کے منہ ہاتھ دھونے کے درمیان اس سے کہا۔ ''کیا خیال ہے آج تمہیں غسل نہ دے دیا جائے۔ ممکن ہے اس سے تمہارا دماغ ٹھکانے پر آ جائے۔''

میری بات سن کر اس کے چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات نظر آئے تھے۔ اس نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا کہ وہ میری اس تجویز سے متفق نہیں ہے۔ ناشتے کے بعد میں نے اس کے ہاتھ سے رسی باندھی تو اس نے

کسی مظلوم بکرے کی طرح مجھے دیکھا۔ میں نے اسے گھورا اور بولا۔ ''برٹ شا آج دوسرا دن ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ یاد رکھنا کہ اگر تمہاری اور فتح خان کی وجہ سے مجھے یا میرے کسی ساتھی کو ذرا بھی نقصان ہوا تو میں تم دونوں کو ہی نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں تو اسی وادی میں دفن کردوں گا اور بعد میں فتح خان کو بھی لاکر تمہاری قبر میں ہی ڈالوں گا تاکہ تم دونوں قیامت تک ہیروں کے لیے آپس میں معاملہ کرتے رہو۔''

برٹ شا نے گزشتہ رات کوئی حرکت نہ کرکے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ جب کہ میرا خیال تھا کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ نہ کچھ کرے گا۔ اس کی بے عملی میرے لیے غیر متوقع رہی تھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں اس کے بارے میں اپنا خیال تبدیل کرلیا تھا۔ اس نے کسی وجہ سے رات حرکت میں آنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور نہ وہ پستول کی جگہ دیکھ چکا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں نے میگزین نکال کر اپنی جیکٹ میں رکھ لیا ہے۔ ایک طرح سے اب چور سپاہی کا کھیل شروع ہو چکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ چور کو معلوم نہیں تھا کہ سپاہی اس کی تاک میں ہے۔ لیکن کیا چور کو واقعی نہیں معلوم تھا؟

ممکن ہے برٹ شا میری اس حرکت سے چوکنا ہو گیا ہو کہ میں نے اسے آنے کے بعد تو باندھ دیا لیکن رات کھلا چھوڑ کر لمبی تان کر سو گیا تھا۔ یہ مجھ سے حماقت ہوئی تھی مجھے اسے شام کو بھی نہیں باندھنا چاہیے تھا یا پھر رات کو بھی باندھ دینا چاہیے تھا اور اپنا ڈرامہ میں اگلے روز کے لیے بھی اٹھا کر رکھ سکتا تھا اس طرح برٹ شا کو شک نہ ہوتا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب اس پر اعتماد نہیں کر رہا ہوں۔ مگر میں نے رات کو نہیں باندھا تو وہ کھٹک گیا۔ اگر وہ ہوش میں تھا تو اس کی ہوشیاری میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اتنے عرصے سے فتح خان جیسے شاطر کو بے وقوف بنا رہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ صورتِ حال نے میری قوتِ فیصلہ کو بھی متاثر کیا تھا۔ میں اب تک فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ موجودہ صورتِ حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ فتح خان اور برٹ شا نے مل کر مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ بلکہ اصل مسئلہ سویرا کا تھا اگر وہ فتح خان کے قبضے میں نہ ہوتی تو شاید میں یہاں کی نوبت ہی نہ آنے دیتا۔ مگر میں پھنس گیا تھا اور یہی انسان کے بے بس ہونے کی دلیل ہے وہ کتنا ہے ذہین، طاقتور اور خوش نصیب کیوں نہ ہو کہیں نہ کہیں آکر وہ بھی پھنستا ہے۔ مجھے اللہ پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ اس مشکل سے نکلنے میں میری مدد کرے گا اور اگر اس نے میرے لیے کوئی اور فیصلہ کرلیا تھا تو مجھے صبر دے گا۔

اس دن بھی میں برٹ شا کو گھماتا رہا۔ گزشتہ روز کی طرح سورج نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا اور چٹانوں میں سردی کم ہوئی تھی۔ اگرچہ اوپر پہاڑوں اور درختوں کے نیچے خنکی تھی لیکن چلنے کی مشقت کی وجہ سے اس خنکی کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ میں برٹ شا کو لے کر گھومتا رہا اور جب دس منٹ کا آرام کا وقفہ آتا تو میں اس سے ہیروں اور ایمن کی بات کرتا۔ میں نے محسوس کیا کہ ویسے وہ بے توجہی سے میری بات سنتا تھا لیکن جب میں ہیروں یا ایمن کا ذکر کرتا تو وہ اونگھنے لگتا تھا۔ یہ بے نیازی ظاہر کرنے کا ایک انداز تھا نارمل میں وہ نہیں اونگھتا تھا۔ چھ گھنٹے کی جنگل یاترا کے بعد ہم واپس آئے تو آج گزشتہ روز جیسی تھکن نہیں تھی۔ برٹ شا بھی کل جیسا بے حال نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے قدم لڑکھڑانے کے بجائے زمین پر مضبوطی سے جم رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ آکر کل ہی کی طرح بے حال انداز میں چٹان کے ساتھ لڑھک گیا اور گہرے سانس لینے لگا۔

ہم صبح جلدی نکل گئے تھے اس لیے چٹانوں میں ابھی روشنی تھی۔ دھوپ کی حدت سے چٹانیں کسی قدر گرم ہو رہی تھی۔ غار میں جیکٹ اتار کر میں ایک مسطح چٹان پر لیٹ گیا اور اس کی حرارت سے محظوظ ہونے لگا۔ کچھ دیر بعد برٹ شا بھی میرے پاس آ کر لیٹ گیا۔ وہ حسبِ معمول خاموش تھا۔ میں جیکٹ کے بغیر تھا اس لیے فتح خان ہماری گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ میں نے بہ ظاہر خود سے کہا۔ ''فتح خان نہایت سفاک آدمی ہے۔ جب اس سے مقابلہ ہو تو آدمی کو ہمیشہ ہوشیار ہونا چاہیے کیونکہ وہ صرف دھمکی دینے کا قائل نہیں ہے بلکہ اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ یہ اس کی اَنا کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ فتح خان صرف دھمکی دے کر رہ جائے گا تو وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر رہا ہے۔''

برٹ شا اس بات پر بھی خاموش رہا اور میں جھنجھلا کر رہ گیا۔ میری اس نئی زندگی میں ایسے مواقع بہت کم آئے تھے جب میں کسی صورتِ حال میں اتنی بے بسی اور جھنجھلاہٹ کا شکار رہا ہوں۔ ایسی کیفیت بہت پہلے اس وقت طاری ہوئی تھی جب بابا نے مجھے کاکول کی تیاری کا حکم دیا تھا اور میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ ان کے حکم سے کھل کر انکار کرنے کی سزا میں ایک بار بھگت چکا تھا۔ اس لیے اندر کی گھٹن سے بچنے کے لیے گھر سے بھاگ نکلا اور پھرراجا عمر دراز کی وادی جا پہنچا تھا۔ یہیں سے میں فتح خان اور ہیروں کے منحوس چکر میں آیا تھا۔

ہیرے برٹ شا کے قبضے میں تھے اور وہ دیوانہ بنا ہوا تھا۔ فتح خان ہیروں کے لیے اس سے بھی بڑا دیوانہ بنا ہوا تھا اور سویرا اس کی قید میں تھی۔ میں برٹ شا سے کس طرح ہیرے نکلواؤں؟ یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس پر تشدد بے کار تھا کیونکہ فتح خان اس پر ہر ممکن تشدد کر چکا تھا۔ جب اس کا تشدد بیکار ثابت ہوا تھا تو میں اس سے زیادہ کیا کر لیتا۔ البتہ دو دن میں فتح خان کی اس بات سے میں مکمل طور پر متفق ہو گیا تھا کہ برٹ شا دیوانہ بنا ہوا ہے ورنہ وہ ٹھیک تھا۔ اسے دیوانہ بننے میں زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں تھی ایک تو اسے فتح خان کی قید میں رہ کر اس کی پریکٹس ہو گئی تھی۔ پھر تشدد اور خراب حلیے نے پاگل پن کے کاسٹیوم کو بھی پورا کر دیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہی چٹانوں کی حدت تیزی سے زائل ہوئی تھی اور ہم نیچے آنے پر مجبور ہو گئے۔ غار کی طرف جانے سے پہلے میں نے برٹ شا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''برٹ شا میں نے جو تم سے کہا ہے اس پر غور کرنا، ورنہ چھ دن بعد یہ ہوگا کہ ہیرے تو اسی وادی میں کہیں دفن رہیں گے۔ ان کے ساتھ تم اور ایمن بھی یہیں دفن کر دیے جاؤ۔ میرے ساتھ جو ہوگا تمہیں یقیناً اس کی فکر نہیں ہوگی لیکن تمہیں کم سے کم اپنی اور بیٹی کی فکر کرنی چاہیے۔''

میں بات مکمل کر کے اس کی طرف دیکھے بغیر غار کی طرف بڑھ گیا۔ جیکٹ پہن کر میں نے الاؤ جلایا۔ لکڑی میں جمع کر کے لے آیا تھا۔ کافی تیار کی اور ایک مگ برٹ شا کو دے دیا۔ اس موسم میں پسینہ بہت کم آتا ہے لیکن گرم کپڑوں میں جسم پر لازمی پسینہ آتا ہے۔ میں کئی دن سے نہایا نہیں تھا اور اس وقت مجھے شدت سے غسل کی خواہش ہو رہی تھی۔ اس وقت تو نہانا ناممکن تھا چٹانوں کے ساتھ چشموں میں پانی ٹھنڈا ہو چکا ہوتا ہے شاید صبح کے وقت یہ پانی کسی قدر گرم ہوتا۔ میں نے صبح نہانے کا سوچا۔ کھانا کھا کر برٹ شا سونے چلا گیا اور میں بھی کسی قدر ہوشیاری کے ساتھ لیٹ گیا۔ اگر برٹ شا موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا تو اس کے لیے پستول کے ساتھ میگزین حاصل کرنا بھی لازمی تھا۔ میگزین حاصل کرنے کے لیے اسے میرے پاس آنا پڑتا۔ وہ میری بے خبری

میں میگزین تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

اگلی صبح میں جلدی اٹھ کر ان چشموں تک آیا جن میں زمین سے پانی ابل رہا تھا اور حسب توقع یہ پانی گرم آرہا تھا۔ میں نہایا اور مجبوراً وہی کپڑے پہنے کیونکہ میرے پاس اور کوئی کپڑے نہیں تھے۔ اس دن بھی ہم گھومتے پھرتے رہے اور اس کے بعد آنے والے تین دن تک ہمارا یہی معمول رہا تھا۔ برٹ شا نے اس دوران میں ایسی کوئی حرکت نہیں جس سے میں اسے پکڑ سکتا اور اس کی دیوانگی کا پول کھل جاتا وہ میری تمام گفتگو یوں سنتا جیسے بھینس بین کی آواز سنتی ہے۔ اس رات ہم سونے کے لیے لیٹے تو میرے ذہن میں تھا کہ کل آخری دن ہے اور اس کے بعد فتح خان اپنی دھمکی پر عمل کرے گا۔ برٹ شا حسبِ معمول کھاتے ہی لیٹا اور کچھ دیر میں خراٹے لینے لگا۔ آج اس کے خراٹے کچھ بلند اور کرخت تھے۔

میں بے چین تھا اس عالم میں مجھے نیند کیسے آتی جب ذہن میں صرف سویرا کا خیال تھا۔ میں نے برٹ شا کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اسے گھسیٹ کر سلیپنگ بیگ سے نکالا۔ وہ ہڑبڑا گیا تھا اور اس نے چونکنے کی اداکاری بھی کی تھی لیکن مجھے محسوس ہوا وہ اصل میں جاگ رہا تھا۔ اس نے گونگوں کے انداز میں احتجاج کیا اور منہ سے کچھ نہیں بولا۔ مگر میں کھینچ کر اسے باہر آیا۔ آسمان صاف تھا اور اس پر شاید گیارھویں کا چاند تھا۔ اس لیے چاروں طرف معقول روشنی تھی اور مجھے ٹارچ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ باہر آ کر میں نے پہلے اس کی جیکٹ اتاری اور پھر اس کی شرٹ اور پتلون بھی اتار دی۔ وہ مستقل مزاحمت کرتا رہا۔ مگر میرے سامنے اس کی ایک نہیں چلی تھی اور کچھ دیر میں وہ صرف انڈرویئر میں کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے تھرتھر کانپنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے غرا کر کہا۔

''برٹ شا اب تم اس وقت تک اس طرح بغیر کپڑوں کے رہو گے جب تک مر نہیں جاتے یا پھر اپنی دیوانگی چھوڑ کر ہیروں کا پتا بتانے کو تیار نہیں ہوتے۔''

وہ جواب دینے کے بجائے دونوں ہاتھ سینے سے لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ درجہ حرارت یقیناً منفی میں تھا۔ میں نے اس کے کپڑے غار کے پاس پھینک دیئے اور واپس برٹ شا کے پاس آ گیا۔ وہ ایک چٹان میں دبک رہا تھا لیکن میں نے اسے وہاں سے گھسیٹ کر کھلی جگہ پھینک دیا۔ ''برٹ شا کل کا دن تمہاری بیٹی اور سویرا کے لیے تباہ کن ہو گا۔ لیکن میں نے سوچ لیا ہے کہ اگر تم نے ہیرے نہ دیئے تو کم سے کم تم یہ سب دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔ بعد میں، مَیں فتح خان کو بھی دیکھ لوں گا۔''

میں جانتا تھا کہ فتح خان ہماری گفتگو سن رہا ہو گا۔ برٹ شا کا اس طرح مر جانا اسے یقیناً گوارا نہیں تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس طرح سے برٹ شا کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اس کے آس پاس ہی ٹہل رہا تھا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''برٹ شا تم ایک سرد ملک کے رہنے والے ہو اس لیے تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ سردی کس طرح آدمی کی جان لیتی ہے۔ کچھ دیر بعد تمہیں ہائپوتھرمیا شروع ہو جائے گا اور تمہارے جسم کا درجہ حرارت گرنے لگے گا۔ ایک ایک کر کے یہ نیچے آئے گا اور جب یہ گر کر ستاسی درجے فارن ہائیٹ پر پہنچے گا تو تمہارا دل رک جائے گا اور تم ایک لمحے میں مر جاؤ گے۔ یہ مرحلہ ابھی دور ہے لیکن اتنا دور بھی نہیں ہے۔ صبح ہونے سے پہلے تمہاری زندگی پر موت کی رات چھا جائے گی۔''

برٹ شا نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کانپتا اور منہ سے ہو ہو کی آوازیں نکالتا رہا۔ باہر سردی اتنی تھی کہ میں

جیکٹ میں بھی محسوس کر رہا تھا اور ایک جگہ کھڑے ہونے پر سردی با قاعدہ کاٹتی تھی اس لیے میں مستقل حرکت میں تھا۔ میں اندازہ کر سکتا تھا کہ بغیر کپڑوں کے برٹ شا کا کیا حال ہوگا۔ اسے پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ فتح خان کی جانب سے ابھی تک کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ اتنا دور تھا کہ اسے یا اس کے ساتھیوں کو یہاں آنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ وقت لگتا۔ کیا وہ کسی چوٹی پر تھے؟ میں نے سوچا۔ برٹ شا سے اب بیٹھا نہیں جا رہا تھا اور وہ بار بار سرد زمین پر لڑھک رہا تھا اور جیسے ہی اس کے جسم کا کوئی حصہ زمین پر لگتا تو وہ اچھل کر دوبارہ بیٹھنے پر مجبور ہو جاتا۔ کچھ دیر بعد ٹھنڈ اس کے جسم کو سن کر دیتی اور پھر وہ بے ہوش ہو جاتا یا غشی میں چلا جاتا۔ اس کے بعد اسے شاید ہی ہوش آتا۔ میں اس مرحلے سے پہلے اسے اندر لے جاتا لیکن ابھی میں دیکھ رہا تھا کہ وہ ہتھیار ڈالتا ہے یا نہیں۔

آدھا گھنٹہ ہونے والا تھا برٹ شا نے نہ تو زبان کھولی تھی اور نہ ہتھیار ڈالے تھے اور نہ بے ہوش ہوا تھا وہ اب بھی سردی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس عمر میں اس کی قوت برداشت حیرت انگیز تھی۔ اچانک چٹانوں کے باہر سے روشنیاں لہرانے لگیں اور کچھ دیر بعد فتح خان اپنے ایک ساتھی سمیت پہنچ گیا دونوں مسلح تھے۔ فتح خان نے آتے ہی مجھ سے کہا۔ ”یہ کیا کر رہا ہے تم؟“

”اس سے ہیروں کا پتا اگلوا رہا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”سات دن سے یہ دیوانہ بنا ہوا ہے اب میں اسے ہوش میں لا رہا ہوں۔“

”اس طرح یہ مر جائے گا۔“

”مر جائے یہ اور تم دونوں فساد کی جڑ ہو۔ یہ مر جائے ہیروں کا قصہ ہی ختم ہو جائے پھر میں تمہیں دیکھوں گا۔“

فتح خان نے رائفل کا رخ میری طرف کر دیا۔ ”شہباز اسے کپڑے دو اور اندر لے چلو یہ مر گیا تو......“

”تم اس کا بدلہ بھی مجھ سے لو گے۔“ میں نے طنز کیا۔

”اٹھو خانہ خراب۔“ فتح خان نے برٹ شا سے کہا۔ ”اندر جا کر کپڑا پہنو۔“

مگر خانہ خراب اپنی جگہ بیٹھا کپکپا رہا تھا اس نے شاید فتح خان کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ فتح خان نے اپنے ساتھی کو حکم دیا کہ وہ اسے اٹھا کر اندر لے جائے اور اسے کپڑے پہنائے۔ وہ برٹ شا کی طرف بڑھا تھا کہ اچانک ہی وادی میں دور کہیں تیز فائرنگ ہوئی۔ ایسا لگا تھا جیسے کئی رائفلوں سے بیک وقت برسٹ مارے گئے ہوں۔ فتح خان اچھل پڑا تھا۔ اس نے چلا کر کہا۔

”یہ...... یہ کیا؟“ بولتے ہوئے فتح خان نے اپنی جیب سے ایک واکی ٹاکی نکالا اور دھاڑا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے فائر کس نے کیا ہے؟“

دوسری طرف سے بھی کوئی چلا رہا تھا اس کی الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے لیکن آواز مجھ تک آ رہی تھی۔ پہلے فائرز کے بعد چند سیکنڈز کا وقفہ آیا تھا اس کے بعد دوبارہ سے تیز فائرنگ شروع ہوئی تھی اور میرے کانوں تک ایک چیخ آئی جو واکی ٹاکی پر بولنے والے کی تھی۔ فتح خان چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا لیکن شاید وہ اس کی بات سننے کے قابل نہیں رہا تھا۔ فتح خان نے واکی ٹاکی بند کر دیا اور خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''شہباز خان یہ کیا ہے؟''

میں نے بھنا کر کہا۔ ''فتح خان تم شاید ہوش گنوا چکے ہو مجھے کیا معلوم کہ کہاں کیا ہوا ہے؟''

''بکواس مت کرو تم نے میرے کو یہاں بلایا اور پیچھے میرے آدمیوں پر کسی نے حملہ کر دیا ہے۔ میرا شاید سارا ساتھی مارا گیا ہے۔''

''اگر ایسا ہوا ہے تو میں بھی اتنا ہی لاعلم ہوں جتنا کہ تم ہو۔''

''تم نے جان بوجھ کر......'' فتح خان بولتے بولتے رکا اور اس نے چونک کر دیکھا۔ ''برٹ شا کدھر ہے۔''

واقعی برٹ شا اپنی جگہ نہیں تھا۔ فائرنگ نے کچھ دیر کے لیے ہم تینوں کو اس کی طرف سے غافل کر دیا تھا۔ وہ پتا نہیں کہا چلا گیا تھا۔ فتح خان نے دھاڑ کر اپنے ساتھی سے کہا۔ ''تلاش کرو اسے۔''

وہ بدحواسی میں چٹانوں سے باہر کی طرف بھاگا۔ فتح خان خود چاروں طرف دیکھ رہا تھا پھر وہ رائفل کا رخ میری طرف کیے کیے غار کی طرف بڑھا تھا کہ اندر سے برٹ شا نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کا رخ فتح خان کی طرف تھا وہ چونکا اور جلدی سے کہا۔ ''برٹ شا کوئی حماقت مت کرنا میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔ پستول پھینک دو یہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔''

فتح خان جانتا تھا کہ پستول بے کار ہے اس میں فائرنگ پن نہیں ہے اس لیے فائر کیسے کرے گا۔ لیکن برٹ شا یہ بات نہیں جانتا تھا اس لیے وہ پستول تانے رہا۔ اب اس کے چہرے پر دیوانگی کے بجائے نفرت کے تاثرات تھے اس نے باہوش انداز میں کہا۔ ''فتح کھان اس لمحے کے لیے میں نے برسوں انتظار کیا ہے اب بازی میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم مرنا نہیں چاہتے ہو تو رائفل پھینک دو۔''

فتح خان نے ایک بار پھر اسے سمجھانا چاہا تھا کہ اچانک ہی ایک طرف سے فائر ہوا اور برٹ شا لڑکھڑا کر منہ کے بل زمین پر گرا میں نے اس کے سینے میں سوراخ ہوتے دیکھ لیا تھا۔ فتح خان چیخ اٹھا۔ فائر اس کے ساتھی نے کیا تھا جو برٹ شا کو تلاش کرتا باہر گیا تھا اور اب واپس آ کر سمجھا کہ برٹ شا فتح خان کو شوٹ کرنے والا ہے اس نے پہلے ہی گولی چلا دی۔ فتح خان نے دھاڑ کر اپنے ساتھی سے کہا۔

''خنزیر کا بچہ یہ کیا کیا؟''

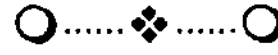
اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا فتح خان نے اسے گولی مار دی۔ میں تیزی سے برٹ شا کے پاس آیا اور اسے سیدھا کیا۔ گولی اس کے سینے پر دل سے ذرا اوپر لگی تھی۔ خون فوارے کی طرح اچھل رہا تھا اور وہ چند لمحوں کا مہمان نظر آتا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو اس کے منہ سے بھی خون ابل پڑا تھا۔ آخری سانسوں کے دوران اس نے دو الفاظ کہے۔

''نارتھ......بکسٹ ٹرنک۔''

اس سے پہلے میں اس سے ان الفاظ کے معنی پوچھتا اس نے دم توڑ دیا۔

دم توڑتے برٹ شا نے جو کہا تھا وہ اتنی ہلکی آواز میں تھا کہ مجھے بھی بمشکل سنائی دیا تھا۔ فتح خان خاصا دور تھا اس کے سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے ساتھی کو آنجہانی کرنے میں مصروف تھا۔ فتح خان کا آدمی تڑپ رہا تھا اور کچھ ہی دیر میں برٹ شا کے پیچھے روانہ ہونے والا تھا۔ اس دوران میں برٹ شا دم توڑ چکا

تھا۔اس کا منہ کھلا تھا اور اس سے رہ رہ کر خون رِس رہا تھا۔دل کی اوپری مرکزی شریان میں لگنے والی گولی نے چند لمحے میں اس کی جان لے لی تھی۔فتح خان برسوں سے اس امید میں اسے برداشت کر رہا تھا کہ وہ بالآخر اسے ہیروں کا پتا بتا دے گا لیکن اس کے نادان ساتھی نے ایک سیکنڈ میں اس کی یہ امید ختم کر دی تھی۔اب خود بھی ختم ہو گیا تھا۔اس نے ایک آخری جھٹکا لیا اور اوندھے منہ ہو گیا۔



دیکھا جائے تو فتح خان خود اپنے بچھائے جال میں آ گیا تھا اس نے ڈرامہ کر کے اپنے آدمیوں کی مدد سے ایک ناکارہ پستول مجھے دے دیا اور شاید یہ بات اپنے دوسرے ساتھیوں کو نہیں بتائی تھی۔اس لیے فتح خان کا آدمی اسے سچ مچ کا پستول اور فتح خان کو خطرے میں دیکھ کر بوکھلا گیا اور اس نے برٹ شا پر گولی چلا دی۔خود فتح خان کے وہم و گمان میں بھی ایسی سچویشن نہیں ہو گی۔بلکہ مجھے بھی خیال نہیں آیا تھا کہ برٹ شا جس سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا اس وقت ایسی پھرتی اور چالاکی کا مظاہرہ کرے گا۔مجھے اور فتح خان کو الجھا چھوڑ کر وہ خاموشی سے غار میں گیا اور پستول نکال لایا۔میگزین وہ پہلے ہی میری جیکٹ سے کسی وقت نکال چکا تھا اور اپنے تیئں مسلح ہو کر اس نے فتح خان پر چڑھائی کی اور مارا گیا۔اس کی پھرتی اور چالاکی خود اسے مہنگی پڑ گئی تھی۔

برٹ شا کی موت پر فتح خان کے چہرے پر نہایت خوف ناک تاثرات تھے۔اس نے اپنے ساتھی کو بلا تامل شوٹ کر دیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ برٹ شا کی موت اس کے لیے کتنا بڑا صدمہ ہے۔میں نے اس سے کہا۔"فتح خان اب کیا ہو گا ہیروں کے بارے میں صرف یہی جانتا تھا۔" میں نے برٹ شا کی طرف اشارہ کیا تو اس نے رائفل کا رخ میری طرف کر دیا اور کاٹ کھانے والے انداز میں غرایا۔

"شہباز خان، اب ہیرے تم تلاش کرے گا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو اور پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں برٹ شا سے اگلوانے کی کوشش کر رہا تھا؟"

"بس میرے کو معلوم ہو گیا۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کھوکھلے لہجے میں کہا۔"شہباز خان تم نے اچھا نہیں کیا۔تم سوچ بھی نہیں سکتا اس خنزیر نے مر کر میرا کتنا بڑا نقصان کیا ہے۔"

"نقصان اس نے نہیں تمہارے آدمی نے کیا ہے۔" میں نے تصحیح کی۔"اس نے گولی مار کر برٹ شا کا خاتمہ کر دیا اور میں نے بھلا کیا کیا ہے؟"

وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا اور پھر اس نے دوبارہ واکی ٹاکی پر اپنے ساتھیوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان کا کوئی آدمی جواب دینے کے لیے زندہ نہیں رہا تھا۔اس نے غصے میں واکی ٹاکی زمین پر پٹخ دیا اور رائفل کا رخ دوبارہ میری طرف کر دیا۔"شہباز خان یہ تمہارا کوئی چال ہے۔تم نے برٹ شا کو کپڑے اتار کر میرے کو مجبور کیا کہ میں یہاں آؤں اور پیچھے سے کسی نے میری ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔"

"بھلا میں نے تمہیں کیسے مجبور کر دیا؟"

"تم جانتا ہے کہ تمہارا جیکٹ کا کالر میں چپ لگا ہے اس سے میں تمہارا بات سنتا ہے۔اس لیے تم نے یہ چکر

کیا۔ اِدھر میں نکلا اُدھر پیچھے سے تمہارے آدمیوں نے میرے آدمیوں پر حملہ کر دیا۔ شاید اُدھر سب مارا گیا ہے۔"
میں نے بے بسی سے ہاتھ پھیلائے۔ "میں تمہارے قابو میں ہوں اپنے ساتھیوں سے کس طرح رابطہ کر سکتا تھا اور دوسرے تم جو چاہے مجھ پر الزام لگانے کے لیے آزاد ہو۔"
"یہ الزام نہیں ہے، میں بے وقوف تھا جو سمجھا کہ تم قابو میں ہے لیکن تم بہت ہوشیار آدمی ہے۔ اپنے آدمی بلانے کے لیے تم نے اس مہرو کو بھیجا اور اس کا چپ ضائع کر دیا۔ اس طرح میرے آدمی کو پتا نہیں چلا وہ کدھر گیا ہے وہ گیا اور تمہارے ساتھی کو بلا لایا۔"
مجھے حیرت ہوئی اس نے تقریباً ٹھیک تجزیہ کیا تھا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ میں نے مہرو کو راجا عمر دراز کی طرف بھیجا تھا اور اگر کسی نے سچ مچ فتح خان کے پڑاؤ پر حملہ کیا تھا تو وہ راجا عمر دراز کے آدمی ہو سکتے تھے۔ مگر میں نے ٹھوس لہجے میں تردید کی۔ "یہ تمہاری سوچ ہے فتح خان جو تمہیں مایوسی کے عالم میں ناکامی کی وجوہات بتا رہی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے مہرو یہاں سے چپکے سے فرار ہوئی ہے اور میں ان سات آٹھ دنوں میں مکمل طور پر تمہاری نگرانی میں رہا ہوں۔ میں نہ تو اپنے کسی ساتھی سے رابطہ کر سکتا ہوں اور نہ ہی اس قسم کا منصوبہ بنا سکتا ہوں کہ تمہیں یہاں بلاؤں اور پیچھے تمہارے ٹھکانے پر حملہ ہو جائے۔ تم سوچو اگر میرا اپنے آدمیوں سے رابطہ ہوتا تو کیا اس وقت میں نہتا تمہارے سامنے کھڑا ہوتا۔ میں آتے ہی تمہیں قابو کر لیتا اور اس کے بعد سویرا کا پتا بھی چلا لیتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جتنا تمہارے لیے غیر متوقع ہے اتنا ہی میرے لیے بھی غیر متوقع ہے۔"
میرے مدلل جواب نے فتح خان کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا پھر اس نے سر جھٹکا۔ "شہباز خان ابھی میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ ابھی میں تمہیں لے جائے گا اور اگر تمہارا ساتھی ہوا تو پہلے تمہیں گولی مارے گا۔ قتل نہیں کرے گا بلکہ تمہارا دونوں گھٹنا توڑ دے گا پھر تم کبھی اپنے پیروں پر نہیں چل سکے گا۔ پھر سویرا کو مرشد کے حوالے کرے گا۔"
میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "فتح خان تم بلا وجہ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ فرض کر لو کہ یہ میرے ساتھی ہیں تب بھی مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں اپنے دفاع میں جو مناسب سمجھوں وہ کروں جیسے تم جو مناسب سمجھ رہے ہو وہ کر رہے ہو۔ اب تم مجھے دھمکیاں مت دو جو تم نے کرنا ہے وہ کر لو اگر میرے مقدر میں بچنا لکھا ہے تو پھر میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"
"تم دیکھے گا۔" فتح خان نے رائفل سے اشارہ کیا۔ "اب ادھر چلو دیر مت کرو۔"
"فتح خان میری ایک بات سنو۔" میں نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر کہا۔ "میری ایک بات سن لو۔"
"وہ رک گیا۔" بولو پر جلدی کرو۔"
"فتح خان برٹ شا مارا گیا ہے اور اب ہیرے ملنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ہے۔ برٹ شا کو تمہارے آدمی نے مارا اور تم نے اسے مار کر اپنا غصہ اتار لیا۔ اب مجھے، سویرا اور ایمن کو آزاد کر دو۔ ہمیں نقصان پہنچا کر بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ہاں اگر تم مجھ سے معاہدہ کر لو۔ ہمارا مشترک دشمن مرشد ہے تو تمہیں اس کا فائدہ ہو سکتا ہے۔"
"اس پر میں بعد میں غور کرے گا پہلے تم یہاں سے چلو۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا اور مجھے اس کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی تھی۔ فتح خان نے مجھے آگے رکھا تھا اور خود میرے پیچھے چل رہا تھا۔ برٹ شا اور فتح خان کے آدمی

کی لاش وہیں پڑی رہ گئی تھی۔ چند منٹ پہلے یہ دونوں جیتے جاگتے انسان تھے۔ میں برٹ شا کے آخری الفاظ پر غور کرنا چاہتا تھا لیکن فی الحال فتح خان کا مسئلہ زیادہ اہم تھا۔ وہ کہہ چکا تھا کہ اس کے ٹھکانے پر حملہ کرنے والوں کا مجھ سے کوئی تعلق ثابت ہوا تو وہ مجھے چھوڑے گا نہیں اور سویرا کے حوالے سے بھی اپنی دھمکی پر عمل کرے گا میں فتح خان کو غیر سنجیدگی سے نہیں لے سکتا تھا۔ میرے پاس چھوٹی ٹارچ تھی اور اس کی روشنی میں راستہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ فتح خان مجھے آگے رکھتے ہوئے وادی کے داخلی حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔ فائرنگ کی آواز بھی اسی حصے کی طرف سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ خود مجھ سے کوئی دس قدم دور تھا۔

''فتح خان کیا یہ حماقت نہیں ہے کہ تم مجھے اس طرف لے جا رہے جہاں تمہارے ساتھیوں کے ساتھ ذرا دیر پہلے کچھ ہو چکا ہے۔ وہاں دشمن کی موجودگی عین ممکن ہے۔ کیا وہ تمہیں اور مجھے چھوڑ دیں گے؟''

''میں یہی تو دیکھنا چاہتا ہے۔'' فتح خان نے عقب سے کہا۔ ''اگر اس نے تم کو کچھ نہیں کہا تو اس کا مطلب ہے وہ تمہارا ساتھی ہے اس صورت میں ہم وہی کرے گا جو بولا ہے۔ برسٹ مار کر تمہارا دونوں گھٹنے توڑ دے گا۔''

میں رک گیا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب تم سمجھ رہا ہے۔''

میں بھنا گیا تھا۔ ''فتح خان تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ یعنی اگر کوئی دوسرا مجھے گولی نہیں مارے گا تو تم مار دو گے۔ اس سے زیادہ احمقانہ بات میں نے آج تک نہیں سنی۔''

''اس سے پتا چلے گا کہ وہ تمہارا ساتھی ہے یا نہیں۔'' فتح خان اپنی دھن میں کہہ رہا تھا۔

''تم شاید ہیروں کے غم میں عقل کھو چکے ہیں۔ میں کسی صورت اب آگے نہیں جاؤں گا۔'' میں نے کہا تو فتح خان چوکنا ہو گیا اور غرانے لگا۔

''شہباز خان میں سچ کہتا ہے گولی مار دے گا۔''

''مار دو لیکن میں اس طرح کسی اندھی موت کا سامنا نہیں کر سکتا اور مجھے مار کر تم بھی نہیں بچو گے۔ تم نے میرے ساتھ دشمنی کی انتہا کر دی ہے۔'' مجھے سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ ''تمہارے لیے میرے اور میرے ساتھیوں کے دل میں جو ذرا گنجائش تھی اسے ختم سمجھو اور اب تم نے جو کرنا ہے کر لو میں آگے نہیں جاؤں گا۔''

''میں گولی مار دوں گا۔'' فتح خان غرایا۔

''آگے بھی میرے لیے زندگی نہیں ہے۔'' میں نیچے بیٹھ گیا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ تم بھی بیٹھو اور ذرا ٹھنڈے دل سے صورتِ حال پر غور کرو۔ برٹ شا کی موت نے تمہاری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں پر اثر ڈالا ہے۔ اگر فرض کر لو آگے میرے ساتھی ہوئے تو وہ اتنے احمق نہیں بغیر دیکھے بھالے مجھے گولی مار دیں اور تمہیں بخش دیں۔ امکان یہی ہے کہ تم مارے جاؤ گے اور اتنا کچھ ہونے کے باوجود میری خواہش نہیں ہے کہ تم مارے جاؤ۔''

''کیوں؟'' فتح خان نے مجھے گھورا۔

''کیونکہ مجھے سویرا کی فکر ہے اور وہ تمہارے قبضے میں ہے اگر تم مارے گئے تو پتا نہیں اس کا کیا ہوگا۔''

اس بار فتح خان مسکرایا۔ ''تم عقل مند ہے دور کا سوچتا ہے۔''

''شاید اسی لیے ابؐ تک بچا ہوا ہوں۔ زندگی اور موت کے کھیل میں عقل فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ جو

لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ہیں وہ جلد مارے جاتے ہیں۔''

فتح خان سوچ میں پڑ گیا اور پھر مجھ سے ذرا دور ایک پتھر سے ٹک گیا اس نے مجھ سے ٹارچ بجھانے کو کہا تھا اور رائفل کا رخ میری طرف ہی رکھا تھا۔ ابھی ہم وادی کے داخلی حصے سے دور تھے۔ فتح خان نے اپنے ساتھیوں سمیت وہیں کہیں ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ اس کے ساتھی نامعلوم افراد کے حملے میں مارے گئے تھے یا مغلوب ہو گئے تھے دونوں صورتوں میں وہ فتح خان کے کسی کام کے نہیں رہے تھے۔ یہ بات فتح خان سمجھ رہا تھا بس اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ حملہ آور کون ہو سکتے تھے اور وہ میرے ساتھ کیا کرے گا۔ اس نے حالات کا بالکل درست تجزیہ کر لیا تھا کہ میں نے کس طرح اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں برٹ شا مارا گیا لیکن پیچھے اس کے ٹھکانے پر کس نے حملہ کیا تھا اس کا مجھے بھی علم نہیں تھا میں فتح خان کی نگرانی میں تھا اور میرے پاس کسی سے رابطے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔

وہ صرف شک کر سکتا تھا یقین سے مجھ پر الزام نہیں لگا سکتا تھا اسے شک ہی تھا ورنہ وہ اب تک مجھے بھی گولی مار چکا ہوتا۔ برٹ شا کی موت شاید اس کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ وہ اسے ہیروں کا پتا بتائے بغیر مر گیا تھا۔ فتح خان بے خبر تھا کی برٹ شا نے مرنے سے پہلے دو الفاظ کہے تھے۔ ''شمال......سب سے بڑا تنا'' اردو میں اس کے یہی معنی بنتے ہیں۔ انگریزی کا لفظ ٹرنک کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس وادی میں یہ صرف درخت کے تنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ وہ راز جس کو برٹ شا گزشتہ ایک عشرے سے بھی زیادہ وقت سے اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھا۔ موت کو سامنے پا کر اس نے ایک لمحے میں میرے سامنے اگل دیا۔ اس توقع اور امید کے ساتھ کہ میں اس کا کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھاؤں گا۔ فتح خان کو ذرا سا بھی شک ہو جاتا کہ برٹ شا نے مرنے سے پہلے مجھے کچھ کہا ہے تو اس وقت اس کا رویہ بالکل مختلف ہو جاتا۔

فتح خان سوچ رہا تھا اور میں اسے دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور پھر کسی نے مقامی لہجے میں فتح خان کو پکارا۔ ''فتح خان تم کہاں ہو۔ اپنے ہتھیار پھینک کر سامنے آ جاؤ ورنہ صبح تمہیں کسی چوہے کی طرح گھیر لیا جائے گا۔''

بولنے والا میگا فون پر بول رہا تھا اور آواز وادی میں اس طرح گونج رہی تھی کہ اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار تھا کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے۔ میں اپنی جگہ ساکت رہا۔ جب اعلان دوسری بار ہوا تو میں نے مڑ کر فتح خان کی طرف دیکھنا چاہا اور دنگ رہ گیا وہ اپنی جگہ نہیں تھا بلکہ آس پاس جہاں تک نظر جاتی تھی فتح خان غائب ہو گیا تھا۔ اسے غائب دیکھتے ہی میں تیزی سے اس چٹان کی آڑ میں ہو گیا۔ فتح خان غائب ہوا تھا لیکن اس سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ یہ اعلان سنتے ہی فرار ہو جائے گا۔ وہ کہیں روپوش ہوا تھا کیونکہ میرے ساتھ ہوتا تو نظروں میں آنے کا امکان زیادہ ہو جاتا۔ وہ اکیلے رہ کر اپنا بہتر تحفظ کر سکتا تھا اگر میرے ساتھ ایسی صورتِ حال درپیش ہوتی تو میں بھی یہی کرتا۔

میں نے محسوس کیا کہ اسی جگہ پڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے فتح خان جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں اس لیے مجھے یہاں سے دور کسی محفوظ جگہ چلے جانا چاہیے۔ میں اٹھے بغیر سرد ترین زمین پر رینگنے لگا۔ یہ مشکل کام تھا لیکن جان ملرے میں ڈالنے کی نسبت آسان ہی تھا۔ کچھ دیر بعد میں اس جگہ سے خاصا دور نکل گیا تھا۔ ایک جگہ کچھ

جھاڑیاں دیکھ کر میں ان میں دبک گیا۔ یہاں سانپ بچھو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس موسم میں کیڑے مکوڑے بھی نہیں پائے جاتے ہیں۔ میگا فون پر اعلان کرنے والا وقفے وقفے سے اپنے الفاظ دھرا رہا تھا۔ پہلے تو وہ فتح خان کو ہی مخاطب کرتا رہا تھا پھر اس نے ایک نئی بات کی۔

''فتح خان یا جو بھی سن رہا ہے ہاتھ اٹھا کر سامنے آ جائے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا''

مجھے لگا جیسے یہ اعلان میرے لیے ہی کیا گیا ہے۔ کیا وہ جانتے تھے کہ فتح خان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ ہر چند منٹ بعد یہ اعلان دھرایا جانے لگا۔ بولنے والا اسی علاقے کا تھا اگرچہ اس کی اردو صاف تھی لیکن لہجے میں مقامی رنگ جھلک رہا تھا۔ میں اس پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھا ممکن ہے میں ہاتھ اٹھا کر سامنے آتا تو مجھے گولی ہی ماردی جاتی۔ اگر وہ سچ مچ ہمدرد ہوتے تو امکان تھا کہ کہیں سے فتح خان مجھے شوٹ کر دیتا۔ اس کے پاس طویل فاصلے پر مار کرنے والی رائفل تھی۔ میری عافیت اسی میں تھی کہ خاموشی سے اسی جگہ دبکا رہوں۔ غار اور الاؤ سے دور ہونے کے بعد سردی مزاج پوچھ رہی تھی لیکن ان گرم کپڑوں میں یہ قابلِ برداشت بھی تھی۔ میں جھاڑیوں میں مزید گھس گیا یہاں سردی کا اثر کم تھا۔

اعلان کرنے والے نے آخری بار دھمکی دی کہ اگر فتح خان ان کے سامنے نہیں آیا تو اسے صبح تلاش کر کے مار دیا جائے گا۔ لیکن فتح خان یقیناً اتنا احمق نہیں تھا کہ صبح کا انتظار کرتا وہ روشنی ہونے سے پہلے یہاں سے کہیں دور نکل جاتا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے جیکٹ کے کالر میں لگی چپ انگلیوں سے دبا کر توڑ دی۔ اب یہ بے کار تھی۔ فتح خان نہ تو میری پوزیشن معلوم کر سکتا تھا اور نہ میری باتیں سن سکتا تھا۔ مشکل سے دو گھنٹے میں وادی میں حالات بالکل بدل گئے تھے۔ فتح خان کی کمانڈنگ پوزیشن ختم ہو گئی۔ اس کے ساتھی مارے گئے۔ برٹ شا مارا گیا تھا اور اس سارے فساد کی جڑ یعنی ہیرے بدستور غائب تھے۔ ایمن کا مجھے نہیں معلوم تھا ممکن ہے وہ بھی اس تند و تیز حملے میں ماری گئی ہو کیونکہ فائرنگ مشکل سے چند منٹ جاری رہی تھی اور حملہ آوروں نے یقیناً فیصلہ کن پوزیشن حاصل کر لی تھی۔ اب مجھے سویرا کی فکر تھی۔ فتح خان یہاں سے نکل جاتا اور سویرا اس کے قبضے میں تھی۔ گویا میرے صورتِ حال میں صرف اتنی تبدیلی آئی تھی کہ میں فتح خان کی جسمانی قید میں نہیں رہا تھا۔ مگر سویرا کے حوالے سے میں بدستور اس کا قیدی تھا۔

اعلان کرنے والا ایک گھنٹے کے بعد خاموش ہو گیا۔ چاند مغرب کی طرف جھک رہا تھا اور کچھ بادل بھی نمودار ہو رہے تھے جب وہ چاند کے سامنے آتے تو وادی تاریکی میں ڈوب جاتی تھی۔ میں اونگھ رہا تھا کہ مجھے اچانک ہی فتح خان کے مارے جانے والے ساتھی کی رائفل کا خیال آیا۔ وہ وہیں پڑی تھی اور امکان یہی تھا کہ اب بھی وہیں پڑی ہو گی۔ اس کا خیال آتے ہی میں جھاڑی سے نکلا اور درختوں، پتھروں اور چٹانوں کی آڑ لیتا اس طرف روانہ ہو گیا۔ تقریباً بیس منٹ بعد میں چٹانوں کے درمیان تھا لیکن میں نے اس طرف سے داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ دوسری طرف سے اندر گیا۔ جب بادل آ جاتے اور تاریکی چھا جاتی تو میں رک جاتا تھا ورنہ حرکت کرتا۔ چٹانوں کے اندر سے ہوتا میں اس جگہ آیا جہاں فتح خان کے ساتھی اور برٹ شا کی لاشیں پڑی تھیں۔

یہ دیکھ کر میرے منہ سے ناگفتنی نکل گئی کہ فتح خان کے ساتھی کی رائفل اور دوسرے ہتھیار غائب تھے اور یہ

یقیناً فتح خان کا کام تھا۔ برٹ شا کی لاش ایسے ہی پڑی تھی اسے کپڑے پہننے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ اس کی لاش تقریباً برہنہ پڑی رہے۔ وہ ایک انسان تھا اور اس انجام کا پہنچنے میں میرا بھی کچھ ہاتھ تھا۔ میں نے اس کے کپڑے جمع کر کے اسے پہنائے البتہ اس کی جگہ تبدیل نہیں کی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ فتح خان کے ساتھی کے پاس کچھ بھی نہیں ہو گا پھر بھی میں نے اس کی تلاشی لی۔ فتح خان کا کی تمام چیزیں نکال کر لے گیا تھا۔ میں اندر غار میں آیا وہاں سے کھانے پینے کی چیزیں جمع کر کے بیگ میں رکھنے لگا۔

اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ باہر کہیں آہٹ ہوئی ہے میں نے تیزی سے ٹارچ بجھادی اور خود سینے کے بل لیٹ کر رینگتا ہوا غار سے باہر آ گیا۔ چاندنی کا اثر یہاں کم تھا ویسے بھی چاند مغرب کے افق کی طرف جھک گیا تھا اور روشنی پہلے جیسی نہیں رہی تھی سائے طویل ہو رہے تھے۔ میں رینگتے ہوئے ایک چٹان تک آیا اور پھر اس سے لگ کر ساکت کھڑا ہو گیا میں نے حتیٰ الامکان کوشش کی تھی کہ کوئی آواز نہ ہو۔ میری کان کسی آواز پر مرکوز تھے۔ اس پہلی آہٹ کے بعد کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ کچھ دیر بعد مجھے محسوس ہونے لگا وہ آہٹ میرا وہم تھی۔ میں جس جگہ دبکا بیٹھا تھا وہ چٹانوں کے اندر تھی اور یہاں چاروں طرف بلند چٹانیں تھیں۔ یہاں درجنوں افراد بھی آجاتے تو مجھ پر آسانی سے قابو نہیں پاسکتے تھے۔

لیکن اس موقع پر وہ ہوا جس کا میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اچانک ہی چٹانوں کے اوپر سے کوئی چیز ٹن ٹن کرتی ہوئی نیچے آئی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر گری تھی اس سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔ میں بدک کر پیچھے ہٹا لیکن فوراً ہی ایسی کئی چیزیں آس پاس چٹانوں سے آکر گریں۔ یہ گیس بم تھے جو بغیر کسی آواز کے پھٹ گئے تھے۔ میں سانس روک کر وہاں سے بھاگا مگر عجلت میں میرا پاؤں نہ جانے کس چیز سے اٹکا تھا اور میں اوندھے منہ گرا۔ گرتے ہوئے بے اختیار میں نے سانس لی اور فوراً ہی میرا ذہن چکرانے لگا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی پر گیس اتنی سریع الاثر تھی کہ اس نے مجھے لمحوں میں بے دست وپا کر دیا۔ وہ لوگ یقیناً وہاں گھات لگائے بیٹھے تھے اور جیسے ہی میں ان کے گھیرے میں آیا انہوں نے بے ہوش کرنے والی گیس کے بم پھینک دیئے۔ یہ سوچتے ہوئے میں نہ چاہتے ہوئے بھی دوسرا سانس لینے پر مجبور ہوا اور فوراً ہی میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ آخری احساس یہ تھا کہ کچھ لوگ میرے آس پاس چل رہے ہیں۔ وہ دھیمی آواز میں بول رہے تھے اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا۔



اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
گیارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول



[illegible]

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفۂ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ اردو بازار، لاہور

فون: 37247414

E-mail:alimian_publications@yahoo.com